

اللَّهُمَّ لِيْسَ لِقَوْنَ مِنْ حَقِيقَةٍ مُخْتَوِنَ (الْفَرِك)

# الحجۃ المختوم

رالبطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیرہست تمام منعقدہ  
سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اول آنے والی عربی کتاب کا  
اردو ترجمہ

ترجمہ و تصنیف

فَوْلَانٌ أَصْنَفَ الْحُجَّةَ مِنْ كُلِّ كُوْنٍ

المکتبۃ السلفیۃ

مشہر محل روڈ، لاہور، پاکستان

اس کتاب کے جملہ حقوقِ ترجمہ، نقل و اشاعت  
پاکستان میں "المکتبۃ السلفیۃ" لاہور، اور  
ہندوستان میں مولانا صفعی الرحمن مبارک بوری  
کے حق میں محفوظ ہیں۔

محرم الحرم ۱۴۳۸ھ / مئی ستمائی

قیمت: مجلد (سفید افٹ پلیر) - ۲۸۰ روپے

شیش محل روڈ - لاہور 54000 پاکستان  
ٹیلیفون: 042-7237184 - فیکس: 042-7227981  
بایکامر: احمد شاہ - مطبع: زاہد شیر پنڈڑ - لاہور  
واحد تقسیم کنندگان - دارالکتب السلفیۃ - شیش محل روڈ - لاہور



## متنا

ہر مسلمان زندگی پر ایسے اعمال کرنے میں کوشش  
رہتا ہے جن کے باعث اُس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی شفاعت نصیب ہو جائے ۔

یہی متنا، آرزو اور خواہش ”الزجیق المختوم“ کی  
سمی طباعت کا باعث بنی ۔

”الزجیق المختوم“ سے اگر اُسوہ حسنہ پر شوق عمل  
کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں روحِ جماد بھی بیدار ہو جائے  
تو الحمد للہ ، کیونکہ یہی اس کتاب بیرت کا انتیاب ہے۔

امیر ارشاد: العدن الک

## عرضِ ما شر (طبع جدید)

الْحَقِيقُ الْخَوْقَمُ کی یہ تازہ اشاعت، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کا جدید ایڈیشن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بارکت کتاب کو ہر مقبولیت سے نوازا اور صاحبِ ذوق قارئین نے جس طرح اس کی پذیرائی فرمائی اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے الحمد لله حمدًا كثیراً طیباً هُبَارَ كَافِيه.

طبع اول میں بعض اہل علم اور اصحابِ داش بالخصوص جانب ڈاکٹر سعید اقبال قریشی اور محترم جانب محمد عالم مختار الحق نے بعض تباحثات کی نشاندہی فرمائی، ان تباحثات کا اہل عربی کتاب سے مقابل کام مرحلہ برادر مولانا نعیم الحق نعیم نے اور صحت کتابت کا جانب محمد صدیق گلزار نے طے کیا۔ جزاهم اللہ تعالیٰ

طبع ہذا میں "الْحَقِيقُ الْخَوْقَمُ" سے مستفید ہونے والے ایک دوست جانب ذوالفقار کاظم نے دورانِ مطاع کتاب میں آمدہ بعض مشکل ناموں پر اعراب، نامانوس الفاظ کا ترجمہ اور دقوف وغیرہ کی از خود نشاندہی کر کے ایک نسخہ ارسال فرمایا، جن میں سے اکثر مشوہرے عربی کتاب سے مقابل کے بعد قبول کر لیے گئے۔

علاوہ ازیں اس اشاعت میں کاغذ کی موجودہ ہوش رہا گرانی کے سبب فی صغر تین سطریں اضافہ کر کے خفاہ کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ کتاب عام قاری کی قوت خریدیں رہے، اس کے ساتھ ساتھ معیار میں بہتری کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ اس ترتیب تو کو برادر عزیز جانب علی احمد صابر پشتی نے پائی تکمیل تک پہنچایا نیز انہوں نے کتاب کے عربی تین اور عنوانات کی از سیر نو کتابت فرما کر زاد آخرت بنالیا۔ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنْهُ

اس بارکت کتاب میں اب تک جس ساقی نے بھی تعاون کیا اس کے پیش نظر سیرت نبویہ شرفیہ کی خدمت برائے حضول سعادت ہی رہی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

الرَّاجِيُّ لِلرَّحْمَنِ بِكَلِّ الْفَرَا

احمد شکر

غفرانہ دلوالہ

# فہرست مصائب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	ولادت باسعادت اور حیاتِ طیبہ کے چالیں سال	۱۳	عرض ناشر
۸۲	ولادت باسعادت	۱۴	مقدمہ طبع سوم (عربی)
۸۲	بنی سعد میں	۱۹	پیش لفظ
۸۶	واقعہ شوشہ صدر	۲۲	عرض مؤلف
۸۶	مال کی آنکھوں مبت میں	۲۴	اپنی سرگردشت
۸۶	دادا کے سایہ شفقت میں	۳۱	زیر نظر کتاب کے بارے میں (ازنوف)
۸۸	شفیق چاکی کھالت میں	۳۳	عرب - محل و قوع اور قویں
۸۸	روئے مبارک سے فیضان براں کی طلب	۳۲	عرب قریں
۸۸	بُخیرا راہب	۳۲	عرب سترہ
۸۹	جنگب ٹھار	۳۳	عرب - حکومتیں اور سرداریاں
۸۹	حلف الفضول	۳۳	مین کی بادشاہی
۹۰	بخارا کی زندگی	۳۵	چزو کی بادشاہی
۹۱	حضرت خدیجہؓ سے شادی	۳۶	شام کی بادشاہی
۹۲	کعبہ کی تعمیر اور جہر اسود کے تازعہ کا فیصلہ	۳۸	جاز کی امارت
۹۳	نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت	۵۲	باقید عرب سرداریاں
۹۴	نبوت و رسالت کی چھاؤں میں	۵۵	سیاسی حالت
۹۴	غادر کا کے اندر	۵۶	عرب - ادبیان و مذاہب
۹۴	جبوں وحی لاتے ہیں	۶۲	دین ابریسی میں قریش کی بدعتات
۹۶	آغاز وحی کا صینہ، دن اور تاریخ (حاشیہ)	۶۶	دینی حالت
۱۰۱	وحی کی بندش	۶۸	جاہلی معاشرے کی چند جملکھیاں
۱۰۱	جبوں دوبارہ وحی لاتے ہیں	۶۸	اجتماعی حالات
۱۰۲	وحی کی اقسام	۷۱	اقتصادی حالت
۱۰۳	تبیغ کا حکم اور اس کے مضمونات	۷۲	احسنات
۱۰۶	دعوت کے اوردار درجات	۷۵	خاندانِ نبوت
	پہلا مرحلہ:	۷۵	نسب
۱۰۸	کاوشِ تبلیغ	۷۶	خانوادہ
۱۰۸	خیہ دعوت کے تین سال	۷۸	چاہہ زمزم کی کھدائی
۱۰۸	اولین رہروان اسلام	۷۹	واقعہ میل
۱۱۰	نماذ	۸۰	عبداللہ — رسول اللہ ﷺ کے والہ محرم

صفہ	مضمون	صفہ	مضمون
۱۹۶	غم ہی غم	۱۱۱	قریش کو اجمالی خبر
۱۹۸	حضرت سودہ سے شادی ابتدائی مسلمانوں کا صبر و ثبات اور اس کے اسباب و عوامل	۱۱۲	دوسری مرحلہ: <b>مکمل تبلیغ</b>
۱۹۹	تیسرا مرحلہ:	۱۱۳	اعمار دعوت کا پہلا حکم
۲۰۰	بیرون مکہ دعوتِ اسلام	۱۱۴	قربت داروں میں تبلیغ
۲۰۱	رسول اللہ ﷺ طائف میں	۱۱۵	کوہ صفا پر
۲۰۲	قابل افراد کو اسلام کی دعوت	۱۱۶	حق کا دلگات اعلان اور مشکن کا رُ عمل
۲۰۴	وہ قابل جنیں اسلام کی دعوت دی گئی	۱۱۷	قریش، ابو طالب کی خدمت میں
۲۰۵	ایمان کی شعائیں کئے سے باہر	۱۱۸	حاج کو رد کرنے کے لیے مجلس شوریٰ
۲۰۷	یہ رب کی چچے سعادت مندوں میں	۱۱۹	محاذ آرائی کے مختلف انداز
۲۰۸	حضرت عائشہ سے بکار	۱۲۰	محاذ آرائی کی دوسری صورت
۲۰۹	اسراء اور معراج	۱۲۱	محاذ آرائی کی تیسرا صورت
۲۱۰	پہلی بیعتِ عقبہ	۱۲۲	محاذ آرائی کی چوتھی صورت
۲۱۱	دیسے میں اسلام کا سفر	۱۲۳	ظلم و جر
۲۱۲	قابل شک کامیابی	۱۲۴	دار ارث
۲۱۳	دوسری بیعتِ عقبہ	۱۲۵	پہلی ہجرت جہڑہ
۲۱۴	گلشنگر کا آغاز اور حضرت عباس کی طرف سے معاملے کی نزاکت کی تشریح	۱۲۶	دوسری ہجرت جہڑہ
۲۱۵	بیعت کی دفات	۱۲۷	ماہرین پہلی ہجرت کے خلاف قریش کی سازش
۲۱۶	حضرت عائشہ کے قتل کی تجویز	۱۲۸	ابو طالب کو قریش کی دمکی
۲۱۷	بیعت کی تکمیل	۱۲۹	قریش ایک بار پھر ابو طالب کے سامنے
۲۱۸	بادہ نقیب	۱۳۰	نبی ﷺ کے قتل کی تجویز
۲۱۹	شیطان معاہدے کا انکشاف کرتا ہے۔	۱۳۱	حضرت حمزہ کا قبول اسلام
۲۲۰	قریش پر ضرب لگانے کیلئے انصار کی متعددی	۱۳۲	حضرت عزیز کا قبول اسلام
۲۲۱	لُسماء یہ رب سے قریش کا احتجاج	۱۳۳	قریش کا فائدہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں
۲۲۲	خیر کا یقین اور بیعت کرنے والوں کا تعاقب	۱۳۴	ابو طالب، بنی اشم اور بنی عبد الملک کو جمع کرتے ہیں
۲۲۳	ہجرت کے ہر اول دستے	۱۳۵	<b>مکمل باشکناہ</b>
۲۲۴	قریش کی پارٹیٹ دارالنورہ میں	۱۳۶	ظلم و ستم کا پیمان
۲۲۵	پاریمانی بحث اور بنی ﷺ کے قتل کی خالمانہ	۱۳۷	تین سال شعب الی طالب میں
۲۲۶	قرارداد پر تفاق	۱۳۸	صیفہ چاک کیا جاتا ہے۔
۲۲۷	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت	۱۳۹	<b>ابو طالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد</b>
۲۲۸	رسول اللہ ﷺ کے مکان کا گیراؤ	۱۴۰	<b>عنہم کا سال</b>
۲۲۹		۱۴۱	ابو طالب کی وفات
۲۳۰		۱۴۲	حضرت خدیجہ جوار رحمت میں

صفہ	مضمون	صفہ	مضمون
۲۶۹	غزوے کا سبب	۲۲۸	رسول اللہ ﷺ اپنا گھر حبڑتے ہیں
۲۷۰	اسلامی شکر کی تعداد اور کمان کی تقسیم	۲۲۹	گھر سے خارج
۲۸۰	بدر کی جانب اسلامی شکر کی روانی	۲۳۰	غادر میں
۲۸۱	نکتے میں خطرے کا اعلان	۲۳۱	قریش کی نیک داد
۲۸۱	جنگ کے لیے اہل مکہ کی تیاری	۲۳۲	مدینے کی راہ میں
۲۸۱	مکن شکر کی تعداد	۲۳۳	قبائل میں تشریف آوری
۲۸۲	قبائل بنو بکر کا مسئلہ	۲۳۴	مدینے میں داخلہ
۲۸۲	جیش مکہ کی روانی	۲۳۵	مدنی زندگی
۲۸۲	غافل نہ کننا	۲۳۶	پہلا مرحلہ:
۲۸۳	مکن شکر کا ارادہ واپسی اور باہمی پھوٹ	۲۳۷	ہجرت کے وقت مدینے کے حالات
۲۸۳	اسلامی شکر کے لیے حالات کی تراکت	۲۵۲	نئے معاشرے کی تشکیل
۲۸۴	مجلس شوریٰ کا اجتناب	۲۵۳	مسجد بنوی کی تعمیر
۲۸۴	اسلامی شکر کا بقیرہ غر	۲۵۵	مسلمانوں کی بھائی چارگی
۲۸۴	جاوسی کا استدام	۲۵۶	اسلامی تعاون کا پیمان
۲۸۵	شکر کو کے بلے میں اہم صلوٽ کا حصہ	۲۵۹	معاشرے پر معزیات کا اثر
۲۸۶	بازارِ حجت کا نزول	۲۶۳	یہود کے ساتھ معاہدہ
۲۸۷	اہم فوجی مرکز کی طرف اسلامی شکر کی بیقت	۲۶۴	معاہدے کی دفاتر
۲۸۸	مرکزی قیادت	۲۶۵	مسلح کشاش
۲۸۹	شکر کی ترتیب اور شب گزاری	۲۶۶	ہجرت کے بعد مسلمانوں کے خلاف قریش کی
۲۹۰	میدانِ جنگ میں مکن شکر کا باہمی اختلاف	۲۶۷	فتح خیزیاں اور عبداللہ بن ابی سعید سیام
۲۹۱	دونوں شکر آمنے سانے	۲۶۸	مسلمانوں پر سجدہ حرام کا دروازہ بند کیجئے جانے کا اعلان
۲۹۲	نقطہ صفر اور صفر کے کا پہلا اینڈھن	۲۶۹	مهاجرین کو قریش کی دھمکی
۲۹۲	بازارست	۲۷۰	جنگ کی اجازت
۲۹۵	عام و جووم	۲۷۱	سرایا اور غزوٰ ذات
۲۹۵	رسول اللہ ﷺ کی دعا	۲۷۲	سریّہ سیعف البر
۲۹۶	فرشتریں کا نزول	۲۷۳	سریّہ رابخ
۲۹۶	جوہلی حملہ	۲۷۴	سریّہ حشتار
۲۹۹	میدان سے ایسیں کا فرار	۲۷۵	غزوہ ابواء یا وڈان
۲۹۹	شکستِ فاش	۲۷۶	غزوہ بُراط
۲۹۹	ابو جہل کی اکڑ	۲۷۷	غزوہ سفوان
۳۰۰	ابو جہل کا قتل	۲۷۸	غزوہ ذی العشیرہ
۳۰۱	ایمان کے تباہک نقش	۲۷۹	سریّہ نخل
۳۰۱	قریشین کے مقتولین	۲۸۰	غزوہ بدر کبریٰ اسلام کا پہلا فصلہ کی معرکہ

صفحہ	ضمون	صفحہ	ضمون
۳۴۶	باقیہ اسلامی شکردار احمدی	۳۰۶	سکے میں شکست کی خبر
۳۴۷	دفاسی منصوبہ	۳۰۹	مدینے میں فتح کی خوشخبری
۳۴۸	نبی ﷺ شجاعت کی روح پھونختے ہیں	۳۱۰	مال فضیلت کا مندر
۳۴۹	مکنی شکر کی تنظیم	۳۱۱	اسلامی شکر مدینے کی راہ میں
۳۵۰	قریش کی سیاسی چال بازی	۳۱۲	تہذیت کے دود
۳۵۱	جوش و ہمت دلانے کیلئے قریشی عدوں کی جگہ تاز	۳۱۳	قیدیوں کا قضیہ
۳۵۲	جنگ کا پہلا لینڈمن	۳۱۵	قرآن کا تمثیر
۳۵۳	معروکہ کا مرکز شعل اور علم داروں کا صفائیا	۳۱۶	متفرق واقعات
۳۵۴	باقیہ حصول میں جنگ کی کیفیت	۳۱۹	پُدر کے بعد جنگی سرگرمیاں
۳۵۵	شیرخدا حضرت حمزہؓ کی شہادت	۳۲۰	غزوہ بنی سینمؓ مقام کدر
۳۵۶	مسلمانوں کی بالادستی	۳۲۱	نبی ﷺ کے قتل کی سازش
۳۵۷	عدوت کی آنکھ سے نوار کی دعا پر	۳۲۳	غزوہ بنی قینقاع
۳۵۸	تیر اندازوں کا کارنامہ	۳۲۴	یہود کی عیاری کا ایک نمونہ
۳۵۹	مشرکین کی شکست	۳۲۵	بنی قینقاع کی عدد شکنی
۳۶۰	تیر اندازوں کی خوفناک غلطی	۳۲۶	محاصرہ، سپردگی اور جلاوطنی
۳۶۱	اسلامی شکر مشرکین کے زشے میں	۳۲۹	غزوہ سویق
۳۶۲	رسول اللہ ﷺ کا پوختہ فیصلہ اور دلیل ان اقام	۳۳۰	غزوہ ذی امر
۳۶۳	مسلمانوں میں انتشار	۳۳۱	کعب بن اشرف کا قتل
۳۶۴	رسول اللہ ﷺ کے گرد ٹوں ریز معروکہ	۳۳۵	غزوہ بحران
۳۶۵	رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہؓ کے اکٹھا	۳۳۶	سریت زید بن حارثہ
۳۶۶	ہونے کی ابتداء	۳۳۸	غزوہ احمد
۳۶۷	مشرکین کے دباو میں اضافہ	۳۳۸	اٹھائی جنگ کے لیے قریش کی تیاری
۳۶۸	نادرہ روزگار جان بازی	۳۳۹	قریش کا شکر، سامان جنگ اور کمان
۳۶۹	نبی ﷺ کی شہادت کی خبر اور معروکہ پر اکاڑا	۳۴۰	کی شکر کی روانگی
۳۷۰	رسول اللہ ﷺ کی پیغمبر آرائی اور حالات پر قادر	۳۴۰	مدینے میں اطلاع
۳۷۱	ابی بن حلفہ کا قتل	۳۴۰	ہنگامی صور تحال کے مقابلے کی تیاری
۳۷۲	حضرت علیؓ نبی ﷺ کو اٹھاتے ہیں	۳۴۱	کی شکر مدینے کے دام میں
۳۷۳	مشرکین کا آخری حلہ	۳۴۱	مدینے کی دفاسی حکمت عملی کے لیے مجلس شوریے
۳۷۴	شدہ کا مسجد	۳۴۱	کا اجلاس
۳۷۵	آخری جنگ رانے کیلئے مسلمانوں کی مستحدی	۳۴۳	اسلامی شکر کی ترتیب اور جنگ کے لیے دانگی
۳۷۶	گھٹی میں استرار یا ب کے بعد	۳۴۳	شکر کا معابدہ
۳۷۷	ابو غیان کی شہادت اور حضرت قمرؓ سے درود باہمی	۳۴۵	اُمَّہ اور مدینے کے دریان شب گواری
۳۷۸	بدر میں ایک اور جنگ رانے کا عہد و پیمان	۳۴۵	عبد الشہب ابی اور اس کے ساقیوں کی مرکشی

صفر	ضمون	صفر	ضمون
۳۴۰	سرتیہ خط	۳۶۹	نشرپین کے موقف کی تحقیق
۳۴۲	غزوہ بنی امطلاق یا غزوہ مرتیعہ	۳۸۰	شمیدوں اور زخمیوں کی خبرگیری
۳۴۳	غزوہ بنی امطلاق سے پہلے منافقین کا درود	۳۸۱	رسول اللہ ﷺ کی شاکرتوں اور
۳۴۴	غزوہ بنی امطلاق میں منافقین کا کردار	۳۸۲	اس سے دعا فرماتے ہیں
۳۴۵	مدینے سے ذیلیں تین آدمی کو نکالنے کی بات	۳۸۳	مدینے کو داپسی اور محبت و جان سپاری کے نام واقعہ
۳۴۶	واقعہ انک	۳۸۴	رسول اللہ ﷺ مدینے میں
۳۴۷	غزوہ مرتیعہ کے بعد کی فوجی مہمات	۳۸۵	مدینے میں ہنگامی حالت
۳۴۸	سرتیہ دار بنی کعب - علاقہ دوستہ الجندل	۳۸۶	غزوہ حمراء الاسم
۳۴۹	سرتیہ دیار بنی سعد - علاقہ فدک	۳۸۷	جنگ احمد میں فتح دشکست کا ایک تجزیہ
۳۵۰	سرتیہ دادی الاستدی	۳۸۸	اس غزوے پر قرآن کا تبصرہ
۳۵۱	سرتیہ عربین	۳۸۹	غزوے میں کار فراخدا می مقاصد اور حکیمیں
۳۵۲	صلح حدیبیہ (ذی قعده ۶۲۷)	۳۹۰	احمد کے بعد کی فوجی مہمات
۳۵۳	عمرہ حدیبیہ کا سبب	۳۹۱	سرتیہ ابوسلہ
۳۵۴	مسلمانوں میں روانگی کا اعلان	۳۹۲	عبداللہ بن امیں کی سم
۳۵۵	کئے کی جانب مسلمانوں کی حرکت	۳۹۳	رجیح کا حادثہ
۳۵۶	بیت اللہ سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش	۳۹۴	بڑی معزز کا امیہ
۳۵۷	خُل ریز تحرائو سے پچھے کی گوشش اور راستے	۳۹۵	غزوہ بنی نضیر
۳۵۸	کی تبدیلی	۳۹۶	غزوہ شجدہ
۳۵۹	بدریل بن درقار کا توشٹ	۳۹۷	غزوہ بدر دوم
۳۶۰	قریش کے لیپی	۳۹۸	غزوہ دوستہ الجندل
۳۶۱	دہی ہے جس نے ان کے آخرت سے روکے	۴۰۰	غزوہ احزاب (جنگ خندق)
۳۶۲	حضرت عثمانؓ کی سفارت	۴۰۱	غزوہ بیوفتہ ریظہ
۳۶۳	شہادت عثمانؓ کی الواہ اور بیعتِ رضوان	۴۰۲	غزوہ احزاب و قریظہ کے بعد کی جنگی مہمات
۳۶۴	صلح اور دفعات سلح	۴۰۳	سلام بن ابی الحیث کا قتل
۳۶۵	ابو جندل کی داپسی	۴۰۴	سرتیہ محمد بن سلہ
۳۶۶	حلال ہونے کے لیے قربانی اور بالوں کی کشتی	۴۰۵	غزوہ بزرگیان
۳۶۷	ماجروہ عورتوں کی داپسی سے انکار	۴۰۶	سرتیہ غفران
۳۶۸	اس معابر سے کی دفعات کا حاصل	۴۰۷	سرتیہ ذوالقصہ (۱)
۳۶۹	مسلمانوں کا غم اور حضرت عزؑ کا مناقشہ	۴۰۸	سرتیہ ذوالقصہ (۲)
۳۷۰	کمزور مسلمانوں کا مستحمل ہو گیا	۴۰۹	سرتیہ جموم
۳۷۱	برا دراں قریش کا قبولِ اسلام	۴۱۰	سرتیہ عیص
۳۷۲	دوسری مرحلہ :	۴۱۱	سرتیہ طرف یا طرق
۳۷۳	نئی تبدیلی	۴۱۲	سرتیہ دادی الفرقی

صخو	مضمون	صخو	مضمون
۵۱۲	وادی ہستہ ای	۳۶۴	بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط
۵۱۲	تیمار	۳۶۵	نجاشی شاہِ جہش کے نام خط
۵۱۳	دریزہ کو واپسی	۳۶۹	مُحْمَّد قُسْ شاہِ مصر کے نام خط
۵۱۵	سریہ ابان بن سید	۳۸۱	شاہ فارس خسرو پرویز کے نام خط
۵۱۶	غزوہ ذات الرقاب (شہنشہ)	۳۸۳	قیصر شاہِ روم کے نام خط
۵۱۹	شہنشہ کے چند سڑا	۳۸۶	منذر بن ساوی کے نام خط
۵۱۹	سریہ تدبیر (صفریہ بیربع الاول شہنشہ)	۳۸۸	ہمودہ بن علی صاحب بیامرہ کے نام خط
۵۱۹	سریہ حشی (جلدی الآخرہ شہنشہ)	۳۸۹	حاشث بن الجیل شرخانی حاکم دمشق کے نام خط
۵۲۰	سریہ تربہ (شعبان شہنشہ)	۳۸۹	شاہ عمان کے نام خط
۵۲۰	سریہ اطراف فدک (شعبان شہنشہ)	۳۹۲	صلح خدیجہ کے بعد کی فوجی سرگرمیاں
۵۲۰	سریہ میضھ (رمضان شہنشہ)	۳۹۲	غزوہ غابہ یا غزوہ ذی استد
۵۲۰	سریہ خبر (شووال شہنشہ)	۳۹۶	غزوہ خیبر اور غزوہ وادی القرٹی
۵۲۰	سریہ میں وجہار (شووال شہنشہ)	۳۹۸	خیبر کو روائی
۵۲۱	سریہ غابہ	۳۹۸	اسلامی شکر کی تعداد
۵۲۲	عمرہ قضا	۳۹۹	یہود کے یہے منافقین کی سرگرمیاں
۵۲۵	چند اور سڑا	۴۰۰	خیبر کا راستہ
۵۲۵	سریہ بالو الحوجا (ذی الحجه شہنشہ)	۴۰۰	راستہ کے بعض واقعات
۵۲۵	سریہ غالب بن عبد اللہ (صفر شہنشہ)	۴۰۱	اسلامی شکر، خیبر کے دہن میں
۵۲۵	سریہ ذات الراعی بیربع الاول شہنشہ)	۴۰۲	جنگ کی تیاری اور خیبر کے قلعے
۵۲۵	سریہ ذات عرق (بیربع الاول شہنشہ)	۴۰۳	معز کے کام آغاز اور قلعہ نام کی فتح
۵۲۶	معز کے موت	۴۰۵	قلعہ صعب بن معاذ کی فتح
۵۲۶	معز کے کا بسب	۴۰۵	قلعہ زبیر کی فتح
۵۲۶	شکر کے امراء اور بنی قفل کی وصیت	۴۰۶	قلعہ ابنی کی فتح
۵۲۶	اسلامی شکر کی روائی اور عبید الدین رواحہ کا گیری	۴۰۶	قلعہ زدار کی فتح
۵۲۶	اسلامی شکر کی پیش رفت اور خوفناک نالگانی حالت	۴۰۷	خیبر کے نصف ثانی کی فتح
۵۲۸	سے سابقہ - - -	۴۰۷	صلح کی باست چیت
۵۲۸	محان میں مجلس شوریٰ	۴۰۸	الا الحقیق کے دونوں بیٹوں کی بد عمدی اور انکا قتل
۵۲۸	دشمن کی طرف اسلامی شکر کی پیش قدی	۴۰۹	اموال غیبت کی تقسیم
۵۲۸	جنگ کا آغاز اور سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے	۴۱۰	بھڑک بن الجلاب اور اُخْری صحابۃؓ کی آمد
۵۲۹	شہادت - - -	۴۱۱	حضرت صفیہؓ سے رشادی
۵۲۹	بجٹا، الشکر تواروں میں سے ایک توار کے ہاتھ میں	۴۱۱	زہرا کو بکری کا واقعہ
۵۳۰	خانہ جنگ	۴۱۲	جنگ خیبر میں فرقہین کے مقتولین
۵۳۱	فرقہین کے مقتولین	۴۱۲	فدک
۵۳۲			

صفر	مضمون	صفر	مضمون
۵۶۲	دشمن کے جاسوس	۵۲۲	اس معرکے کا اثر
۵۶۲	رسول اللہ ﷺ کے جاسوس	۵۳۲	سریّ نسخہ النسل
۵۶۳	رسول اللہ ﷺ کو سے حین کی طرف	۵۳۳	سریّ خنزہ (شعبان شنبہ)
۵۶۳	اسلامی شکر پر تیراندازوں کا اچانک حملہ	۵۳۵	غزوہ فتح کم
۵۶۴	دشمن کی شکست فاش	۵۳۵	اس غزوے کا بسب
۵۶۶	تعاقب	۵۳۸	تجھیدیہ صلح کے لیے ابوسفیان میزنه میں
۵۶۶	غیمت	۵۴۰	غزوے کی تیاری اور اخبار کی کوشش
۵۶۶	غزوہ طائف	۵۴۲	اسلامی شکر کر کی راہ میں
۵۶۹	جہرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم	۵۴۳	مراظفان میں اسلامی شکر کا پاؤ
۵۷۰	النصار کا حزن و اضطراب	۵۴۴	ابوسفیان دربار نبوستے میں
۵۷۲	وقید ہواندن کی آمد	۵۴۶	اسلامی شکر مراظفان سے تکے کی جانب
۵۷۳	علمہ اور مہینہ کو واپسی	۵۴۶	اسلامی شکر اچانک قریش کے سر پر
۵۷۳	فتح کم کے بعد کے سرایا اور عمال کی روانی	۵۴۸	اسلامی شکر دی طبی میں
۵۷۴	تحصیلداران زکوٰۃ	۵۴۸	تکے میں اسلامی شکر کا داخل
۵۷۵	سرایا	۵۴۹	مسجد عرام میں رسول اللہ ﷺ کا واحد
۵۷۵	سریّ عبیسہ بن حسن فزاری	۵۴۹	اور بتون سے تطہیر
۵۷۶	سریّ قطبہ بن عامر	۵۵۰	خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قریش
۵۷۶	سریّ ضاک بن سفیان کھلابی	۵۵۱	سے خطاب
۵۷۶	سریّ علقہ بن مجرز بدجی	۵۵۱	آج کوئی سرزنش نہیں
۵۷۹	سریّ علی بن ابی طالب	۵۵۱	کبھی کی کنجی (حق بحقدار رسید)
۵۷۹	غزوہ توبک	۵۵۲	کبھی کی چھت پر اذان بلانی
۵۷۹	غزوہ کا بسب	۵۵۲	فتح یا شکرانے کی نماز
۵۸۰	روم و غتان کی تیاریوں کی عام خبریں	۵۵۲	اکابر مجرمین کا خون رائیگاں قرار دے دیا گیا۔
۵۸۱	روم و غتان کی تیاریوں کی خاص خبریں	۵۵۲	صفوان بن امیة اور فضال بن عیر کا قبول اسلام
۵۸۲	حالات کی نزاکت میں اضافہ	۵۵۲	فتح کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کا خطبہ
۵۸۲	رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی	۵۵۵	النصار کے اندریشے
۵۸۲	اقدام کا فیصر	۵۵۵	بیعت
۵۸۲	رومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان	۵۵۶	کم میں نبی ﷺ کا قیام اور کام
۵۸۲	غزوہ کی تیاری کے لیے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ	۵۵۶	سرایا اور وفد
۵۸۳	اسلامی شکر توبک کی راہ میں	۵۶۰	تیسرا مرحلہ
۵۸۶	اسلامی شکر توبک میں	۵۶۱	غزوہ حین
۵۸۶	دریشنہ کو واپسی	۵۶۱	دشمن کی روانی اور اوظاں میں پاؤ
۵۸۸	صلفین	۵۶۱	ماہر جنگ کی زبانی پر سالار کی تغییر

مصنون	مصنون	مصنون	مصنون	مصنون	مصنون	مصنون	مصنون	مصنون
اس فرزدے کا اثر اس فرزدہ سے مشسلیق ترکان کا نزال اس کن کے بعینِ مہم و اقتات جس سفید (زیرِ امدادت صرفت ابو بکر صدیق) ۴۰	غزوہ اسلام پر ایک نظر الله کے دلائیں میں فرج و فرج و اخراج دہور دہوت کی کامیابی اور اثرات	مجھے الوداع آخوندی فوجی نام رفقتِ علیٰ کی جانب اوایلی آثار	اوایلی آثار	اوایلی آثار	اوایلی آثار	اوایلی آثار	اوایلی آثار	اوایلی آثار
پار دن پہلے ایک یادو دن پہلے ایک دن پہلے چیست بدکار کا اگری دن	نزیعِ رواں غمہ سے بیکاران حضرت پرشیم کا مرتفع حضرت ابو بکر کا مرتفع تیجیز و تکنیک اور ترقی	فلسفہ نورت اخلاق و اوصاصون علیہ بارک کمالِ نفس اور مکالم اخلاق	فلسفہ نورت اخلاق و اوصاصون علیہ بارک کمالِ نفس اور مکالم اخلاق	فلسفہ نورت اخلاق و اوصاصون علیہ بارک کمالِ نفس اور مکالم اخلاق	فلسفہ نورت اخلاق و اوصاصون علیہ بارک کمالِ نفس اور مکالم اخلاق	فلسفہ نورت اخلاق و اوصاصون علیہ بارک کمالِ نفس اور مکالم اخلاق	فلسفہ نورت اخلاق و اوصاصون علیہ بارک کمالِ نفس اور مکالم اخلاق	فلسفہ نورت اخلاق و اوصاصون علیہ بارک کمالِ نفس اور مکالم اخلاق
۵۹۰	۵۹۱	۵۹۲	۵۹۳	۵۹۴	۵۹۵	۵۹۶	۵۹۷	۵۹۸
۵۹۹	۶۰۰	۶۰۱	۶۰۲	۶۰۳	۶۰۴	۶۰۵	۶۰۶	۶۰۷

وفات سے پہلے دن پہلے

آنونی بہشت

مریع کا ہمنا ز

اوایلی آثار

رفقتِ علیٰ کی جانب

مجھے الوداع

آخوندی فوجی نام

دہوت کی کامیابی اور اثرات

غزوہ اسلام پر ایک نظر

الله کے دلائیں میں فرج و فرج و اخراج

اس فرزدہ سے مشسلیق ترکان کا نزال

اس کن کے بعینِ مہم و اقتات

اوایلی آثار

اس فرزدے کا اثر

جس سفید (زیرِ امدادت صرفت ابو بکر صدیق) ۴۰

...

کتبہ نور

کمالِ نفس اور مکالم اخلاق

علیہ بارک

اخلاق و اوصاصون

فلسفہ نورت

تیجیز و تکنیک اور ترقی

حضرت ابو بکر کا مرتفع

غمہ سے بیکاران

پرشیم کا مرتفع

نزیعِ رواں

ایک دن پہلے

ایک یادو دن پہلے

پار دن پہلے

اوایلی آثار

...

کتبہ نور

کمالِ نفس اور مکالم اخلاق

علیہ بارک

اخلاق و اوصاصون

فلسفہ نورت

تیجیز و تکنیک اور ترقی

حضرت ابو بکر کا مرتفع

غمہ سے بیکاران

پرشیم کا مرتفع

نزیعِ رواں

ایک دن پہلے

ایک یادو دن پہلے

پار دن پہلے

اوایلی آثار

## عرض ناشر (طبع اول)

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لو لا ان هدانا الله  
الله صل على محمد النبي الائى وازواجه امهات المؤمنين  
وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم ابا حميد مجید.

المكتبة السلفية کی پہلی کتاب پیارے رسول کی پیاری دعائیں ۱۹۵۲ء میں طبع ہوئی تھی۔  
اس کتاب کے مرتب والدگرامی حضرت مولانا محمد عطاء اللہ ضیف خفظہ اللہ تعالیٰ کو اس کتاب کی ترتیب و  
طباعت میں حصہ نیت کا صلہ اللہ عزوجل نے یہ دیکھ کر اس کے بعد المکتبۃ السلفیۃ نے ایسی لیسی  
گرانقد کتب اتنے عمدہ معیار پر شائع کیں کہ پاکستان کے اکثر مذہبی و دینی کتب کے ناشر نے اس  
کوشش راہ بنایا۔

المکتبۃ السلفیۃ کا آغاز حضرت والدگرامی مظلہ العالی نے "پیارے رسول کی پیاری دعائیں"  
کی ترتیب و اشاعت سے کہ تو دیا تھا میکن المکتبۃ السلفیۃ کو ایک یا مقصداً اور یا ضابطہ ادارہ  
تفکیل دیتے وقت ہنوں نے اپنے تلمیز رشید (اور میرے استاذ محترم) مولانا حافظ عبدالجمن گوہری  
کو رفاقت و شراکت کے لیے منتخب کر لیا۔

استاذ و شاگرد کی اسی رفاقت و شراکت ہی میں دراصل المکتبۃ السلفیۃ کا نام متعارف،  
بلکہ روشن ہوا۔ بالکل اللہ سعیہم۔

پیارے رسول کی پیاری دعائیں کے بعد المکتبۃ السلفیۃ نے اُس دور کے حصہ کتابت و  
طباعت اور تصحیح افلاط کا اعلیٰ معیار فائم کرتے ہوئے الفوز الکبیر عربی (ٹانپ) اور جیات ولی (اوڑو)  
بھسی کتابوں کی اشاعت سے کام کا آغاز کیا۔

اس کے بعد المکتبۃ السلفیۃ کو عالم اسلام میں متعارف کرنے والی کتاب التعیقات  
السلفیۃ علی سنن النسائی کو عمدہ ترین معیار پر شائع کر کے پاکستان میں جدید حواشی کے ساتھ متون حدیث کی اشاعت  
کا آغاز اور مرعایۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصائب کی جلد اول شائع کر کے شروع حدیث کی طباعت میں

اولیت کا شرف حاصل کیا۔ والحمد لله علی ذلك .

بعد ازاں قرآن فہمی کے لیے مختصراً را حکامُ القرآن کی جامع تفسیر قریب احسن التفاسیر (اردو) کو جدید طور پر تحقیق سے شائع کرنا شروع کیا۔ نیز اردو زبان میں انہر کی تفصیلی اور تحقیقی سوانح تعلیق و حواشی کے ساتھ (حیات امام احمد بن حنبل، حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حیات امام ابو حنیفہ) شائع کرنے کی طرح ڈالی۔ علاوه اپنی اکمل الہیان فی تائید تقویۃ الایمان اور شاہ ولی اللہ کی قلمی کتاب اتحاف النبیہ فی ما یحتاج اليہ المحدث والفقیہ کو تعلیمات و حواشی سے منزین کر کے پہلی مرتبہ زیوی طبیاعت سے آرائی کیا۔

مدرس عربیہ میں مشہور داخلِ نصاب کتاب دیوان الحمار مترجم مع عربی حواشی ہندوستان میں طبع توہو اتحادیہ میں نہات کے ساتھ اس کی اشاعت بھی المکتبۃ السلفیۃ کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

محمدیہ پاک بک بیویاب احمدیہ پاک بک بک، سبعہ معلقة مترجم مع عربی شرح۔ البلاع المبین فارسی تصحیح المودعین مترجم واردو، الایقاف مترجم رسالہ عمل بالحدیث مترجم، تقویۃ الایمان، نصیحة المسلمين، جماعت اسلامی کاظمیہ حدیث اور حدیث کی تشریحی، اہمیت حسیہ کی کتب متذکرہ بالاضحیم کتب کے علاوہ ہیں۔

غرضیکہ استاذ دشائگر دیکی بہترین رفاقت و شرکت کا یہ دور بے مثال تھا۔

ستہ۱۹۷۴ کے بعد راقم الحروف نے حضرت والد صاحب مظلمه العالم کے سایہ شفقت میں جب کام کا آغاز کیا تو اس وقت ملک میں قدیم کتب کو قلم پاڑ ٹیو پر شائع کرنے کا زخم تھا۔

چنانچہ صحیۃ اللہ البالغہ (عربی)، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) (شاہ ولی اللہ) کتاب الصلوۃ (عربی) رابن قیم (منہاج السنۃ النبویہ، افتضال الصراط المستقیم) (عربی)، الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان (عربی)، راردو، ابن تیمیہ اور صراط المستقیم (فارسی) کو قلم پاڑ ٹیو پر شائع کرنے کے علاوہ احسن التفاسیر کی تعداد یا سیم جلدیں اسلامی خطیبات کامل ۲۱ جلد، جزو القراءۃ عربی (ٹانپ) (مترجم)، رو الاشراك (عربی ٹانپ) مجموعہ ثلات را مکمل السلفیہ (عربی ٹانپ) کے علاوہ بعض چھوٹے چھوٹے رسائل (جیو بقات) کہتر پر قیمت بہتر کا مصدق تھے) بھی شائع کئے اور امکانی حد تک المکتبۃ السلفیۃ کے ماضی کو باقی رکھنے کی کوشش کی۔ والحمد لله علی ذلك ۔

ستہ۱۹۷۹ میں جب علم ہوا کہ رابطہ عالم اسلامی، مکمل کردے تھے جس عربی کتاب کو ۔ دنیا بھر میں اول انعام سے توازا وہ ہمارے ہندوستانی مصنف کی ہے تو اس کا اردو ترجمہ شائع کرنے کی لہر اور دناغ

سے ہو گر گز رکنی

شوال ۱۹۸۶ء میں جب مولانا صفی الرحمن مبارک پوری سے بیت اللہ شریعت میں بحثیت مصنف "الرِّحْیَقُ الْمُخْتَومُ" تعارف ہوا تو وہ گزری ہوئی لہر الفاظ کا بادہ اور ڈھکر فوراً مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

مولانا نے محترم نے خود ہی ترجمہ کر کے "مسودہ" المکتبۃ السلفیۃ کو عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور جب مولانا موصوف دسمبر ۱۹۸۵ء میں لاہور تشریف لائے تو اپنا وعدہ فنا کر دیا جزا ہمارا اللہ تعالیٰ۔ مسودہ ملنے کے ۲۰۔ ۲۱ ماہ بعد "الرِّحْیَقُ الْمُخْتَومُ" کا اردو ایڈیشن بھی خدمت ہے۔ اس کی طباعت میں جو حسن و کمال آپ کو نظر آئے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ساتھ ساتھ والدگرامی حفظہ اللہ کی سرپرستی، استاذ محترم مولانا حافظ عبد الرحمن گوہر دی کی راہ نمائی، برادر عسید نے خالد جاوید یوسفی کی مخلصانہ توجہ اور فاضل دوست مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کے علمی ثمروں کا تمجید ہے اور جو کوتا ہی ہے اس کا یہ راقم آخرت ہی ذمہ دار ہے۔

برادر گرامی پروفیسر عبدالجبار شاکر کا بھی بہت متون ہوں جنہوں نے بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود کتاب پڑھ کر مختصر لیکن جامع تبصرہ سے — فلیپ کی صورت میں — نوازا۔ جزا ہمارا اللہ تعالیٰ۔

تاپاسی ہو گی اگر میں اس کے خطاط صاحبیان شاق احمد بھٹکے، محمد صدیق گلزار، محمد تمدن ریاض، محمد الیاس صاحبیان اور خصوصاً مشتاق احمد بھٹکے صاحب کاشکریہ ادائے کروں جنہوں نے بار بار تصحیح کتاب نہ صرف بڑی خندہ پیشانی بلکہ سعادت سمجھ کر کی۔ لیے ہی عزیز پر خوردار ابن یوسف (آخرت) کا بھی شکر گلزار ہوں جنہوں نے کتاب کے حسن میں علاحدہ لیکر زاد آخرت بنایا۔

آخر میں اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو زوال پذیرامت مسلم کی اصلاح کا باعث بنائے اور فاضل مصنف حفظہ اللہ، ناشر، ان سے والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کو نبی اکرم ﷺ کی شفاعة نصیب فرمائے جس نے کسی بھی مرحلہ پر تعادن فرمایا ہو۔ آمين ثم آمين!

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسِّلْ عَلَيْهِ

الْأَجْيَالِ رَحْمَةَ رَبِّ الْفَاقِرِ

بَشَدَّةِ أَشْعَرِ الْأَجْمَاثِ كَغَفْرَةِ دُولَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## دِيْبَاجَهُ طَبْعُ سُومٍ (عَرَبِيٌّ)

(اذ عَزَّتْ سَبَبْ دَكْنَرْ عَبْدِ اللّٰهِ عَمْرُ نَصِيفْ يَكْرُبِي جِزْلِ رَابِطَهُ عَلَمِ اِسْلَامِيِّ، كَمِ الْكَرْمِ)

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبد الله ورسوله وصفيه وخليله، أدي الرسالة وببلغ الأمانة، ونفع الأمة، وتركها على المحجة البيضاء ليهَا كثوارها. صلى الله عليه وعلى آله وصحبه أجمعين، ورضي عن كل من تبع سنته وعمل بها إلى يوم الدين، وعن معهم بعفوك ورضاك يا أرحم الراحمين. أما بعد

سُشتْ نبوی مطہرہ، جو ایک تجد و پذیر عطیہ اور تاقیامت باقی رہنے والا تو شہے۔ اور جس کو بیان کرنے اور جس کے مختلف عنوانات پر کتابیں اور صحیفے لکھنے کے لیے لوگوں میں بی بی ﷺ کی بعثت کے وقت سے مقابلہ اور تنافس جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ سنت مطہرہ مسلمانوں کے سامنے وہ عملی نمودہ اور واقعاتی پروگرام رکھتی ہے جس کے ساتھے میں داخل کر مسلمانوں کی زفتار و گفتار اور کڑا و ملولہ کو نکلتا چاہیئے۔ اور اپنے پروردگار سے ان کا تعلق اور اپنے کتبۃ و قبیلہ، بزادہ ان و انخوان اور افراد اُمّت سکھان کا ربط اس کے عین طایق ہونا چاہیئے۔ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌٗ مَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ  
وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا○

”یقیناً تمہارے ہر اس شخص کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین اسوہ ہے جو اللہ اور روزآخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔“

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیے تھے انہوں نے فرمایا حکان خلقہ القرآن۔ بس قرآن ہی آپ کا اخلاق تھا۔

لہذا جو شخص اپنی دنیا اور روزآخرت کے جملہ معاملات میں ربانی شاہراہ پر حل کر اس دنیا سے نجات پاہتا ہو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کا رہنہیں کہ وہ رسول اعظم ﷺ کے اسوہ کی پیروی کرے۔

اور خوب اچھی طرح سمجھو بوجھ کر اس تھین کے ساتھ نبی ﷺ کی سیرت کو اپنائئے کہ یہی پروردگار کا سیدھا راستہ ہے جس پر ہمارے آقا اور میشوار رسول اللہ ﷺ عملًا اور واقعہ تمام شعبہ دے زندگی میں گامزدگی میں گامزن تھے۔ لہذا اسی میں قائدین و شعبین، حکام و مکومین، رہبران و مرشدین اور مجاہدین کی رُشد و ہدایت ہے۔ اور اسی میں سیاست و حکومت، دولت و اقتصاد، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور زین الاقوامی روابط کے جملہ میدانوں کے لیے اسوہ و تمنہ ہے۔

آج جبکہ مسلمان اس ریاضی منبع سے دور ہٹ کر جہل و پسماںگی کے کھڈ میں جاگرے ہیں، ان کے لیے کیا، ہی بہتر ہو گا کہ وہ ہوش کے ناخن لیں۔ اور اپنے تعلیمی نصابوں اور مختلف اجتماعات و مجالس میں اس بنابر پر سیرت نبوی کو سرفہرست کھیں کہ یہ محض ایکت کری متعال ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہی اللہ کی طرف واپسی کی راہ ہے۔ اور اسی میں لوگوں کی اصلاح و فلاح ہے۔ کیونکہ یہی اخلاق و عمل کے میدان میں اللہ عز وجل کی کتاب قرآن مجید کی تبھانی کا علمی اسلوب ہے، جس کے نتیجہ میں مومن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کا آمیغ فرمان بن جاتا ہے۔ اور اسے انسانی زندگی کے جملہ معاملات میں حکم نا لیتا ہے۔

**یہ کتاب الحقائق الحثوم** اپنے فاضل مؤلف شیعہ صفحی الرحمن مبارک پوری کی ایک خوشگوار گوشنہ اور قابل قدر کارنامہ ہے جسے موصوف نے رابطہ عالم اسلامی کے منعقد کردہ مقابلہ سیرت نبوی ۲۹۳۷ء میں کی دعوتِ عام پر پیک کہتے ہوئے انجام دیا۔ اور پہلے انعام سے سفرزاد ہوئے جس کی تفصیل رابطہ عالم اسلامی کے سابق سیکرٹری جنرل مرحوم فضیلۃ الشیعہ محمد علی الحکان تقدیمہ اللہ برحمتہ و جزا عنان خیر العزاء، کے مقدمہ طبع اول میں مذکور ہے۔

اس کتاب کو لوگوں میں زبردست پنپڑائی حاصل ہوئی۔ اور یہ ان کی مدح و ستائش کا مرکز بن گئی۔ چنانچہ پہلے ایڈیشن کے کل کے کل دوسرے ہزار نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اور اس کے بعد جناب محترم حجج (حسان جموی خفظہ اللہ) نے از راہ کرم مزید پانچ ہزار نسخوں کی طباعت کا بیڑہ اٹھایا فجزءِ اللہ خود علیہ السلام۔

اس موقع پر محترم موصوف حجج نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس تیسرے ایڈیشن کا دوپہر کھو دوں۔ چنانچہ ان کی خواہش کے احترام میں میں نے یہ مختصر سادہ بیاچہ قلم بند کر دیا۔ مولی عز وجل سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کو اپنے ریخ کریم کے لیے خالص بناتے۔ اور اس سے مسلمانوں کو ایسا نفع پہنچاتے کہ ان کی موجودہ خستہ حالی بہتری میں تبدیل ہو جاتے۔ اُمرت محمدیہ کو اس کا گم گشہ مجدد و شرف

اور اقوامِ عالم کی قیادت کا مقامِ بلند والپسل جائے۔ اور وہ اللہ عز وجل کے اس ارشاد کی عملی تصویر بن جائے کہ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتُ لِلتَّأْسِ نَامُرُونَ بِالْمُعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَقَوْمٌ نُونَ بِاللَّهِ ○

تم خیرِ امت ہو جسے لوگوں کے لیے بڑا کیا گیا ہے۔ تم بخلافِ کا حکم دیتے ہو۔ بُرا تی سے رو گئے ہو۔  
اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَصَلَى اللَّهُ عَلَى الْمَبْعُوثِ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ، رَسُولُ الرَّهْدِيِّ وَمَرْشِدِ الْإِنْسَانِيةِ  
إِلَى طَرِيقِ النُّجَاةِ وَالْفَلَاحِ، وَعَلَى اللَّهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

دَائِرَةُ عَبْدِ اللَّهِ عَمْرُ نَصِيفٍ  
یک مردمی جنرل رابطہ عالم اسلامی مکملہ

## معالیٰ شیخ محمد علی الحنفی سیکرٹری جنرل رابطہ علم اسلامی مکہ مکرمہ

الحمد لله رب العلمين ، خالق السموات والارض وجعل الظلمات والنور، وصلى الله على سيدنا محمد خاتم الانبياء والرسل أجمعين، بشرواً ونذراً، ووعَدَ وأَوْعَدَ، أنقذ الله به البشر من الضلاله، وهدى الناس إلى الصراط المستقيم، صراط الله الذي له ما في السموات وما في الارض، الا الى الله تصير الأمور. وبعد: پوکد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مقام شفاقت اور درجہ بلند عطا فرمایا ہے۔ اور آپ سے ہم مسلمانوں کو محبت کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اور آپ کی پیروی کو اپنی محبت کی ثانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

قُلْ إِنَّ كَثُرًا تُحِبُّونَ اللَّهَ فَإِذَا سَمِعُواْ نِبَأً يُحِبُّكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ  
یعنی اے پیغمبر کہہ دو اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو تمہارے لیے بخش دے گا۔

اس لیے یہ بھی ایک بہب ہے جو دلوں کو آپ کا گردیدہ و وارثہ بناؤ کر ان اسبابِ ذائقے کی بحجو میں ڈال دیتا ہے جو آپ کے ساتھ تعلقی خاطر کو پختہ ترکر دیں۔ چنانچہ طلوع اسلام ہی سے مسلمان آپ کے محسن کے اظہار اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی نشوشا ن اسی میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ نامہ ہے آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور اخلاق کی بیانات کا حضرت عالیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کان خلقہ القرآن یعنی قرآن کریم، ہی آپ ﷺ کا اخلاق تھا۔ اور معلوم ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے کلامات تامة کا نام ہے۔ لہذا جس ذاتِ گرامی کا یہ وصف ہے وہ یقیناً اس کے انسانوں سے بہتر اور کامل ہے۔ اور ساری خلق خدا کی محبت کی سب سے زیادہ تقدار ہے۔

یہ گاں مایہ محبت ہمیشہ مسلمانوں کا سرمایہ دل و جان رہی۔ اور اسی کے افق سے سیرت نبوی شریفہ کی پہلی کافر فرنٹ کا فور پھوٹا۔ یہ کافر فرنٹ ۱۳۹۶ھ میں پاکستان کی سر زمین پر منعقد ہوئی۔ اور رابطہ نے اس کافر فرنٹ میں اعلان کیا کہ ذیل کی شرائط پر پورے اترنے والے سیرت کے پانچ سب سے عمدہ مقالات پر ڈیڑھ لاکھ سعودی ریال کے مالی انعامات دیئے جائیں گے۔ شرائط یہ ہیں۔

(۱) مقالہ مکمل ہو۔ اور اس میں تاریخی واقعات زمانہ وقوع کے لحاظ سے ترتیب دار بیان کئے گئے ہوں۔

(۲) مقالہ عمدہ ہو۔ اور اس سے پہلے شائعہ کیا گیا ہو۔

(۳) مقالے کی تیاری میں جن مخطوطات اور علمی مأخذ پر اعتماد کیا گیا ہو ان سب کے حوالے مکمل دیئے گئے ہوں۔

(۴) معتاذ نگار اپنی زندگی کے مکمل اور مفصل حالات قلم بند کرے۔ اور اپنی علمی اسناد اور اپنی تالیفات کا۔ اگر ہوں تو۔ ذکر کرے۔

(۵) مقالے کا خط صاف اور واضح ہو۔ بلکہ بہتر ہو گا کہ ٹھاٹ پ کیا ہوا ہو۔

(۶) مقالے عربی اور دوسری زبانوں میں قبول کئے جائیں گے۔

(۷) یکم ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ سے مقالات کی وصولی شروع کی جائے گی۔ اور یکم محرم ۱۳۹۶ھ کو ختم کر دی جائے گی۔

(۸) مقالات رابطہ عالم اسلامی مکمل کردہ کے میکرڈیٹ کو مہر بند نافذ کے اندر پیش کئے جائیں۔ رابطہ ان پر اپنا ایک خاص نمبر شمارڈ اے گا۔

(۹) اکابر علماء کی ایک اعلیٰ کمیٹی تمام مقالات کی چھان بین اور جانشی پڑتاں کرے گی۔

رابطہ کا یہ اعلان محبت نبویؐ سے سرشار اہل علم کے لیے ہمیز ثابت ہو۔ اور انہوں نے اس مقابلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ادھر رابطہ عالم اسلامی بھی عربی، انگریزی، اردو اور دیگر زبانوں میں مقالات کی وصولی اور استقبال کے لیے تیار تھا۔

پھر ہمارے محترم جمایتوں نے مختلف زبانوں میں مقالات بھیجنے شروع کئے جن کی تعداد اے، اس تک جا پہنچی۔ ان میں ۲۴ مقالے عربی زبان میں تھے، ۲۴ اردو میں، ۲۱ انگریزی میں، ایک فرانسیسی میں اور ایک ہوساز بان میں۔

رابطہ نے ان مقالات کو جانپھنے اور استحقاق انعام کے لحاظ سے ان کی ترتیب قائم کرنے کیلئے کبار علمائی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اور انعام پانے والوں کی ترتیب یہ رہی۔

- ۱۔ پہلا انعام۔ شیخ صفی الرحمن مبارکپوری، جامعہ سلفیہ، ہند۔ پچاس ہزار سعودی روپیاں۔
  - ۲۔ دوسرا انعام۔ ڈاکٹر ماجد علی خاں، جامعہ طیہہ اسلامیہ، نئی دہلی ہند۔ چالیس ہزار سعودی روپیاں۔
  - ۳۔ تیسرا انعام۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، صدر جامعہ اسلامیہ، بہاولپور پاکستان۔ تمیس ہزار سعودی روپیاں
  - ۴۔ چوتھا انعام۔ استاد حامد محمود، محمد منصور لمود مصر۔ . . . . بیس ہزار سعودی روپیاں
  - ۵۔ پانچواں انعام۔ استاد عبدالسلام ہاشم حافظ، مدینہ منورہ، مملکت سعودیہ عربیہ: دس ہزار سعودی روپیاں
- رابطہ نے ان کامیاب افراد کے ناموں کا اعلان، ماہ شعبان ۱۴۲۹ھ میں کراچی (پاکستان) کے اندر منعقد پہلی ایشانی اسلامی کانفرنس میں کیا۔ اور اشاعت کے لیے تمام اخبارات کو اس کی اطلاع بیسج دی۔

پھر تقسیم انعامات کے لیے رابطہ نے مکملہ میں اپنے مستقرہ امیر سعود بن عبد العزیز کی سرپرستی میں سینچر ۱۴۲۹ھ کی صبح ایک بڑی تقریب منعقد کی۔ امیر سعود مکملہ کے گورنر امیر فواز بن عبد العزیز کے سیکرٹری ہیں۔ اور اس تقریب میں ان کے نائب کی حیثیت سے موجود نے انعامات تقسیم کیے۔

اس موقع پر رابطہ کے سیکرٹریٹ کی طرف سے یہ اعلان بھی کیا گیا کہ ان کامیاب مقالات کو مختلف زبانوں میں طبع کر کر تقسیم کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کو روپہ عمل لاتے ہوئے شیخ صفی الرحمن مبارکپوری جامعہ سلفیہ ہند کا (عربی) مقالہ سب سے پہلے طبع کر کر فارمین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کیونکہ موصوف ہی نے پہلا انعام حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد یقینیہ مقامے بھی ترتیب وار طبع کیے جائیں گے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال اپنے لیے خالص بنائے۔ اور انہیں شرف قبولیت سے نوانے۔ یقیناً وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے وصلی اللہ علی سید نامہ حمد و علی الہ و صحبہ وسلم۔

محمد علی الحرکان

سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی

مکملہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله وعليه وصحبه ومن ولاه - اما بعد  
 يہ ریس الاول لـ ۱۳۹۷ھ (مارچ ۱۹۷۸ء) کی بات ہے کہ کراچی میں عالم اسلام کی پہلی سیرت کانفرنس  
 ہوئی جس میں رابطہ عالم اسلامی کو کر منے بڑھ کر حصہ لیا اور اس کانفرنس کے اختتام پر ساری دنیا  
 کے اہل فلم کو دعوت دی کہ وہ سیرت نبویؐ کے موضوع پر دنیا کی کسی بھی زندہ زبان میں مقام لکھیں۔ پہلی  
 دوسری تیسری پچھی اور پانچھویں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو علی الترتیب پہنچاں، چالیس تیس  
 میں اور دس ہزار روپاں کے انعامات دیئے جائیں گے۔ یہ اعلان رابطہ کے سرکاری ترجمان اخبار العالم  
 الاسلامی کی کئی اشاعتوں میں شائع ہوا۔ لیکن مجھے اس تجویز اور اعلان کا بر وقت علم نہ ہو سکا۔

پچھوں بعد جب میں بنارس سے اپنے وطن مبارکپور گیا تو میرے پھوپھازاد بھائی اور محترم  
 اُستاد مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ (ابن شیخ الحدیث مولانا عبد الشفیع صاحب رحمان  
 حفظہ اللہ) نے مجھ سے اس کا ذکر کیا۔ اور زور دیا کہ میں بھی اس مقابلے میں حصہ لوں۔ میں نے اپنی علمی کم  
 لائیگی اور ناجھرہ کاری کا فذر کیا۔ مگر مولانا مصروف ہے۔ اور بار بار کی مغدرت پر فرمایا کہ میرا مقصود یہ نہیں ہے  
 کہ انعام حاصل ہو۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اسی بہانے "ایک کام" ہو جاتے۔ میں نے ان کے اصرار مسلسل  
 پر قاموں تو اختیار کر لی۔ لیکن نیت یہ تھی کہ اس مقابلے میں حصہ نہیں لوں گا۔

چند دن بعد جمیعت اہل حدیث ہند کے آگرہ اور نقیب پندرہ روزہ ترجمان دہلی میں رابطہ کی اس  
 تجویز اور اعلان کا رد و ترجیہ شائع ہوا تو میرے لیے ایک بیحیب صورت حال پیدا ہو گئی۔ جاموں ملکیہ کے  
 متعدد اور مشتبہ طلبہ میں سے عموماً جس کسی سے سامنا ہوتا وہ مجھے اس مقابلے میں شرکت کا مشورہ دیتا۔  
 خیال ہوا کہ شاید خلق کی یہ زبان "خدا کا انعام" ہے۔ تاہم مقابلے میں حصہ نہ لینے کے اپنے قلبی فصلے پر میں  
 قریب قریب اٹل رہا۔ پچھوں بعد طلبہ کے "مشورے" اور تقاضے "بھی تقریباً ختم ہی ہو گئے۔ مگر چند  
 ایک طالب علم اپنے تقاضے پر قائم ہے۔ بعض نے مقام کے تصنیفی خاکے کو موضوع گفتگو نہ کھا تھا۔  
 اور بعض بعض کی ترغیب اصرار کی آخری حد کو جھوڑ رہی تھی۔ بالآخر میں خاصی ہچکپا ہٹ کے ساتھ آمادہ ہو گیا۔  
 کام شروع کیا۔ لیکن تھوڑا تھوڑا کبھی کبھی اور آہستہ خرامی کے ساتھ۔ چنانچہ ابھی بالکل ابتدائی مرحلے

ہی میں تھا کہ رمضان کی تعطیل کلاں کا وقت آگیا۔ ادھر رابطہ نے آئے والے محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو مقالات کی وصولی کی آخری تاریخ قرار دیا تھا۔ اس طرح مہلت کارکے کوئی ساڑھے پانچ ماہ گذرا چکے تھے۔ اور اب زیادہ ساڑھے تین ماہ میں مقالہ مکمل کر کے حوالہ ڈاک کر دینا ضروری تھا۔ تاکہ وقت پر پہنچ جائے۔ اور ادھر بھی سارا کام باقی تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اس مختصر عرصے میں ترتیب و تسویہ نظر ثانی اور نقل و صفائی کا کام ہو سکے گا۔ مگر اصرار کرنے والوں نے پلتے چلتے تاکید کی کہ کسی طرح کی غفلت یا تاذب کے بغیر کام میں جٹ جاؤں۔ "رمضان بعد شہارا" دیا جائے گا۔ میں نے بھی فرصت کی یا غمیت سمجھے۔ اشہرتِ علم کو مہیز لگائی۔ اور کدو کاوش کے بھر بیکاراں میں کو درپڑا۔ پوری تعطیل شہانے خواب کے چند لمحوں کی طرح گذر گئی۔ اور جب یہ حضرات واپس پلٹے تو مقالے کا دو تھائی حصہ مرتب ہو چکا تھا۔ چونکہ نظر ثانی اور تیسیں کا موقع نہ تھا اس لیے اصل مسودہ ہی ان حضرات کے حوالے کر دیا کہ نقل و صفائی اور تقابل کا کام کر ڈالیں۔ باقی ماندہ حصے کے کچھ دیگر لوازماں کی فراہمی و تیاری میں بھی ان سے کسی قدر تعاون لیا۔ جامعہ کی ڈیوٹی اور ہماہی شروع ہو چکی تھی۔ اس لیے زمانہ تعطیل کی رفتار برقرار رکھنی ممکن نہ تھی۔ تاہم ڈیڑھ ماہ بعد جب عیدِ اضحیٰ کی تعطیل کا وقت آیا تو شب بیداری کی "برکت" سے مقالہ تیاری کے آخری مرحلے میں تھا جسے سرگرمی کی ایک جست نے تمام و کمال کو پہنچا دیا۔ اور میں نے آغاز محرم سے بارہ تیرہ دن پہلے یہ مقالہ حوالہ ڈاک کر دیا۔

ہمیں تو بعد مجھے رابطہ کے دو حصہ دیکھنے کے ہفتہ عشرہ آگے چیچھے وصولی ہوئے۔ خلاصہ یہ تھا کہ میرا مقالہ، رابطہ کے مقررہ شرائط کے مطابق ہے۔ اس لیے شرکیہ مقابلہ کر لیا گیا ہے۔ میں نے اپنی کتابیں ٹالیں گے اس کے بعد وہ پر دن گزرتے گئے جتنی کہ ڈیڑھ سال کا عرصہ ہیت گیا، مگر رابطہ مہر بلب۔ میں نے دوبارہ خط لکھ کر معلوم کرنا بھی چاہا کہ اس سلسلے میں کیا ہو رہا ہے تو مہر سکوت نہ ٹوٹی۔ پھر میں خود بھی اپنے مشغل اور مسائل میں ابھج کر یہ بات تقریباً فراموش کر گیا کہ میں نے کسی مقابلہ "میں حصہ لیا ہے۔"

اوائل شعبان ۱۴۲۹ھ (۱۷/۷/۱۹۰۸ء کو) کراچی ریپاکٹان میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ مجھے اس کی کارروائیوں سے دلچسپی تھی۔ اس لیے اس سے متعلق اخبار کے گوشوں میں دبی ہوئی تحریک بھی ڈھونڈ کر پڑتا تھا۔ ایک روز جدوہی ایشیشن پرین کے انتظار میں جولیٹ تھی۔ اخبار دیکھنے بیٹھے گیا۔ اچانک ایک چھوٹی سی خبر پر نظر پڑی کہ اس کانفرنس کے کسی اجلاس کے اندر رابطہ نے سیرت نگاری کے مقابلے میں کامیاب ہونے والے پانچ ناموں کا اعلان کر دیا ہے۔ اور ان میں ایک مقالہ نگار مددستانی

بھی ہے۔ یہ خبر پڑ کر اندر ہی اندر طلب جسجو کا ایک بہنگامہ محشر بپا ہو گیا۔ بنارس واپس آگر تفصیل معلوم کرنے کی کوشش کی، مگر لا حاصل۔

۱۴ جولائی ۱۹۷۴ء کو چاشت کے وقت — پُری رات مناظرہ بچڑیہ کے شرائط طے کرنے کے بعد بے خبر سورا تھا کہ اچانک جھرے سے متصل سیر ٹھیوں پر طلبہ کا شور و ہنگامہ نئی پڑا۔ اور آنکھ کھل گئی۔ اتنے میں طلبہ کا یہاں جھرے کے اندر تھا۔ ان کے چہوں پر بے پناہ سرت کے آثار اور زبانوں پر بار بار بادی کے کلمات تھے۔

”کیا ہوا؟ کیا مختلف مناظر نے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا؟“ میں نے یہی یہی سوال کیا۔

”نہیں بلکہ آپ سیرت نگاری کے مقابلے میں اول آگئے۔“

”اللہ اکیرا شکر ہے۔“ آپ حضرت کو اس کا علم کیسے ہوا؟ میں انھوں کے پیغام پر چکا تھا۔

”مولوی عزیز بیس یہ خبر لائے ہیں۔“

”مولوی عزیز بیہاں آپ کے ہیں؟“

”مجی ہاں۔“

اور چند لمحوں بعد مولوی عزیز مجھے تفصیلات سنائے تھے۔

پھر ۲۲ شعبان ۱۳۹۵ھ (۲۹ جولائی ۱۹۷۴ء) کو رابطہ کا جسٹرڈ مکتوب وارد ہوا جس میں کامیابی کی طلایع کے ساتھ یہ مُعَدہ بھی رقم تھا کہ محرم ۱۳۹۶ھ میں مکملہ کے اندر رابطہ کے مستقر پر تقسیم انعامات کے لیے ایک تقریب منعقد کی جاتے گی۔ اور اس میں مجھے شرکت کرنی ہے یہ تقریب محرم کے بعد نے ۱۲ اربيع الآخر ۱۳۹۶ھ کو منعقد ہوئی۔

اس تقریب کی بدولت مجھے پہلی بار حدیث شریفین کی زیارت کی سعادت تھی۔ اور یعنی آخر یوم جمعرات کو عصر سے کچھ پہلے مکملہ کی پُر فرضاءوں میں داخل ہوا۔ تیسرا دن ہلاہ مجھے رابطہ کے مستقر پر حاضری کا حکم تھا۔ یہاں ضروری کارروائیوں کے بعد تقریب باؤس بنجے تلاوت قرآن پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ سعودی عدیہ کے چوتھے جس شیخ عبد اللہ بن حمید صدر مجلس تھے۔ نکتہ کے نائب گورنر امیر حود بن عبد الحسن۔ جو مرحوم نلک عبد العزیز کے پوتے ہیں۔ تقسیم انعامات کے لیے تشریف فرماتے۔ انہوں نے مختصر سی تقریب کی۔ ان کے بعد رابطہ کے نائب پرکٹری جیز لشیخ علی المختار نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے قدرتے تفصیل سے بتایا کہ یہ انعامی متعاملہ کیوں منعقد کرایا گیا۔ اور فحصے کے لیے کیا طریقہ کارپتا یا گیا۔ انہوں نے وضاحت

فرمائی کہ رابطہ کو اعلان مقابلہ کے بعد ایک ہزار سے زائد (عین ۱۸۲) مقالات موصول ہوئے جن کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ابتدائی کمیٹی نے ایک سوترا سی (۱۸۳) مقالات کو مقابلے کے لیے منتخب کیا۔ اور آخری فیصلے کے لیے انہیں ذری تعلیم شیخ حسن بن عبد اللہ آل اشیخ کی سرگردگی میں قائم ماہرین کی ایک آنحضرتی کمیٹی کے حوالے کر دیا۔ کمیٹی کے یہ آٹھوں اركان ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کی شاخ کلیسٹہ الشریعہ (اور اب جامعہ اُم القری) مکہ مکہ مد کے استاد اور سیرت نبوی ﷺ اور تاریخ اسلام کے ماہر اور متخصص ہیں۔ ان کے نام ہیں :

ڈاکٹر ابراهیم علی شعوط      ڈاکٹر احمد بید دراج

ڈاکٹر عبدالرحمٰن فہیم محمد      ڈاکٹر فاقیہ بکر صوات

ڈاکٹر محمد سعید صدیقی      ڈاکٹر شاکر محمود عبد المنعم

ڈاکٹر فکری احمد عکاز      ڈاکٹر عبدالفتاح منصور

ان اساتذہ نے سلسلہ چنان ہیں کے بعد متفقہ طور پر پانچ مقالات کو

ذیل کی ترتیب کے ساتھ انعام کا مستحق قرار دیا۔

۱۔ الحق المختوم (عربی) تالیف صفائی الرحمن مبارکپوری جامعہ سلفیہ، بنارس، ہند (راول)

۲۔ خاتم النبیین ﷺ (انگریزی) تالیف ڈاکٹر ماجد علی خاں جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ہند (دوم)

۳۔ پیغمبر اعظم و آخر دار دو (عربی) تالیف ڈاکٹر فیصلہ احمد ناصر والیں چانسلر جامعہ اسلامیہ، بہاولپور پاکستان (سوم)

۴۔ منقی التقول فی سیرۃ اعظم رسول (عربی) تالیف شیخ حامد محمود بن محمد منصور یمود، جیزہ مصر (چہارم)

۵۔ سیرۃ نبی الہدی والرحمۃ (عربی) استاد عبدالسلام ہاشم حافظہ مدینہ منورہ، مملکت سعودیہ عربیہ (پنجم)

ہائے یکڑی جزء محترم شیخ علی المختار نے ان توضیحات کے بعد حوصلہ افزائی، مبارکباد، اور دعا یہ کلمات پڑائی تقریباً ختم کر دی۔

اس کے بعد مجھے انہزار خیال کی دعوت دی گئی۔ میں نے اپنی مختصر سی تقریبہ میں رابطہ کو ہندوستان کے اندر دعوت و تسلیغ کے بعض ضروری اور تروک گوشوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس کے متوقع اثرات میں تائج پر رہنمی ڈالی۔ رابطہ کی طرف سے اس کا حوصلہ افزای جواب دیا گیا۔

اس کے بعد امیر محترم سودن عبد الحسن نے ترتیب وار پانچوں انعامات تقسیم فرمائے۔ اور تلاوت قرآن مجید

پر تقریب کا اختتام ہو گیا۔

، ارزیع الاضر یوم جمعرات کو ہمدے قافلے کا رُخ مدینہ منورہ کی طرف تھا۔ راستے میں بذریٰ تاریخی رزمگاہ کا مختصر ا مشاہدہ کر کے آگے بڑھے تو عصر سے کچھ پہلے حرم نبویؐ کے در دبام کا جلال و جمال نگاہوں کے سامنے تھا۔ چند دن بعد ایک صبح خیز بھی گئے۔ اور وہاں کا تاریخی قلعہ اندر وہاہر سے دیکھا پھر کچھ فرق تھ کر کے سر شام مدینہ منورہ کو واپس ہوئے۔ اور سعید بخاری الرذماں ﷺ کی اس جلوہ گاہ، جسیل امین کے اس مہیط، قدوسیوں کی اس فرو دگاہ اور اسلام کے اس مرکز انقلاب میں دوستی گزار کر طائر شوق نے پھر حرم کعبہ کی راہی۔ یہاں طواف و سعی کے ہنگامے میں مزید ایک ہفتہ گزارنے کا شرف حاصل ہوا۔ عزیز دوں دوستوں، بزرگوں اور علماء و مشائخ نے کیا مکہ، کیا مدینہ، ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یوں میرے خوابوں اور آرزوں کی سرز میں حجاز مقدس کے اندر ایک ماہ کا عرصہ پشم زدن میں گزر گیا۔ اور میں پھر صنم کہہ ہند میں واپس آگیا۔

جیف دیشم زدن صحبت یار آخر شد رُوتے گل سیرندیدیم و بہار آفرش  
حجاز سے واپس ہوا تو ہندوستان و پاکستان کے اردو خواں طبیقہ کی طرف سے کتاب کو اردوجا پہنانے کا تفاضل شروع ہو گیا۔ جو کئی برس گذر جانے کے باوجود برابر قائم رہا۔ ادھرنیٰ نئی مصروفیات اس قدر امنگیر ہوتی گئیں کہ ترجمہ کے لیے فرصت کے لمحات میسر ہوتے نظر نہ آتے۔ بالآخر مشاغل کے اسی ہجوم میں ترجمہ شروع کر دیا گیا۔ اور اللہ کا بے پایا شکر ہے کہ چند ماہ کی جز دی کوشش سے پائی ہمکمل کو پہنچ گیا وَلِلّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ بَعْدٍ۔

اخیر میں میں ان تمام بزرگوں، دوستوں اور عزیز دوں کا شکر یہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کام میں کسی بھی طرح مجوہ سے تعاون کیا۔ خصوصاً استاد محترم مولانا عبدالرحمن صاحب رحمانی، اور عزیزان گرامی شیخ عزیز صاحب اور حافظ محمد ایاس صاحب فاضلان مدینہ نیویورکی کا کہ ان کے مشورے اور همت افزائی نے مجھے وقت مقرر پر اس مقالے کی تیاری میں بڑی مدد پہنچائی۔ اللہ ان سب کو جزاۓ خیر دے جس ادا حامی و ناصر ہو۔ کتاب کو شرف فتحیول بخشے اور مولحت و معاذین اور مستفیدین کے لیے فلاح و نجاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

## اپنی سرگزشت

الحمد لله رب العلمين والصلة والسلام على سيد الأولين والآخرين  
محمد خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

چونکہ رابطہ عالم اسلامی نے سیرت نویسی کے مقابلے میں حصہ لینے والوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی بھی قلم بند کریں۔ اس لیے فیل کی سطور میں اپنی سادہ زندگی کے چند خاکے میشیں کر رہا ہوں۔

**سلسلہ نسب** | صفت الرحمن بن عبد اللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبد المؤمن بن فقیر اللہ مبارک پوری عظیمی۔

**ترش** | سنہ میں میری تاریخ پیدائش ۱۹۳۲ء درج ہے۔ مگر یہ تحقیقی اندراج ہے تحقیق سے پیدا ہوا ہے کہ پیدائش ۱۹۳۲ء کے وسط کی ہے۔ مقام پیدائش موضع حسین آباد ہے جو مبارکپور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کا ایک معروف علمی اور صنعتی قصبہ ہے۔

**تعلیم تعلیم** میں نے بچپن میں قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور چھاپے سے پڑھا۔ پھر ۱۹۴۸ء میں مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں داخل ہوا۔ وہاں چھ سال رہ کر پانچ مری درجات اور مڈل کورس کی تعلیم مکمل کی۔ قدر سے فارسی بھی پڑھی۔ اس کے بعد جون ۱۹۵۵ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخل ہوا اور وہاں عربی زبان و قواعد، نحو و صرف اور بعض دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ دو سال بعد مدرسہ فیض عام مٹوپنچا۔ اس مدرسہ کو اس علاقہ میں ایک اہم و نئی درسگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور مٹونا تھوین، قصبہ مبارکپور سے ۵ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

فیض عام میں میرا داخلہ مئی ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ میں نے وہاں پانچ سال گزارے۔ اور عربی زبان و قواعد اور شرعی علوم و فنون یعنی تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ جنوری ۱۹۶۱ء میں میری تعلیم مکمل ہو گئی۔ اور مجھے باقاعدہ شہادة التخریج (یعنی سند تکمیل) دیدی گئی۔ یہ سند فضیلت فی الشریعۃ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے۔ اور تدریس و افتادہ کی اجازت پر مشتمل ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تمام امتحانات میں امتیازی نمرود سے کامیابی حاصل ہوتی رہی۔

دورانِ تعظیم، میں نے الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شرکت کی۔ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں عالم کے امتحانات دیئے۔ اور دونوں میں فرست ڈویژن سے کامیاب ہوا۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد مدرسین سے متعلق جدید حالات کے پیش نظر میں نے فروری ۱۹۶۷ء میں فاضل ادب (اور فروری ۱۹۶۸ء میں فاضل رسمیات) کا امتحان دیا۔ اور چھ ماہ (دوںوں میں) فرست ڈویژن سے کامیاب ہوا۔

**کارکادہ علم و حیثت امیں** تاکپور میں درس و تدریس اور تقریر و خطابت کا شغل اختیار کیا۔ دو سال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں مادر علمی مدرس فیض عام کے ناظم اعلیٰ نے مجھے تدریس کے کام پر مدعا کر لیا لیکن میں نے وہاں مشکل دو سال گزارے تھے کہ حالات نے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ اگلا سال "جامعة الرشاد" اعظم گڑھ کی نذر ہوا۔ اور فروری ۱۹۶۴ء سے مدرسہ دارالحدیث مٹوکی دعوت پر وہاں مدرس ہو گیا۔ تین سال یہاں گزارے۔ اور تدریس کے علاوہ حیثیت نائب صدر مدرس تعیینی امور اور داخلی انتظامات کی نگہداشت میں بھی شریک رہا۔

آخری ایام میں مدرسہ کی انتظامیہ کے درمیان اتنے سخت اختلافات برپا ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا مدرسہ بند ہو جائے گا۔ ان اختلافات سے بد دل ہو کر میں نے عین عید کے روز استغفار ویدیا اور چند دن بعد مدرسہ دارالحدیث سے مستعفی ہو کر مدرس فیض العلوم سیونی کی خدمت پر جامائور ہوا۔ جو متونات تجویزیں سے کوئی سات سو کیلو میٹر دور مدھیہ پوری میں واقع ہے۔

سیونی میں میری تقریری جنوری ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔ میں نے وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے علاوہ صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام داخلی و خارجی انتظامات کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور جمیس کا خطبہ دینا اور گرد و پیش کے دیہاتوں میں جا جا کر دعوت و تبلیغ کا کام کرنا بھی لپتے معمول میں شامل کیا

میں نے سیونی میں چار سال درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر ۱۹۷۰ء کے اخیر میں سالانہ تعطیل پر وطن واپس آیا تو مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور کے اراکین نے پہاں کے تعلیمی انتظامات سنبھالنے اور تدریس کے فرائض انجام دینے کے لیے حد درجہ اصرار کیا۔ اور مجھے یہ پیش کش قبول کرنی پڑی۔ لب میں نے اپنی اولین مادر علمی کے اندرستی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ دو سال بعد جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ نے

مدرسہ دارالعلوم کے سرپرست سے گفتگو کی کہ مجھے جامعہ سلفیہ منتقل کر دیں۔ جامعہ کی خیرخواہی اور دیرینہ روایت کے پیش نظر بات ٹے ہو گئی۔ اور میں اکتوبر ۱۹۶۷ء میں جامعہ سلفیہ آگیا۔ جب سے یہیں کام کر رہا ہوں۔

**تألیفات** تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اس طویل عرصے میں درس و تدریس کے پہلو ہ پہلو  
تألیف و تصنیف کا بھی کچھ نہ کچھ شغل حاری رکھا۔ چنانچہ مختلف مصاہین و مقالات کے علاوہ اب تک آٹھ عدد (بلکہ اب کوئی بیس عدد) کتابوں اور رسائل کی تالیف یا ترجمے کا کام بھی ہو چکا ہے، مجریہ ہیں۔

- ① شرح از هار العرب (عربی)، از هار العرب علامہ محمد سورتیؒ کا جمع کردہ نفیس عربی اشعار کا ایک منتخب اور ممتاز مجموعہ ہے۔ شرح ۱۹۶۲ء میں لکھی گئی، مگر قدسے ناقص رہی۔ اور طبع نہیں کرانی جائی۔
- ② المصانع فی مسألة التراویح للستیوطی کا اردو ترجمہ (۱۹۶۳ء) چند بار طبع ہو چکا ہے۔
- ③ ترجمہ الکلم الطیب لابن تیمیہ (۱۹۶۴ء) غیر مطبوع۔
- ④ ترجمہ و توضیح کتاب الاربعین للمنودی (۱۹۶۹ء) غیر مطبوع۔
- ⑤ صحت یہود و نصاریٰ میں محمد ﷺ کے متعلق ثابت تریں (اردو، ۱۹۶۷ء) غیر مطبوع۔
- ⑥ تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (۱۹۶۲ء) یہ کتاب تین بار طبع ہو چکی ہے۔ یہ اصلًاً محدث شرعیہ قطر کے قاضی شیخ احمد بن حجر کی عربی تالیف کا ترجمہ ہے۔ لیکن اس میں کسی قدر ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔
- ⑦ تاریخ آل سعود (اردو، ۱۹۶۲ء) تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔
- ⑧ اتحاف الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی (عربی)، (۱۹۶۷ء) مطبوع۔
- ⑨ قادریت اپنے آئینہ میں (اردو، ۱۹۶۷ء) مطبوع۔
- ⑩ فتنۃ قادریت اور مولانا شمار اللہ امرتسری (اردو، ۱۹۶۷ء) مطبوع۔
- ⑪ پیش نظر کتاب جو رابطہ عالم اسلامی میں پیش کرنے کے لیے تالیف کی گئی راوی اس کے بعد مزید چند رسائل پر قلم کیے گئے جو یہ ہیں۔
- ⑫ انکار حدیث کیوں؟ (اردو، ۱۹۶۷ء) مطبوع
- ⑬ انکار حدیث حق یا باطل (اردو، ۱۹۶۷ء) مطبوع
- ⑭ زخم حق و باطل (مناظرہ بجز دیہ کی رواداد) (۱۹۶۷ء) مطبوع

- (۱۵) ابراز الحق والصواب فی مسألة السفور والمحاب (عربی ۱۹۷۶ء) پر متعلق علماء الہندیین ہالی مرکشی حفظہ اللہ کی رائے پر تقدیم ہے۔ اور مجلہ الجامعۃ السلفیۃ میں قسط و ارشاد شائع ہوا ہے۔
- (۱۶) تطور الشعوب والدینات فی الهند و مجال الدعوة الاسلامیۃ فی هار عربی (۱۹۷۹ء) چند قسطیں مجلہ الجامعۃ السلفیۃ میں شائع ہو چکی ہیں۔
- (۱۷) الفرقۃ الناجیۃ والفرق الاسلامیۃ الأخرى (عربی ۱۹۸۲ء) غیر مطبوع
- (۱۸) اسلام اور عدم تشدد راردو (۱۹۸۴ء) مطبوع
- (۱۹) بہجۃ النظر فی مصطلح اہل الائٹر (عربی) مطبوع
- (۲۰) اہل تصوف کی کارست انیاں راردو (۱۹۸۶ء) مطبوع
- (۲۱) الاحزاب السیاسیۃ فی الاسلام (عربی ۱۹۸۷ء) زیر طبع  
علاوہ انیں ماہنامہ "محمدث" بیانیں کی (اسکے پر متعلق زمانہ اشاعت میں لعنتی ہرام برس تک) ایڈیٹری کے فرائض بھی انعام دیئے گئے۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَأَنْزَلَهُ الْمُوْرِكِلَمَهَا بِيَدِهِ - رَبِّنَا تَقْبِلَهُ مَا يَقْبُلُ حَسْنٌ وَانْتَهِ نَبَاتَ حَسْنًا۔

## زیر نظر کتاب کے بارے میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين  
كله فجعله شاهداً ومبشراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسلاماً منيراً، وجعل  
فيه أسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر وذكر الله كثيراً، اللهم  
صل وسلم وبارك عليه وعلى أله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم  
الدين و فجر لهم ينابيع الرحمة والرضاوان تفجيراً - أما بعد :

یہ بڑی سرت اور شادمانی کی بات ہے کہ ریبع الاول ۱۴۹۶ھ میں پاکستان کے اندر منعقدہ  
سیرت کانفرنس کے اختتام پر رابطہ عالم اسلامی نے سیرت کے موضوع پر مقالہ نویسی کا ایک  
عالیٰ مقابله منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل قلم میں ایک طرح کی امنگ  
اور ان کی فکری کاوشوں میں ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا ہو۔ میرے خیال میں یہ بڑا مبارک قدم ہے  
کیونکہ اگر گھر انی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ درحقیقت سیرت نبوی اور اسوہ محمدی ہی  
وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے پتھرے پھوٹتے ہیں  
آپ ﷺ کی ذات بارکات پر بے شمار درود وسلام ہو۔

پھر یہ میری سعادت و خوش بختی ہو گی کہ میں بھی اس مبارک مقلوبی میں شرکت کروں۔ لیکن میری  
بساط ہی کیا ہے کہ میں سید الاولین والآخرين ﷺ کی حیات مبارکہ پر روشنی ڈال سکوں۔ میں تو اپنی  
ساری خوش بختی و کامرانی اسی میں سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ ﷺ کے انوار کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے۔  
تاکہ میں تایکیوں میں بھٹک کر ہلاک ہونے کے بجائے آپ ﷺ کے ایک امتی کی حیثیت سے  
آپ کی روشن شاہراہ پر چلتا ہوا زندگی گزاروں۔ اور اسی را ہیں میری موت بھی آتے۔ اور پھر آپ ﷺ  
کی شفاعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرے گنا ہوں پر قلم عفو پھیر دے۔

ایک چھوٹی سی بات اپنی اس کتاب کے انداز تحریر کے متعلق بھی عرض کرنے کی ضرورت

محسوس کر رہا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نے کتاب لکھنے سے پہلے ہی یہ بات طے کر لی تھی کہ اسے بار خاطر بن جانے والے طول اور ادائیگی مقصود سے قاصر رہ جانے والے اختصار دونوں سے پچھتے ہوئے متوسط درجے کی ضخامت میں مرتب کر دوں گا۔ لیکن جب کتب میرت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ واقعات کی ترتیب اور جزئیات کی تفصیل میں بڑا اختلاف ہے۔ اس لیے میں بنے فصل کیا کہ جہاں جہاں ایسی صورت پیش آئے وہاں بحث کے ہر پہلو پر نظر دوڑا کر اور بھروسہ تحقیق کر کے جو نتیجہ انذکر دوں اسے اصل کتاب میں درج کر دوں۔ اور دلائل دشواہد کی تفصیلات اور ترجیح کے اساباب کا ذکر نہ کروں۔ درست کتاب خیر مطلوب حد تک طویل ہو جائے گی۔ البتہ جہاں یہ اندیشہ ہو کہ میری تحقیق قارئین کے لیے یہت و استعجاب کا باعث ہے گی، یا جن واقعات کے سلسلے میں عام اہل قلم نے کوئی ایسی تصور پیش کی ہو جو میرے نقطہ نظر سے صحیح نہ ہو وہاں دلائل کی طرف بھی اشارہ کر دوں۔

بِالْهُدَى إِمِيرَے لِيَسَ دُنْيَا أَوْ أَخْرَتْ كَيْ بُحْلَانِيْ مُقْدَرْ فَرْمَا۔ تُوْ لِيَقِيَّاً غَفُورْ وَوَدُودْ ہے۔ عَرْشَ كَماَكْ ہے اور بُزْرَگْ دُرْتَرْ ہے۔

صفی الرحمن مبارک پوری

جامعہ سلفیہ  
بنارس، هند

جمعۃ المبارک  
۱۹۴۷ء معاشر ۲۳ جولائی ۱۹۶۸ء

# عرب — محل وقوع اور قومیں

سیرت نبوی درحقیقت اس پیغامِ ربانی کے عملی پرتو سے عبارت ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے انسانی جمیعت کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور جس کے ذریعے انسان کو تاریکیوں سے بکال کر روشنی میں اور بندوں کی بندگی سے بکال کر خدا کی بندگی میں داخل کر دیا تھا۔ چونکہ اس سیرتِ طیبیہ کی محل صورت گری ممکن نہیں جب تک کہ اس پیغامِ ربانی کے زوال سے پہلے کے حالات اور بعد کے حالات کا تقابل نہ کیا جائے اس لیے اصل بحث سے پہلے پیش نظر باب میں اسلام سے پہلے کی عرب اقوام اور ان کے نشوونما کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ان حالات کا خالکہ پیش کیا جا رہا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔

عرب کا محل وقوع لفظ عرب کے لغوی معنی ہیں صحراء اور بے آب و گیاہ زمین۔ عہدِ قریم سے یہ لفظ جزیرہ نمائے عرب اور اس میں بنتے والی قوموں پر بولا گیا ہے۔ عرب کے مغرب میں بحراً حمراً اور جزیرہ نمائے سینا ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصہ ہے۔ جنوب میں بحر عرب ہے جو درحقیقت بحر ہند کا پھیلاوہ ہے۔ شمال میں نہ ک شام اور کسی قدر شمالی عراق ہے۔ ان میں سے بعض سرحدوں کے تعلق احتساب بھی ہے۔ بُلْ رَقْبَة کا اندازہ دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک کیا گیا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب طبیعی اور جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اندر ورنی طور پر یہ ہر چہار جانب سے صحراء اور ریگستان سے گھرا ہوا ہے جس کی بدولت یہ ایسا محفوظ قلعہ بن گیا ہے کہ بیرونی قوموں کے لیے اس پر قبضہ کرنا اور اپنا اثر و نفوذ پھیلانا سخت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلب جزیرۃ العرب کے باشندے عہدِ قریم سے اپنے جملہ معاملات میں محل طور پر آزاد و خود مختار نظر آتے ہیں حالانکہ یہ ایسی دو عظیم طاقتوں کے ہمایہ تھے کہ اگر یہ ٹھوس قدرتی رکاوٹ نہ ہوتی تو ان کے محلے روک لینا باشندگان عرب کے بس کی بات نہ تھی۔

بیرونی طور پر جزیرہ نمائے عرب پرانی دنیا کے تمام معلوم بزرگوں کے یچوں بیج داچ ہے اور

خیلی اور سمندر دلوں راستوں سے ان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس کا شمال مغربی گوشہ، بڑا عظیم افریقہ میں دلخیل کا دروازہ ہے۔ شمال مشرقی گوشہ یورپ کی کنجی ہے۔ مشرقی گوشہ ایران، وسط ایشیا اور مشرق بعید کے دروازے کھوتا ہے اور ہندوستان اور چین تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح ہر بڑا عظیم سمندر کے راستے بھی جزیرہ نما نے عرب سے جڑا ہوا ہے اور ان کے جہاز عرب بندرگاہوں پر پراہ راست لٹکرا دادا ہوتے ہیں۔

اس جغرافیائی محل و قوع کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے شمالی اور جنوبی گوشے مختلف قوموں کی آبادگاہ اور تجارت و ثقافت اور فنون و مذاہب کے لین دین کا مرکز رہ چکے ہیں۔

### عرب قومیں

(۱) عرب بارہ — یعنی وہ قدیم عرب قبائل اور قومیں جو بالکل ناپید ہو گئیں اور ان کے متعلق ضروری تفصیلات بھی دستیاب نہیں۔ مثلاً عاد، ثمود، طشم، چہبیس، عمَالِقَه وغیرہ۔

(۲) عرب عاریہ — یعنی وہ عرب قبائل جو عرب بن شجاع بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔

(۳) عرب شعریہ — یعنی وہ عرب قبائل جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ انہیں عدنانی عرب کہا جاتا ہے۔

عرب عاریہ یعنی قحطانی عرب کا اصل گھوارہ ملک میں تھا۔ یہیں ان کے خاندان اور قبیلے مختلف شاخوں میں پھوٹے، پھیلے اور بڑھے۔ ان میں سے دو قبیلوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

(الف) ہمیر — جس کی مشہور شاخیں زید الجہور، قضاudem اور سکارک ہیں۔

(ب) کہلان — جس کی مشہور شاخیں ہمدان، آثار، طی، مذحج، ہنڈہ، لخم، بُدَام، اَزْدَاوَش، خُزَرج اور اولاد جہنہ ہیں۔ جنہوں نے آگے چل کر ملک شام کے اطراف میں پادشاہت قائم کی اور آل غسان کے نام سے مشہور ہوئے۔

عام کہلانی قبائل نے بعد میں میں چھوڑ دیا اور جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ ان کے عمومی ترک وطن کا واقعہ میں عمم سے کسی قدر پہلے اس وقت پہلی آیا جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کر کے اہل میں کی تجارت کے بھری راستے پر اپنا سلطنت جمالیا، اور بڑی شاہراہ کی سہولیات غارت کر کے اپنا دباؤ اس قدر بڑھایا کہ کہلانیوں کی تجارت تباہ ہو کرہ گئی۔

پچھوں عجیب نہیں کہ کہلانی اور حمیری خاندانوں میں چشمک بھی رہی ہو اور یہ بھی کہلانیوں کے ترک وطن کا ایک موثر سبب بنی ہو۔ اس کا اشارہ اس سے بھی ملتا ہے کہ کہلانی قبائل نے تو ترک وطن کیا۔ لیکن حمیری قبائل اپنی جگہ پر قرار ہے۔

جن کہلانی قبائل نے ترک وطن کیا ان کی چار قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

**۱- آزاد** — انہوں نے اپنے سردار عمران بن عمرو مزاقیار کے مشورے پر ترک وطن کیا۔ پہلے تو یہ میں ہی میں ایک جگہ سے دوسرا جگہ منتقل ہوتے رہے اور حالات کا پتا لگانے کے لیے آگے آگے ہراول دنوں کو بھیجتے رہے لیکن آخر کار شمال کا رُخ کیا اور پھر مختلف شاخیں گھوستے گھاتے مختلف جگہ دائمی طور پر سکونت پذیر ہو گئیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اس نے اولاً جہاز کا رُخ کیا اور ثعلبیہ اور ذی قار کے درمیان اقامت اختیار ثعلبیہ بن عمرہ کی۔ جب اس کی اولاد بڑی ہو گئی اور خاندان مضبوط ہو گیا تو مدینہ کی طرف کوچ کیا، اور اسی کو اپنا وطن بنالیا۔ اسی ثعلبیہ کی نسل سے اوس اور خذرج ہیں جو ثعلبیہ کے صاحبزادے حارثہ کے بیٹے ہیں۔

یعنی خداوند اور اس کی اولاد یہ لوگ پہلے سر زمین جہاز میں گردش کرتے ہوئے حارثہ بن عمرہ مرا نظہران میں خیہہ زن ہوتے۔ پھر حرم پر دھادا بول دیا اور بُشُوْجُزْ هُم کو نکال کر خود مکہ میں بود و باش اختیار کر لی۔

عمران بن عمرہ اس نے اور اسکی اولاد نے عمان میں سکونت اختیار کی اسلیے یہ لوگ از دھمان کلاتے ہیں۔

نصر بن ازد اس سے تعلق رکھنے والے قبائل نے تہامہ میں قیام کیا۔ یہ لوگ آزاد شفاعة کلاتے ہیں۔

اس نے تک شام کا رُخ کیا۔ اور اپنی اولاد سمت وہیں متواطن ہو گیا۔ یہی حصہ جفہہ بن عمرہ با وشاہوں کا جدراً اعلیٰ ہے۔ انہیں آل غسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں

نے شام منتقل ہونے سے پہلے جہاز میں غسان نامی ایک پشے پر کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔

۲۔ لحظہ و جذام — ان ہی نخیوں میں نصر بن ریعہ تھا جو حیرہ کے شاہان آل منذر کا جدراً اعلیٰ ہے۔

۳۔ بنو طنی — اس قبیلے نے بنو آذد کے ترک وطن کے بعد شمال کا رُخ کیا اور ابخار اور سلمی نامی دو پہاڑوں کے اطراف میں منتقل طور پر سکونت پذیر ہو گیا، یہاں تک کہ یہ دونوں پہاڑیاں قبیدہ طی کی نسبتے مشہور ہو گئیں۔

۴۔ کندہ — یہ لوگ پہلے بحرین — موجودہ الامارات — میں خیہہ زن ہوتے۔ لیکن مجبوراً وہاں

سے دشکش ہو کر حضرت موت گئے۔ مگر وہاں بھی امانت نہ ملی اور آخر کار نجد میں ڈیپے ڈالنے پڑے۔ یہاں ان لوگوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ مگر یہ حکومت پائیدار نہ ثابت ہوئی اور اس کے آثار جلد ہی ناپید ہو گئے۔

کہلان کے علاوہ حمیر کا بھی صرف ایک قبیلہ قضا عہ ایسا ہے۔ اور اسکا حمیری ہونا بھی مختلف فیہ ہے۔ جس نے میں سے ترک وطن کر کے عدو دعاوی میں بادیہ السماوہ کے اندر بود و باش اختیار کی۔

**عرب تعریف** ان کے جداً اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اصلًا عراق کے ایک شہر اور کے باشندے تھے۔ یہ شہر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر کوفہ کے قریب واقع تھا۔ اس کی کھدائی کے دوران جو کتبات برآمد ہوتے ہیں ان سے اس شہر کے متعلق بہت سی تفصیلات منظر عام پا آئی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی بعض تفصیلات اور باشندگان ملک کے دینی اور جماعتی حالات سے بھی پر وہ ہٹا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں سے ہجرت کر کے شہر خزان تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے فلسطین جا کر اسی ملک کو اپنی پیغمبرانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا اور دعوت و تبلیغ کے لیے یہیں سے اندر ون و بیرون ملک مصروف ہگ و تاز رہا کرتے تھے۔ ایک بار آپ مصر تشریف لے گئے۔ فرعون نے آپ کی بیوی حضرت سارہ کی کیفیت سنی تو ان کے بارے میں بدزیست ہو گیا اور پانے دربار میں بُجے ارادے سے بلا یا لیکن اللہ نے حضرت سارہ کی دعا کئی تیجے ہیں غیری طور پر فرعون کی اسی گرفت کی کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے اور پھینکنے لگا۔ اس کی نیت بلاس کے منہ پر پار دی گئی اور وہ حادثے کی نوعیت سے سمجھ گیا کہ حضرت سارہ اللہ تعالیٰ کی نہایت خاص اور متقرب بندی ہیں اور وہ حضرت سارہ کی اس خصوصیت سے اس قدر تباہ ہوا کہ اپنی بیوی ہاجرہ کو ان کی خدمت میں دے دیا۔ پھر حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔<sup>۱۲</sup>

---

لہ ان قبائل کی اور ان کے ترک وطن کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ محضرات تاریخ الامم الاسلامیہ للحضری ۱/۱۱-۱۳ تکب جزیرۃ العرب ص ۲۳۱-۲۳۵-۲۳۵۔ ترک وطن کے ان واقعات کے زمانہ اور اساب کے تعین میں تاریخی مأخذ کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ ہم نے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے جو بات راجح محسوس کی اسے درج کر دیا ہے۔

لہ مشہور ہے کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں لیکن علامہ منصور پوری نے مفصل تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ لونڈی نہیں بلکہ آزاد تھیں اور فرعون کی بیٹی تھیں۔ دیکھئے رحمۃ رحمۃ للعالمین ۲/۲۴۶-۲۴۷۔

لہ ایضاً ۲/۲۴۷ واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری ارج ۲۸۲۴،

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت سارہ اور حضرت ہاجر کو ہمراہ لے کر فلسطین واپس تشریف لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے ایک فرزند رحمت۔ اسماعیل۔ عطا فرمایا لیکن اس پر حضرت سارہ کو جو بے اولاد تھیں بڑی غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ حضرت ہاجرہ کو ان کے نوزائدہ پچھے سمت بلا وطن کر دیں۔ حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ انہیں حضرت سارہ کی بات مانی پڑی اور وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہا السلام کو ہمراہ لے کر حجاز تشریف لے گئے اور وہاں ایک بے آب گیا۔ وادی میں بیت اللہ شریعت کے قریب ٹھہرا دیا۔ اس وقت بیت اللہ شریفت نہ تھا۔ صرف یہی کی طرح ابھری ہوئی زمین تھی۔ سیالب آتا تھا تو دامیں بائیں سے کترا کر مشکل جاتا تھا۔ وہیں مسجد حرام کے بالائی حصے میں زمزم کے پاس ایک بہت بڑا درخت تھا۔ آپ نے اسی درخت کے پاس حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہا السلام کو مجھوڑا تھا۔ اس وقت تکہ میں نہ پانی تھا از آدم اور آدم نہ ادا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تو شہ دان میں کھجور اور ایک مشکیزے میں پانی رکھ دیا۔ اس کے بعد فلسطین واپس چلے گئے۔ لیکن چند ہی دن میں کھجور اور پانی ختم ہو گیا اور سخت مشکل پیش آئی۔ مگر اس مشکل وقت پر اللہ کے فضل سے زمزم کا چشمہ چھوٹ پڑا اور ایک عرصہ تک کے لیے سامان رزق اور متارع حیات بن گیا۔ تفصیلات معلوم و معروف ہیں یہ۔

کچھ عرصے بعد میں سے ایک قبیلہ آیا جسے تاریخ میں بجزہم شانی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ اسماعیل علیہ السلام کی ماں سے اجازت لے کر تکہ میں ٹھہر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ پہلے تکہ کے گرد و پیش کی وارلوں میں سکونت پذیر تھا۔ صحیح بخاری میں اتنی صراحة موجود ہے کہ (رہاکش کی غرض سے) یہ لوگ تکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد کے بعد اور ان کے جوان ہونے سے پہلے دارد ہوتے تھے۔

لیکن اس وادی سے ان کا گزر اس سے پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے متروکات کی نگہداشت کے لیے وقتاً فوقتؔ کر تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس طرح ان کی آمد کتنی بار ہوتی۔ البتہ تاریخی مأخذ میں چار بار ان کی آمد کی تفصیل محفوظ ہے جو یہ ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھلایا

کہ وہ اپنے صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ خواب ایک طرح کا حکمِ الہی تھا اور باپ بیٹے دونوں اس حکمِ الہی کی تعییں کے لیے تیار ہو گئے۔ اور جب دونوں نے تسلیمِ خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل شادیا تو اللہ نے پھکارا: ”اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی ہوتی آزمائش تھی اور اللہ نے انہیں فرمایا: میں ایک عظیم ذیحہ عطا فرمایا۔“

مجموعہ بامبل کی کتاب پیدائش میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے اور قرآن کا سیاق بتلاتا ہے کہ واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پیش آیا تھا۔ کیونکہ پورا واقعہ بیان کرچکنے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت کا ذکر ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جوان ہونے سے پہلے کم ازکم ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کا سفر ضرور کیا تھا۔ بقیہ تین سفروں کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک طویل روایت میں ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفو عاًمروی ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے!

۱۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہو گئے۔ جو جنم سے عربی سیکھ لی اور ان کی نگاہوں میں چھنے لگے تو ان لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک خاتون سے آپ کی شادی کر دی۔ اسی دوران حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اپنا ترکہ دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ مکہ تشریف لے گئے۔ لیکن حضرت اسماعیل سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے حالات دریافت کئے۔ اس نے تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپ نے وصیت کی کہ اسماعیل علیہ السلام آئیں تو کہنا اپنے دروازے کی چوکھت بدال دیں۔ اس وصیت کا مطلب حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے ہیوی کو طلاق لے دی اور ایک دسری عورت سے شادی کر لی جو جنم کے سردار مصطفیٰ بن عمر کی صاحبزادی تھی۔

۲۔ اس دسری شادی کے بعد ایک بار پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لے گئے مگر اس دفعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے احوال دریافت کئے تو اس نے اللہ کی حمد و ثناء کی۔ آپ نے وصیت کی کہ اسماعیل علیہ السلام اپنے دروازے کی چوکھت برقرار رکھیں اور فلسطین والپس ہو گئے۔

ہم۔ اس کے بعد پھر تشریف لاتے تو اسماعیل علیہ السلام زمزہم کے قریب درخت کے نیچے تیر گھر رہے تھے۔ دیکھتے ہی پیک پڑے اور وہی کیا جو ایسے موقع پر ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹا باپ کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ ملاقات اتنے طویل عرصے کے بعد ہوئی تھی کہ ایک زمدل اور شفیق باپ اپنے بیٹے سے اور ایک اطاعت شعار بیٹا اپنے باپ سے مشکل ہی اتنی لمبی جدائی برداشت کر سکتا ہے۔ اسی دفعہ دونوں نے مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ بنیاد کھود کر دیواریں اٹھائیں اور ایزام علیہ السلام نے ساری دنیا کے لوگوں کو حج کے لیے آواز دی۔

اللہ تعالیٰ نے مرضاض کی صاحبزادی سے اسماعیل علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے جن کے نام یہ ہیں۔ نابت یا نبایوط، قیدار، او بائل، بشام، مشاع، دوما، میشا، حدود، تیما، یطور، نفیس، قیدمان ان بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے وجود میں آتے اور سب نے لکھ ہی میں بود و باش اختیار کی۔ ان کی میشیت کا دار و مدار زیادہ تر مین اور مصر و شام کی تجارت پر تھا۔ بعد میں یہ قبائل جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں — بلکہ بیرونِ عرب بھی — پھیل گئے اور ان کے حالات، زمانے کی دیہی تاریکیوں میں دب کر رہ گئے۔ صرف نابت اور قیدار کی اولاد اس گنایم سے مستثنی ہیں۔

نبطیوں کے تمندن کو شمالی چجاز میں فروع اور عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے ایک طاقتوں حکومت قائم کر کے گرد و پیش کے لوگوں کو اپنا پاجگزار بنایا۔ بظراں کا دار الحکومت تھا۔ کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ پھر رو میوں کا دور آیا اور انہوں نے نبطیوں کو ققصہ پاریسہ بتا دیا۔ مولانا سید سیلمان ندویؒ نے ایک دلچسپ بحث اور گہری تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ آں غسان اور انصاریعنی اُوں دخنچہ قحطانی عرب نہ تھے۔ بلکہ اس علاقے میں نابت بن اسماعیل (علیہ السلام) کی جنسل بھی کھپی رہ گئی تھی وہی تھے کہ قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل لکھ ہی میں چھلتی پھولتی رہی۔ یہاں تک کہ عدنان اور پھران کے بیٹے مُعَد کا زمانہ آگیا۔ عدنانی عرب کا سلسلہ نسب صحیح طور پر ہمیں تک محفوظ ہے۔

عدنان، نبی ﷺ کے سلسلہ نسب میں اکیسوں پشت پر پڑتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہاں کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب اپنا سلسلہ نسب ذکر فرماتے تو عدنان پر پہنچ کر ک جاتے اور آگئے بڑھتے۔ فرماتے کہ ماہرین ازاب غلط کہتے ہیں اللہ مگر علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ عدنان سے

آگے بھی نسب بیان کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چالیس پیشیں ہیں۔

بہر حال مُعَدَّ کے بیٹے نزار سے — جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ مُعَدَّ کی کوئی اولاد نہ تھی — کتنی خاندان وجود میں آتے۔ درحقیقت نزار کے چار بیٹے تھے اور ہر بیٹا ایک بڑے قبیلے کی بنیاد ثابت ہوا۔ چاروں کے نام یہ ہیں۔ ابیاد، ائمَّار، رہنیعہ اور مُضَر، ان میں سے موخر الذکر دو قبیلوں کی شاخیں اور شاخوں کی شاخیں بہت زیادہ ہوتیں۔ چنانچہ رہنیعہ سے ائمَّہ بن ربیعہ، عفرزہ، عبد القیس، وائل، بکر، تغلب اور بنو حنفیہ وغیرہ وجود میں آتے۔ مُضَر کی اولاد دو بڑے قبیلوں میں تقسیم ہوتی۔

۱۔ قیس عیلان بن مضر۔

قیس عیلان سے بنو علیم، بنو ہوازن، بنو عطفان، غطفان سے عبس، ذیبیان — اشجع اور غتنی بن اغثڑ کے قبائل وجود میں آتے۔

ایاس بن مضر سے تمیم بن مرہ، ہبَریل بن مرکہ، بنو اسد بن خزینہ اور کنانہ بن خزینہ کے قبائل وجود میں آتے۔ پھر کنانہ سے قریش کا قبیلہ وجود میں آیا۔ یہ قبیلہ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ پھر قریش بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہوتے۔ مشہور قریشی شاخوں کے نام یہ ہیں۔ جمع، سہم، عدی، مخزوم، هیتم، رُہرہ اور قصیٰ بن کلاب کے خاندان۔ یعنی عبدالدار، اسد بن عبد العزی اور عبد افت. یہ تینوں قصیٰ کے بیٹے تھے۔ ان میں سے عبد مناف کے چار بیٹے ہوئے؛ جن سے چار ذیلی قبیلے وجود میں آئے۔ یعنی عبیدہ، نفل، مطلب اور ہاشم۔ نہیں ہاشم کی نسل سے ال تعالیٰ نے ہمارے حضور محمد ﷺ کا انتخاب فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے امام اعلیٰ علیہ السلام کا انتخاب فرمایا پھر اسما علیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا۔<sup>۱۱</sup>

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے خلق کی تخلیق فرمائی تو مجھے رب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھر ان کے بھی دو گروہوں میں سے زیادہ اچھے گروہ کے اندر رکھا، پھر قبائل کو چنا تو مجھے رب سے اچھے قبیلے کے اندر بنایا، پھر گھر انوں کو چنا مجھے رب سے اچھے

گھر لئے میں بنایا، لہذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی سب سے اچھا ہوں، اور اپنے گھر لانے کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔<sup>۱۰</sup>

بہر حال عدنان کی نسل حبیب زیادہ بڑھ گئی تو وہ پارے پانی کی تلاش میں عرب کے مختلف اطراف میں بھر گئی چنانچہ قبیلہ عبد القس نے، بکر بن واٹل کی کمی شاخوں نے اور بنو تمیم کے خاندانوں نے بھریں کارُخ کیا اور اسی علاقے میں جا بے۔

بنو حینفہ بن صعب بن علی بن بکر نے یہاں کارُخ کیا اور اس کے مرکز جھر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ بکر بن واٹل کی بقیہ شاخوں نے، یہاں سے لے کر بھریں، ساحل کاظمہ، خلیج، سواد عراق، ابلہ اور ہیئت ہنگ کے علاقوں میں بودو باش اختیار کی۔

بنو قلب جزیرہ فراتیہ میں آفامت گزیں ہوئے۔ البتہ ان کی بعض شاخوں نے بنو بکر کے ساتھ سکونت اختیار کی۔

بنو تمیم نے بادیہ بصرہ کو لپنا وطن بنایا۔

بنو سلیم نے مدینہ کے قریب ڈیرے ڈالے۔ ان کا مسکن وادی القری سے شروع ہو کر خیر اور مدینہ کے مشرق سے گذرتا ہوا حرمہ بنو سلیم سے متصل دو پہاڑوں تک منتهی ہوتا تھا۔

بنو شقیقت نے طائف کو وطن بنالیا اور بنو ہوازن نے کہ کے مشرق میں وادی اوزلاس کے گرد و پیش ڈیرے ڈالے۔ ان کا مسکن مکہ۔ بصرہ شاہراہ پر واقع تھا۔

بنو اسد یہاں کے مشرق اور کوفہ کے مغرب میں خیہ زن ہوئے۔ ان کے اور یہاں کے دریاں بنو طی کا ایک خاندان بھرت آباد تھا۔ بنو اسد کی آبادی اور کوئی کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی۔

بنو ذیبیان یہاں کے قریب حوزہ ان کے اطراف میں آباد ہوئے۔

تہماں میں بنو کنائہ کے خاندان رہ گئے تھے۔ ان میں سے قرشی خاندانوں کی بودو باش مکہ اور اس کے اطراف میں تھی۔ یہ لوگ پراندہ تھے، ان کی کوئی شیرازہ بندی نہ تھی تا آنکہ قصیٰ بن حکاب ابھر کر منظر عام پر آیا اور فرشیوں کو متعدد کر کے شرف و عزت اور بلندی و وقار سے بھرہ دیا۔<sup>۱۱</sup>





خط کشیدہ الفاظ مقامات کے نام ہیں۔  
باقی قبائل کے نام ہیں۔

ابتدائی تہوت کے زمانے کا عرب

## عرب — حکومتیں اور سرداریاں

اسلام سے پہلے عرب کے جو حالات تھے ان پر گفتگو کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی حکومتوں سرداریوں اور نذاہب و ادیان کا بھی ایک محض ساختا کہ پیش کر دیا جائے تاکہ ظہور اسلام کے وقت جو پوزیشن تھی وہ باسانی سمجھ میں آسکے۔

جس وقت جزیرہ العرب پر خورشیدِ اسلام کی تابناک شعاعیں ضوءِ فلکن ہوئیں وہاں دو قسم کے حکمران تھے۔ ایک تاج پوش بادشاہ جو درحقیقت مکمل طور پر آزاد و خود مختار تھے اور دوسراے قبائلی سردار جنہیں اختیارات و امتیازات کے اعتبار سے وہی حیثیت حاصل تھی جو تاج پوش بادشاہوں کی تھی لیکن ان کی اکثریت کو ایک مزید امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ وہ پورے طور پر آزاد و خود مختار تھے تاکہ پوش حکمان یہ تھے، شاہان میں، شاہان آل عثمان (شام) اور شاہان حیرہ (عراق)، بقیہ عرب حکمران تاہپوش نہ تھے۔

مین کی بادشاہی اور (عراق) سے جو کتابت برآمد ہوئے ہیں ان میں ڈھانی ہزار سال قبل مسیح اس قوم کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کے عروج کا زمانہ گیارہ صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اس کی تاریخ کے اہم اور یہ ہیں:

۱۔ سویں قم سے پہلے کا دور— اس دور میں شاہان سبَا کا لقب مکرب سباتھا۔ ان کا پایۂ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈر آج بھی مارب کے مغرب میں ایک دن کی راہ پر پاتے جاتے ہیں اور خیریہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دور میں مارب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی جسے مین کی تاریخ میں برطی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور میں سلطنت بنا کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ انہوں نے عرب کے اندر اور عرب سے باہر جگہ جگہ اپنی نوآبادیاں قائم کر لی تھیں۔

۲۔ سویں قم سے سویں قم تک کا دور— اس دور میں سبَا کے بادشاہوں نے مکرب کا فقط چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا اور صرواح کے سجائے مارب کو اپنادارسلطنت بنایا۔

اس شہر کے کھنڈ راج بھی صنوار کے ۰۰ میل مشرق میں پانے جاتے ہیں۔

۳۔ **شہر قم سے نسلہ عہد تک کا دور**— اس دور میں سماں کی مملکت پر قبیلہ چمیڑ کو غلبہ حاصل رہا اور اس نے مارب کے بجائے رَیدان کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ پھر رَیدان کا نام ظفار پر پڑا گیا جس کے کھنڈ رات آج بھی شہرِ یم کے قریب ایک مُدُور پہاڑی پر پانے جاتے ہیں۔

یہی دور ہے جس میں قوم سماں کا زوال شروع ہوا۔ پہلے بیٹیوں نے شمالی ججاز پر اپنا اقتدار قائم کر کے سماں کی فوآبادیوں سے نکال باہر کیا۔ پھر دمیوں نے مصروف شام اور شمالی ججاز پر قبضہ کر کے ان کی تجارت کے بھری راستے کو مخدوش کر دیا اور اس طرح انکی تجارت رفتہ رفتہ تباہ ہو گئی۔ ادھر قحطانی قبائل خود بھی باہم دست فگریاں تھے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحطانی قبائل اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر ادھر ادھر پر اگنہ ہو گئے۔

۴۔ **نسلہ عہد کے بعد سے آغاز اسلام تک کا دور**— اس دور میں یہیں کے اندر مسلسل اضطراب و انتشار برپا رہا۔ انقلابات آئیں، خانہ جنگیاں ہوئیں اور بیرونی قوموں کو مداخلت کے موقع ہاتھ آئے۔ یہی کیا کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہیں کی آزادی سلب ہو گئی۔ چنانچہ یہی دور ہے جس میں دمیوں نے عدن پر فوجی تسلط قائم کیا اور ان کی مدد سے جیشیوں نے حمیر و ہمدان کی باہمی کشکش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نسلہ عہد میں پہلی بار یہیں پر قبضہ کیا جو نسلہ عہد کی برقرار رہا۔ اس کے بعد یہیں کی آزادی تو بحال ہو گئی۔ ”گُلماَرَب“ کے مشہور بندیں رخنے پڑنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ بالآخر نسلہ عہد یا نسلہ عہد میں بندوقت گیا اور وہ عظیم سیلاں آیا جس کا ذکر قرآن مجید (سورہ سبا) میں سیل عَزْم کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ بڑا زبردست حادثہ تھا۔ اس کے نتیجے میں بیتیوں کی بستیاں دیریاں ہو گئیں اور بہت سے قبائل ادھر ادھر بھر گئے۔

پھر نسلہ عہد میں ایک اور سنگین حادثہ ہیش آیا۔ یعنی یہیں کے یہودی بادشاہ ذو نواس نے نجران کے عیسائیوں پر ایک بیعت ناک حملہ کر کے انہیں عیسائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہا۔ اور جب وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو ذو نواس نے خندقیں کھدو اکر انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ قرآن مجید نے سورہ بردح کی آیات قُبْلَ أَصْحَابَ الْأَنْهَادِ والخ میں اسی لرزہ خیز واقعہ کی طریقہ کیا ہے۔ اس واقعے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت، جورومی بادشاہوں کی قیادت میں بلادِ عرب کی فتوحات اور تو سیع پندری کے لیے پہلے ہی سے چست و چاکر دست تھی، انتقام لینے پر مُثُل گئی اور جیشیوں کو یہیں پر جملے کی ترغیب دیتے ہوئے انہیں بھری بیڑہ مہیا کیا جیشیوں نے دمیوں کی شہ

پاک ۱۹۴۷ء میں اریاط کی نیز قیادت ستر ہزار فوج سے میں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ قبضہ کے بعد ابتدا تو شاہ جہش کے گورنر کی حیثیت سے اریاط نے میں پر حکمرانی کی لیکن پھر اس کی فوج کے ایک ماتحت کمانڈر ایز زہ نے اسے قتل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کر لیا اور شاہ جہش کو بھی اپنے اس تصرف پر راضی کر لیا۔

یہ وہی ایز زہ ہے جس نے بعد میں خانہ بکعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی اور ایک لشکر جزار کے علاوہ چند ہاتھیوں کو بھی فوج کشی کیلئے ساتھ لایا جس کی وجہ سے یہ لشکر اصحاب فیل کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ادھر داقعہ فیل میں جہشیوں کی جوتباہی ہوتی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل میں نے حکومت فارس سے مدد بکر کی تیاری اور جہشیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے سیف ذی ریزان حیری کے نیستے مدد بکر کی قیادت میں جہشیوں کو نمکان سے نکال باہر کیا اور ایک آزاد و خود منتاز قوم کی حیثیت سے مدد بکر کو اپنا باشاہ منتخب کر لیا۔ یہ ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے۔

آزادی کے بعد مدد بکر نے کچھ جہشیوں کو اپنی خدمت اور شاہی جدو کی زینت کے لیے روک لیا لیکن یہ شوق مہنگا ثابت ہوا۔ ان جہشیوں نے ایک روز مدد بکر کو دھوکے سے قتل کر کے ذی ریزان کے خاندان سے حکمرانی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔ ادھر کسری نے اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صنوار پر ایک فارسی انسل گورنر مقرر کر کے میں کو فارس کا ایک صوبہ بنالیا اس کے بعد دیگرے فارسی گورنروں کا تقریبہ تاریخیاں تک کہ آخری گورنر بادان نے ۱۹۴۸ء میں اسلام فتبول کر لیا اور اس کے ساتھ ہی میں فارسی اقتدار سے آزاد ہو کر اسلام کی علما داری میں آگیا۔

**جنزیرہ کی باشاہی ۱۹۴۸ء تھے قم** عراق اور اس کے نواحی علاقوں پر کورشوں بکیر خورس یا سائرس ذو القمرین نے دارا اول کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توری جس کے نتیجے میں ان کا نمکان ٹکڑے ٹکڑے آرہی تھی۔ کوئی نہ تھا جو ان کے تقابل آنے کی جرأت کرتا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۸ء قم میں سکندر مغلدنی نے دارا اول کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توری جس کے نتیجے میں ان کا نمکان ٹکڑے ٹکڑے

لے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ ارض القرآن جلد اول میں صفحہ ۱۲۱ سے خاتمہ کتاب تک مختلف تاریخی شواہد کی روشنی میں قوم سہ کے حالات بڑی بسط و تفصیل سے رقم فرمائے ہیں۔ مولانا مودودی نے تفسیر القرآن ۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء میں کچھ تفصیلات جمع کی ہیں لیکن تاریخی مأخذ میں سنین وغیرہ کے سلسلے میں بڑے اختلافات ہیں حتیٰ کہ بعض محققین نے ان تفصیلات کو پہلوں کا افغان، قرار دیا ہے۔

ہو گیا اور طوائف الملک کی شروع ہو گئی۔ یہ انتشار ۲۳ مئی تک جاری رہا اور اسی دوران قحطانی قبائل نے ترک وطن کر کے عراق کے ایک بہت بڑے شاداب سرحدی علاقے پر بود و باش خستیار کی۔ پھر بعد نافی تارکین وطن کا ریلا آیا اور انہوں نے ریجھڑ کے جزیرہ فراتیہ کے ایک حصے کو اپنا مسکن بنایا۔ ادھر ۲۴ میں آزاد شیر نے جب ساسانی حکومت کی داعی بیل ڈالی تو رفتہ رفتہ فارسیوں کی طاقت ایک بار پھر پڑھ آئی۔ آزاد شیر نے فارسیوں کی شیرازہ بندی کی اور اپنے ملک کی سرحد پر آباد عربوں کو زیر کیا۔ اسی کے نتیجے میں قضاudem نے ملک شام کی راہ لی، جبکہ جیزہ اور انبار کے عرب باشندوں نے باجگذار بننا گوارا کیا۔

آزاد شیر کے عہد میں جیرہ، بادیہ العراق اور جزیرہ کے ریاستی اور مضری قبائل پر جنیہۃ الوضاح کی حکمرانی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آزاد شیر نے محسوس کر دیا تھا کہ عرب باشندوں پر براہ راست حکومت کرنا اور انہیں سرحد پر لوٹ ماسے باز رکھنا ممکن نہیں بلکہ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ خود کسی ایسے عرب کو ان کا حکمران بنادیا جائے جسے اپنے کنبے قبیلے کی حمایت و تائید حاصل ہو۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ وقت ضرورت رویوں کے خلاف ان سے مددی جائے گی اور شام کے روم نواز عرب حکمرانوں کے مقابل عراق کے ان عرب حکمرانوں کو کھڑا کیا جاسکے گا۔

شام جیزہ کے پاس فارسی فوج کی ایک یونٹ ہمیشہ رہا کہ تی تھی جس سے بادیہ شیخ عرب باغیوں کی سرکوبی کا کام دیا جاتا تھا۔

شام کے عکھے میں جنید فوت ہو گیا اور عمر بن عدی بن نصر الجنی اس کا جانشین ہوا یہ قبیلہ الجنم کا پہلا حکمران تھا اور شاپور آزاد شیر کا ہم عصر تھا۔ اس کے بعد قباد بن فیروز کے عہد تک جیرہ پر نجیبوں کی مسلسل حکمرانی رہی۔ قباد کے عہد میں مژدُک کاظمیور ہوا جو ایام حیث کا علمبردار تھا، قباد اور اس کی بہت سی رہائی نے مژدُک کی ہمنواٹی کی۔ پھر قباد نے جیرہ کے بادشاہ منذر بن مارسما کو پیغام بھیجا کہ تم بھی بھی مذہب اختیار کر لو۔ منذر برڑا غیرت مند تھا ایکھار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قباد نے اسے معذول کر کے اس کی جگہ مژدُک کی دعوت کے ایک پریوکار حارث بن عمرو بن ججر کشندی کو جیزہ کی حکمرانی سونپ دی۔

قباد کے بعد فارس کی باغ ڈور کسری نو شیروان کے ہاتھ آئی۔ اسے اس مذہب سے سخت نفرت تھی۔ اس نے مژدُک اور اس کے ہمنواڑیں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ منذر کو دوبارہ جیرہ کا حکمران بنایا اور حارث بن عمر کو لپنے ہاں بلا بھیجا لیکن وہ بنو کلکے علاقے میں بھاگ گیا اور وہیں اپنی زندگی گزار دی۔

منذر بن مارسح کے بعد نعماں بن منذر کے عہد تک حیرہ کی حکمرانی اسی کی نسل میں چلتی رہی، پھر زید بن عدی عبادی نے کسری سے نعماں بن منذر کی بھوٹی شکایت کی۔ کسری بھڑک اٹھا اور نعماں کو اپنے پاس طلب کیا۔ نعماں چپکے سے بُو شیبان کے سردار ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا اور اپنے اہل دعیاں اور مال و دولت کو اس کی امانت میں سے کسری کے پاس گیا۔ کسری نے اسے قید کر دیا اور وہ قید ہیں فوت ہو گیا۔

ادھر کسری نے نعماں کو قید کرنے کے بعد اس کی جگہ ایاس بن قبیصہ طائی کو حیرہ کا حکمران بنایا اور اس سے حکم دیا کہ ہانی بن مسعود سے نعماں کی امانت طلب کرے۔ ہانی غیرت مند تھا اس نے صرف انکاری نہیں کیا۔ بلکہ اعلانِ جنگ بھی کر دیا۔ پھر کیا تھا ایاس اپنے جلو میں کسری کے لاڈ شکر اور مرز بالوں کی جماعت لے کر روانہ ہوا اور ذی قار کے میدان میں فریقین کے درمیان گھسان کی جنگ ہوئی جس میں بُو شیبان کو قیچ حاصل ہوئی اور فارسیوں نے شرمناک شکست کھاتی۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب نے عجم پر فتح حاصل کی تھی۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں بعد کا ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش حیرہ پر ایاس کی حکمرانی کے آٹھویں مہینہ میں ہوئی تھی۔

ایاس کے بعد کسری نے حیرہ پر ایک فارسی حاکم مقرر کیا لیکن ۳۱۷ھ میں لخیوں کا اقتدار پھر بحال ہو گیا اور منذر بن معروف نامی اس قبیلے کے ایک شخص نے باگ ڈور سنبھالی، مگر ابھی اس کو بر اقتدار آئے صرف آٹھ ماہ تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام کا سیل روایت کر حیرہ میں داخل ہو گئے۔

### شام کی بادشاہی

جس زمانے میں عرب قبائل کی ہجرت زور دل پر تھی قبیلہ قضا عکی چند شاخص ہی میں ایک شاخ بن ضجم بن سیلم تھی جسے ضجاعہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ قضا عکی اس شاخ کو زیوں نے صحراۓ عوب کے بدوقوں کی لُوث مار رکھنے اور فارسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنا ہمنوا بنایا اور اسی کے ایک فرد کے سر پر حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔ اس کے بعد مدتوں ان کی حکمرانی رہی۔ ان کا مشہور ترین بادشاہ زیاد بن ہبولد گذرا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ضجاعہ کا دوز حکومت پوری دوسری صدی عیسوی پر محیط تھا ہے۔ اس کے بعد اس دیار میں آل غسان کی آمد آمد ہوئی اور ضجاعہ کی حکمرانی جاتی رہی۔ آل غسان نے بنو ضجم کو شکست دے کر ان کی صاری ٹلرزو پر قبضہ کر دیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر زیوں نے بھی آل غسان کو دیوارِ شام کے عرب باشندوں کا بادشاہ تسلیم کر دیا۔ آل غسان کا پایہ تخت دُرمیا جنہیں

تحا۔ اور دمیوں کے آلات کار کی حیثیت سے دیارِ شام پر ان کی حکمرانی مسلسل قائم رہی تا آنکہ خلافت فاروقی میں سلمہ میں زمک کی جنگ بیش آئی اور آل غستان کا آخری حکمران جبل بن ابیهم علیہ بکوشِ اسلام ہو گیا۔ (اگرچہ اس کا نزدِ اسلامی مساوات کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا۔ اور وہ مرتد ہو گیا۔)

**حجاز کی امارت** یہ بات تو معروف ہے کہ کتبیں آبادی کا آغاز حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوا۔ آپ رہے۔ آپ کے بعد آپ کے دو صاحبزادگان — نابث پھر قیدار، یا قیدار پھر نابت — یکجہے بغایگے مکہ کے والی ہوئے۔ ان کے بعد ان کے ناتامضاض بن عمر و جربہ نے زمام کا لے پائے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح مکہ کی سربراہی بوجرم کی طرف منتقل ہو گئی اور ایک عرصے تک انہیں کے ہاتھ میں رہی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام چونکہ رائے اللہ کے ساتھ مل کر بیت اللہ کے بانی معمار تھے اس لیے ان کی اولاد کو ایک باوقار مقام ضرور حاصل رہا، لیکن اقتدار و اختیار میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔<sup>۱۷</sup>

پھر دن پر دن اور سال پر سال گذرتے گئے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد گوشہ گنانی سے نہ مخل کی، یہاں تک کہ بخت نصر کے ظہور سے کچھ پہلے بوجرم کی طاقت کمزور پڑ گئی اور مکہ کے افق پر عدنان کا سیاسی ستارہ جگہ گانا شروع ہوا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بخت نصر نے ذاتِ عراق میں عربوں سے جو معرکہ آرائی گی اس میں عرب فوج کا کمانڈر جب ہبھی نہ تھا۔<sup>۱۸</sup>

پھر بخت نصر نے جب عاشقہ قم میں دوسرا حملہ کیا تو بونو عدنان بھاگ کر میں چلے گئے۔ اس وقت بوسراہیل کے نبی حضرت یہودیہ تھے۔ وہ عدنان کے بیٹے معدہ کو اپنے ساتھ ملک شام کے گئے اور جب بخت نصر کا زور ختم ہوا اور معدہ کہ آئے تو انہیں مکہ میں قبیلہ جرم کا صرف ایک شخص جو شم بن جلبہ ملا۔ معدہ نے اس کی لڑکی معاذہ سے شادی کی اور اسی کے بطن سے نزار پیدا ہوا۔

اس کے بعد مکہ میں جرم کی حالت خراب ہوتی گئی۔ انہیں تنگ تھی نہ آگھیرا نہ سمجھ یہ ہوا کہ انہوں نے زائرین بیت اللہ پر زیارتیاں شروع کر دیں اور خانہ کعبہ کا مال کھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اور جب بونو عدنان اندر ہبھی اندران کی ان حرکتوں پر کڑھتے اور بھڑکتے رہے اسی لیے جب بونو ناگع

۱۷ محاضرات خضری ۱/۳۴، تاریخ ارض القرآن ۲/۰۶-۰۷

۱۸ پیدائش و مجموعہ بائیبل، ۱:۲۵، ۱۱۳-۱۱۴، ابن ہشام ار/۱۱۳، ابن ہشام نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف نابت کی تولیت کا ذکر کیا ہے۔  
۱۹ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۰ - ۲۳۱ - شہ رحمۃ للعالمین ۲/۳۸ شہ قلب جزیرۃ العرب، ص ۲۳۰

نے مَرَانَفَهُ أَنْ مِنْ پُرَاوَكِيَا اور دیکھا کہ بنو عدنان بنو جرم سے نفرت کرتے ہیں تو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک عدنانی قبیلے ر بنو بحر بن عبد مناف بن کنانہ کو ساتھ لے کر بنو جرم کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور انہیں مکہ سے نکال کر اقتدار پر خود قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے درط کا ہے۔ بنو جرم نے مکہ چھوڑتے وقت زمم کا کنوں پاٹ دیا اور اس میں کئی تاریخی چیزیں دفن کر کے اس کے شناخت بھی مٹا دیئے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمر دین حارث بن مضااض یعنی بنو جرم نے خانہ کعبہ کے دونوں ٹھہر اور اس کے کوئی میں لکھا ہوا پھر ۔۔۔ جہا سود ۔۔۔ نکال کر زمم کے کنوں میں دفن کر دیا اور اپنے قبیلے بنو جرم کو ساتھ لے کر میں چلا گیا۔ بنو جرم کو مکہ سے جلاوطنی اور دہان کی حکومت سے محروم ہونے کا بڑا قلق تھا چنانچہ عمر دین کو رنے اسی سلسلے میں یہ اشعار کہے۔

كَانَ لِعَيْكَنَ بَيْنَ الْحَجَّوْنَ إِلَى الصَّفَا

بَلِيْ نَحْنُ حَكَنَا أَهْلَهَا فَابَادَنَا

صَرْوَفُ اللَّيَالِيِّ وَالْمَجَدِرُ الدَّعَوَشَرَ

”لگتا ہے جگون سے صفاتیک کوئی آشنا تھا ہی نہیں اور ذکر کسی قصہ گونے مکہ کی شبانہ مخلوقوں میں قصہ گوئی کی کیوں نہیں؟ یقیناً ہم ہی اس کے باشدہ رہتے تھے لیکن زمانے کی گردشوں اور ٹوٹی ہوئی قسمتوں نے ہمیں أحجار پھینکا۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا زمانہ تقریباً دو ہزار برس قبل مسح ہے۔ اس حساب سے کہ میں قبیلہ جرم کا وجود کوئی دو ہزار ایک سورس تک رہا اور ان کی حکرانی لگ بھگ دو ہزار برس تک رہی۔ بنو خزادہ نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد بنو بحر کو شامل کئے بغیر تہبا اپنی حکرانی قائم کی، البتہ تین اہم اور امتیازی مناصب ایسے تھے جو منفردی قبائل کے حصے میں آتے۔

۱۔ حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ رے جانا اور يوم النَّفَرَ ۔۔۔ ۱۳ ذی الحجه کو جو کہ حج کے سلسلہ کا آخری دن ہے ۔۔۔ منی سے روانگی کا پروانہ دینا۔ یہ اعزاز ایساں بن حضرت کے خاندان بنو خوت بن مرہ کو حاصل تھا جو صوفہ کہلاتے تھے۔ اس اعزاز کی توضیح یہ ہے کہ ۱۳ ذی الحجه کو حاجی لکھری نہار سکتے تھے جب تک کہ پہلے صوفہ کا ایک ایک آدمی لکھری نہار لیتا۔ پھر حاجی لکھری مار کر فارغ ہو جاتے اور منی سے

۲۔ یہ مضااض جرمی نہیں ہے جس کا ذکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعے میں گذر چکا ہے۔

تلہ سعوی نے لکھا ہے کہ اہل فارس پچھلے دور میں خاذ کبر کے یہے اموال درخواہرات بھیختے رہتے تھے۔ ماسان بن باہنہ سعوی کے بنے ہوئے دو ہر، درخواہرات، تلواریں اور بہت سا سو بھیجا تھا۔ عمر دنیب نسب نعم کے نوئیں ہیں فی الیاتھا۔ (مردرج الذہب ۲۰۵/۱)

الله بن ہشام ار ۱۳۰، ۱۱۵۔

روانگی کا ارادہ کرتے تو صوفی کے لوگ منی کی واحد گذرگاہ عقبہ کے دونوں جانب گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک خود گذر نہ پہنچ سکی کو گذر نے نہ دیتے۔ ان کے گذر لینے کے بعد بقیہ لوگوں کے لیے راستہ خالی ہوتا۔ جب صوفی ختم ہو گئے تو یہ اعزاز بنو تمیم کے ایک خاندان بنو سعد بن زید مناہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ ۲۔ ازدی المجرہ کی صبح کو مزادلفہ سے منی کی جانب فاضہ (روانگی) یہ اعزاز بنو سعد وان کو حاصل تھا۔ ۳۔ حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا۔ یہ اعزاز بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو تمیم بن عدی کو حاصل تھا۔ مکہ پر بنو خزانہ کا اقتدار کوئی تین سورس تک قائم رہا اور یہی زمانہ تھا جب عثمانی قبائل مکارہ حجاز سے نکل کر نجد، اطراف عراق اور بحیرہ وغیرہ میں پھیلے اور مکہ کے اطراف میں صرف قریش کی چند تباخیں باقی رہیں جو خانہ بدوش تھیں۔ ان کی الگ الگ ٹولیاں تھیں اور بنو کنانہ میں ان کے چند متفرق گھرانے تھے مگر مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی تولیت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا یہاں تک کہ قصیٰ بن کلاب کاظمہور ہوا۔<sup>۱۱</sup>

قصیٰ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ابھی گودھی میں تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی والدہ نے بنو عذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ چنگ ملک شام کے اطراف میں رہتا تھا اس لیے قصیٰ کی والدہ وہیں حلپی گئی اور وہ قصیٰ کو بھی اپنے ساتھ لے گئی۔ جب قصیٰ جوان ہوا تو مکہ واپس آیا۔ اس وقت مکہ کا والی خلیل بن جبیشہ خزانی تھا۔ قصیٰ نے اس کے پاس اس کی بیٹی جبی سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ خلیل نے منظور کر لیا اور شادی کر دی۔ اس کے بعد جب خلیل کا انتقال ہوا تو مکہ اور بیت اللہ کی تولیت کے لیے خزانہ اور قریش کے درمیان جنگ ہو گئی اور اس کے نتیجے میں مکہ اور بیت اللہ پر قصیٰ کا اقتدار قائم ہو گیا۔

جنگ کا سبب کیا تھا؟ اس بارے میں تین بیانات ملتے ہیں، ایک یہ کہ جب قصیٰ کی والدہ خوب پھل پھول گئی اس کے پاس دولت کی بھی فراوانی ہو گئی اور اس کا وقار بھی بڑھ گیا اور ادھر خلیل کا انتقال ہو گیا تو قصیٰ نے محسوس کیا کہ اب بنو بکر کے سچائے میں کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کا کہیں زیادہ حقدار ہوں۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ قریش خالص اسماعیلی عرب ہیں اور بقیہ آہل اسماعیل کے سردار بھی ہیں (لہذا سریا ہی کے متحی وہی ہیں) چنانچہ اس نے قوش

اور بنو خزادہ کے پچھے لوگوں سے گفتگو کی کہ کیوں نہ بنو خزادہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکال باہر کیا جاتے ہیں  
لوگوں نے اس کی رائے سےاتفاق کیا۔<sup>۱۶</sup>

دوسرابیان یہ ہے کہ — خزادہ کے بقول — خود حُلیل نے قصیٰ کو وصیت کی تھی کہ وہ  
کعبہ کی نگہداشت کرے گا اور مکہ کی باغ ڈور سنبھالے گا۔<sup>۱۷</sup>

تیسربیان یہ ہے کہ حُلیل نے اپنی بیٹی جبی کو بیت اللہ کی تولیت سونپی تھی اور ابوغیثان  
خزادہ کو اس کا دکیل بنایا تھا۔ چنانچہ جبی کے نائب کی حیثیت سے وہی خانہ کعبہ کا کلید بدار تھا جب  
حُلیل کا انتقال ہو گیا تو قصیٰ نے ابوغیثان سے ایک مشک شراب کے بدلتے کعبہ کی تولیت خریدی  
لیکن خزادہ نے پر خرید و فروخت منظورہ کی اور قصیٰ کو بیت اللہ سے روکنا چاہا۔ اس پر قصیٰ نے بنو خزادہ  
کو مکہ سے نکالنے کے لیے قریش اور بنو کنانہ کو جمع کیا اور وہ قصیٰ کی آواز پر بلیک کہتے ہوئے جمیع  
ہو گئے۔<sup>۱۸</sup>

بہر حال وجہ جو بھی ہو، واقعات کا سلسلہ اس طرح ہے کہ جب حُلیل کا انتقال ہو گیا اور صوفہ  
نے وہی کرنا چاہا جو وہ ہمیشہ کرتے آتے تھے تو قصیٰ نے قریش اور کنانہ کے لوگوں کو ہمراہ لیا اور عقبہ  
کے نزدیک جہاں وہ جمع تھے ان سے اُک کہا کہ تم سے زیادہ سہم اس اعزاز کے حقدار ہیں۔ اس پر  
صوفہ نے لڑائی چھیڑ دی مگر قصیٰ نے انہیں مغلوب کر کے ان کا اعزاز چھین لیا۔ یہی موقع تھا  
جب خزادہ اور بنو بکر نے قصیٰ سے دامن کشی اختیار کر لی۔ اس پر قصیٰ نے انہیں بھی لکھا، پھر  
کیا تھا، فرقین میں سخت جنگ چھڑ گئی اور طرقین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس کے  
بعد صلح کی آوازیں بلند ہوئیں اور بنو بکر کے ایک شخص یعنی بن عوف کو حکم بنا یا گیا۔ یعنی نیصلہ  
کیا کہ خزادہ کے بجائے قصیٰ خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کے اقتدار کا زیادہ حقدار ہے۔ نیز قصیٰ نے  
جن خون بہایا ہے سب رائیگاں قرار دے کر پاؤں تک رومند رہا ہوں۔ البتہ خزادہ اور بنو بکرنے  
جن لوگوں کو قتل کیا ہے ان کی دیست ادا کریں اور خانہ کعبہ کو بلاروک ٹوک قصیٰ کے حوالہ کر دیں۔  
اسی نیصلہ کی وجہ سے یعنی کا لقب شدّاخ پڑ گیا۔<sup>۱۹</sup> شدّاخ کے معنی یہیں پاؤں تک رومند نے والا۔  
اس نیصلہ کے نتیجے میں قصیٰ اور قریش کو مکہ پر مکمل نفوذ اور سیادت حاصل ہو گئی، اور قصیٰ بیت اللہ

کا درینی سرپرہا بن گیا جس کی زیارت کے لیے عب کے گوشے گوشے سے آنے والوں کا تانابند ہا  
ڑتا تھا۔ مکہ پُر فضیٰ کے سلطنت کا یہ واقعہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط یعنی ۷۳۴ھ کا ہے ۱۱۷  
فضیٰ نے مکہ کا بندوبست اس طرح کیا کہ قریش کو اطرافِ مکہ سے بلا کر پورا شہر ان پر تقسیم کر دیا  
اور ہر خاندان کی پودویاں کاٹھ کا نام مقرر کر دیا۔ البتہ مہینے آگے پیچھے کرنے والوں کو، نیز آل صفوان،  
بنو عدوان اور بنو مرہ بن عوف کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا۔ کیونکہ فضیٰ سمجھتا تھا کہ یہ بھی دین  
ہے جس میں رد و بدل کرنا درست تھیں ۱۱۸

فضیٰ کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے حرم کعبہ کے شمال میں دارالتدوہ تعمیر کیا۔ اس کا  
دروازہ مسجد کی طرف تھا، دارالتدوہ (حقیقت قریش کی پارلیمنٹ تھی جہاں تمام بڑے بڑے ادارہم  
معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ قریش پر دارالتدوہ کے بڑے احسانات ہیں کیونکہ یہ ان کی وحدت  
کا ضامن تھا اور یہیں ان کے الجھے ہوئے مسائل بحسن و خوبی طے ہوتے تھے ۱۱۹۔

فضیٰ کو سرپرہی اور عظمت کے حسب ذیل منظاہر حاصل تھے:

۱۔ دارالتدوہ کی صدارت، جہاں بڑے بڑے معاملات کے متعلق مشورے ہوتے تھے اور  
جہاں لوگ اپنی لاکیوں کی شادیاں بھی کرتے تھے۔

۲۔ رؤامر لعنی جنگ کا پرچم فضیٰ ہی کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا۔

۳۔ جماعت — یعنی خانہ کعبہ کی پاسانی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا دروازہ فضیٰ ہی  
کھولتا تھا اور وہی خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید بذریعی کا کام انجام دیتا تھا۔

۴۔ سعادیہ (پانی پلانا) — اس کی صورت یہ تھی کہ کچھ حوض میں حاجیوں کے لیے پانی بھردیا جاتا  
تھا اور اس میں کچھ بھورا و کھٹش ڈال کر اسے شیر بنادیا جاتا تھا۔ جب حجاج کہ آتے تھے تو اسے پیتے  
تھے ۱۲۰

۵۔ برقادہ (حاجیوں کی میزانی) — اس کے معنی یہ ہیں کہ حاجیوں کے لیے بطور ضیافت کھانا  
تیار کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے فضیٰ نے قریش پر ایک خاص رقم مقرر کر دکھی تھی، جو موسم حجہ میں  
فضیٰ کے پاس جمع کی جاتی تھی۔ فضیٰ اس رقم سے حاجیوں کے لیے کھانا تیار کرایا تھا جو لوگ

جنگ دست ہوتے، یا جن کے پاس تو شہ نہ ہوتا وہ یہی کھانا کھاتے تھے۔

یہ سارے مناصب قصیٰ کو حاصل تھے۔ قصیٰ کا پہلا بیٹا عبدالدار تھا، مگر اس کے بچاتے دوسرा بیٹا عبدالمناف، قصیٰ کی زندگی ہی میں شرف و سیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اس لیے قصیٰ نے عبدالدار سے کہا کہ یہ لوگ اگرچہ شرف و سیادت میں تم پر بازی لے جا چکے ہیں۔ مگر یہیں ان کے ہم پلے کر کے رہوں گا۔ چنانچہ قصیٰ نے اپنے سارے مناصب اور اعزازات کی وصیت عبدالدار کے لیے کر دی، یعنی دارالتدوہ کی ریاست، خانہ کعبہ کی حجابت، لواز، سفایت اور رفادہ سب کچھ عبدالدار کو دے دیا۔ چونکہ کسی کام میں قصیٰ کی مخالفت نہیں کی جاتی تھی اور تھا اس کی کوئی بات مسترد کی جاتی تھی، بلکہ اس کا ہر اقدام، اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی وجہ اتباع دین سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے کسی نزاع کے بغیر اس کی وصیت قائم رکھی۔ لیکن جب عبدالمناف کی وفات ہو گئی تو اس کے بیٹوں کا ان مناصب کے سلسلے میں اپنے چھیرے بھائیوں یعنی عبدالدار کی اولاد سے جھکڑا ہوا۔ اس کے نتیجے میں قریش دو گروہ میں بٹ گئے اور قریب تھا کہ دونوں میں جنگ ہو جاتی مگر چھرا نہوں نے صلح کی آواز بلند کی اور ان مناصب کو باہم تقسیم کر دیا۔ چنانچہ سفایت اور رفادہ کے مناصب بتو عبدالمناف کو دیے گئے اور دارالتدوہ کی سربراہی لواز اور حجابت بتو عبدالدار کے باتحدیں رہی۔ پھر بتو عبدالمناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لیے قرعداً تو قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام تخلیا۔ لہذا ہاشم ہی نے اپنی زندگی بھر سفایہ و رفادہ کا انتظام کیا۔ البتہ جب ہاشم کا انتقال ہو گیا تو انکے بھائی مطلب نے ان کی جانشینی کی، مگر مطلب کے بعد ان کے بھیجے عبد المطلب بن ہاشم نے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے۔ یہ منصب سنبھال لیا اور ان کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہوئی۔

یہاں تک کہ جب اسلام کا دور آیا تو حضرت عباد بن عبد المطلب اس منصب پر فائز تھے۔<sup>۱۶</sup>  
ان کے علاوہ کچھ اور مناصب بھی تھے جنہیں قریش نے باہم تقسیم کر کر تھے ان مناصب اور انتظامات کے ذریعے قریش نے ایک چھوٹی سی حکومت۔ بلکہ حکومت نما انتظامیہ۔  
قائم کر کھی تھی جس کے سرکاری ادارے اور تشکیلات کچھ اسی ڈھنگ کی تھیں جیسی آج کل پالیوانی مجلسیں اور ادارے ہو اکرتے ہیں۔ ان مناصب کا خاکہ حسب ذیل ہے:

- ۱۔ ایسار — یعنی فال گیری اور قسمت دریافت کرنے کے لیے بتوں کے پاس جو تیر رکھ رہتے تھے ان کی تولیت۔ یہ منصب بنو مسح کو حاصل تھا۔
- ۲۔ مالیات کاظم — یعنی بتوں کے تقریب کے لیے جو نذر انسے اور قربانیاں پیش کی جاتی تھیں ان کا انتظام کرنا، نیز چھکڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرنا۔ یہ کام بوسہم کو سونپا گیا تھا۔
- ۳۔ شوری — یہ اعزاز بنو اسد کو حاصل تھا۔
- ۴۔ اشاق — یعنی دیت اور جرماؤں کاظم۔ اس منصب پر بنو شیم فائز تھے۔
- ۵۔ عقاب — یعنی قومی پرچم کی علمبرداری۔ یہ بنو امیمہ کا کام تھا۔
- ۶۔ قبہ — یعنی فوجی کمپ کا انتظام اور شہسواروں کی قیادت۔ یہ بنو مخزوم کے حصے میں آیا تھا۔
- ۷۔ سفارت — بنو عدی کا منصب تھا۔

باقیہ عرب سرداریاں ہم سچھپلے صفحات میں تحاطانی اور عدنانی قبائل کے ترک وطن کا ذکر کرچکے ہیں اور تبلچکے ہیں کہ پورا ملک عرب ان قبائل کے درمیان تقسیم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ان کی امارتوں اور سرداریوں کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ جو قبائل حیرہ کے اردوگرد آباد تھے انہیں حکومت حیرہ کے تابع مانا گیا۔ اور جن قبائل نے بادیۃ الشام میں سکونت اختیار کی تھی انہیں غسانی حکمرانوں کے تابع قرار دیا گیا، مگر یہ مختصی صرف نام کی تھی، عملانہ تھی۔ ان دو مقامات کو چھوڑ کر اندر ون عرب آباد قبائل بہر طور آزاد تھے۔

ان قبائل میں سرداری نظام رائج تھا۔ قبیلے خود اپنا سردار مقرر کرتے تھے۔ اور ان سرداروں کے لیے ان کا قبیلہ ایک مختصر سی حکومت ہوا کرتا تھا۔ سیاسی وجود و تحفظ کی بنیاد، قبائلی وحدت پر مبنی عصیت اور اپنی سر زمین کی حفاظت و دفاع کے مشترکہ مقادیات تھے۔

قبائلی سرداروں کا درجہ اپنی قوم میں بادشاہوں جیسا تھا، قبیلہ صلح و جنگ میں بہر حال اپنے سردار کے فیصلے کے تابع ہوتا تھا اور کسی حال میں اس سے الگ تھک ک نہیں رہ سکتا تھا۔ بڑا کو وہی مطلق العنانی اور استبداد حاصل تھا جو کسی دلکشیر کو حاصل ہوا کرتا ہے حتیٰ کہ بعض سرداروں کا یہ حال تھا کہ اگر وہ پکڑ جلتے تو ہزاروں تلواریں یہ پوچھے بغیر بے نیام ہو جائیں کہ سردار کے غصے کا سبب کیا ہے۔

تمہم چونکہ ایک ہی کتبے کے چھیرے بجا یوں میں سرداری کے لیے کشاکش بھی ہوا کرتی تھی اس لیے اس کا تعاضاً تھا کہ سردار اپنے قبائلی عوام کے ساتھ رداداری برتے۔ خوب مال خرچ کے مہمان نوازی میں پیش پیش رہے، کرم و بُرداری سے کام لے، شجاعت کا عملی منظاہرہ کرے اور غیر متنازع امور کی طرف سے دفاع کرے تاکہ لوگوں کی نظر میں عموماً، اور شرعاً کی نظر میں خصوصاً خوبی و کمالات کا جامع بن جاتے۔ (کیونکہ شعراء اس دور میں قبیلے کی زبان ہوا کرتے تھے) اور اس طرح سردار اپنے مقابل حضرات سے بلند و بالا درجہ عاصل کر لے۔

سرداروں کے کچھ خصوصیں اور امتیازی حقوق بھی ہوا کرتے تھے جنہیں ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔

لِكَ الْمَرْبَاعُ فِينَا وَالصَّفَابِ وَحِكْمَتُكَ وَالنِّشِيطَةُ وَالْفَضُولُ

” ہمارے درمیان تمہارے لیے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ اور منتخب مال ہے اور وہ مال ہے جس کا تم فیصلہ کر دو اور جو سرراہ ہاتھ آ جاتے۔ اور جو تقسیم سے بچ رہے ہے“  
مرباع : مال غنیمت کا چوتھائی حصہ۔

صفی : وہ مال جسے قیسم سے پہلے ہی سردار اپنے لیے منتخب کر لے۔

نشیط : وہ مال جو صل قوم تک پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سردار کے ہاتھ لگ جاتے۔

فضول : وہ مال جو تقسیم کے بعد بچ رہے اور غازیوں کی تعداد پر برابر تقسیم نہ ہو۔ مثلاً تقسیم سے پہلے ہوئے اونٹ گھوڑے دنیہ رہے ان سب اقسام کے مال سردار قبیلہ کا حق ہوا کرتے تھے۔

سیاسی حالت | جزیرۃ العرب کی حکومتوں اور حکمرانوں کا ذکر ہو چکا یہ جانہ ہو گا کہ اب ان کے کسی قدر سیاسی حالات بھی ذکر کر دیتے جائیں۔

جزیرۃ العرب کی حکومتوں سرحدی علاقے جو غیر مالک کے پڑوں میں پڑتے تھے ان کی سیاسی حالت اضطراب و انتشار اور انتہائی زوال و انحطاط کا شکار تھی۔ انسان، مالک اور غلام یا حاکم اور مکوم کے دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ساسے فوائد سربراہوں — اور خصوصاً غیر ملکی ہر کوہ کو کو حاصل تھے اور سارا بوجھ غلاموں کے سر تھا۔ اسے زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ رعایا درحقیقت ایک کھیتی تھی جو حکومت کے لیے محاصل اور آمد فی فراہم کرتی تھی اور حکومتیں اسے لذتوں، شہروتوں، عیش رانی اور ظلم و جور کے لیے استعمال کرتی تھیں۔ اور ان پر ہر طرف سے ظلم کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر وہ حرفِ شکایت زبان پر نہ لاسکتے تھے۔

بلکہ ضروری تھا کہ طرح طرح کی ذلت و رسوائی اور نسلم و چیرہ دستی برداشت کریں اور زبان بند رکھیں، کیونکہ جو ربیداد کی حکمرانی تھی اور انسانی حقوق نام کی کسی چیز کا کہیں کوئی وجود نہ تھا۔ ان علاقوں کے پڑوس میں رہنے والے قبائل تزبدہ کا شکار تھے۔ انہیں اغراض خواہشات ادھر سے ادھر، اور ادھر سے ادھر پیش کیتی رہتی تھیں۔ کبھی وہ عراقیوں کے ہمنوا ہو جاتے تھے اور کبھی شامیوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔

جو قبائل اندر وین عرب آباد تھے ان کے بھی جوڑ ڈھیلے اور شیرازہ منتشر تھا۔ ہر طرف قبائلی ملکوں، نسلی فسادات اور مذہبی اختلافات کی گرم بازاری تھی، جس میں ہر قبیلے کے افراد بہر صورت اپنے اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے تھے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ چنانچہ ان کا ترجمان کہتا ہے

وَمَا أَنَا إِلَّا رَمَّٰنْ عَزِيزٌ كُلُّهُ إِنْ خَوَّتْ  
غَوَّيْتْ . وَلَوْنْ تَوْشَدْ غَزِيرَةُ أَرْشَدْ

”میں بھی تو قبیلہ غزیری کا ایک فرد ہوں۔ اگر وہ غلط راہ پر چلے گا تو میں بھی غلط راہ پر چلوں گا اور اگر وہ صحیح راہ پر چلے گا تو میں بھی صحیح راہ پر چلوں گا“

اندر وین عرب کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کی آواز کو قوت پہنچاتا اور نہ کوئی مرجع ہی تھا جس کی طرف مشکلات و شدائی میں رجوع کیا جاتا اور جس پر دفت پڑنے پر اعتماد کیا جاتا۔

ہاں جماز کی حکومت کو قدر و احترام کی نگاہ سے لفڑنا دریکھا جاتا تھا اور اسے مرکز دین کا فائدہ پاساں بھی تصور کیا جاتا تھا۔ یہ حکومت و تحقیقت ایک طرح کی دینی قیادت اور دینی پیشوائی کا میخون مرکب تھی۔ اسے اہل عرب پر دینی پیشوائی کے نام سے بالادستی حاصل تھی اور حرم اور لطفاء حرم پر اس کی باقاعدہ حکمرانی تھی۔ وہی زائرین بیت اللہ کی ضروریات کا انتظام اور شریعت پر ایسی کے احکام کا نفاذ کرتی تھی اور اس کے پاس پارلیمانی اداروں جیسے ادارے اور تشکیلات بھی تھیں۔ لیکن یہ حکومت اتنی کمزور تھی کہ اندر وین عرب کی ذمہ داریوں کا بوجھاٹھانے کی طاقت نہ رکھتی تھی جیسا کہ جیشیوں کے چملے کے موقع پر ظاہر ہوا۔

## عرب — ادبیان و مذاہب

عام باشندگان عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں دین ابراہیمی کے پیروز تھے، اس لیے صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر کار بند تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے خدائی درس و نصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا۔ پھر بھی ان کے اندر توحید اور کچھ دین ابراہیمی کے شعارات باقی رہے، تا انکہ بُنُوْخُنُّ اعْدَاءُ کا سردار عمر و بن الحنفی منظر عام پر آیا۔ اس کی شود نمازی بیکو کاری، صدقہ و خیرات اور دینی امور سے گھری دلچسپی پر ہوئی تھی، اس لیے لوگوں نے اسے محبت کی نظر سے دیکھا اور اسے اکابر علماء اور افاضل اولیاء میں سے سمجھ کر اس کی پیروی کی۔ پھر اس شخص نے ملک شام کا سفر کیا۔ دیکھا تو دہاں بتوں کی پوچھا کی جا رہی تھی۔ اس نے سمجھا کہ یہ بھی بہتر اور برق ہے کیونکہ ملک شام پیغمبروں کی سر زمین اور آسمانی کتابوں کی نزول گاہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ ہُبُل بُت بھی لے آیا۔ اور اسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا اور اہل مکہ کو اللہ کے ساتھ شرک کی دعوت دی۔ اہل مکہ نے اس پر بیک کہا۔ اس کے بعد بہت جلد باشندگان حجاز بھی اہل مکہ کے نقش قدم پر چل پڑے، کیونکہ وہ بیت اللہ کے والی اور حرم کے باشندے تھے لیہ اس طرح عرب میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔

ہُبُل کے علاوہ عرب کے قدیم ترین بول میں سے مٹاہ ہے۔ یہ بھرا حمر کے صالح پر قدریہ کے قریب مُشَلَّ میں نصب تھا۔ اس کے بعد طائف میں لاث نامی بُت وجود میں آیا۔ پھر وادی نخل میں عُوَّانی کی تنصیب عمل میں آئی۔ یہ تینوں عرب کے سب سے بڑے بُت تھے۔ اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بتوں کی بھرمار ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جن عمر و بن الحنفی کے تابع تھا۔ اس نے بتایا کہ قوم فوج کے بُت — یعنی وَدَ، سُوَاعَ، یَغُوثَ، یَعُوقَشَ اور رَثَر — جذہ میں مدفن ہیں۔ اس اطلاع پر عمر و بن الحنفی جدہ گیا اور ان بتوں کو کھو دنکھالا۔ پھر انہیں تہامہ لایا اور جب حج کا زمانہ آیا تو انہیں مختلف قبائل کے حوالے کیا۔ یہ قبائل ان بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں

لے گئے۔ اس طرح ہر ہر قبیلے میں، پھر ہر ہر گھر میں ایک ایک بُت ہو گیا۔

پھر مشرکین نے مسجد حرام کو بھی بتوں سے بھر دیا چنانچہ جب مکہ فتح کیا گیا تو بیت اللہ کے گرد اگر دین سوسائٹی بُت تھے جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے توڑا۔ آپ ہر ایک کو پھر دی سے ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور وہ گرتا جاتا تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا اور ان سارے بتوں کو مسجد حرام سے باہر نکال کر جلا دیا گیا۔<sup>۳</sup>

غرض شرک اور بُت پرستی اہل جاہلیت کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی تھی جنہیں گھنڈ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

پھر اہل جاہلیت کے یہاں بُت پرستی کے کچھ خاص طریقے اور مراسم بھی رائج تھے جو زیادہ تر عمر دین لُحْنی کی اختراں تھے۔ اہل جاہلیت سمجھتے تھے کہ عمر دین لُحْنی کی اختراں اعات دین ابراہیم میں تبدیلی نہیں بلکہ بدعت حصہ ہیں۔ ذیل میں ہم اہل جاہلیت کے اندر رائج بُت پرستی کے چند اہم مراسم کا ذکر کر رہے ہیں:

- ۱۔ دورِ جاہلیت کے مشرکین بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے، ان کی پناہ ڈھونڈتھے تھے انہیں زور زور سے پکارتے تھے اور حاجت روائی و شکل کشانی کے لیے ان سے فریاد اور الشجاعیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ سے سفارش کر کے ہماری مراد پوری کر دیں گے۔
- ۲۔ بتوں کا حج و طواف کرتے تھے، ان کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آتے تھے اور انہیں سجدہ کرتے تھے۔

۳۔ بتوں کے لیے نذر اور قربانیاں پیش کرتے اور قربانی کے ان جانوروں کو بھی بتوں کے آستانوں پر لیجا کر ذبح کرتے تھے اور کبھی کسی بھی جگہ ذبح کر لیتے تھے مگر بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ذبح کی ان دونوں صورتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد ہے: وَمَا ذُبَحَ عَلَى النَّصْبِ (۲۰:۵) یعنی ”وہ جانور بھی حرام ہیں جو آستانوں پر ذبح کیے گئے ہوں“؛ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِنَ الْمَيْذَرِ أَسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (۱۲۱:۶) یعنی ”اُس جانور کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو“۔

۴۔ بتوں سے تقریب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مشرکین اپنی صوابرید کے مطابق اپنے کھانے پینے

کی چیزوں اور اپنی کھیتی اور چوپائے کی پیداوار کا ایک حصہ ہیں کے لیے خاص کر دیتے تھے اس سلسلے میں ان کا دلچسپ رواج یہ تھا کہ وہ اللہ کے لیے بھی اپنی کھیتی اور جانوروں کی پیداوار کا ایک حصہ خاص کرتے تھے پھر مختلف اسباب کی بنیاد پر اللہ کا حصہ تو ہیں کی طرف منتقل کر سکتے تھے لیکن ہیں کا حصہ کسی بھی حال میں اللہ کی طرف منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مَا ذَرَّاً مِنَ الْخَرْبَثِ وَالْأَنْعَامَ نَصِيبِنَا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِرَزْعَمِهِ  
وَهَذَا لِشَرِكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشَرِكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَمَوْهِيَّلُ  
إِلَى شَرِكَائِهِمْ طَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ (۱۳۶:۶۶)

”اللہ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں اس کا ایک حصہ انہوں نے اللہ کے لیے مقرر کیا اور کہا یہ اللہ کے لیے ہے — ان کے خیال میں — اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے، تو جو ان کے شرکاء کے لیے ہوتا ہے وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا (مگر) جو اللہ کے لیے ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء تک پہنچ جاتا ہے کتنا بڑا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کرتے ہیں؟“

۵ - ہیں کے تقریب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ مشرکین کھیتی اور چوپائے کے اندر مختلف قسم کی نہیں مانتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرَثٌ حَجَرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِرَزْعَمِهِ وَأَنْعَامٌ  
حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتَرَاءٌ عَلَيْهِ ۝ (۱۳۸:۶)

”ان مشرکین نے کہا کہ یہ چوپائے اور کھیتیاں منوع ہیں۔ انہیں وہی کہا سکتا ہے جسے ہم چاہیں — ان کے خیال میں — اور یہ وہ چوپائے ہیں جن کی پیٹھ حرام کی گئی ہے زہان پر سواری کی جاسکتی ہے نہ سامان لدار جاسکتا ہے، اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر یہ لوگ اللہ پر افتراہ کرتے ہوتے — اللہ کا نہیں لیتے“

۶ - ان ہی جانوروں میں بچیرہ، سائبہ، وَصَيْلَة اور حامی تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بچیرہ، سائبہ کی بچی کو کہا جاتا ہے۔ اور سائبہ اس اوٹھنی کو کہا جاتا ہے جس سے دس بار پے درپے مادہ پچھے پیدا ہوں، درمیان میں کوئی فُرُز نہ پیدا ہو۔ ایسی اوٹھنی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی، اس کے بال نہیں کامٹے جاتے تھے۔ اور ہمہ ان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہیں پینا تھا۔ اس کے بعد یہ اوٹھنی جو مادہ بچتے جنسی اس کا کان جیبیر دیا جاتا اور اس سے بھی اس کی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اس پر سواری نہ کی جاتی۔ اس کا بال نہ کامٹا جاتا۔ اور ہمہ ان کے سوا کوئی اس کا دودھ

نہ پہنچا۔ یہی بھیرہ ہے اور اس کی ماں سائیہ ہے۔

وَصِيلَهُ أُسْ بَكْرِيٍّ كُوْكَبْهَا جَاتَتْ حَتَّا جُوْپَانْجَ وَفَحَرْپَے درپے دو دو مادہ پنچے جُنْتَيْ (عینی پانچ بار میں دس مادہ پنچے پیدا ہوتے) درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہوتا۔ اس بکری کو اس لیے وَصِيلَه کہا جاتا تھا کہ وہ سارے مادہ بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی تھی۔ اس کے بعد اس بکری سے جو پنچے پیدا ہوتے انہیں صرف مرد کھا سکتے تھے عورت میں نہیں کھا سکتی تھیں۔ البتہ اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہوتا تو اس کو مرد عورت سمجھی کھا سکتے تھے۔

حَامِيٌّ اُسْ زَوْنُتْ کو کہتے تھے جسکی جُنْتَيْ سے پے درپے دس مادہ پنچے پیدا ہوتے، درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہوتا۔ ایسے اونٹ کی پیٹھ محفوظ کر دی جاتی تھی۔ نہ اس پر سواری کی جاتی تھی، نہ اس کا بال کاٹا جاتا تھا۔ بلکہ اسے اونٹوں کے روپ میں جُنْتَيْ کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور اس کے سوا اس سے کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھایا جاتا تھا۔ دورِ جاہلیت کی بُت پُستی کے ان طرقوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَاءِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامِّ وَلِكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا  
يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَأَكْثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (۱۰۳:۵)

”اللہ نے نہ کوئی بھیرہ، نہ کوئی سائیہ نہ کوئی وَصِيلَه اور نہ کوئی حامی بیا ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر تجویز گھر تے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔“

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَقَالُوا مَا فِي بُطْلُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامُ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى  
أَذْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْنَتَةً فَهُمْ فِيهِ شَرِكَاءٌ ۝ (۱۳۹:۶)

”ان مشرکین (انہیں) نے کہا کہ ان چورپائیں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ البتہ اگر وہ مردہ ہو تو اس میں مرد عورت سب شریک ہیں۔“

چورپائیں کی مذکورہ اقسام یعنی بھیرہ، سائیہ وغیرہ کے کچھ دوسرے مطالب بھی بیان کرنے گئے ہیں جو ابن اسحاق کی مذکورہ تفیر سے قدیمے مختلف ہیں۔

حضرت سعید بن میثب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ جانور ان کے طاغوتوں کے لیے تھے اور صحیح بخاری میں مرفو عامروی ہے کہ عمر زدن لمحی پہلا شخص ہے جس نے تبوں کے نام پر جانور چھوڑ دیا ہے۔

عرب اپنے تبوں کے ساتھ یہ سب کچھ اس عقیدے کے ماتحت کرتے تھے کہ یہ بُت انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ کے حضور ان کی سفارش کر دیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُ هُنَّا إِلَّا لِيُقْرَبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفٌ ط ۳۹۱

”ہم ان کی عبادت محض اس لیے کہ رہے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں“  
 وَ يَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَا لَا يَضْرُهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُولُونَ  
 هَؤُلَاءِ شُفَاعَاءُنَا عِنْدَ اللَّهِ ط ۱۰۱

”یہ مشرکین اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں“

بشرکین عرب ازلام یعنی فال کے تیر بھی استعمال کرتے تھے۔ (ازلام، زلم کی جمع ہے۔ اور زلم اُس تیر کو کہتے ہیں جس میں پُر نگے ہوں) فال گیری کے لیے استعمال ہونے والے یہ تیر تین قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جن پر صرف ”ہاں“ یا ”نہیں“ لکھا ہوتا تھا۔ اس قسم کے تیر سفر اور نکاح وغیرہ جیسے کاموں کے لیے استعمال کئے جاتے تھے۔ اگر فال میں ”ہاں“ لکھتا تو مطلوبہ کام کر دیا جاتا اگر ”نہیں“ لکھتا تو سال بھر کے لیے ملتوي کر دیا جاتا اور آئندہ پھر فال نکالی جاتی۔

فال گیری کے تیروں کی دوسری قسم وہ تھی جن پر پافی اور دیت وغیرہ درج ہوتے تھے اور تیسری قسم وہ تھی جس پر یہ درج ہوتا تھا کہ ”تم میں سے ہے“ یا ”تمہارے علاوہ سے ہے“ یا ”ملحق“ ہے۔ ان تیروں کا مصرف یہ تھا کہ جب کسی کے نسب میں شبہ ہوتا تو اسے ایک سو اونٹوں سیستہ بُل کے پاس لے جاتے۔ اونٹوں کو تیروں کے مہنت کے حوالے کرتے اور وہ تمام تیروں کو ایک ساتھ ملا کر گھما گھن جھوڑتا، پھر ایک تیر نکالتا۔ اب اگر یہ نکھلتا کہ ”تم میں سے ہے“ تو وہ ان کے قبیلے کا ایک معزز فرد قرار پاتا اور اگر یہ پرآمد ہوتا کہ ”تمہارے غیرے ہے“ تو علیف

قرار پاتا اور اگر یہ نکھلتا کہ "لحق" ہے تو ان کے اندر اپنی حیثیت پر برقرار رہتا، نسبیتی کا فرد مانا جاتا ہے حلیف گئے

اسی سے ملتا جلتا ایک رواج مشرکین میں جو آکھیلے اور جوئے کے تیر استعمال کرنے کا تھا۔ اسی تیر کی نشاندہی پر وہ جوئے کا اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹتے تھے یہ مشرکین عرب کا ہنوں، عَرَافُوں اور نجومیوں کی خبروں پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ کاہن اسے کہتے ہیں جو آنے والے واقعات کی پیش گوئی کرے اور راز ہائے سرپستہ سے واقفیت کا دعویدہ ہو۔ بعض کاہنوں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ایک جن ان کے تابع ہے جو انہیں خبریں پہنچاتا رہتا ہے، اور بعض کاہن کہتے تھے کہ انہیں ایسا فہم عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ غیب کا پت لگا لیتے ہیں۔ بعض اس بات کے تدعیٰ تھے کہ جو آدمی ان سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے اسکے قول فعل سے یا اس کی حالت سے کچھ مقدمات اور اسباب کے ذریعے وہ جانتے واردات کا پتا لگایتے ہیں۔ اس قسم کے آدمی کو عِزَّات کہا جاتا تھا۔ مثلاً وہ شخص جو چوری کے مال پوری کی جگہ اور گم شدہ جانور وغیرہ کا پتا لھکانا پتا آتا۔

نجومی لئے کہتے ہیں جو تاروں پر غور کر کے اور ان کی زمانی و اوقات کا حساب لٹکا کر پتا لگانا ہے کہ دنیا میں آئندہ کیا حالات و اتفاقات پیش آئیں گے۔ ان نجومیوں کی خبروں کو مانتا درحقیقت تاروں پر ایمان لانا ہے اور تاروں پر ایمان لانے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مشرکین عرب پچھڑوں پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم پر فلاں اور فلاں پچھڑتے سے بارش ہوئی ہے۔

مشکین میں بدشکونی کا بھی رواج تھا۔ اسے عربی میں طیرۃ کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مشکین کسی چڑیا یا ہرن کے پاس جا کر اسے بھکاتے تھے۔ پھر اگر وہ داہنے جانب بھاگتا تو اسے اچھائی اور کامیابی کی علامت سمجھ کر اپنا کام کر گزرتے اور اگر باقیں جانب بھاگتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھ کر اپنے کام سے باز رہتے۔ اسی طرح اگر کوئی چڑیا یا جانور راستہ کاٹ دیتا تو اسے بھی منہوس سمجھتے۔

کے معاشرات خضری ۱۵/۱، ابن ہشام ۱۰۲/۱، ۱۰۳، ۱۰۴/۱  
ہے اس کا طریقہ یہ تھا کہ جو اچھلے والے ایک اوپر نصب کر کے اسے دس یا اٹھا میں حصوں پر قسم کرتے۔ پھر تیر دوں سے قرود اندازی کرتے۔ کسی تیر پر جیت کا نشان بنایا ہوتا اور کوئی تیر بے نشان ہوتا جس کے نام پر جیت کے نشان والا تیر نہ لکھتا وہ تو کامیاب مانا جاتا اور جس کے نام پر بے نشان تیر نہ لکھتا اسے قیمت دینی پڑتی۔

٩٥- مراجعة المفاصح شرح مشكلة المصانع ٢/٢، طبع لكتور.

اسی سے ملتی جلتی ایک حرکت یہ بھی تھی کہ مشرکین، خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی لہکاتے تھے اور بعض دونوں، مہینوں، جانوروں، گھروں اور عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ بیماریوں کی چھوٹ کے قابل تھے اور رُوح کے اٹوُبِ جانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ جب بے مقتول کا بد لہ نہ لیا جاتے، اس کو سکون نہیں ملتا اور اس کی رُوح اٹوُبِ کربیا بالوں میں گردش کرتی رہتی ہے اور ”پیاس، پیاس“ یا ”مجھے پلاو، مجھے پلاو“ کی صدالگانی رہتی ہے۔ جب اس کا بد لے لیا جاتا ہے تو اسے راحت اور سکون مل جاتا ہے۔<sup>۱۲</sup>

## دینِ ابراہیمی میں قریش کی بدعست

یہ تھے اہلِ جاہلیت کے عقائد و اعمال، اس کے ساتھ ہی ان کے اندر دینِ ابراہیمی کے کچھ باقیات بھی تھے۔ یعنی انہوں نے یہ دین پورے طور پر نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ وہ بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرتے تھے۔ حج و عمرہ کرتے تھے، عرفات و مزدلفہ میں ٹھہر تے تھے اور ہدی کے جانلوں کی قربانی کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے اس دینِ ابراہیمی میں بہت سی بدعیں ایجاد کر کے شامل کر دی تھیں۔ مثلاً:-

○ قریش کی ایک بدعست یہ تھی کہ وہ کہتے تھے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، حرم کے پاس بان، بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہیں، کوئی شخص ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔ اور اسی بنا پر یہ لپاہام حُس (بہادر اور گرم جوش) رکھتے تھے۔ لہذا ہمارے شایان شان نہیں کہ ہم صد و دھرم سے باہر چاہیں چنانچہ جج کے دوران یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے اور نہ وہاں سے افاضہ کرتے تھے بلکہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے افاضہ کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بدعست کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا ثمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ.. (۱۹۹:۲) یعنی ”تم لوگ بھی دہیں سے افاضہ کر وہاں سے سارے لوگ افاضہ کرتے ہیں۔“<sup>۱۳</sup>

○ ان کی ایک بدعست یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ حمس (قریش) کے لیے احرام کی حالت میں پنیر اور گھنی بنا نا درست نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ بال ولے گھر (یعنی کمبل کے خیبے) میں داخل

ہوں اور نہ یہ درست ہے کہ سایہ حاصل کرنا ہو تو چڑے کے خیسے کے سوا کہیں اور سایہ حاصل کریں ۔<sup>۱۲</sup>

○ ان کی ایک بدعوت یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بیرونِ حرم کے باشندے حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور بیرونِ حرم سے کھانے کی کوئی چیز لے کر آئیں تو اسے ان کے لیے کھانا درست نہیں ۔<sup>۱۳</sup>

○ ایک بدعوت یہ بھی تھی کہ انہوں نے پروردِ حرم کے باشندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حرم میں آنے کے بعد پہلا طواف حمس سے حاصل کئے ہوئے پکڑوں ہی میں کیں۔ چنانچہ اگر ان کا پکڑا دستیاب نہ ہوتا تو مرد نسگے طواف کرتے۔ اور عورتیں اپنے سارے کپڑے اتار کر صرف ایک چھوٹا سا کھلا ہوا کرتا پہن لیتیں۔ اور اسی میں طواف کرتیں اور دوران طواف یہ شعر پڑھتی جاتیں:

الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْكَلَةً وَمَا بَدَأَ مِنْهُ فَلَا أَحِلَّةٌ

”آج کچھ یا گل شرمنگاہ کھل جائے گی۔ لیکن جو کھل جائے میں اسے روکیجنا (حلال نہیں قرار دیتی) اللہ تعالیٰ نے اس خرافات کے خاتمے کے لیے فرمایا: یعنی ادمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ .. ۳۱۱۷۱) ”اسے ادم کے میشو! ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کر لیا کرو“

بہر حال اگر کوئی عورت یا مرد برتر اور معزز بن کر، بیرونِ حرم سے لائے ہوئے اپنے ہی پکڑوں میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد ان پکڑوں کو پھینک دیتا، ان سے نہ خود فائدہ اٹھاتا نہ کوئی اور۔ ○ قریش کی ایک بدعوت یہ بھی تھی کہ وہ حالتِ احرام میں گھر کے اندر دروازے سے داخل نہ ہوتے تھے بلکہ گھر کے پچھواڑے ایک بڑا سو راخ بنایتے اور اسی سے آتے جاتے تھے اور اپنے اس اجڑپنے کو نیکی سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے اس سے بھی منع فرمایا۔ (۱۸۹: ۲)

یہی دین — یعنی شرک و بُت پرستی اور توهہات و خرافات پر مبنی عقیدہ و عمل والادین — عالم اہل عرب کا دین تھا۔

اس کے علاوہ جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں یہودیت، مسیحیت، جوسیت اور صائمیت نے بھی ذرث نے کے موقع پایے تھے، لہذا ان کا تاریخی خاکہ بھی مختصر اپیش کیا جا رہا ہے۔ جزیرۃ العرب میں یہود کے کم از کم دو آذوار ہیں۔ پہلا دور اس وقت سے تعلق رکھتا ہے

فلسطین میں بابل اور آشُور کی حکومت کی فتوحات کے سبب یہودیوں کو ترک وطن کرنا پڑا۔ اس حکومت کی سخت گیری اور سخت نظر کے باخ Hos یہودی بستیوں کی تباہی دویرانی، ان کے مشکل کی برپادی اور ان کی اکثریت کی ملک بابل کو جدا وطنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کی ایک جماعت فلسطین چھوڑ کر حجاز کے شمالی اطراف میں آبی سے ۱۶

دوسرے دور اُس وقت شروع ہوتا ہے جب ٹائیڈس رومی کی زیر قیادت ششہ میں رویوں نے فلسطین پر قبضہ کیا۔ اس موقع پر رویوں کے ہاتھوں یہودیوں کی دار و گیر اور ان کے سکھل کی بیبادی کا تجھہ یہ ہوا کہ متعدد یہودی قبیلے حجاز بھاگ آئے اور تیرپ، خیبر اور تیمار میں آباد ہو کر یہاں اپنی باقاعدہ بستیاں بالیں اور قلعے اور گڑھیاں تعمیر کر لیں۔ ان تارکیں وطن یہود کے ذریعے عرب باشندوں میں کسی قدر یہودی مذہب کا بھی رواج ہوا اور اسے بھی ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے ابتدائی دور کے سیاسی حوادث میں ایک قابل ذکر حیثیت حمل ہو گئی۔ ظہور اسلام کے وقت مشہود یہودی قبائل یہ تھے۔ خیبر، نصیر، مصلائق، قریظہ اور قینقاع۔ مشہودی نے وقار الوفاق (۱۲) میں ذکر کیا ہے کہ یہود قبائل کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔

یہودیت کو میں میں بھی فروع حاصل ہوا۔ یہاں اس کے پھیلنے کا سبب تبان احمد ابوکرب تھا۔ یہ شخص جنگ کرتا ہوا یثرب پہنچا۔ وہاں یہودیت قبول کر لی اور بنو قریظہ کے دو یہودی علماء کو اپنے ساتھ میں لے آیا اور ان کے ذریعے یہودیت کو میں میں وسعت اور پھیلاؤ حاصل ہوا۔ ابوکرب کے بعد اس کا بیٹا یوسف ذو نواس میں کا حاکم ہوا تو اس نے یہودیت کے جوش میں نجراں کے عیسائیوں پر ہلاکتی کیا کہ یہودیت قبول کریں، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر ذو نواس نے خندق کھدوائی اور اس میں ٹھیک بلوکر بوجڑھے، پرانے مرد عورت سب کو بلا تینیز ٹھیک بلوکر میں جھونک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس حادثے کا شکار ہونے والوں کی تعداد بیس سے چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ یہ اکتوبر ۵۲۷ھ کا واقعہ ہے۔ قرآن مجید نے سورہ بر وجہ میں اسی دل قتعے کا ذکر کیا ہے ۔

جہاں تک عیسائی مذہب کا تعلق ہے تو بلا د عرب میں اس کی آمد صحتی اور رومی قبضہ گیروں

اور فاتحین کے ذریعے ہوتی ہم تباچے ہیں کہ میں پر جیشوں کا قبضہ پہلی بار نہ ہے میں ہوا اور  
نہ ہے تک برقرار رہا۔ اس دوران میں مسیحی مشن کام کرتا رہا۔ تقریباً اسی زمانے میں ایک  
متہاب الدعوات اور صاحبِ کرامات را ہبھ کانٹافیمیون تھا، نجراں پہنچا اور وہاں کے باشندوں<sup>۱۹</sup>  
میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی۔ اہل نجراں نے اس کی اور اس کے دین کی سچائی کی کچھ علیٰ علامت  
وکھیں کہ وہ عیسائیت کے علاقہ بگوش ہو گئے۔

پھر دُناؤ اس کی کارروائی کے ردِ تجمل کے طور پر جیشوں نے دوبارہ میں پر قبضہ کیا اور آنہ تھے  
نے حکومت میں کی یاگ ڈول اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑے  
پیمائے پر عیسائیت کو فروع دینے کی کوشش کی۔ اسی جوش و خروش کا نتیجہ تھا کہ اس نے میں میں  
ایک کعبہ تعمیر کیا اور کوشش کی کہ اہل عرب کو رمکہ اور بیت اللہ سے روک کر اسی کا حج کرنے  
اور رمکہ کے بیت اللہ شریف کو ڈھاوے۔ لیکن اس کی اس جرأت پر اللہ تعالیٰ نے اسے الیٰ سزادی کہ  
اویں و آخرین کے لیے عبرت بن گیا۔

دوسری طرف رومنی علاقوں کی ہمسائیگی کے سبب آلِ غسان، بتوغلب اور بنو کنی وغیرہ  
قائل عرب میں بھی عیسائیت پھیل گئی تھی۔ بلکہ حیرہ کے بعض عرب بادشاہوں نے بھی عیسائی مذہب  
قبول کر لیا تھا۔

جہاں تک محسوسی مذہب کا تعلق ہے تو اسے زیادہ تر اہل فارس کے ہمایہ عربوں میں فرمغ  
حاصل ہوا تھا۔ مثلاً عراق عرب، بحرین، رالا حصہ، جھر اور خلیج عربی کے ساتھی علاقے۔ ان کے علاوہ  
میں پر فارسی قبضے کے دوران وہاں بھی آکا دُکتا افراد نے محسیت قبول کی۔

باقی رہا صابی مذہب تو عراق وغیرہ کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران جو گفتات برآمد ہوئے  
ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلدانی قوم کا مذہب تھا۔ دورِ قدیم میں  
شام و میں کے بہت سے باشندے بھی اسی مذہب کے پیروت تھے، لیکن جب یہودیت اور کچھ عیسائی  
کا دور دُورہ ہوا تو اس مذہب کی بنیاد میں ہل گئیں اور اس کی شیع فروزانگل ہو کر رہ گئی۔ تاہم  
محوس کے ساتھ خلط ملطخ ہو کر یا ان کے پڑوں میں عراق عرب اور خلیج عربی کے ساتھ پر اس مذہب  
کے کچھ نہ کچھ پیروکار باقی رہے۔

جس وقت اسلام کا نیز تابان طلوع ہوا ہے یہی مذاہب و ادیان تھے جو دینی حالت عرب میں پائے جاتے تھے۔ لیکن یہ سارے ہی مذاہب شکست و ریخت سے دوچار تھے۔ مشرکین جن کا دعویٰ تھا کہ ہم دینِ ابراہیمی پر ہیں شریعتِ ابراہیمی کے اور امر و نواہی سے کوئی دُور تھے۔ اس شریعت نے جن مکارِ اخلاق کی تعلیم دی تھی ان سے ان مشرکین کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان میں گناہوں کی بھرا رہتی اور طولِ زمانہ کے سبب ان میں بھی بُت پرستوں کی دہی عادات و رسوم پیدا ہو چکیں جنہیں دینی خرافات کا درجہ حاصل ہے۔ ان عادات و رسوم نے ان کی اجتماعی سیاسی اور دینی زندگی پر نہایت گہرے اثرات ڈالے تھے۔

یہودی مذاہب کا حال یہ تھا کہ وہ محض ریا کاری اور تحکم بن گیا تھا۔ یہودی پیشوَا اللہ کے بجائے خود رب بن بیٹھے تھے۔ لوگوں پر اپنی مرضی چلاتے تھے اور ان کے دلوں میں گزرنے والے خیالات اور ہذوٹوں کی حرکات تک کامحاسبہ کرتے تھے۔ ان کی ساری توجہ اس بات پر مکوز تھی کہ کسی طرح مال و ریاست حاصل ہو، خواہ دین بر باد ہی کیوں نہ ہو اور کفر والحاد کو فروع ہی کیوں نہ مکال ہو اور ان تعلیمات کے ساتھ تسلیم ہی کیوں نہ پرتا جائے جن کی تقدیس کا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو حکم دیا ہے اور جن پر عمل درآمد کی ترغیب دی ہے۔

عیسائیت ایک ناقابل فہم بُت پرستی بن گئی تھی۔ اس نے اللہ اور انسان کو عجیب طرح سے خلط ملط کر دیا تھا۔ پھر جن عربوں نے اس دین کو اختیار کیا تھا ان پر اس دین کا کوئی حقیقی اثر نہ تھا کیونکہ اس کی تعلیمات ان کے الوف طرزِ زندگی سے میل نہیں کھاتی تھیں اور وہ اپنا طرزِ زندگی چھوڑ نہیں سکتے تھے۔

باقی ادیانِ حرب کے ماننے والوں کا حال مشرکین ہی جیسا تھا کیونکہ ان کے دل یکساں تھے عقائد ایک سے تھے اور رسم و رواج میں ہم آہنگی تھی۔



## جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں

جزیرہ العرب کے سیاسی اور مذہبی حالات بیان کر لینے کے بعد اب وہاں کے اجتماعی اور اخلاقی حالات کا خاکہ مختصر آپسیں کیا جا رہا ہے۔

**اجتماعی حالات** دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔ چنانچہ طبقہ اشراف میں مرد عورت کا تعلق خاصاً ترقی پافہ تھا۔ عورت کو بہت کچھ خود مختاری حاصل تھی۔ اس کی بات مانی جاتی تھی۔ اور اس کا اتنا احترام اور تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں سکل پڑتی تھیں اور خونریزیاں ہو جاتی تھیں۔ آدمی جب اپنے کرم و شجاعت پر جسے عرب میں بلا بلند مقام حاصل تھا پسی تعریف کرنا چاہتا تو عموماً عورت ہی کو مخاطب کرتا۔ پس اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح کے لیے اکٹھا کر دیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کے شعلے بھڑکا دیتی، لیکن ان سب کے باوجود بلا نزع مرد ہی کو خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا اور اس کی بات فیصلہ کرنے والوں تھی۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کا تعلق عقد نکاح کے ذریعے ہوتا تھا، اور یہ نکاح عورت کے اولیا کے زیر نگرانی انجام پاتا تھا۔ عورت کو یہ حق نہ تھا کہ ان کی ولایت کے بغیر اپنے طور پر اپنا نکاح کر لے۔

ایک طرف طبقہ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف دوسرے طبقوں میں مرد و عورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں جنہیں بدکاری و بے جیانی اور فحش کاری وزنا کاری کے سوا کوئی اور گام نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں۔ ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیر ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیتا۔ پھر منظوری کے بعد ہر دو کے راستے سے نکاح کر لیتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود اس سے لگ تھلک رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا۔ یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے شرمگاہ حاصل

کی تھی دینی زنا کرایا تھا، اس سے حمل ٹھہر گیا ہے۔ جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور بامال پیدا ہو۔ اس نکاح کو نکاح استبداع کہا جاتا تھا را اور اسی کو ہندوستان میں نیوگ کہتے ہیں۔ نکاح کی تیری ہوتی یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی۔ سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیتی اور سب کو آنحضرتؐ مخالف نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں وہ تمہارا بیٹا ہے۔ وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی اور وہ اُس کا لڑکا مان لیا جاتا۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے۔ وہ اپنے پاس کسی آنے والے سے انکار نہ کرتی۔ یہ رنڈیاں ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جنڈیاں گاڑیے رکھتی تھیں تاکہ یہ نٹ کا کام دے اور جوان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جاتے۔ جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیاد شناس کرلاتے۔ قیاد شناس اپنی راستے کے مقابلے اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ لمحت کر دیتا۔ پھر یہ اسی سے مربوط ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا۔ وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ — جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو سبیعو ش قریباً تو جاہلیت کے ساتے نکاح منہدم کر دیتے ہی صرف اسلامی نکاح باقی ہا جو آج راجح ہے۔ عرب میں مرد و عورت کے ارتباط کی بعض صورتیں ایسی بھی تھیں جو تواریخ دھار اور نیز سے کی نوک پر وجود میں آتی تھیں یعنی قبلی جنگوں میں غالب آنے والا قبیلہ مغلوب قبیلے کی عورتوں کو قید کر کے اپنے عرم میں داخل کر لیتا تھا، لیکن ایسی عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد زندگی بھر عار محسوس کرتی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی۔ لوگ ایسی دوسریں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہن ہوتی تھیں۔ باب کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حدیث نہ تھی۔<sup>۱</sup>

۱۔ صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب من قال للنکاح الابولی ۲/۶۹، وابو داؤد: باب وجہ النکاح۔

۲۔ ابو داؤد، نسخ المراجعة بعد التطبيقات الثالث، نیز کتب تفسیر متعلق الظلاء مرتداً

زنگاری تمام طبقات میں عروج پر تھی۔ کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم سے منشاء نہ تھی۔ البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس اس بڑائی کے کچھ دل میں لٹ پت ہوتے سے باز رکھتا تھا۔ پھر آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں کے مقابل نبنتا اچھا تھا۔ اصل عصیت لونڈیاں ہی تھیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اہل جاہلیت کی غالب اکثریت اس بڑائی کی طرف منسوب ہونے میں کوئی عارجی نہیں تھیں کرتی تھی چنانچہ سنن ابی واقعہ غیرہ میں مردی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسلام میں ایسے دھوکے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جاہلیت کی بات گئی، اب تو لڑکا اسی کا ہو گا جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زنگار کے لیے پتھر ہے۔" اور حضرت سعد بن ابی وقاص رض اور عبد بن زمعہ کے درمیان زمود کی لونڈی کے بیٹے — عبد الرحمن بن زمعہ — کے بارے میں جو جھگڑا پیش کیا تھا وہ بھی معلوم و معروف ہے ہے۔

جاہلیت میں باپ بیٹے کا تعلق بھی مختلف نوعیت کا تھا۔ کچھ تو ایسے تھے جو کہتے تھے ہے  
 إِنَّمَا أَوْلَادُنَا بَيْتَنَا أَكَبَادُنَا تَمْشِيٌ عَلَى الْأَرْضِ  
 "ہماری اولاد ہمارے لیکے ہیں جو روئے زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔"

لیکن دوسری طرف کچھ ایسے بھی تھے جو رکھیوں کو رسوائی اور خرچ کے خوف سے زندہ دن کرتے تھے اور بچوں کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار دلتے تھے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سنگ دلی بھے پہنچانے پر راستج تھی کیونکہ عرب اپنے دشمن سے اپنی حفاظت کے لیے دوسروں کی بیست کھینچ رکھا اولاد کے محتاج تھے اور اس کا احساس بھی رکھتے تھے۔

چہاں تک سگے بھائیوں پچھرے بھائیوں، اور کتنے قبیلے کے لوگوں کے باہمی تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ خاصے پختہ اور ضبوط تھے کیونکہ عرب کے لوگ قبلی عصیت ہی کے سہارے بیٹتے اور اسی کے لیے مرتے تھے۔ قبیلے کے اندر باہمی تعاون اور اجتماعیت کی روح پوری طرح کار فرمائی تھی۔ جسے عصیت کا جذبہ مزید دیکھ رکھتا تھا۔ درحقیقت قومی عصیت اور قرابت کا تعلق ہی ان کے اجتماعی نظام کی بنیاد تھا۔ وہ لوگ اس مثل پر اس کے لفظی معنی کے مطابق عمل پرداز تھے کہ اُنْصُنَا نَخَافَ ظَالِمًا

اوْ مَظْلُومًا رَّبِّنَهُ بِحَانِيَّ كَيْ مَدْكُورْ خَوَاهْ ظَالِمٌ هُوَ يَا مَظْلُومٌ) اس مثال کے معنی میں ابھی وہ اصلاح نہیں ہوئی تھی جو بعد میں اسلام کے ذریعے کی گئی یعنی ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُسے ظلم سے باز رکھا جائے۔ البته شرف و سرداری میں ایک دوسرے سے آگے مغل جانے کا جذبہ بہت سی دفعہ ایک ہی شخص سے وجود میں آنے والے قبائل کے درمیان جنگ کا سبب بن جایا کرتا تھا جیسا کہ اُس فخر موج غیس و ذُریان اور بخود تغلق وغیرہ کے واقعات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مختلف قبائل کے ایک دوسرے سے تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ پوری طرح شرطتہ رکھتے تھے۔ قبائل کی ساری قوت ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں فنا ہو رہی تھی، البته دین اور خرافات کے آمیزے سے تیار شدہ بعض رسوم و عادات کی بدولت بسا اوقات جنگ کی حدود و شدت میں کمی آجائی تھی اور بعض حالات میں مُوالاة، علفت اور تابعداری کے اصولوں پر مختلف قبائل بیکھا ہو جاتے تھے۔ علاوہ ازیں حرام نہیں ان کی زندگی اور حصول معاش کے لیے سراپا رحمت و مدد تھے۔ خلاصہ یہ کہ اجتماعی حالت صُفت و بے بصیرتی کی پستی میں گردی ہوئی تھی، جہل اپنی طنابیں نہ ہوتے تھا اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ حورت بیچی اور جریدی جاتی تھی اور بعض اوقات اس سے مٹی اور پھر جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ قوم کے باہمی تعلقات کمزور بلکہ ٹوٹے ہوئے تھے اور حکومتوں کے سارے عوام اپنی رعایا سے خزانے بھرنے یا مخالفین پر فوج کشی کرنے تک محدود تھے۔

**اقتصادی حالت** اقتصادی حالت، اجتماعی حالت کے تابع تھی۔ اس کا اندازہ عرب کے ذرائع معاشر پر نظرڈالنے سے ہو سکتا ہے کہ تجارت ہی ان کے نزدیک ضروریاً زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھی۔ اور معلوم ہے کہ تجارتی امداد و رفت امن و سلامتی کی فضائل کے بغیر آسان نہیں اور جزیرۃ العرب کا حال یہ تھا کہ سوانی حرمت والے ہمیں کے امن و سلامتی کا کہیں وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حرام ہمیں ہی میں عرب کے مشہور بازار عُکاظ، ذی المحاجہ، اور مَجَنة وغیرہ لگتے تھے۔

جہاں تک صنعتوں کا معاملہ ہے تو عرب اس میدان میں ساری دنیا سے پچھے تھے پھر ٹرے کی بُنائی اور چھڑے کی دباغت وغیرہ کی شکل میں جو چند صنعتیں پائی جھی جاتی تھیں وہ زیادہ تر میں حجرہ اور شام کے متصل علاقوں میں تھیں۔ البته اندر وہ عرب کھجتی باڑی اور گلہ بافی کا کسی قدر رواج تھا۔

ساری عرب عورتیں سوت کا تھیں لیکن مشکل یہ تھی کہ سارا مال و منابع ہمیشہ لڑائیوں کی زدیں رہتا تھا۔ فقر اور بھوک کی وبا عام تھی اور لوگ ضروری کپڑوں اور بس سے بھی بڑی حد تک محروم رہتے تھے

یہ تو اپنی جگہ مسلم ہے ہی کہ اہل جاہلیت میں خسیں و رذیل عادتیں اور وجہان و **احلاق** شور اور عقل سیسم کے خلاف باتیں پائی جاتی تھیں لیکن ان میں ایسے پندیدہ

اخلاقِ فاضل بھی تھے جنہیں دیکھ کر انسان دنگ اور ششدروہ جاتا ہے۔ مثلًاً:

۱۔ کرم و سخاوت — یہ اہل جاہلیت کا ایسا وصف تھا جس میں وہ ایک دوسرے سے آگے مسلک جانے کی کوشش کرتے تھے اور اس پاس طرح فخر کرتے تھے کہ عرب کے آدھے اشعار اسی کی زندگی ہیں۔ اس وصف کی بنیاد پر کسی نے خود اپنی تعریف کی ہے تو کسی نہ کسی اور کی۔ حالت یہ تھی کہ سخت جاڑے اور بھوک کے زمانے میں کسی کے گھر کوئی ہمہن آ جاتا۔ اور اس کے پاس اپنی اس ایک اونٹنی کے سوکچوڑہ ہوتا جو اس کی اور اس کے کنبے کی زندگی کا واحد ذریعہ ہوتی تو بھی۔ لیسی شکین حالت کے باوجودو۔ اس پر سخاوت کا جوش غالب آ جاتا۔ اور وہ اٹھ کر اپنے ہمہن کے کے لیے اپنی اونٹنی ذریعہ کر دیتا۔ ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑی بڑی دیت اور ڈالی فذریاں اٹھایتے اور اس طرح انسانوں کو برا بادی اور خرزی سے بچا کر دو سے نیوں اور سڑاویں کے مقابل فخر کرتے تھے۔

اسی کرم کا نتیجہ تھا کہ وہ شراب نوشی پر فخر کرتے تھے۔ اس لیے ہمیں کہ یہ بذاتِ خود کوئی فخر کی چیز بھی بلکہ اس لیے کہ یہ کرم و سخاوت کو آسان کر دیتی تھی کیونکہ نشے کی حالت میں مال لٹانا انسانی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔ اس لیے یہ لوگ انگور کے دلخیت کو کرم اور انگور کی شراب کو بنت اکرم کہتے تھے۔ جاہلی اشعار کے دو اور ایسے پر نظر ڈالیے تو یہ مدح و فخر کا ایک اہم باب نظر آتے گا۔ عنترة بن شداد عبسی اپنے معلقہ میں کہتا ہے:-

وَلَقَدْ شَرِيتُ مِنَ الْمَداَمَةِ بَعْدَ مَا

بِزِجَاجَةِ صَفَرِهِ ذَاتَ أَسْرَةٍ

فَإِذَا شَرِيتُ فَأَنْتَى مَسْتَهْلِكَ

وَإِذَا صَحُوتَ فَمَا قَصَرْتُ عَنْ نَدِيٍّ

” میں نے و پھر کی تیزی رکنے کے بعد ایک زرد نگ کے دھاری دار جام بلویں سے جو بائیں جانب کھی ہوئی تا بناک اور منہ بند خم کے ساتھ تھا، نشان لگی ہوئی صاف شفاف شراب پی۔ اور جب میں

پی لیتا ہوں تو اپنا مال ٹھاڑا تا ہوں۔ لیکن میری آبرد بھر پور رہتی ہے اس پر کوئی چوت نہیں آتی۔ اور جب میں ہوش میں آتا ہوں تب بھی سخاوت میں کوتا ہی نہیں کرتا اور میرا اخلاق و کرم بے سار کچھ ہے تمہیں معلوم ہے۔“

ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ جو اکھلے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بھی سخاوت کی ایک راہ ہے کیونکہ انہیں جو نفع حاصل ہوتا، یا نفع حاصل کرنے والوں کے حصے سے جو کچھ فاضل بھی رہتا اسے سکھنے کو دے دیتے تھے۔ اسی لیے قرآن پاک نے شراب اور جوئے کے نفع کا انکسار نہیں کیا بلکہ یہ فسر مایا کہ **وَإِشْهَمَا آَكَبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا** ر:۲۱۹<sup>۲</sup> ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔“ ۲۔ وفاتی عہد — یہ بھی دورِ چاہیت کے اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے۔ عہد کو ان کے نزدیک دین کی حیثیت حاصل تھی جس سے وہ بہر حال چھٹے رہتے تھے۔ اور اس راہ میں اپنی اولاد کا خون اور اپنے گھر بار کی تباہی بھی بسیج سمجھتے تھے۔ اسے سمجھنے کے لیے ہانی بن سعید ثیبانی، سموآل بن عادیا اور حاجب بن زرارہ کے واقعات کافی ہیں۔

۳۔ خوداری و عزت نفس — اس پر قائم رہنا اور ظلم و جبر پر داشت ذکر نا بھی چاہیت کے معروف اخلاق میں سے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی شجاعت و غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً جھر ک اٹھتے تھے اور ذرا دراسی بات پر جس سے ذلت و باحت کی بجائی، شمشیر و سان اٹھا لیتے اور رہا یت خوزن زر جگ پھیر دیتے۔ انہیں اس راہ میں اپنی جان کی قطعاً پروا نہ رہتی۔

۴۔ عزائم کی تکمیل — اہل چاہیت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب وہ کسی کام کو مجد و افتخار کا ذریعہ سمجھ کر انہام دیئے پر مُٹل جاتے تو پھر کوئی رکاوٹ انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی جان پر کھل کر اس کام کو انجام دلاتے تھے۔

۵۔ جعلم و بُردا باری اور سنجیدگی — یہ بھی اہل چاہیت کے نزدیک قابلِ تائش خوبی تھی، مگر یہ ان کی حد بڑھی ہوئی شجاعت اور جگ کے لیے ہر دقت آمادگی کی عادت کے سبب نادر الوجود تھی۔

۶۔ بدوی سادگی — یعنی تمدن کی آلاتشوں اور داؤ بسیج سے ناواقفیت اور دُوری۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔ وہ فریب کاری و بد عہدی سے دور اور مُتنفر تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب کو ساری دنیا سے جو جغرافیائی نسبت حاصل تھی اس کے علاوہ یہی وہ قیمتی اخلاق تھے جن کی وجہ سے اہل عرب کو بنی نوع انسان کی قیادت اور رسالتِ عامّہ کا بوجھا ہٹلنے



امم جهانیت کے کوئی اور طبقی اختلاف فاضل سخن کیکیں نہیں کہ احادیث نہ صورت پیدا نہیں۔

کوئی  
نہیں۔

اویسی پیغمبر جو میراث اپنے اس قومت پر اور دنیوں پر بخشید کے یہ نہایت منفرد بن سکتے تھے، اور یہی کام اسلام نے انجام دیا۔  
غفاریاں افغان میں بھی ایسا یہ بودھ کے ابودین و مسیحیوں کے خاتم اور فقام عدل کی تھیں

کے بعد انسانی معاشرہ کے یہ نہایت منفرد بن سکتے تھے، اور یہی کام اسلام نے انجام دیا۔

کوئی وجد سے املاکِ عادیات پر ٹھیک ادا کر سکتے کہ کوئی نہیں کہ افغانستان تھے۔ یہ کوئی کوئی سی اصولی  
کے لیے منجنیک کیا کیا کیونکہ افغانستان اک کام بعضاً اور تفاتت نہیں کہا جائے تھے اور ان  
کی وجہ سے املاکِ عادیات پر ٹھیک ادا کر سکتے کہ کوئی نہیں کہ افغانستان تھے۔ یہ کوئی کوئی سی اصولی

## خاندان نبوت

**نسب** نبی ﷺ کا سلسلہ نسب تین حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ جس کی صحت پر اہل رسیر کا اختلاف ہے کسی نے توقف کیا ہے اور کوئی قائل ہے۔ یہ عدنان تک مشتبی ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں اہل رسیر کا اختلاف ہے کسی نے توقف کیا ہے اور کوئی قائل ہے۔ یہ عدنان سے اپر ابراہیم علیہ السلام تک مشتبی ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ جس میں یقیناً پچھے فلسطیان ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپر حضرت آدم علیہ السلام تک جاتا ہے۔ اس کی جانب اشارہ گذر چکا ہے۔ ذیل میں یعنی حصوں کی قدر تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

**پہلا حصہ** محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (شیبہ)، بن ہاشم (عمرو)، بن عبد مناف (مغیرہ)، بن قصہ (زید)، بن کلاب، بن مزہ، بن کعب، بن نوی، بن غالب، بن فہر را تہی کا لقب قریش تھا اور ان ہی کی طرف قبلہ تقریش منسوب ہے، بن مالک، بن نصر (قیس)، بن کنانہ، بن شوہر، یہ بن مدرکہ (عامر)، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان یہ۔

**دوسرا حصہ** عدنان سے اپر یعنی عدنان، بن ادی، بن ہمیش، بن سلامان، بن عوص، بن بوز، بن قوال، بن ابی، بن عوام، بن ناشد، بن حزا، بن بلدا، بن یدلات، بن طانخ، بن جاحم، بن ناخش، بن ماجھ، بن عیض، بن عبقر، بن عبید، بن الدعا، بن حمدان، بن سنہر، یثربی، بن یحزان، بن طیعن، بن ارخوی، بن عیض، بن دیشان، بن عیصر، بن افنا، بن ایہا، بن مقصربن ناحد، بن نذر، بن سمی، بن مزی، بن عوض، بن عرام، بن قیدار، بن اسماعیل، بن ابراہیم علیہ السلام یہ۔

**تیسرا حصہ** حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپر۔ ابراہیم، بن تاریخ (آزر)، بن ناحور، بن سارو، بن دیسا، بن فارغ، بن راعو، بن فارغ، بن عایر، بن شانخ، بن ارخشد، بن سام، بن نوح علیہ السلام، بن لاک، بن متولخ، بن اخنوخ، کہا جاتا ہے کہ یہ ادریس کا نام ہے، بن یودب، مہلائیل، بن قیمان، بن آنور، بن شیث، بن آدم علیہ السلام یہ۔

لئے ابن بشام ارجاء، تلقیح فہوم اہل الائرش ۵۰، رحمۃ للعالمین ۲/۱۳۰، ۱۳۰، ۱۳۱  
لئے علامہ منصور پوری نے بڑی دقیق تحقیق کے بعدی حصہ تسبیب کلبی اور ابن سعد کی روایت سے جمع کیا ہے ویکھے رحمۃ للعالمین ۲/۱۳۰، ۱۳۱، اساریخی مأخذ میں اس حصے کی بابت بڑا اختلاف ہے۔  
تمے ابن بشام ارجاء، تلقیح الفہوم ص ۶ خلاصۃ السیر، رحمۃ للعالمین ۲/۱۳۰، بعض ناولوں کے تعلق ان مأخذ میں اختلاف بھی ہے۔ اور بعض نام بعض مأخذ سے ساقط بھی ہیں۔

نبی ﷺ کا خانوادہ اپنے جدید علی ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خانوادہ ہاشمی کے نام **خانوادہ** سے معروف ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم اور ان کے بعد کے بعض افراد کے مختصر حالات پیش کر دیئے جائیں۔

۱۔ **ہاشم** : ہم بتاچکے ہیں کہ جب بزر عبد مناف اور بزر عبد الدار کے درمیان عہدوں کی تقسیم پر مصالحت ہو گئی تو عبد مناف کی اولاد میں ہاشم ہی کو رفقاء اور رفقاء یعنی حجاج کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل ہوا۔ ہاشم بڑے معوز اور مالدار تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کہتے ہیں حاجیوں کو شوربار وٹی سان کر کھلانے کا اہتمام کیا۔ ان کا اصل نام غزوہ تھا لیکن روٹی توڑ کر شوربے میں سلنے کی وجہ سے ان کو ہاشم کہا جانے لگا کیونکہ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا۔ پھر یہی ہاشم وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قریش کے لیے گرمی اور جاڑی کے دوسالانہ تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی ان کے بارے میں شاعر کہتا ہے :

عمر والذی هشم الرثید لقومهٗ      قوم بملکةٍ مُسْنَتِين عجافت

سنت الیہ الْحَلْتَانَ كلاهمَا      سفر الشتاء ورحلة الأصياف

”یہ غزوہ ہی ہیں جنہوں نے قحط کی ماری ہوتی اپنی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو بھگو کر کھلاتیں اور جاڑی کے دونوں سفروں کی بنیاد رکھی“

ان کا ایک ہم واقعہ یہ ہے کہ وہ تجارت کے لیے ملک شام تشریف لے گئے۔ راستے میں میرہ پہنچے تو وہاں تبیلہ بنی نجارت کی ایک خاتون سلمی بنت غزوہ سے شادی کری اور کچھ دنوں وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر بیوی کو حالتِ حمل میں میکے ہی میں چھوڑ کر ملک شام روانہ ہو گئے اور وہاں جاکر فلسطین کے شہر غزہ میں انتقال کر گئے۔ ادھر سلمی کے بطن سے بچپن پیدا ہوا۔ یہ سکھ کی بات ہے پھونکنے پہنچے کے سرکے بالوں میں سفیدی تھی اس لیے سلمی نے اس کا نام شیبہ رکھا اور شیرب میں اپنے میکے ہی کے انہد اس کی پروردش کی۔ آگے چل کر یہی بچہ عبد المطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ عرصہ تک خاندان ہاشم کے کسی آدمی کو اس کے وجود کا علم نہ ہو سکا۔ ہاشم کے کل چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں جن کے نام ہی ہیں۔ اسد، ابو صيفی، نضلہ، عبد المطلب۔ شفارہ، غالدہ، ضعیفہ، رقیہ اور جنتہ۔

۲۔ **عبد المطلب** — پہلے صفحات سے معلوم ہو چکا ہے رفقاء اور رفقاء کا منصب

اٹم کے بعد ان کے بھائی مغلب کو ملا۔ یہ بھی اپنی قوم میں بڑی خوبی و اعزاز کے مالک تھے۔ ان کی بات ٹالی نہیں جاتی تھی۔ ان کی سخاوت کے بسب قریش نے ان کا لقب فیاض رکھ چکا تھا۔ جب شیبہ یعنی عبد المطلب — دس بارہ برس کے ہو گئے تو مطلب کو ان کا علم ہوا اور وہ انہیں یمنے کے لیے روانہ ہوتے۔ جب شرب کے قریب پہنچے اور شیبہ پر نظر پڑی تو اشکبد ہو گئے، انہیں سینے سے لگایا اور پھر اپنی سواری پر پچھے بٹھا کر کہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر شیبہ نے ماں کی اجازت کے بغیر ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس یعنی مطلب ان کی ماں سے اجازت کے طالب ہوتے مگر ماں نے اجازت نہ دی۔ آخر مطلب نے کہا کہ یہ اپنے والد کی حکومت اور اللہ کے عزم کی طرف جا رہے ہیں۔ اس پر ماں نے اجازت دے دی اور مطلب انہیں اپنے اونٹ پر بٹھا کر کہ لے آئے۔ لگتے والوں نے دیکھا تو کہا یہ عبد المطلب ہے یعنی مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے کہا نہیں نہیں۔ یہ میرا بھتیجا یعنی میرے بھائی ہاشم کا لڑکا ہے۔ پھر شیبہ نے مطلب کے پاس پروردش پائی اور جوان ہوتے۔ اس کے بعد مقام رومان (رمیں) میں مطلب کی وفات ہو گئی اور ان کے چھوٹے ہوتے مناصب عبد المطلب کو حاصل ہوتے۔ عبد المطلب نے اپنی قوم میں اس قدر شرف و اعزاز حاصل کیا کہ ان کے آباء و اجداد میں بھی کوئی اس مقام کو نہ پہنچ سکا تھا۔ قوم نے انہیں دل سے چاہا اور ان کی بڑی حرمت و قدر کی۔

جب مطلب کی وفات ہو گئی تو نو فل نے عبد المطلب کے صحن پر غاصباً قبضہ کر دیا۔ عبد المطلب نے قریش کے کچھ لوگوں سے اپنے چھاکے خلاف مدد چاہی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معدود تک دی کہ تم تمہارے اور تمہارے چھاکے درمیان خیل نہیں ہو سکتے۔ آخر عبد المطلب نے بنی شجاع میں اپنے ماموں کو کچھ اشاعت لکھ بھیجے۔ جس میں ان سے مدد کی درخواست کی تھی۔ جواب میں ان کا ماموں ابو سعد بن عدی آئی سوار کھو بھیجے۔ اور لکھنے کے قریب انجمن میں اتراء عبد المطلب نے دہیں ملاقات کی اور کہا ماموں جان! گھر لے کر روانہ ہوا۔ اور لکھنے کے قریب انجمن میں اترا عبد المطلب نے دہیں ملاقات کی اور کہا ماموں جان! گھر تشریف لے چلیں۔ ابو سعد نے کہا نہیں خدا کی قسم! یہاں تک کہ نو فل سے مل لوں۔ اس کے بعد ابو سعد آگے بڑھا اور نو فل کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ نو فل حظیتم میں شائخ قریش کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ ابو سعد نے تواربے نیام کرتے ہوتے کہا: اس گھر کے رب کی قسم! اگر تم نے میرے بھانجے کی زمین واپس نہ کی تو یہ تکوار تمہارے اندر پیوست کر دوں گا۔ نو فل نے کہا اچھا ابو میں نے واپس کر دی۔ اس پر ابو سعد نے

مشائخ قریش کو گواہ بنایا، پھر عبدالمطلب کے گھر گیا اور تمیں روز مقیم رہ کر غرہ کرنے کے بعد مدینہ واپس چلا گیا۔ اس داقعے کے بعد نو فل نے بنی هاشم کے خلاف بنی عبدشمس سے باہمی تعاون کا عہد و پیمان کیا۔ ادھر بُنُوْخُذَا نے دیکھا کہ بنو نجارتے عبدالمطلب کی اس طرح مدد کی ہے تو کہنے لگے کہ عبدالمطلب جس طرح تمہاری اولاد ہے ہماری بھی اولاد ہے۔ لہذا ہم پر اس کی مدد کا حق زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبد منات کی ماں قبیلہ خڑاعہ ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ بُنُوْخُذَا ا عمرتے دارالندوہ میں چاکر بنو عبدشمس اور بنو نو فل کے خلاف بنو هاشم سے تعاون کا عہد و پیمان کیا۔ یہی پیمان تھا جو آگے چل کر اسلامی دور میں فتح مکہ کا بسب بننا تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے مجھے

بیت اللہ کے تعلق سے عبدالمطلب کے ساتھ دو اہم واقعات پیش آتے، ایک چاہہ زمزم کی کھدائی کا واقعہ اور دوسرا قبیل کا واقعہ۔

**چاہہ زمزم کی کھدائی** | پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ انہیں زرم بھی بتائی گئی۔ انہوں نے بیدار ہونے کے بعد کھدائی شروع کی اور رفتہ رفتہ وہ چیزیں پرآمد ہوتیں جو بنو نوچرخہ کے چھوڑتے وقت چاہہ زمزم میں دفن کی تھیں۔ یعنی تواریں، زریں، اور سونے کے دونوں ہر ان عبدالمطلب نے تواروں سے کبھی کا دروازہ ڈھالا۔ سونے کے دونوں ہر ان بھی دروازے ہی میں فٹ کتے اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا بندوبست کیا۔

کھدائی کے دوران یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جب زرم کا کنوں نمودار ہو گیا تو قریش نے عبدالمطلب سے جملہ اشروع کیا اور مطابرہ کیا کہ انہیں بھی کھدائی میں شریک کرو۔ عبدالمطلب نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اس کام کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں، لیکن قریش کے لوگ باز نہ آتے۔ یہاں تک کہ فیصلے کے لیے بنو سعد کی ایک کاہنہ عورت کے پاس جانا طے ہوا اور لوگ مکہ سے روانہ بھی ہو گئے لیکن راستے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی علامات دکھلائیں کہ وہ سمجھو گئے کہ زرم کا کام قدرت کی طرف سے عبدالمطلب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے راستے ہی سے پیٹھ آتے۔ یہی موقع تھا جب عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس لڑکے عطا کئے اور وہ سب کے سب اس غر کو پہنچے کہ ان کا بچاؤ کر سکیں تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس فربان کر دیں گے۔

**وَاقِعَةُ قَبْلٍ** دوسرے واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ اُبَرَّہَہ صبَاح جبشی نے (جننجاشی بادشاہ جیش کی طرف سے) میں کا گورنر جزیر تھا، جب دیکھا کہ اہل عرب فانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو صندار میں ایک بہت بڑا گلیسا تمیز کیا۔ اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے مگر جب اس کی خبر بونکنا نہ کے ایک آدمی کو ہُوئی تو اس نے رات کے وقت گلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پاسخانہ پوت دیا۔ اُبَرَّہَہ کو پتا چلا تو سخت برہم ہوا۔ اور سالٹھ ہزار کا ایک لشکر جرارے کے کعبے کو ڈھانے کے لیے بخل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے لیے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا۔ لشکر میں کل نوباتیرہ ہاتھی تھے۔ اُبَرَّہَہ میں سے یغادر کرتا ہوا مُغمَض پہنچا اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دیکر اور ہاتھی کو تیار کر کے لگتے میں داخلے کے لیے پل پڑا جب مُزَدَّلَفَہ اور منی کے درمیان وادیِ مُحَسَّر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا اور کعبے کی طرف بڑھنے کے لیے کسی طرح نہ اٹھا۔ اس کا رُخ شمال جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اٹھ کر دوڑنے لگتا۔ لیکن کعبے کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ اسی دوران اللہ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا جس نے لشکر پڑھکری جیسے پھر گرانے اور اللہ نے اسی سے انہیں کھاتے ہوئے بھس کی طرح بنادیا۔ یہ چڑیاں اپاہیل اور قمری جیسی تھیں، ہر چڑیا کے پاس تین تین نکریاں تھیں، ایک چوپنچی میں اور دو ہنخوں میں لکریاں چھپے جیسی تھیں، مگر جس کی کو لگ جاتی تھیں اس کے اعصار کثنا شروع ہو جاتے تھے اور وہ مر جاتا تھا۔ لیکن نکریاں ہر آدمی کو نہیں لگی تھیں، لیکن لشکر میں ایسی بھکڑا رمی کہ ہر شخص دوسرے کو رومندا گپتا گرتا پڑتا جاگتا ہا تھا۔ پھر بھاگنے والے ہر راہ پر گردہ ہے تھے اور ہر پڑھے پر مر رہے تھے۔ اور اُبَرَّہَہ پر اللہ نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پور جھوڑ گئے اور صنوار پہنچتے پہنچتے چوڑے جیسا ہو گیا۔ پھر اس کا سینہ بھٹ گیا، دل باہر بھل آیا اور وہ مر گیا۔

اُبَرَّہَہ کے اس محلے کے موقع پر لگتے کے باشندے جان کے خوف سے گھاٹیوں میں بھر گئے تھے اور پہاڑ کی چوڑیوں پر جا چھپے تھے جب لشکر پر عذاب نازل ہو گیا تو الہیان سے اپنے گھروں کو پٹ آرے یہ واقعہ — مشریاں سیر کے بقول — نبی ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس یا پچین دن پہلے ماہ محرم میں پیش کیا تھا اہذا یا لکھ ع کی فرودی کے او اخیر یا مارج کے اوائل کا واقعہ ہے یہ درحقیقت ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ نے اپنے نبی اور اپنے کعبہ کے لیے ظاہر فرمائی تھی کیونکہ آپ بیت المقدس کو دیکھئے کہ اپنے دوسریں اہل اسلام کا قبلہ تھا اور وہاں کے باشندے سے سلان

تھے۔ اس کے باوجود اس پر اللہ کے شمن یعنی مشرکین کا تسلط ہو گیا تھا جیسا کہ بُخت نظر کے حملہ (۱۹۵۷ء) اور اہل روم کے قبضہ (۱۷۲۴ء) سے ظاہر ہے۔ لیکن اس کے بخلاف کعبہ پر عیسائیوں کو تسلط حاصل نہ ہو سکا، حالانکہ اس وقت یہی مسلمان تھے اور کعبے کے باشندے مشرک تھے۔

پھر یہ واقعہ ایسے حالات میں پیش آیا کہ اس کی خبر اس وقت کی تمدن دنیا کے میثہ علاقوں یعنی روم و فارس میں آناً فاناً پہنچ گئی۔ کیونکہ بخشہ کارو بیوں سے بڑا گہرا تعلق تھا اور دوسری طرف فارسیوں کی نظر و بیوں پر برابر رہتی تھی اور وہ رو بیوں اور ان کے علیفیوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا برادر جائزہ لیتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کے بعد اہل فارس نے نہایت تیزی سے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اب چونکہ یہی دو حکومتیں اس وقت تمدن دنیا کے اہم حصے کی نمائندہ تھیں۔ اس لیے اس واقعے کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں غانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں بیت اللہ کے شرف و عظمت کا ایک کھلا ہوا خدا تعالیٰ نشان دکھلانی پڑ گیا۔ اور یہ بات دلوں میں اچھی طرح پیٹھ گئی کہ اس گھر کو اللہ نے تقدیس کے لیے منتخب کیا ہے۔ لہذا آئندہ یہاں کی آبادی سے کسی انسان کا دعویٰ بہوت کے ساتھ اٹھنا اس واقعے کے تقاضے کے عین مطابق ہو گا۔ اور اس خدائی حکمت کی تفسیر ہو گا جو عالم اسباب سے بالآخر طریقے پر اہل ایمان کے خلاف مشرکین کی مدد میں پوشیدہ تھی۔

**عبد المطلب** کے کل دس بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: حارث، زبیر، ابو طالب، عبد اللہ، حمزة، ابو لهب، غیداً، مقوم، هصن، را ورعیاں۔ بعض نے کہا ہے کہ گیارہ تھے۔ ایک کا نام قشم تھا اور بعض اور لوگوں نے کہا ہے کہ تیرہ تھے۔ ایک کا نام عبد الکعبہ اور ایک کا نام جبل تھا۔ لیکن دس کے قائمین کہتے ہیں کہ مقوم ہی کا دوسرا نام عبد الکعبہ اور غیداً کا دوسرانام جبل تھا اور قشم نام کا کوئی شخص عبد المطلب کی اولاد میں نہ تھا۔ عبد المطلب کی بیٹیاں چھ تھیں۔ نام یہ ہیں: ام حکیم، ان کا نام ہیضاہ ہے۔ بَرَّه - عائِکہ - صفیہ - آزویٰ اور امِیمہ تھے۔

### ۳۔ **حَبْدُ اللَّهٌ — رَسُولُ اللَّهِ ﷺ** کے والد محترم

ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ عمر بن عائز بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ کی صاحبزادی تھیں۔ عبد المطلب کی اولاد میں عبد اللہ سب سے زیادہ خوبصورت پاکداریں اور چیزیتی تھے اور ذیع کہلاتے تھے۔ ذیع کہلاتے کی وجہ یہ تھی کہ جب عبد المطلب کے رُؤکوں کی تعداد پوری دس ہو گئی اور

وہ بچاؤ کرنے کے لائق ہو گئے۔ تو عبدالمطلب نے انہیں اپنی مذر سے آگاہ کیا۔ سب نے بات مان لی۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے قسمت کے تیروں پر ان سب کے نام لکھے۔ اور ہمیں کے قیم کے حوالے کیا۔ قیم نے تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا تو عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، چھری لی اور ذبح کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے۔ لیکن قریش اور خصوصاً عبداللہ کے نہیاں والے یعنی بنو مخزوم اور عبداللہ کے بھائی ابوطالب آٹھے آئے۔ عبدالمطلب نے کہا تب میں اپنی مذر کا کیا کروں؟ انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کسی خاتون عزادہ کے پاس جا کر حل دریافت کریں۔ عبدالمطلب ایک عزادہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کریں، اگر عبداللہ کے نام قرعہ نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں۔ اس طرح اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں، یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے۔ چھراؤٹوں کے نام قرعہ نکل آتے تو انہیں ذبح کر دیں۔ عبدالمطلب نے واپس آکر عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی مگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ اس کے بعد وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ اندازی کرتے گئے مگر قرعہ عبداللہ کے نام ہی نہیں تھا۔ جب سوا اونٹ پورے ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اب عبدالمطلب نے انہیں عبداللہ کے بدلتے ذبح کیا اور وہیں چھوڑ دیا۔ کسی انسان یا درندے کے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس واقعے سے پہلے قریش اور عرب میں خون بسادیت کی مقدار دس اونٹ تھی مگر اس واقعے کے بعد تیسوں اونٹ کر دی گئی۔ اسلام نے بھی اس مقدار کو برقرار رکھا۔ بنی قیطان سے آپ کا یہ ارشاد مردی ہے کہ میں وہ ذبح کی اولاد ہوں۔ ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آپ کے والد عبداللہ عليه السلام

عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی کے لیے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو دہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں اور نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں۔ ان کے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے بنو زہرہ کے سردار تھے۔ وہ مکہ ہی میں رخصت ہو کر حضرت عبداللہ کے پاس آئیں مگر تھوڑے عرصے بعد عبداللہ کو عبدالمطلب نے کھجور لانے کے لیے مدینہ بھیجا اور وہ وہیں انتقال کر گئے۔

بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ تجارت کے لیے نک شام تشریف لے گئے تھے۔ قریش کے ایک قافلے کے ہمراہ واپس آتے ہوئے پیمار ہو کر مدینہ آتے۔ اور وہیں منتقل کر گئے۔ تدنیں نابغہ جعفری کے مکان میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پچھیں برس کی تھی۔ اکثر موزخین کے بقول ابھی رسول اللہ ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ البتہ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش ان کی وفات سے دو ماہ پہلے ہو چکی تھی۔ عجب ان کی وفات کی خبر کہ پہنچی تو حضرت آمنہ نے نہایت درد ایک مرثیہ کہا جو یہ ہے:

وَعِيَاوَرْ لِحَدِ الْخَارِجَةِ فِي الْفَمَاغِمِ	عِفَاجِنَابِ الْبَطْحَاءِ مِنْ أَبْنَهَا شَمِّ
وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مُثْلِ أَبْنَهَا شَمِّ	دَعْتَهُ الْمَنَابِيَا دُعْوَةً فَنَاجَاهَا
تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّزَاحِمِ	عَشِيَّةً رَاحُوا يَحْمِلُونَ سَرِيرَهَا
فَقَدْ كَانَ مَعْطَاءُ كَثِيرٍ التَّرَاحِمُ	فَانْتَلَّ خَالَتُهُ الْمَنَابِيَا وَرَيَاهَا

”بلھا کی آنوش ہاشم کے صاحبزادے سے غالی ہو گئی۔ وہ بانگ ذخوش کے درمیان ایک لمحہ میں آسودہ خواب ہو گیا۔ اسے موت نے ایک پکار لگائی اور اس نے بسیک کہر دیا۔ اب موت نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی انسان نہیں چھوڑا کتنی حست ناک تھی، وہ شامب ب لوگ انہیں تخت پر اٹھاتے لے جا رہے تھے۔ اگر موت اور موت کے حوادث نے ان کا وجود ختم کر دیا ہے تو ان کے کردار کے نقش نہیں مٹاتے جا سکتے، وہ بڑے دانا اور حجم دل تھے۔ عبد اللہ کا اُکل تذکرہ تھا، پانچ اوٹ، بکریوں کا ایک روڑ، ایک صیبی لونڈی جن کا نام بکت تھا اور کنیت اُمُّ ایمن۔ یہی اُمُّ ایمن یہی جہنوں نے رسول اللہ ﷺ کو دکھلایا تھا۔<sup>۱۳۰</sup>



<sup>۱۳۰</sup> ابن ہشام ۱۵۶، ۱۵۹/۱ فتح السیرہ از محمد غزالی ص ۵۴، رحمتہ للعالمین ۲/۹۱

<sup>۱۳۱</sup> طبقات ابن سعد ۱/۶۲

<sup>۱۳۲</sup> مختصر السیرۃ ارشیع عبد اللہ صفحہ ۱۱ تفسیح الفہوم صفحہ ۱۳۴۔ صحیح سلم ۲/۹۶

# ولادتِ باسعاد اور حیاتِ طیبہ کے چار سال

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں شعب بنی هاشم کے اندر ۹ ربيع الاول سنه

**ولادتِ باسعاد** | عام الفیل یوم دشنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ اس وقت نو شوال  
کی تجھنت نشینی کا چالیسوائیں سال تھا اور ۲۴ ربیع اول ۱۰ھ کی تاریخ تھی۔ علامہ محمد سلیمان صاحب سلطان  
منصور پوریٰ اور محمود پاشا فکلی کی تحقیق بھی ہے ۱۶

این سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے فرمایا: "جب آپ کی ولادت ہوئی تو  
تویرے جسم سے ایک نور بخلاجیں سے نمک شام کے محل روشن ہو گئے۔" امام احمد نے حضرت عراض  
بن ساریہ سے بھی تقریباً اسی نضمون کی ایک روایت نقل فرمائی ہے ۱۷

بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ ولادت کے وقت بعض واقعات نبوت کے پیش خیہے کے  
طور پر ظہور پذیر ہوتے، یعنی ایوانِ کسری کے چودہ گنگوئے گر گئے۔ جوں کا آتش کردہ ٹھنڈا ہو گیا۔ بھروسہ  
ٹھنک ہو گیا اور اس کے گر بے منہدم ہو گئے۔ یہ بہقی کی روایت ہے ۱۸ لیکن محمد غزالی نے اس  
کو درست تسلیم نہیں کیا گیا۔

ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے عبد المطلب کے پاس پوستے کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں و  
فرحاں تشریف لاتے اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کا شکر ادا کیا اور  
آپ کا نام مُحَمَّد تجویز کیا۔ یہ نام عرب میں معروف نہ تھا۔ پھر عرب دستور کے  
مطابق ساتویں دن ختنہ کیا گیا۔

۱۶ تدوین خضری ۱/۶۲، رحمۃ للعالمین ۱/۳۸، ۳۹، اپیل کی تاریخ کا تحلیل عیسوی تقویم کے اختلاف کا تجویز ہے۔

۱۷ مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ صدیق، این سعد ۱/۶۲۔

۱۸ ایضاً مختصر السیرۃ ص ۱۲

۱۹ دیکھئے فتح السیرۃ محمد غزالی ص ۲۶۔

۲۰ ابن ہشام ۱/۱۵۹، ۱۹۰، تاریخ خضری ۱/۶۲ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ محتون (ختنہ کے ہوتے)  
پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تلیقیح الفہوم ص ۲۷ مگر ابن قیم کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی ثابت حدیث  
نہیں دیکھئے زاد المعاویہ ۱/۸

آپ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابوالہب کی اونڈی ثوبہ نے دودھ پلایا۔ اس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسروح تھا۔ ثوبہ نے آپ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ کے بعد ابوشلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔

بنی سعد میں عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور کرنے کے لیے دودھ پلانے والی بُنڈوی عورتوں کے حولے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں اور اپنے بُنڈوہارہ ہی سے فاصل اور ٹھوس عربی زبان سیکھیں۔ اسی دستور کے مطابق عبدالمطلب نے دودھ پلانے والی دایہ تلاش کی اور بنی ٹبلیغیہ کو حضرت علیہ رحمۃ اللہ علیہ دعیہ بن بکر کی ایک خاتون تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبد الغُرَّی اور کنیت ابوکبشه تھی اور وہ بھی قبیلہ بنی سعد ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حارت کی اولاد کے نام یہ جس جو رضاعت کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کے بھائی بنی قبیلہ کے بھائی ہیں تھے، عبد اللہ، ایسہ، حدا فہیما بذامرہ، انہیں کا لقب شیعہ مار تھا اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ ابوسفیان بن حارت بن عبدالمطلب بُنڈوہارہ ﷺ کے چھیرے بھائی تھے وہ بھی حضرت علیہ رحمۃ اللہ علیہ کے داسٹے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ ﷺ کے چھار حصہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی دودھ پلانے کے لیے بنو سعد کی ایک عورت کے حولے کئے گئے تھے۔ اس عورت کے بھی ایک دن جب رسول اللہ ﷺ حضرت علیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے آپ کو دودھ پلا دیا۔ اس طرح آپ اور حضرت حمزہ دوسرے رضاعی بھائی ہو گئے ایک ثوبہ نے آپ کے تعلق سے اور دوسرے بنو سعد کی اس عورت کے تعلق سے۔

رضاعت کے دوران حضرت علیہ رحمۃ اللہ علیہ کی برکت کے لیے ایسے مناظر دیکھے کہ رساں حیرت رہ گئیں۔ تفصیلات انہیں کی زیانی نہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت علیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا دودھ پیتا۔ بچہ سے کہ بنی سعد کی کچھ عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اونٹی بھی تھی، لیکن بخدا اس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔ ادھر بھوک سے بچے اس قدر یلکتا تھا کہ ہم رات بھروس نہیں سکتے۔

تھے۔ نہ میرے یہنے میں بچھے کے لیے پکھر تھا۔ نہ اُٹھنی اس کی خواک دے سکتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگاتے رہے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزوری اور دُبّلے پن کے سبب آئی سُست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آگیا۔ خیر ہم کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ ﷺ تیم ہیں تو وہ آپ کو یہنے سے انکار کر دیتی، کیونکہ ہم بچے کے والدے داد دہش کی اُمید رکھتے تھے۔ ہم کہتے کہ یہ تو تیم ہے جلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے داد اکیا دے سکتے ہیں۔ بس یہی وجہ تھی کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔

ادھر حصی عورتیں میرے ہمراہ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھ بھی کو نہ مل سکا جب واپسی کی باری آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا خدا کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچے سے کر جائیں اور نہایں کوئی بچہ لیے بغیر واپس جاؤں۔ میں جا کر اسی تیم بچے کو لیتھی ہوں۔ شوہرنے کہا کوئی حرج نہیں! ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بنابرے لیا کہ کوئی اور بچہ نہ مل سکا۔

حضرت علیہ السلام کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آتی اور اسے اپنی آنکھ میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں یہنے دودھ کے ساتھ اس پر امنڈ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا، پھر دونوں سو گئے حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہرا اُٹھنی دوہنے گئے تو دیکھ کر اس کا تھن دودھ سے ببرز ہے۔ انہوں نے اتنا دودھ دہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ صحیح ہوتی تو میرے شوہرنے کہا علیہ السلام کہ اس کی قسم تم نے ایک بارکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا: مجھے بھی یہی توقع ہے۔

علیہ السلام کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لیا، لیکن اب وہی گدھی خدا کی قسم پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔ یہاں تک میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں: "اوَا الْوَدِيْبَ كَمِيْثِيْ! اسے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پر مہربانی کر۔ آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی؟" میں کہتی ہاں ہاں اب خدا یہ وہی ہے۔ وہ کہتیں، "اس کا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔"

چھرہم بتو سعد میں اپنے گھروں کو آگئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی روتنے زمین کا کوئی خطہ ہمارے علاقے سے زیادہ تھا لیکن ہماری واپسی کے بعد میری بکریاں چڑنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھر پورا پاس آتیں۔ ہم دوستے اور پیٹے۔ جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سرے سے رہتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہماری قوم کے شہری اپنے چروں اہوں سے کہتے کہ کم نجتوں! جانور وہیں چرانے لے جایا کر و جہاں ابو ذریب کی بیٹی کا چروں اہماں لے جاتا ہے — لیکن تب بھی ان کی بکریاں بھجوکی واپس آتیں۔ ان کے اندر ایک قطرہ دودھ نہ رہتا جبکہ میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھر پور پلٹتیں۔ اس طرح ہم اللہ کی طرف سے سلسل اضافے اور خیر کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں تک کہ اس پیچے کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے دودھ چھڑا دیا۔ یہ پچھرے دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے پورے ہوتے ہوتے وہ کڑا اور گٹھیلا ہو چلا۔ اس کے بعد ہم اس پیچے کو اس کی والدہ کے پاس لے گئے۔ لیکن اس کی جو برکت دیکھتے آئے تھے اس کی وجہ سے ہماری انتہائی خواہش یہی تھی کہ وہ ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: کیوں نہ آپ اپنے پیچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ ذرا مضبوط ہو جائے، کیونکہ مجھے اس کے متعلق کم کی دیوار کا خطرہ ہے۔ غرض ہمارے سلسل اصرار پر انہوں نے بچہ ہمیں واپس دے دیا۔

**واقعہ شق صد** اس طرح رسول اللہ ﷺ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی بتو سعد ہی میں رہے یہاں تک کہ ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال شق صد رسمینہ مبارک چاک کئے جلتے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مردی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل نے آپ کو پکڑ کر ٹیا اور رسمینہ چاک کر کے دل نکالا۔ پھر دل سے ایک لوٹھڑا نکال کر فرمایا یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر پیچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے

شہ ابن ہشام ۱/۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴ -  
۹۰۰ عام بیہت نگاروں کا یہی قول ہے لیکن ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تیسرا سال کا ہے دیکھتے ابن ہشام ۱/۱۹۴، ۱۹۵ -

اور کہنے لگے: محمد قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا نگ کارا ہوا تھا  
مال کی آغوش محبت میں | کوآپ کی مال کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ آپ چھ سال کی عمر تک  
والدہ ہی کی آغوش محبت میں رہے۔

اوہ حضرت آمنہ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے متوفی شوہر کی یاد و فایں شیرب جا کر ان کی قبر  
کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ اپنے تیمہم پہنچے **محمد ﷺ** اپنی خادمہ اُمّہ ایمن اور اپنے  
سرپرست عبدالمطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت پہنچ کر کے مدینہ تشریف لے گئیں اور  
وہاں ایک ماہ تک قیام کر کے واپس ہوئیں، لیکن ابھی ابتداء راہ میں تھیں کہ بیماری نے آیا۔ پھر یہ  
بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ اور مدینہ کے درمیان مقام انوار میں پہنچ کر رحلت گئیں  
**دادا کے سایہ شفقت میں |** بوڑھے عبدالمطلب اپنے پوتے کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کا دل اپنے  
کیونکہ اب اسے ایک نیا چرکا لگا تھا جس نے پرانے زخم کریدیتھے۔ عبدالمطلب کے جذبات میں  
پوتے کے لیے ایسی رقت تھی کہ ان کی اپنی صلبی اولاد میں سے بھی کسی کے لیے ایسی رقت نہ تھی چنانچہ  
قسمت نے آپ کو تہائی کے جس صحرائیں لا کھرا کیا تھا عبدالمطلب اس میں آپ کو تنہا چھوڑنے کے لیے  
تیار نہ تھے بلکہ آپ کو اپنی اولاد سے بھی برٹھ کر چاہتے اور بڑوں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔  
ابن ہشام کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کے لیے خانہ کبھی کے سامنے میں فرش بچایا جاتا۔ ان کے سامنے  
لڑکے فرش کے ارد گرد بیٹھ جاتے۔ عبدالمطلب تشریف لاتے تو فرش پہنچتے۔ ان کی عظمت کے پیش نظر  
ان کا کوئی لا کا فرش پر نہ بیٹھتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو فرش ہی پہنچو جاتے۔ ابھی  
آپ کم عمر پہنچے تھے۔ آپ کے چچا حضرات آپ کو پکڑ کر آتار دیتے۔ لیکن جب عبدالمطلب انہیں ایسا کرتے  
ویکھتے تو فرماتے: میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو۔ بسند اس کی شان زدی ہے پھر انہیں اپنے ساتھ اپنے فرش  
پہنچایتے۔ اپنے ہاتھ سے پیٹھ سہلاتے اور ان کی نقل و حرکت دیکھ کر خوش ہوتے۔

**آپ کی عمر ابھی ۸ سال دو مہینے دس دن کی ہوئی تھی کہ دادا عبدالمطلب کا بھی سایہ شفقت اُٹھ**

گیا۔ ان کا انتقال مکہ میں ہوا اور وہ وفات سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کو جو آپ کے والد عبداللہ کے سے بھائی تھے، آپ کی کفالت کی وصیت کر گئے تھے بلکہ

ابوطالب نے اپنے بھتیجے کا حق کفالت بڑی خوبی سے ادا

**شیقق حچا کی کفالت میں** ایک، آپ کو اپنی اولاد میں شامل کیا، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مانا۔

مزید اعزاز و احترام سے فواز۔ چالیس سال سے زیادہ عمر سے تک قوت پہنچانی اپنی حمایت کا سایہ دراز رکھا اور آپ ہی کی بنیاد پر دوستی اور شمنی کی مزید وضاحت اپنی جگہ آرہی ہے۔

**روزِ مبارک سے فیضان باراں کی طلب** ابن عباس نے جلہمہ بن عوف طے سے روایت کی ہے کہ میں مکہ آیا۔ لوگ قحط سے دو

چار تھے۔ قریش نے کہا؛ ابوطالب! ارادی قحط کا شکار ہے۔ بال پچھے کال کی زد میں ہیں۔ چلنے بارش کی دعا کیجئے۔ ابوطالب ایک پچھے ساتھ لے کر برآمد ہوئے۔ پچھے ابر آکو د سورج معلوم ہوتا تھا۔ جس سے گھنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو۔ اس کے ارد گرد اور بھی پچھے تھے۔ ابوطالب نے اس پچھے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پٹیجہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دی۔ پچھے نے ان کی الٹھی پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک مکڑا نہ تھا۔ لیکن دیکھتے دیکھتے، ادھر ادھر سے بادل کی آمد شروع ہو گئی اور ایسی دھواں دھار بارش ہوئی کہ واڈی میں سیلا ب آگیا اور شہرو بیا باں شاداب ہو گئے۔ بعد میں ابوطالب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد ﷺ کی مدح میں کہا تھا۔

وَابيضُ يُسْتَسْقى الغَمَامُ بِوَجْهِهِ      شَمَالُ الْيَتَامَى عَصْمَةً لِلأَرْأَمِلِ<sup>۱۵</sup>

”وہ خوبصورت ہیں۔ ان کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے۔ یہیں کے ماڈلی اور بیواؤں کے محافظت ہیں۔“

**دیکھ زارا ہب** بعض روایات کے مطابق — جن کی استنادی حیثیت مشکوک ہے۔ جب آپ کی عمر بارہ برس اور ایک تفصیلی قول کے مطابق بارہ برس دوہیستے دن اللہ کی ہو گئی تو ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر تجارت کے لیے ماکب شام کے سفر پر نکلے اور بصری پہنچے۔ بصری شام کا ایک مقام اور سوران کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ جزیرہ العرب کے

۱۵۔ تلیقح الفہوم ص۲۔ ابن ہشام ۱۳۹/۱۳۹۰ھ۔ مختصر ایرۃ شیعۃ عبد اللہ ص ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۴۱۰، ۳۴۱۱، ۳۴۱۲، ۳۴۱۳، ۳۴۱۴، ۳۴۱۵، ۳۴۱۶، ۳۴۱۷، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۳۴۲۱، ۳۴۲۲، ۳۴۲۳، ۳۴۲۴، ۳۴۲۵، ۳۴۲۶، ۳۴۲۷، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۳۴۲۱۰، ۳۴۲۱۱، ۳۴۲۱۲، ۳۴۲۱۳، ۳۴۲۱۴، ۳۴۲۱۵، ۳۴۲۱۶، ۳۴۲۱۷، ۳۴۲۱۸، ۳۴۲۱۹، ۳۴۲۲۰، ۳۴۲۲۱، ۳۴۲۲۲، ۳۴۲۲۳، ۳۴۲۲۴، ۳۴۲۲۵، ۳۴۲۲۶، ۳۴۲۲۷، ۳۴۲۲۸، ۳۴۲۲۹، ۳۴۲۳۰، ۳۴۲۳۱، ۳۴۲۳۲، ۳۴۲۳۳، ۳۴۲۳۴، ۳۴۲۳۵، ۳۴۲۳۶، ۳۴۲۳۷، ۳۴۲۳۸، ۳۴۲۳۹، ۳۴۲۳۱۰، ۳۴۲۳۱۱، ۳۴۲۳۱۲، ۳۴۲۳۱۳، ۳۴۲۳۱۴، ۳۴۲۳۱۵، ۳۴۲۳۱۶، ۳۴۲۳۱۷، ۳۴۲۳۱۸، ۳۴۲۳۱۹، ۳۴۲۳۲۰، ۳۴۲۳۲۱، ۳۴۲۳۲۲، ۳۴۲۳۲۳، ۳۴۲۳۲۴، ۳۴۲۳۲۵، ۳۴۲۳۲۶، ۳۴۲۳۲۷، ۳۴۲۳۲۸، ۳۴۲۳۲۹، ۳۴۲۳۳۰، ۳۴۲۳۳۱، ۳۴۲۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳، ۳۴۲۳۳۴، ۳۴۲۳۳۵، ۳۴۲۳۳۶، ۳۴۲۳۳۷، ۳۴۲۳۳۸، ۳۴۲۳۳۹، ۳۴۲۳۳۱۰، ۳۴۲۳۳۱۱، ۳۴۲۳۳۱۲، ۳۴۲۳۳۱۳، ۳۴۲۳۳۱۴، ۳۴۲۳۳۱۵، ۳۴۲۳۳۱۶، ۳۴۲۳۳۱۷، ۳۴۲۳۳۱۸، ۳۴۲۳۳۱۹، ۳۴۲۳۳۲۰، ۳۴۲۳۳۲۱، ۳۴۲۳۳۲۲، ۳۴۲۳۳۲۳، ۳۴۲۳۳۲۴، ۳۴۲۳۳۲۵، ۳۴۲۳۳۲۶، ۳۴۲۳۳۲۷، ۳۴۲۳۳۲۸، ۳۴۲۳۳۲۹، ۳۴۲۳۳۳۰، ۳۴۲۳۳۳۱، ۳۴۲۳۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳۳، ۳۴۲۳۳۳۴، ۳۴۲۳۳۳۵، ۳۴۲۳۳۳۶، ۳۴۲۳۳۳۷، ۳۴۲۳۳۳۸، ۳۴۲۳۳۳۹، ۳۴۲۳۳۳۱۰، ۳۴۲۳۳۳۱۱، ۳۴۲۳۳۳۱۲، ۳۴۲۳۳۳۱۳، ۳۴۲۳۳۳۱۴، ۳۴۲۳۳۳۱۵، ۳۴۲۳۳۳۱۶، ۳۴۲۳۳۳۱۷، ۳۴۲۳۳۳۱۸، ۳۴۲۳۳۳۱۹، ۳۴۲۳۳۳۲۰، ۳۴۲۳۳۳۲۱، ۳۴۲۳۳۳۲۲، ۳۴۲۳۳۳۲۳، ۳۴۲۳۳۳۲۴، ۳۴۲۳۳۳۲۵، ۳۴۲۳۳۳۲۶، ۳۴۲۳۳۳۲۷، ۳۴۲۳۳۳۲۸، ۳۴۲۳۳۳۲۹، ۳۴۲۳۳۳۳۰، ۳۴۲۳۳۳۳۱، ۳۴۲۳۳۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳، ۳۴۲۳۳۳۳۴، ۳۴۲۳۳۳۳۵، ۳۴۲۳۳۳۳۶، ۳۴۲۳۳۳۳۷، ۳۴۲۳۳۳۳۸، ۳۴۲۳۳۳۳۹، ۳۴۲۳۳۳۳۱۰، ۳۴۲۳۳۳۳۱۱، ۳۴۲۳۳۳۳۱۲، ۳۴۲۳۳۳۳۱۳، ۳۴۲۳۳۳۳۱۴، ۳۴۲۳۳۳۳۱۵، ۳۴۲۳۳۳۳۱۶، ۳۴۲۳۳۳۳۱۷، ۳۴۲۳۳۳۳۱۸، ۳۴۲۳۳۳۳۱۹، ۳۴۲۳۳۳۳۲۰، ۳۴۲۳۳۳۳۲۱، ۳۴۲۳۳۳۳۲۲، ۳۴۲۳۳۳۳۲۳، ۳۴۲۳۳۳۳۲۴، ۳۴۲۳۳۳۳۲۵، ۳۴۲۳۳۳۳۲۶، ۳۴۲۳۳۳۳۲۷، ۳۴۲۳۳۳۳۲۸، ۳۴۲۳۳۳۳۲۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۱۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۲۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۱۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۷، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۸، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۲۹، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۰، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۱، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۳۲، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۳، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۴، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۵، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۶، ۳۴۲۳۳۳۳۳۳۳۷، ۳۴۲۳

رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔ اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا جو سُجیرا کے لقب سے معروف تھا۔ جب فائلے نے وہاں پڑا تو اس راہب اپنے گر جائے نکل کر فائلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی نہیں نکلتا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اوصاف کی بناء پر پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ہیں۔ اللہ انہیں رحمۃ للعالمین بنائے بھیجے گا۔ ابو طالب نے کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا: تم لوگ جب گھاؤ کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پھرا ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ پھر نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کر سکی۔ پھر میں انہیں مُہرِ ثبوت سے پہچانتا ہوں جو خشے کے نیچے کری (زم ڈھی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔

اس کے بعد سُجیرا راہب نے ابو طالب سے کہا کہ انہیں واپس کر دو ملک شام نہ لے جاؤ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔ اس پر ابو طالب نے بعض علماء کی میمت میں آپ کو کہ دلپس زیست دیا یہاں

**جنگ فخار** آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو جنگ فخار میش آئی۔ اس جنگ میں ایک طرف قریش اور ان کے ساتھ بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔ قریش اور کنانہ کا کمانڈر حرب بن امیۃ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سن و شرف کی وجہ سے قریش کنانہ کے زدیک بڑا مرتبہ رکھتا تھا۔ پہلے پھر کنانہ پر قیس کا پلہ بخاری تھا لیکن دوپھر ہوتے ہوتے قیس پر کنانہ کا پلہ بخاری ہو گیا۔ اسے حرب فخار اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرم اور حرام مہینے دونوں کی حرمت چاک کی گئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے تھے اور اپنے چھاڑوں کو تسری تمامتے تھے یہاں

**حلف الفضول** اس جنگ کے بعد ایک حُرمت والے ہمیٹے ذی قعدہ میں حلف الفضول پیش آئی۔ چند قبائل قریش یعنی بنی إاشم، بنی مُطلب، بنی اَسْدِ بن عبد العزیز

عَلَى مُنْقَرَةِ الْيَرَةِ شِيخِ عَبْرَ الشَّدَّ ص ۲۱، ابن ہشام ۱/۱۸۳ تا ۱۸۴، ترمذی وغیرہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ کو حضرت بلاںؑ کی میمت میں روانہ کیا گیا لیکن یہ فاش غلطی ہے۔ بلاں تو اس وقت غالباً پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اگر پیدا ہوئے تھے تو بھی بہر حال ابو طالب یا ابو بکرؓ کے ساتھ نہ تھے۔ زاد المعاو ۱/۱۔

بنی زہرہ بن کلاب اور بنی شیم بن مژرہ نے اس کا اعتمام کیا۔ یہ لوگ عبد اللہ بن جذعانؓ بنی کے مکان پر جمع ہوتے۔ کیونکہ وہ سن و شرف میں ممتاز تھا۔ اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی منظوم نظر آتے گا۔ خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کائی یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلو کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرمائے تھے اور بعد میں شرفِ رسانت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے، میں عبد اللہ بن جذعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شرکیت تھا کہ مجھے اس کے عوض سُرخ اُنٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلا یا جاتا تو میں بیک کہتا ۔<sup>۱۹</sup>

اس معاہدے کی روایت کی تھے اٹھنے والی جاہلی محیت کے منافی تھی۔ اس معاہدہ کا بسب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اور عاص بن واکل نے اس سامان خریدا۔ لیکن اس کا حق روک لیا۔ اس نے علیف قیائل عبد الدار، مخزوم، جمح، سہم اور عَدَّی سے مدد کی درخواست کی۔ لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے جبل ابو قبیلیں پر چڑھ کر بلند آواز سے چند اشعار پڑھے۔ جن میں اپنی داستانِ مظلومیت بیان کی تھی۔ اس پر زبیر بن عبد المطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص یہ پار و مددگار کیوں ہے؟ ان کی کوشش سے اور پر ذکر کئے ہوئے قیائل جمع ہو گئے۔ پہلے معاہدہ طے کیا اور پھر عاص بن واکل سے اس زبیدی کا حق دلایا ۔<sup>۲۰</sup>

**جفا کشی کی زندگی** عنوانِ شباب میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی معین کام نہ تھا، البتہ یہ خبر متواتر ہے کہ آپؐ بکریاں چراتے تھے۔ آپؐ ﷺ نے بنی سعد کی بکریاں چراتی ہیں اور کہ میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے رہتے۔ پچھیں سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کامال لے کر تجارت کے لیے مکہ شام تشریف لے گئے۔ این اسماق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلہؓ ایک معزز مالدار اور تاجر فاتحہ تھیں۔ لوگوں کو اپنا مال تجارت کے لیے درستی تھیں اور مصاریت کے اصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں۔ پورا قبیلہ قریش ہی تاجر پریش تھا۔ حب انبیاءؑ

۱۹۔ این ہشام ۱۳۴/۱۳۵، مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ صدیق۔

۲۰۔ ایضاً مختصر السیرۃ ص ۳۱۔ ۲۱۔ این ہشام ۱۶۶/۱۔

۲۲۔ صحیح بخاری۔ الاجارات، باب علی الغتم علی قرار ط ۱/۳۰۱۔

رسول اللہ ﷺ کی راست گئی امانت اور مکار م اخلاق کا علم ہوا تو انہوں نے ایک پیغام کے ذریعے پیش کش کی کہ آپ ان کا مال لے کر تجارت کے لیے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے جائیں۔ وہ دوسرے تاجروں کو جو کچھ دیتی ہیں اس سے بہتر اجرت آپ کو دیں گی۔ آپ نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ اور ان کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے ہیں۔

**حضرت خدیجہؓ سے شادی** | جب آپ مکہ و اپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ رضی اللہ عنہا نے اپنے ماں میں ایسی امانت و برکت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور ادھران کے غلام میسرہ نے آپ کے شیرین اخلاق، بلند پایہ کردار موزوں انداز فکر راست گئی اور امانت دارانہ طور طریق کے متعلق اپنے مشاہدات بیان کیے تو حضرت خدیجہؓ کو اپنا گمنگ شہزادہ گوہر مطلوب دستیاب ہو گیا۔ اُس سے پہلے بڑے بڑے سردار اور رئیس ان سے شادی کے خواہاں تھے۔ لیکن انہوں نے کسی کا پیغام منظور نہ کیا تھا۔ اب انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ سے کہی اور نفیسہ نے جاکر نبی ﷺ سے گفت و شنید کی۔ آپ ﷺ راضی ہو گئے اور اپنے چھپاؤں سے اس معاملے میں بات کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے چھپا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا۔ اسکے بعد شادی ہو گئی۔ نکاح میں بنی ہاشم اور رؤسائے مؤمن شریک ہوئے۔

یہ ملک شام سے واپسی کے دو ہفتے بعد کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے مہر میں تیس اونٹ دیئے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور وہ نسب و دولت اور سوچ بوجوہ کے لحاظ سے اپنی قوم کی سب سے معزز اور افضل خاتون تھیں۔ یہ سہی خاتون تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی اور ان کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔ آپ ﷺ ابراہیم کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی بقیہ تمام اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے اور انہی کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینب، رقیۃ، ام کلثوم فاطمہ اور عبد اللہ پیدا ہوئے۔ عبد اللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا۔ آپ ﷺ کے سب پنچتے

بچپن ہی میں انتقال کر گئے ابوہبیلہ پھیلوں میں سے ہر ایک نے اسلام کا زمانہ پایا مسلمان ہوئیں اور بحیرت کے شرف سے مشرف ہوئیں لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب کا انتقال آپ کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ حضرت فاطمہ کی وفات آپ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی۔<sup>۲۵</sup>

### کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تازہ عہد کا فیصلہ

آپ ﷺ کی عمر کا منیسوائیں سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ کعبہ صرف قدسے کچھ اونچی چہار دیواری کی شکل میں تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے ہی سے اس کی بلندی ۹ ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہ تھی۔ اس کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چڑا لیا۔ اس کے علاوہ اس کی تعمیر پر ایک طویل زمانہ گذر چکا تھا۔ عمارت خیلی کاشکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسیال ایک زور دار سیلاہ آیا۔ جس کے پہاڑ کا رُخ خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ اس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کسی بھی لمحے ڈھنے سکتا تھا۔ اس لیے قریش مجبور ہو گئے کہ اس کا مرتبہ مقام برقرار رکھنے کے لیے لے از سر تو تعمیر کریں۔

اس مرحلے پر قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ اس میں رنڈی کی اجربت، سُود کی دولت اور کسی کا ناقص لیا ہوا مال استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ دنی تعمیر کے لیے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا، لیکن کسی کو ڈھاتے کی جرأت نہیں ہوتی تھی بالآخر دید بن مغیرہ مخدومی نے ابتداء کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کیا اور جب قاعدہ ابراهیم تک ڈھاچکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔ تعمیر کے لیے الگ الگ ہر چیلے کا حصہ مقرر تھا اور ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر کے ڈھیر لگا کر کھے تھے۔ تعمیر شروع ہوئی۔ باقی نامی ایک روپی معاشرگار تھا۔ جب عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف و امتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اقتدار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سرز میں حرم میں سخت خون خرا ہو جاتے گا۔ لیکن ابو امیہ مخدومی نے یہ کہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروانے سے دس کے دن جو سب سے پہلے خل ہو اے اپنے

چھکڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دیکھا تو پیغمبر پرے کہ هذا الامین رضیناه هذا مُحَمَّد ﷺ یہ امین ہیں۔ ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ﷺ ہیں ॥ پھر جب آپ ان کے قریب پہنچے اور انہوں نے آپ کو معاملے کی تفصیل بتائی تو آپ نے ایک چادر طلب کی زیست میں جھر اسود رکھا اور متنازعہ قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کارہ پکڑ کر اُپر اٹھائیں۔ انہوں نے اسی ہی کیا۔ جب چادر جھر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے دست مبارک سے جھر اسود کو اس کی مقرر رہ جگہ پر کھد دیا یہ بڑا معقول فیصلہ تھا۔ اس پر ساری قوم راضی ہو گئی۔

ادھر قریش کے پاس مالِ حلال کی کمی پڑ گئی اس لیے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ماٹھ کم کر دی۔ یہی لکڑا رجرا اور حلیم کہلاتا ہے۔ اس ذفعہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصا بلند کر دیا تاکہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اہانت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہو گئیں تو اندر چھ سوون کھڑے کر کے اور سے چھت ڈال دی گئی اور کعبہ پر تکمیل کے بعد قریب پر کو روشنکل کا ہو گیا۔ اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے۔ جھر اسود والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار عینی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ جھر اسود مطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار عینی پورب اور بھجم کی دیوار ۱۲ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چہار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما خلیے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی ۱۵ میٹر میٹر اور اوسط چوڑائی ۶ میٹر ہے۔ اسے شاذ روان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل بیت اللہ کا جزو ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔

**بُوئے پہلے کی اجتماعی سیرت** | نبی ﷺ کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائے جلتے ہیں۔ آپ ﷺ اصحاب فکر، دُریزی اور حق پسندی کا بلند مینار تھے۔ آپ ﷺ کو حسن فرست پختگی فکر اور

نسل تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو این ہشام ۱۹۲ تا ۱۹۴ صفحہ اسریہ صدر، ۶۲، ۶۳۔ صحیح بخاری ہاب فضل مکہ و فیضا نہ

دلیل و مقصد کی درستگی سے حُجَّ و افرعطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور و خوض، دامی تفکیر اور حق کی کُریداری میں مدد یافتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں پریس بست پت تھیں ان سے سخت پیزاری محسوس کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پُردی بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا یعنی لوگوں کا جو کام اچھا ہواں میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی مقررہ تہائی کی طرف پٹ جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شراب کو کبھی منہ نہ لکھایا، آستانوں کا ذبح نہ کھایا اور بُریوں کے یہے مناسے جانے والے تھوار اور میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔

آپ کو شروع ہی سے ان باطل معبودوں سے آئی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر آپ کی نظر میں کوئی چیز میغوض نہ تھی حتیٰ کہ لات و عزتی کی قسم سنابھی آپ کو گوارا نہ تھا بلکہ اس میں شبہ نہیں کہ تقدیر نے آپ پر حفاظت کا سایہ ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ جب بعض دنیاوی تہذیبات کے حصول کے لیے نفس کے جذبات متحرک ہوئے یا بعض ناپسندیدہ رسم و رواج کی پیروی پر طبیعت آمادہ ہوئی تو عنایتِ ربیانيِ خلیل ہو کر رکاوٹ بن گئی۔ ابن اثیر کی ایک روایت ہے کہ رُول شا ﷺ نے فرمایا کہ اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گزرا لیکن ان دونوں میں سے بھی ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مجھے اس کا خیال نہ گزرا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اپنی پیغمبری سے شرف فرمایا۔ ہمارا یہ کہ جو لڑکا بالائی مکہ میں میرے ساتھ بکریاں چڑایا کرتا تھا اس سے ایک لات میں نے کہا کیوں نہ تم میری بکریاں دیکھو اور میں مکہ جا کر دوسرے جوانوں کی طرح وہاں کی شباز قصہ گوئی کی مغلل میں شرکت کر لوں! اس نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں بخلنا اور ابھی مکہ کے پہلے ہی گھر کے پاس پہنچا تھا کہ بچے کی آواز تائی پڑی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا فلاں کی فلاں سے شادی ہے۔ میں سننے بیٹھ گیا اور اللہ نے میرا کان بند کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر سورج کی تمازت ہی سے میری آنکھ کھلی اور میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا گیا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے تفصیلات بتائیں۔ اس کے بعد ایک رات پھر میں نے یہی بات کہی اور مکہ پہنچا تو پھر اسی رات کی طرح کا واقعہ

پیش آیا اور اسکے بعد پھر کبھی غلط ارادہ نہ ہوا۔<sup>۱۷</sup>

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ جب کعبہ تعمیر کیا گیا تو نبی ﷺ اور حضرت عباسؓ پھر ڈھوندھوئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے نبی ﷺ سے کہا، اپنا تمہند اپنے کندھے پر رکھو، پھر سے حفاظت رہے گی، لیکن جو شیخ آپ نے ایسا کیا آپ زمین پر جا گئے۔ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ افاقت ہوتے ہی آواز لکھاں و میرا تمہند۔ میرا تمہند اور آپ کا تمہند آپ کو باندھ دیا گیا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے بعد آپ کی شرمکھاہ کبھی نہیں دیکھی گئی۔<sup>۱۸</sup>

نبی ﷺ اپنی قوم میں شیرپ کردار، فاضلانہ اخلاق اور کرمہانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے۔

چنانچہ آپ سب سے زیادہ پامروت، سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز ہمایہ، سب سے بڑھ کر دُور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زم پہلو سب سے زیادہ پاک نفس، انہی میں سب سے زیادہ کریم، سب سے نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابندِ عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے، حتیٰ کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام ہی "ایمن" رکھ دیا تھا کیونکہ آپ احوال صالح اور خصالِ حمیدہ کا پیکر تھے۔ اور جیسا کہ حضرت فتحیہؓ کی شہادت ہے "آپ ﷺ در ماندوں کا بوجھ اٹھاتے تھے، تھی دستوں کا بندوبست فرماتے تھے، مہمان کی میز بانی کرتے تھے اور مصائب حق میں اعانت فرماتے تھے۔<sup>۱۹</sup>



<sup>۱۷</sup> اس حدیث کو حاکم ذہبی نے صحیح کہا ہے لیکن ان کثیر نے البدریہ والہایہ ۲۰۰ میں اس کی تضعیف کی ہے۔

<sup>۱۸</sup> صحیح بخاری باب بنیان الکعبہ ۱/۳۵۵ نتھ صحیح بخاری ۱/۳۰۰۔

## بُوئَت و رسالت کی چھاؤں میں

**رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کی عمر شریف جب چالیس برس کے قریب ہو چلی۔ اور **غَارِ حَرَاءَ** کے اندر اس دوران آپ ﷺ کے لاب تک کے تاملات نے قوم سے آپ ﷺ کا ذہنی اور فکری فاصلہ بہت وسیع کر دیا تھا۔ تو آپ ﷺ کو تہائی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ ستو اور پانی لے کر مکہ سے کوئی دو میل دور کوہ حراء کے ایک فار میں جا رہتے۔ یہ ایک محضرا غار ہے جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ یہ نیچے کی جانب گہرائیں ہے بلکہ ایک محضراستے کے بازوں میں اور کی چڑاؤں کے باہم ملتے سے ایک کوٹل کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ جب یہاں تشریعت لے جاتے تو حضرت خدیجہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی بھی موجودہستیں۔ آپ ﷺ رمضان بھر اس غار میں قیام فرماتے۔ آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور یقیداً وفات اللہ تعالیٰ کی حبادت میں گزارتے، کائنات کے مشاہد اور اس کی تجھیک کا فراقدت نادرہ پر غور فرماتے۔ آپ ﷺ کو اپنی قوم کے پھرلوپھ شرکریہ عقائد اور وابہیات تصویلت پر بالکل اطمینان رکھا لیکن آپ ﷺ کے سامنے کوئی واضح راستہ ہمیں طریقہ اور افراط و تقریط سے نہیں ہوئی کوئی ایسی راہ نہ تھی جس پر آپ ﷺ اطمینان و الشراح قلب کے ساتھ رداں دواں ہو سکتے یہ نبی ﷺ کی یہ تہائی پسندی بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو آنے والے کار عظیم کے لیے تیار کر رہا تھا۔ درحقیقت جس روح کے لیے بھی یہ مقدر ہو کر وہ انسانی زندگی کے خاتق پر اثر انداز ہو کر ان کا رُخ بدل ڈالے اس کے لیے ضروری ہے کہ زمین کے مشاغل زندگی کے شور اور لوگوں کے چھوٹے چھوٹے ہم و غم کی دنیا سے کٹ کر کچھ حصے کے لیے الگ تھلک اور خلوت نشین رہے۔

ٹھیک اسی سنت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو امانتِ بزرگی کا بوجھا لٹھانے روئے زمین کو پہنچنے اور خط طریقہ تاریخ کو مورث نے کے لیے تیار کرنا چاہا تو رسالت کی ذمہ داری عالمگز نے

سے تین سال پہلے آپ ﷺ کے لیے خلوت نہیں مقدر کر دی۔ آپ ﷺ اس خلوت میں ایک ماہ تک کائنات کی آزاد روح کے ساتھ ہم سفر رہتے اور اس وجود کے پیچے پیچے ہوئے غیب کے اندر تدریج فرماتے تاکہ جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو اس غیب کے ساتھ تعامل کیلئے مستعد ہیں ۔

**جب میل وحی لاتے ہیں** | اور کہا جاتا ہے کہ یہی پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے — توزنگی کے افق

کے پار سے آثارِ نبوت چمکنا اور جگہ کانا شروع ہوتے۔ یہ آثارِ خواب تھے۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ پریمہ صبح کی طرح نمودار ہوتا۔ اس حالت پر چھپ مہ کا عرصہ گذر گیا — جو نعمتِ نبوت کا چھپا لیساں حصہ ہے اور کل نعمتِ نبوت تیس برس ہے — اس کے بعد جب حرام میں خلوت نہیں کا تیرساں آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ روئے زمین کے باشندوں پر اس کی رحمت کا فیضان ہو۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ کو نبوت سے مشرف کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات کے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے ۔

دلائل و قرآن پر ایک جامع مکاہ ڈال کر حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کے اس موقع کی تاریخ معین کی جاسکتی ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۱۴ تاریخ کو دو شنبہ کی رات میں پیش آیا۔ اس روز آگست کی تاریخ تھی اور ۱۴۷۸ھ تھا۔ قمری حساب سے نبی ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی حساب سے ۲۹ سال تین مہینے ۲۴ دن تھی۔

لہ فی ظلال القرآن پارہ ۱۴۴، ۱۹۹ / ۱۹۴، ۱۹۷ تھے حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہیقی نے یہ حکایت کی ہے کہ خواب کی مت چھ ماہ تھی ، لہذا خواب کے ذریعے نبوت کا آغاز چالیس سال کی عمر تک ہونے پر ماہ ریسم الاول میں ہوا جو آپ کی ولادت کا مہینہ ہے لیکن حالت بیداری میں آپ کے پاس وحی رمضان شریف میں آئی۔ (فتح الباری ۱/ ۱۹۴، ۱۹۷)

**آغاز وحی کا مہینہ، دن اور تاریخ** نبوت اور احوال وحی سے سرفراز ہوتے۔ پیشتر سیرت الحادیہ کہتے

ہیں کہ یہ ریسم الاول کا مہینہ تھا، لیکن ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا، بعض بھی کہتے ہیں کہ رحیب کا مہینہ تھا، (دیکھیے مختصر السیرہ ارشیخ عبد اللہ ص ۵۵) ہمارے نزدیک دوسرا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزَلَ فِيهِ الْقُرْآنُ .. (۱۸۵، ۱۸۶) ”رمضان کا مہینہ ہی وہ را برکت مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا“ اور ارشاد ہے اِنَّا أَنْزَلْنَا فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۱۹۰، ۱۹۱) یعنی ہم نے قرآن کریم نازل کیا“ اور معلوم ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے، یہی لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی مراد ہے اِنَّا أَنْزَلْنَا فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةً إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ (۳۰، ۳۱) ہم نے قرآن مجید کو لیک بارکت رات میں اتنا اہم و گونکو عذاب کے خطرے سے آگاہ کرنے والے ہیں ۔ (بالا لگنے صور پر)

آئیئے اب ذرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس واقعے کی تفصیلات سنیں۔ یہ انوار بہوت کا ایک لیسا شعلہ تھا جس سے کفر و فضالت کی تاریکیاں چھٹتی پیلی گئیں، یہاں تک کہ زندگی کی رفتار بدل گئی اور تاریخ کا رُخ پلٹ گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ”رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا زندہ میں اچھے خواب سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ پسیدہ صُحُبَّ کی طرح نمودار ہوتا تھا۔ پھر آپ کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپ غارِ حراء میں غلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر تشریف لائے بغیر مصروف عبادت رہتے۔ اس کے لیے آپ تو شہرے جاتے۔ پھر تو شہر ختم ہونے پر حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کیلئے پھر تو شہرے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حتیٰ آیا اور آپ غارِ حراء میں تھے یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا پڑھو! آپ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس پاس نے مجھے پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ میری قوت نچوڑ دی۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھو! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے دوبارہ پکڑ کر دیوچا۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھو! میں نے پھر کہا میں پڑھا ہوں۔ اس نے تیسری بار پکڑ کر دیوچا پھر چھوڑ کر کہا افْرَا یا سِمَ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلْقَ الْاِنْسَانَ

رائیہ نوٹ گذشتہ صفحہ) دوسرے قول کی ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جزاً میں رسول اللہ ﷺ کا قیام ماہ رمضان میں ہوا کرتا تھا اور حکومت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حواہی میں تشریف لاتے تھے۔

بوجوگ رمضان میں نزول وحی کے آغاز کے قائل ہیں ان میں پھر اختلاف ہے کہ اس دن رمضان کی کونسی تاریخ تھی۔ بعض سات کہتے ہیں، بعض شترہ اور بعض اشارہ (دیکھئے مختصر السیرہ ص ۵۷) رحمۃ للعالمین ۱/۹۰ (علاء الرخصی) کا اصرار ہے کہ یہ تصریح تاریخ تھی۔ دیکھئے رامیخ خضری ۱/۴۹ اور تاریخ المشتبه فی الاصلامی ص ۴۰۶

میں نے اہم ترین کو اس بنا پر پڑھی دی ہے۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی قائل نظر نہیں آیا۔ کیونکہ تیریت  
نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ کی بعثت دو شنبہ کے روز ہوئی تھی اور اس کی تائید ابو قاتا وہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت  
سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دو شنبہ کے دن کے بعد کی بابت دریافت یا لیقر آپ نے فرمایا کہ یہ دن ہے  
جسیں مکہ پیدا ہوا۔ اور جس میں مجھے پیغمبر نبی گیا۔ یا جس میں مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (صحیح مسلم ارباب ۳۶۸، منhadh ۵ جدید ۴۹۹  
ذی القعده ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸ حاکم ۲۲، ۲۳، ۲۴)۔ اور اس سال رمضان میں دو شنبہ کا دن ۲۱، ۲۲، اور ۲۳ ذی القعده  
کو پڑا تھا۔ ادھر صحیح روایات سے یہ بات ثابت اور متعین ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں  
میں پڑتی ہے، اور ان ہی طاق راتوں میں متعلق بھی ہوتی رہتی ہے۔ اب ہم ایک طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دیکھتے ہیں کہ ہم  
نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، دوسری طرف ابو قاتا وہ کی پیر روایت دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دو شنبہ  
کے روز مسیوٹ فرمایا گیا، تیسرا طرف تقویم کا حساب دیکھتے ہیں کہ اس سال رمضان میں دو شنبہ کا دن کن کن تاریخوں  
میں پڑا تھا تو متعین ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت اکیسویں رمضان کی رات میں ہوئی۔ اس یہی یہی زوال وحی  
کی پہلی تاریخ ہے۔

مِنْ عَلِقٍ أَفْرَا وَرِبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ ”پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو تو تھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب نہایت کریم ہے“

ان آیات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پلٹھنے لگا۔ آپ ﷺ کا دل دھک کر رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ بنت خویلہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، مجھے چادر اور ڈھادو، مجھے چادر اور ڈھادو۔ انہوں نے آپ ﷺ کو چادر اور ڈھادی بیہاں تک کر خوف جاتا رہا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ رضی اللہ عنہا کو ولقعے کی اخلاق اسے دیتے ہوئے فرمایا، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا قطعاً نہیں، بلکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ رسواز کرے گا۔ آپ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم رحمی کرتے ہیں درماندوں کا بوجہ اٹھاتے ہیں، تھی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہماں کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چھپرے بھائی ورقہ بن نوافل بن اسد بن عبد العزیز کے پاس لے گئیں۔ ورقہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی میں لکھنا جانتے تھے چنانچہ عبرانی زبان میں حسب توفیقِ الہی انجلیل لکھتے تھے۔ اُس وقت بہت بوڑھے اور نایبنا ہو چکے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات نہیں۔ ورقہ نے کہا، بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ اس پر ورقہ نے آپ سے کہا، یہ تو وہی ناموں ہے جسے اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت تو انہوں کا شہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا! تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں اجنب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لا یا جیسا تم لائے ہو تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی اور اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وہی بڑی گئی تھی۔

طبری اور ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچانک وحی کی آمد کے بعد غار

۵-۹۶۱) تھے آتیں عَلَيْكَ إِلَّا سَانَ مَا لَكُو يَعْلَمُ تک نازل ہوئی تھیں۔

لئے صحیح بخاری بابِ کیفیت کان بدرِ وحی ۱/۲، ۳، الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت صحیح بخاری کتاب التفسیر اور تعبیر الرؤیاں میں بھی مردی ہے۔

حرار سے نکلے تو پھر واپس اگر اپنی بھیہ مدت قیام پوری کی اس کے بعد مکہ تشریف لاتے۔ طبری کی روایت سے آپ کے نکلنے کے بسب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ روایت یہ ہے،

رسول اللہ ﷺ نے وحی کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں شاعر اور پاگل سے بڑھ کر میرے زدیک کوئی قابل نفرت نہ تھا۔ (میں شدتِ نفرت سے) ان کی طرف دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ راب جو وحی آئی تو، میں نے (اپنے جی میں) کہا کہ یہ ناکارہ — یعنی خود آپ — شاعر یا پاگل ہے! میرے بارے میں قریش ایسی بات کبھی نہ کہہ سکیں گے۔ میں پہاڑ کی چوٹی پر جا رہا ہوں وہاں سے اپنے آپ کو سچے لاٹھا کا دوں گا اور اپنا خاتمہ کر لوں گا اور ہمیشہ کھلائے راحت پا جاؤ گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں یہی سوچ کر نکلا۔ جب یہ سچ پہاڑ پہنچا تو آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ نبی محمد ﷺ تم انہوں کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ دیکھا تو جبریل ایک آدمی کی شکل میں اُفق کے اندر پاؤں جماستے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے محمد! ﷺ تم انہوں کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ میں وہی مخہر کہ جبریل کو دیکھنے لگا اور اس شغل نے مجھے میرے لاد سے غافل کر دیا۔ اب میں نہ آگے جا رہا تھا نہ پچھے۔ البتہ اپنا چہرہ آسمان کے افق میں گھمارا تھا اور اس کے جس گوشے پر بھی میری نظر پڑتی تھی جبریل اسی طرح دکھانی دیتے تھے۔ میں مسلسل کھڑا رہا۔ نہ آگے بڑھ رہا تھا نہ پچھے۔ یہاں تک کہ خدیجہ نے میری تلاش میں اپنے قاصد بھیجیے اور وہ کہہ تک جا کر پلٹ آئے۔ لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر جبریل چلے گئے اور میں بھی اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ آیا اور خدیجہ کے پاس پہنچ کر ان کی ران کے پاس انہیں پٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا، ابو القاسم! آپ کہاں تھے؟ بخدا! میں نے آپ کی تلاش میں آدمی بھیجیے اور وہ کہہ تک جا کر واپس آگئے راس کے جواب میں، میں نے جو کچھ دیکھا تھا انہیں بتا دیا۔ انہوں نے کہا: چھا کے بیٹھے! آپ خوش ہو جائیئے اور آپ ثابت قدم رہیئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں امید کرتی ہوں کہ آپ اس اُمت کے نبی ہوں گے۔ اس کے بعد وہ در قبرن توفی کے پاس گئیں۔ انہیں ماجر اُسنیا۔ انہوں نے کہا قدوس! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں در قبر کی جان ہے، ان کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ اس اُمت کے نبی ہیں۔ ان سے کہو ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ نے واپس آکر آپ کو در قبر کی بات بتائی۔ پھر جب سُول اللہ ﷺ نے حررا میں اپنا قیام پورا کر لیا اور (مکہ) تشریف لاتے تو آپ سے در قم نے ملاقات کی اور

آپ کی زبانی تفصیلات سُن کر کہا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ہیری جان ہے آپ اس لمحت  
کے نبی ہیں۔ آپ کے پاس وہی ناموں اکبر آتا ہے جو مولیٰ کے پاس آیا تھا،  
**دھی کی بندش** رہی یہ بات کہ دھی کتنے دنوں تک بند رہی تو اس سلسلے میں ابن سعد نے  
چند دنوں کے لیے تھی اور سارے پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد یہی بات راجح بلکہ تینی علوم ہوتی  
ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ دھی کی بندش تین سال یا دھائی سال تک رہی تو یہ قطعاً صحیح نہیں۔ البتہ  
یہاں دلائل پر بحث کی گنجائش نہیں ہے

دھی کی اس بندش کے عرصے میں رسول ﷺ حزن و غمگین رہے اور آپ پر حیرت و استعجاب  
ٹاری رہا، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التعبیر کی روایت ہے کہ:  
”دھی بند ہو گئی جس سے رسول اللہ ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ کتنی بار بند و بالا پہاڑ کی چوڑیں  
پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑاک جائیں لیکن جب کسی پہاڑ کی چوڑی پر پہنچتے کہ اپنے آپ کو لڑکا لیں  
تو حضرت جبریل ؓ نمودار ہوتے اور فرماتے: ”اسے محمد ﷺ آپ اللہ کے رسول بہت ہیں“ اور اس  
کی وجہ سے آپ کا اضطراب تھم جاتا۔ نفس کو قرار آ جاتا اور آپ واپس آ جلتے۔ پھر جب آپ پر  
دھی کی بندش طول پکڑ جاتی تو آپ پھر اسی جیسے کام کے لیے نکلتے لیکن جب پہاڑ کی چوڑی پر پہنچتے  
تو حضرت جبریل ؓ نمودار ہو کر پھر وہی بات دُہراتی ہے<sup>۹</sup>

**جبریل دُبَارِ دھی لاتے ہیں** حافظ ابن حجر حرماتے ہیں کہ یہ (عنی دھی کی چند روزہ بندش) اس  
اورو بارہ دھی کی آمد کا شوق و انتظار پیدا ہو جائے۔ یہ چنانچہ جب حیرت کے سلسلے مکمل گئے حقیقت کے  
نقوش پختہ ہو گئے اور نبی ﷺ کو قدمی طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ خداستے بزرگ برتر کے نبی ہو چکے ہیں

۶۔ طبری ۲۰۱، ابن ہشام ۲۳۸، ۲۴۰، آنحضر کا تھوڑا سا حصہ ملخص کر دیا گیا ہے ہمیں اس روایت کی بیان کردہ  
تفصیلات کی صحت کے پارے میں قدرے تماش ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے سیاق اور اس کی متعدد روایات کے  
مقابل کے بعد ہم اس تسلیج پر پہنچتے ہیں کہ مک کی طرف آپ کی والپی اور حضرت درود سے ملاقات نزول دھی کے بعد اسی دن  
ہو گئی تھی۔ اور پھر باقی ماندہ قیامِ حرارت کی تحریک آپ نے مک سے پلت کر کی تھی۔

۷۔ تھوڑی سی توضیح حاشیہ نہ لائیں آ رہی ہے۔

۸۔ صحیح بخاری کتاب التعبیر باب اول مайдی پر رسول اللہ ﷺ فیصلہ الرؤیا الصالحة ۱۰۳۳/۲ نامہ فتح الباری ارج ۲۷

اور آپ کے پاس جو شخص آیا تھا وہ وحی کا صفیر اور آسمانی خبر کا ناقل ہے اور اس طرح وحی کے لیے آپ کا شوق و انتظار اس بات کا ضامن ہو گیا کہ آئندہ وحی کی آمد پر آپ ثابت قدم رہیں گے اور اس بوجھ کو اٹھائیں گے، تو حضرت جبریلؑ دوبارہ تشریف لاتے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بندش وحی کا واقعہ سننا آپ فرمائے تھے :

”میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے اپاک آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نکاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس ہے اور میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جا چکا۔ پھر میں نے اپنے اہل خانہ کے پاس آگر کہا مجھے چادر اور ٹھادو، مجھے چادر اور ٹھادو۔ انہوں نے مجھے چادر اور ٹھادو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یَايَهَا الْمُذَرِّ— وَالرُّجُزَ فَاهْجُرْ تک نازل فرمائی پھر (زول) وحی میں گرمی آگئی اور وہ پیاس پے نازل ہونے لگی۔ اللہ“

**وحی کی اقسام** اب ہم مسلمہ بیان سے ذرا ہٹ کر یعنی رسالت و نبوت کی حیات مبارکہ کی تفصیلات شروع کرنے سے پہلے وحی کی اقسام ذکر کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ یہ رسالت کا مصدر اور دعوت کی لگکھ ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے وحی کے حسب ذیل مراتب ذکر کیے ہیں :

- سچا خواب : اسی سے نبی ﷺ کے پاس وحی کی ایداد ہوئی۔

۴۔ فرشتہ آپ کو دکھلائی دیے بغیر آپ کے دل میں بات ڈال دیتا تھا، مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد ہے :

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوْحِي أَنَّهُ لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاجْمِلُوا فِي الْطَّلبِ، وَلَا يَحْمِلُوكُمْ أَسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ

للہ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب والرجز فا یحر ۲/۳۶۷

اس روایت کے بعض طرق کے آغاز میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے ہر آئین اعتمادات کیا۔ اور جب اپنا اعتمادات پورا کر چکا تو نیچے اترا۔ پھر جب میں بطفن وادی سے گذر رہا تھا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے واپس باتیں آگے پیچھے دیکھا، کچھ نظر نہ آیا۔ اور پنگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ..... الخ اہل بیسر کی تمام روایات کے مجموعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نئین سال حرام میں ماہ رمضان کا اعتماد کیا تھا اور نزول وحی والا رمضان تیسرا یعنی آخری رمضان تھا اور آپ کا دستور تھا کہ آپ رمضان کا اعتماد ستمحفل کر کے پہلی شوال کو سوریے ہی مکہ آجائتے تھے۔ ذکر وہ روایت کے ساتھ اس بات کو جوڑنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یَايَهَا الْمُذَرِّ والی وحی پہلی وحی کے دس دن بعد یکم شوال کو نازل ہوئی تھی یعنی بندش وحی کی کل مدت دس دن تھی۔ واللہ اعلم۔

عَلَىٰ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ فَإِنَّ مَا عِنْدَ اللَّهِ لَا يُنَالُ إِلَّا بِطَاعِيهِ.

”روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونگی کہ کوئی نفس مرنہیں سکتا یہاں تک کہ اپنا رزق پورا پورا حاصل کرے۔ پس اللہ سے ڈرو اور طلب میں اچھائی اختیار کرو اور رزق کی تغیرت میں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم سے اللہ کی معصیت کے ذریعے تلاش کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتے“ ۲

۳۔ فرشتہ نبی ﷺ کے لیے آدمی کی شکل اختیار کر کے آپ کو مناطب کرتا پھر جو کچھ وہ کہتا اسے آپ یاد کر لیتے۔ اس صورت میں کبھی کبھی صاحبہ بھی فرشتے کو دیکھتے تھے۔

۴۔ آپ کے پاس وحی گفتگی کے ٹنٹانے کی طرح آتی تھی۔ وحی کی یہ سب سے سخت صورت ہوتی تھی۔ اس صورت میں فرشتہ آپ سے ملتا تھا اور وحی آتی تھی تو سخت جائزے کے زمانے میں بھی آپ کی پیشانی سے پیسہ پھوٹ پڑتا تھا، اور آپ اونٹتی پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر پیٹھ جاتی تھی۔ ایک بار اس طرح وحی آتی کہ آپ کی ران حضرت زید بن ثابتؑ کی ران پر تھی، تو ان پر تھی، تو ان پر اس قدر گراں بار ہوتی کہ معلوم ہوتا تھا ران کچل جائے گی۔

۵۔ آپ فرشتے کو اس کی اصلی اور پیدائشی شکل میں دیکھتے تھے اور اسی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی حسب مشیت آپ کی طرف وحی کرتا تھا۔ یہ صورت آپ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آئی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں فرمایا ہے۔

۶۔ وہ وحی جو آپ پر معرج کی رات نماز کی فرضیت وغیرہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمائی، جب آپ آسمانوں کے اوپر تھے۔

۷۔ فرشتے کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی آپے حجاب میں وکر براہ راست گفتگو ہیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔ وحی کی یہ صورت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نصیٰ قرآنی سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ لیکن نبی ﷺ کے لیے اس کا ثبوت (قرآن کی بجاۓ) معرج کی حدیث ہیں ہے۔ بعض لوگوں نے ایک آٹھویں شکل کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ رُود رُود بغیر حجاب کے گفتگو کرے۔ لیکن یہ ایسی صورت ہے جس کے باسے میں سلف سے لے کر خلف تک اختلاف چلا آیا ہے۔<sup>۳</sup>

۲۔ زاد العاد ۱/۸۱ پہلی اور آخری صورت کے بیان میں اصل عبارت کے اندر تحریکی تغییر کردی گئی ہے۔

## تبیغِ حکم اور اُس کے مرضیت

سورہ المدثر کی ایمدادی آیات — یَا إِيَّاَكَ الْمُدَثَّرُ سَعِيدٌ فَاصْبِرْ تَمَكَّنْ میں نبی ﷺ کو کئی حکم دیتے گئے ہیں جو بظاہر تو بہت مختصر اور سادہ ہیں لیکن حقیقتہ بڑے دور ان مقاصد پر مشتمل ہیں اور حقائق پر ان کے گھرے اثرات مرتب ہوتے ہیں چنانچہ ۱۔ انذار کی آخری منزل یہ ہے کہ عالمِ وجود میں اللہ کی مرضی کے خلاف جو بھی چل رہا ہو اس کے پیغامِ انعام سے آگاہ کر دیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ عذابِ الہی کے خوف سے اس کے دل و دماغ میں بچل اور احتل بچل مجھ جائے۔

۲۔ رب کی بڑائی و بکریائی بجالانے کی آخری منزل یہ ہے کہ روئے زمین پر کسی اور کی بکریائی برقرار نہ رہنے والی جائے بلکہ اس کی شوکت توڑی جائے، اور اس سے اُٹ کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ روئے زمین پر صرف اللہ کی بڑائی باقی رہے۔

۳۔ پڑے کی پاکی اور گندگی سے دوری کی آخری منزل یہ ہے کہ ظاہر و باطن کی پاکی اور تم اش و اذانت سے نفس کی صفائی کے سلسلے میں اس حد کمال کو پہنچ جائیں جو اللہ کی رحمت کے گھنے سائے میں اس کی حفاظت و گہداشت اور ہدایت و نور کے تحت ممکن ہے، یہاں تک کہ انسانی معاشرے کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ بن جائیں کہ آپ کی طرف تمام قلبِ سلیم رکھنے پڑے جائیں اور آپ کی ہمیت و عظمت کا احساس تمام کنج دلوں کو ہو جائے اور اس طرح ساری دنیا مخالفت یا مخالفت میں آپ کے گرد مُتلک ہو جائے۔

۴۔ احسان کر کے اس پر کثرت نہ چاہنے کی آخری منزل یہ ہے کہ اپنی جدوجہد اور کارناموں کو بڑائی اور اہمیت نہ دیں بلکہ ایک کے بعد دوسرے عمل کے لیے جدوجہد کرتے جائیں۔ اور بڑے پیمانے پر قربانی اور جہد و مشقت کر کے اس معنی میں فراموش کرتے جائیں کہ یہ ہمارا کوئی کام نہ ہے۔ یعنی اللہ کی یاد اور اس کے سامنے جواہری کا احساس اپنی جہد و مشقت کے احساس پر غالب ہے۔ ۵۔ آخری آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت کا کام شروع کرنے کے بعد معاذین کی

جانب سے مخالفت، استہزار، ہنسی اور ٹھٹھے کی شکلوں میں ایذار سانی سے لے کر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کرنے اور آپ کے گرد جمع ہونے والے اہل ایمان کو نیست و نابود کرنے تک کی بھروسہ رکھتے ہوں گی اور آپ کو ان سب سے سابقہ پیش آئے گا۔ اس صورت میں آپ کو بڑی پامدی اور پختگی سے صبر کرنا ہو گا۔ وہ بھی اس لیے نہیں کہ اس صبر کے بعد کسی حفظ نفاذی کے حصول کی توقع ہو۔ بلکہ محض اپنے رب کی مرضی اور اس کے دین کی سرپرستی کے لیے۔ (وَإِنْ يُكَفَّرْ فَإِنَّمَا يُعَذَّبُ عَمَّا يَصْنَعُ)

اللہ اکبر! یہ احکامات اپنی ظاہری شکل میں کتنے سادہ اور مختصر ہیں اور ان کے الفاظ کی بندش کتنی پسکون اور پرکشش نعمگی لیے ہوئے ہے۔ لیکن عمل اور مقصد کے لحاظ سے یہ احکامات کتنے بھائی ساختہ اور کتنے سخت ہیں اور ان کے نتیجے میں کتنی سخت چکھی آندھی بپا ہو گی جو ساری دنیا کے گوشے گوشے کو ہلا کر اور ایک کو دوسرے سے گھٹ کر رکھ دے گی۔

ان ہی مذکورہ آیات میں دعوت و تبلیغ کا مواد بھی موجود ہے۔ اندار کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنی آدم کے کچھ اعمال لیے ہیں جن کا انجام براہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کو نہ تو ان کے سارے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور نہ دیا جاسکتا ہے، اس لیے اندار کا ایک تعالما یہ بھی ہے کہ دنیا کے دنوں کے علاوہ ایک دن ایسا بھی ہونا چاہیئے جس میں ہر عمل کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جاسکے۔ یہی قیامت کا دن، جزاں کا دن اور بدلے کا دن ہے۔ پھر اس دن بدلہ دیتے جانے کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم دنیا میں جو زندگی گزار رہے ہیں اس کے علاوہ بھی ایک زندگی ہو۔ بقیہ آیات میں بندوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ توحید خالص خست یا رکریں۔ اپنے سارے معاملات اللہ کو سونپ دیں۔ اور اللہ کی مرضی پر نفس کی خواہش اور لوگوں کی مرضی کو تجھ دیں۔ اس طرح دعوت و تبلیغ کے مواد کا خلاصہ یہ ہوا:

(الف) توحید

(ب) یوم آخرت پر ایمان  
 (ج) تزکیہ نفس کا اہتمام۔ یعنی انجام بدنک لے جانے والے گندے اور فحش کاموں سے پہنچنے اور فضائل و کمالات اور اعمال خیر پر کار بند ہونے کی کوشش۔  
 (د) اپنے سارے معاملات کی اللہ کو حوالگی و پیروگی۔  
 (۴) پھر اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ یہ سب کچھ بھی ﷺ کی رسالت پر ایمان لا کر، آپ

کی باعظمت قیادت اور رشد و ہدایت سے لیریز فرمودات کی روشنی میں انعام دیا جائے۔

پھر ان آیات کا مطلع اللہ بزرگ و بر تر کی آواز میں ایک آسمانی ندار پر مشتمل ہے جس میں نبی ﷺ کو اس عظیم و حلیل کام کے لیے اٹھنے اور زندگی چادر پوشی اور بستر کی گئی سے نحل کر جہاد و کفاح اور عیٰ و شقت کے میدان میں آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ يَا إِنَّهَا الْمُذَكَّرَةُ قُلْ فَانْذِرْ (۷/۱، ۴۲)۔

اس چادر پوش اٹھا اور دُرا، گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جسے اپنے لیے ہیتا ہے وہ تواحت کی زندگی گزار سکتا ہے۔

لیکن آپ ہجوس زبردست بوجھ کو اٹھا رہے ہیں، تو آپ کونزندگے کیا تعلق ہے؟ آپ کو راحت سے کیا سروکار ہے؟ آپ کو گرم بستر سے کیا مطلب ہے پسکون زندگی سے کیا نسبت ہے راحت سخشن ساز و سامان سے کیا واسطہ ہے؟ آپ اٹھ جائیتے اس کارِ عظیم کے لیے جو آپ کا منتظر ہے۔ اس بارگراں کے لیے جو آپ کی خاطر تیار ہے۔ اٹھ جائیتے جہد و شقت کے لیے، مکان اور محنت کے لیے اٹھ جائیتے اکر آب زندگی اور راحت کا وقت گزر چکا، اب آج سے پہم بیداری ہے اور طویل و پُر مشقت جہاد ہے اٹھ جائیتے! اور اس کام کے لیے مستعد اور تیار ہو جائیتے۔

یہ بڑا عظیم اور پُر ہمیت کلمہ ہے۔ اس نے نبی ﷺ کو پسکون گھر، گرم آنغوш اور زرم بستر سے کھینچ کر تند طوفانوں اور تیز جھکڑوں کے درمیان اتحاد سمندر میں پھینک دیا اور لوگوں کے ضمیر اور زندگی کے حقائق کی کشکش کے درمیان لاکھڑا کیا۔

پھر — رسول ﷺ اٹھ گئے اور بیس سال سے زیادہ عرصے تک اٹھنے رہے۔ راحت و سکون خیج دیا۔ زندگی اپنے لیے اور اہل و عیال کے لیے نہ رہی۔ آپ اٹھنے تو اٹھنے ہی رہے۔ کام اللہ کی طرف دھوت دینا تھا۔ آپ نے یہ کرتوڑ بارگراں اپنے شانے پر کسی دباؤ کے بغیر اٹھا لیا۔ یہ بوجھ تھا اس روئے زمین پر امامت کبڑی کا بوجھ۔ ساری انسانیت کا بوجھ، سارے عقیدے کا بوجھ اور مختلف میدانوں میں جہاد و دفاع کا بوجھ۔ آپ نے بیس سال سے زیادہ عرصے تک پہم اور ہرگز پیر معرکہ آرائی میں زندگی بسر کی اور اس پورے عرصے میں یعنی جب سے آپ نے وہ آسمانی ندار سے حلیل سُنی اور یہ گراں بار ذمہ داری پانی آپ کو کوئی ایک حالت کسی دوسری حالت سے غافل نہ کر سکی۔ اللہ آپ کو ہماری طرف سے اور ساری انسانیت کی طرف سے بترن جزا نے گی۔

اگلے صفحات رسول اللہ ﷺ کے اسی طویل اور پُر مشقت جہاد کا ایک مختصر ساختا ہے۔

## دعوت کے ادوار و مرحلے

ہم نبی ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو ایک دوسرے سے مکمل طور پر نمایاں اور ممتاز تھے۔ وہ دونوں حصے یہ ہیں:

- ۱۔ مکنی زندگی — تقریباً تیرہ سال
- ۲۔ مدنی زندگی — دس سال

پھر ان میں سے ہر حصہ کئی مرحلوں پر مشتمل ہے اور یہ مرحلے بھی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے دونوں حصوں میں پیش آنے والے مختلف حالات کا گھرائی سے جائزہ لینے کے بعد ہو سکتا ہے۔

## مکنی زندگی میں مرحلوں پر مشتمل تھی

- ۱۔ پس پرہ دعوت کا مرحلہ — تین برس —
- ۲۔ اہل مکہ میں حکوم کھلا دعوت و تبلیغ کا مرحلہ — چوتھے سال نبوت کے آغاز سے دسیوں سال کے اوائل تک۔

۳۔ مکہ کے باہر اسلام کی دعوت کی مقبولیت اور پھیلاؤ کا مرحلہ — دسیوں سال نبوت کے اوائل سے ہجرت مدینہ تک۔

مدنی زندگی کے مرافق کی تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے۔

## کاوشِ تبلیغ

یہ معلوم ہے کہ مکہ دین عرب کا مرکز تھا۔ یہاں کعبہ کے خفیہ دعوت کے تین سال پاسان بھی تھے اور ان جتوں کے لگبھائی بھی جنہیں پورا عرب تقدیس کی نظر سے دیکھتا تھا، اس لیے کسی دور افتادہ مقام کی بُریت کہ میں مقصد اصلاح تک رسائی ذرا زیادہ دشوار تھی۔ یہاں ایسی عزیمت درکار تھی جسے مصائب و مشکلات کے جھٹکے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں۔ اس کیفیت کے پیش نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت و تبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تاکہ اہل مکہ کے سامنے اپانک ایک زیجان خیز صورت حال نہ آجائے۔

یہ بالکل فطری ہات تھی کہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے ان لوگوں پر اویں رَأْهُرَ وَانِ إِلَم اسلام پیش کرتے جن سے آپ کا سب سے گہرا ربط و تعلق تھا، یعنی اپنے گھر کے لوگوں اور دستوں پر۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے انہیں کو دعوت دی۔ اس طرح آپ نے ابتداء میں اپنی جان پہچان کے ان لوگوں کو حق کی طرف بلا یا جن کے چہروں پر آپ بخلافی کے آثار بیکھپے تھے اور یہ جان پکے تھے کہ وہ حق اور خیر کو پہنچ کر تھے ہیں۔ آپ کے صدق و صلاح سے واقع ہیں۔ پھر آپ نے جنہیں اسلام کی دعوت دی ان میں سے ایک ایسی جماعت نے جسے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی عظمت، جلالت نفس اور سچائی پر شبہ نہ گزرا تھا، آپ کی دعوت قبول کر لی۔ یہ اسلامی تاریخ میں سابقین اویں کے وصف سے مشہور ہیں۔ ان میں سرفہرست آپ کی بھی اُمُّ الْمُؤْمِنِين حضرت خدیجہؓ بنت خُرَیْلَہ، آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بن شریعت کلمیؑ، آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی بن ابی طالب جو ابھی آپ کے زیرِ کفالت پڑھتے تھے اور آپ کے یار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ یہ سب کے سب پہلے ہی دن سelman ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام کی تبلیغ میں سرگرم پہلے ہی جنگ میں قید ہو کر غلام بنایے کئے تھے۔ بعد میں حضرت خدیجہؓ ان کی مالک (بات اگلے صفحہ پر لاحظہ ہو)

ہو گئے۔ وہ بڑے ہر دلعزیز زم خو، پسندیدہ خصال کے حامل با اخلاق اور دریاول تھے، ان کے پاس ان کی مردت، دوراندرشی، تجارت اور حسن صحبت کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پاس آنے جانے والوں اور اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے جس کو قابل اعتماد پایا اسے اب اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی۔ ان کی کوشش سے حضرت عثمان حضرت زیر حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ مسلمان ہوتے۔ یہ بزرگ اسلام کا ہراول درست تھے۔

شروع شروع میں جو لوگ اسلام لائے انہی میں حضرت بلال حدیثی رحمی ہیں۔ ان کے بعد ایک امت حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح، ابو سلمہ بن عبد الاسد، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبید اللہ، اور عبیدہ بن حرث بن مطلب بن عبد مناف، شعیب بن زید، اور ان کی بیوی یعنی حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور خباب بن ارث، عبداللہ بن مسعود اور دوسرے کئی افراد مسلمان ہوتے۔ یہ لوگ مجموعی طور پر قریش کی تمام شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن ہشام نے ان کی تعداد چال میں سے زیادہ بتائی ہے۔ دیکھئے ۲۴۵/۲۶۲، لیکن ان میں سے بعض کو سابقین اولین میں شمار کرنا محل نظر ہے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں اسلام میں جماعت درجاعت داخل ہوتے۔ یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا ذکر بھیل گیا اور لوگوں میں اس کا چرچا ہو گیا۔ یہ لوگ چھپ چپا کر مسلمان ہوتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کا کام ابھی تک انفردی طور پر پیس پر دہ پل رہا تھا۔ ادھر سورہ مذکور کی ابتدائی آیات کے بعد وحی کی آمد پورے تسلی اور گرم رفاقتی کے ساتھ جاری تھی۔ اس دور میں چھوٹی چھوٹی آیتیں نازل ہو رہی تھیں۔ ان آیتوں

(بیرونیہ پہنچا صفو) ہمیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا۔ اس کے بعد ان کے والد اور چچا انہیں گھر رجانے کے لیے آئے لیکن انہوں نے باپ اور چچا کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ اس کے بعد آپ نے عرب کے دستور کے مطابق انہیں اپنا مُبینتی دے لے پاک، بنا لیا اور انہیں زید بن محمد کہا جانے لگا۔ یہاں تک کہ اسلام نے اس رسم کا خاتمہ کر دیا۔

کافا تمدیکسائ قسم کے بڑے پکشش الفاظ پر ہوتا تھا اور ان میں بڑی سکون سمجھ اور جاذب قلب نفگی ہوتی تھی جو اس پر سکون اور وقت آمیز فضما کے عین مطابق ہوتی تھی۔ پھر ان آیتوں میں تذکرہ نفس کی خوبیاں اور آلاتش دنیا میں لست پت ہونے کی برا بیان بیان کی جاتی تھیں اور جنت و جہنم کا نقشہ اس طرح کھینچا جاتا تھا کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ آیتوں اہل میان کو اس وقت کے انسانی معاشرے سے بالحل الگ ایک دوسری ہی فضما کی بیبرکراتی تھیں۔

**نماز** ابتداءً جو کچھ نازل ہوا اسی میں نماز کا حکم بھی تھا۔ مُعَاٰنِ بن سلیمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے اسلام میں دور کعت صبح اور دور کعت شام کی نماز فرض کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

..وَسَيَّدُنَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (۵۵:۳۰۱)

"صبح اور شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو،"

این جھر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور اسی طرح آپ کے صحابہ کرام واقعہ معلج سے پہلے قطعی طور پر نماز پڑھتے تھے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز پڑھگانہ سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سورج کے خلوع اور غروب ہونے سے پہلے ایک ایک نماز فرض تھی۔

حارث بن اسامة نے این نہیعہ کے طریق سے موصولاً حضرت زید بن حارثہؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ابتداءً جب وحی آئی تو آپ کے پاس حضرت جبلؓ تشریف لاتے اور آپ کو وضو کا طریقہ سکھایا جب وضو سے فارغ ہوتے تو ایک چٹوپانی میکر شرمگاہ پر چھینٹا مارا۔ ابن ماجہ نے بھی اس مفہوم کی حدیث روایت کی ہے۔ برائے بن عازب اور ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ (نماز) اولین فرائض میں سے تھی۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام نماز کے وقت گھاٹیوں میں چلنے جاتے تھے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار ابو طالبؑ نے نبی ﷺ اور حضرت علیؓ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ پوچھا اور حقیقت معلوم ہوئی تو کہا کہ اس پر قرار رہیں۔

**قریش کو اجمالی خبر** مختلف و اعات سے ظاہر ہے کہ اس مرحلے میں تبلیغ کا کام اگرچہ انفرادی طور پر چھپ کر کیا جا رہا تھا لیکن قریش کو اس کی سُن گُن لگ پکی تھی۔ البتہ انہوں نے اسے قابل توجہ نہ سمجھا۔

مُحَمَّدٌ الْكَرِيمُ یہیں کہ یہ خبریں قریش کو پہنچنے پکی تھیں، لیکن قریش نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی۔ غالباً انہوں نے محمد ﷺ کو بھی اسی طرح کا کوئی درستی آدمی سمجھا جو الوہیت اور حقوق الوہیت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُمیرہ بن ابی اصلحت، قُسْ بن سَاعِدٍ اور زید بن عَمَرْ وَبْنُ اُفْيَانٍ وَغَيْرِهِ نے کیا تھا۔ البتہ قریش نے آپ کی خبر کے پھیلاؤ اور اثر کے بدھاؤ سے کچھ اندریشے ضرور محسوس کئے تھے اور ان کی نگاہیں رفتار زمانہ کے ساتھ آپ کے انجام اور آپ کی تبلیغ پر رہنے نگی تھیں۔<sup>۲۰</sup> تین سال تک تبلیغ کا کام خفیہ اور انفرادی رہا اور ان اہل ایمان کی ایک جماعت میاڑ ہو گئی جو اخوت اور تعاون پر قائم تھی، اللہ کا پیغام پہنچا رہی تھی اور اس پیغام کو اس کا مقام دلانے کے لیے کوشش کر رہی تھی۔ اس کے بعد وحی الہی نازل ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کو مختلف کیا گیا کہ اپنی قوم کو کھلکھلانی کی وجہت دیں۔ اُنکے باطل سے نکرا میں اور ان کے تبؤ کی حقیقت واشکاف کریں۔



## کھلی تبلیغ

**اطهارِ دعوت کا پہلا حکم** [عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبُونَ (۲۱: ۲۲) آپ اپنے نزدیک ترین قرائیداروں کو (عذابِ الہی سے) ڈرایتے، یہ سورہ شعرا کی آیت ہے، اور اس سورہ میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبوّت کا آغاز ہوا، پھر آخر میں انہوں نے بنی اسرائیل سمیت ہجرت کر کے فرعون اور قوم فرعون سے نجات پانی اور فرعون و آل فرعون کو غرق کیا گیا۔ بلطفِ دیگر یہ تذکرہ ان تمام مراحل پر مشتمل ہے جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور قوم فرعون کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے گزرے تھے۔

یہ اخیال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کے اندر کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ولقے کی تفصیل اس لیے بیان کر دی گئی تاکہ حکم کھلدا دعوت دینے کے بعد جس طرح کی تکذیب اور ظلم و زیادتی سے سابقہ پیش آئے والا تھا اس کا ایک نمونہ آپ اور صحابہ کرام کے سامنے موجود رہے۔

دوسری طرف اس سورہ میں پیغمبر دل کو جھلانے والی اقوام مثلاً فرعون اور قوم فرعون کے علاوہ قوم نوح، عاد، ثمود قوم ابراہیم، قوم لوط اور اصحاب الائکہ کے انجام کا بھی ذکر ہے۔ اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جو لوگ آپ کو جھلانے میں انہیں معلوم ہو جائے کہ تکذیب پر اصرار کی صورت میں ان کا انجام کیا ہونے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس قسم کے موافذے سے دوچار ہوں گے۔ نیز اب میں ایمان کو معلوم ہو جائے کہ اچھا انجام انہیں کا ہو گا، جھلانے والوں کا انہیں **قرایت داروں میں تبلیغ** [بہر حال اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے پہلا کامہ کیا کہ بنی یاشم کو جمع کیا ان کے ساتھ بنی مطلب بن عبد مناف کی بھی ایک جماعت تھی۔ کل پیتا لیس آدمی تھے، لیکن ابوہبَّت نے بات پک لی اور بولا: ”دیکھو یہ تمہارے چھپا اور چھیرے بھائی ہیں۔ بات کرو لیکن نادانی چھوڑ دو اور یہ سمجھو لو کہ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا۔

اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تم میں پکڑ لوں پس تمہارے لیے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے۔ اور اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہو گا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور یقینہ عرب بھی ان کی امداد کریں، پھر میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے باپ کے خانوادے کے لیے تم سے بڑھ کر شرداور تباہی کا باعث ہو گا۔ اس پرنبی ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی اور اس مجلس میں کوئی لگنگوں کی —

اس کے بعد آپ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور ارشاد فرمایا: "ساری حمد اللہ کے لیے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں۔ اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لاائی عبادت نہیں۔ وہ نہ ہا ہے۔ اس کا کوئی شرکیہ نہیں۔" پھر آپ نے فرمایا: "ہنما اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی عبود نہیں میں تمہاری طرف خصوصاً اور لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول (فرستادہ) ہوں۔ بخدا! تم لوگ اسی طرح موت سے دوچار ہو گے جیسے سو جاتے ہو اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے سو کر جائیں ہو۔ پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔"

اس پر ابوطالب نے کہا (نچوچھو)، ہمیں تمہاری معاونت کس قدر پسند ہے! تمہاری نصیحت کس قدر قابل قبول ہے! اور ہم تمہاری بات کس قدر سمجھی جاتے ملتے ہیں اور یہ تمہارے والد کا خانوادہ جمع ہے۔ اور میں بھی ان کا ایک فرد ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ میں تمہاری پسند کی تحریک کے لیے ان سب سے پیش پیش ہوں، لہذا تمہیں جس بات کا حکم ہوا ہے اسے انجام دو۔ بخدا! میں تمہاری مسلسل حفاظت فاعلیت کرتا رہوں گا۔ البتہ میری طبیعت عبد المطلب کا دین چھوڑنے پر راضی نہیں۔

ابوالہب نے کہا: خدا کی قسم یہ برائی ہے۔ اس کے ہاتھ دسروں سے پہلے تم لوگ خود ہی پکڑ لو۔ اس پر ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم جب تک جان میں جان ہے۔ ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

**کوہ صفا پر** [ابوالطالب ان کی حمایت کریں گے تو ایک روز آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر کیا اولاد لکھی: یا صبا حاہ رہا تے صبح یا یہ پکار سن کر قریش کے قبائل آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے انہیں لئے فقة ایرو من<sup>۸۸</sup> از ابن الاشر۔ لئے اہل عرب کا مستور تھا کہ دشمن کے محلے سے آگاہ کرنے کیلئے کسی بلند مقام پر چڑھ کر انہیں المغارے پکارتے تھے۔]

خدا کی توحید اپنی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس واقعے کا ایک ملکہ صلح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مردی ہے کہ:

جَبْ وَأَنْذِرْ عَثِيرَ تَكَ الْأَقْرَبِينَ نَازَلْ هُوَيْ تَوْبَنِي ﷺ نَزَّلَهُ صَفَارَ پَرْ جَرَحَهُ  
کرْ بُطُونَ قَرْشَ کوَآوازَ لَگَانِی شَرْوَعَ کیَ اے بنیَ عَدَیْ! ایہاں تک کہ سب کے سب الکھا  
ہو گئے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی خود نہ جا سکتا تھا تو اس نے اپنا فاصد صحیح دیا کہ دیکھے معاملہ کیا ہے؟ غرض  
قریش آگئے۔ ابوالہبیب بھی آگیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: "تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر  
وادی میں شہروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھپا پر مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟"  
لوگوں نے کہا، "ہاں! ہم نے آپ پر سچ ہی کا تحریر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا، تو میں تمہیں ایک سخت  
عذاب سے پہلے خیردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس پر ابوالہبیث نے کہا، تو سارے دن غارت ہو، تو نے ہمیں  
ای یہ جمیع کیا تھا۔ اس پر سورہ بتت یَدَ آمِیْلَ تَهِیْ نَازَلْ هُوَيْ ابْلَهَیْ دُولُوْنَ ہاتھ غارت ہوں لوروْه خود غارت ہو یا"

اس واقعے کا ایک اور ملکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَثِيرَ تَكَ الْأَقْرَبِينَ نَازَلْ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے  
نے پھر لگانی۔ یہ پھر عام بھی اور خاص بھی۔ آپ نے کہا۔ اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم سے  
بچاؤ۔ اے بنی کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے مُحَمَّد کی میٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے  
بچا کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ کی گرفت) سے (بچانے کا، کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم لوگوں سے  
نسب و قرابت کے تعلقات ہیں جنہیں میں باقی اور تزویزہ و رکھنے کی کوشش کروں گا۔

یہ بانگ درا فایرت تبلیغ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب ترین لوگوں پر واضح کر دیا  
تھا کہ اب اس رسالت کی تصدیق ہی پر تعلقات موقوف ہیں اور جس نسل اور قیامتی عصیت پر عرب  
قاً تم ہیں وہ اس خدائی امداد کی حرارت میں پچھل کر ختم ہو چکی ہے۔

**حق کا واسکاف اعلان اور شرکین کا و عمل** | اس آواز کی گونج ابھی مکتے کے اطراف  
میں سنائی ہی دے رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ

کا ایک اور حکم نازل ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمِنَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ (۹۳: ۱۵)

”آپ کو حکم ملابے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رُخ پھیر لیجئے ۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شرک کے خرافات و باطیل کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو داشگاف کرنا شروع کر دیا۔ آپ مشائیں دے دے کر سمجھاتے کر کی قدر عاجز و ناکارہ ہیں اور دلائل سے واضح فرماتے کہ جو شخص انہیں پوچھتا ہے اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناتا ہے وہ کس قدر کھلی ہوئی مگر ہی میں ہے۔

لگتے، ایک ایسی آواز سن کر جس میں مشرکین اور بت پستوں کو گمراہ کہا گیا تھا، احساس غضب سے پھٹ پڑا۔ اور شدید غم و غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا، گویا بھلی کا کڈ کا تھا جس نے پرکون فضا کو ہلاک کر رکھ دیا تھا۔ اسی یہے قریش اس اپاٹنکے پھٹ پڑنے والے انقلاب کی جڑ کھلتے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کہ اس سے پُشتیمنی رسم و رواج کا صفائیا ہوا چاہتا تھا۔

قریش اٹھ پڑے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی الٰہیت کے انکار اور رسالت و آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اس رسالت کے حوالے کر دیا جائے اور اس کی بے چون و چرا اطاعت کی جائے، یعنی اس طرح کہ دوسرے تو در کار خود اپنی جان اور اپنے مال تک کے پار سے میں کوئی اختیار نہ ہے اور اس کے معنی یہ تھے کہ مکہ والوں کو دینی رہنمی میں اہل عرب پر جو بڑائی اور سرداری حاصل تھی اس کا صفائیا ہو جائے گا اور اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مقلدیں انہیں اپنی مرضی پر عمل پیرا ہونے کا اختیار نہ رہے گا، یعنی نچلے طبقے پر انہوں نے جو مظالم روا کرھے تھے۔ اور صحیح و شام جن بُرائیوں میں لٹ پٹ رہتے تھے۔ ان سے دستکش ہوتے ہی بنے گی۔

قریش اس مطلب کو اپنی طرح سمجھ رہے تھے اس لیے ان کی طبیعت اس سے رسول کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھی، لیکن کسی شرف اور خیر کے پیش نظر نہیں۔ بلّ یُرِيْدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَاكِمَةً

(۱۵) ۱۵) بلکہ اس لیے کہ انسان چاہتا ہے کہ آنندہ بھی بُرائی گرتا رہے۔

قریش یہ سب کچھ سمجھ رہے تھے لیکن شکل یہ آن پڑی تھی کہ ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق و امین تھا انسانی اقدار اور مکار م اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا اور ایک طویل عرصے سے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہ رکھی تھی اور نہ سُنی۔ آخر اس کے بال مقابل کریں تو کیا کریں قریش حیران تھے اور انہیں واقعی حیران ہونا چاہیے تھا۔

کافی غور و خوض کے بعد ایک راستہ سمجھ میں آیا کہ آپ کے چچا ابو طالب کے پاس جائیں

اوہ طالبہ کریں کہ وہ آپ کو آپ کے کام سے روک دیں۔ پھر انہوں نے اس مطالبے کو تحقیقت واقعیت کا جام سپہنہ نے کے لیے یہ دلیل تیار کی کہ ان کے معبدوں کو چھوڑنے کی دعوت دینا اور بپہنہ کریم معبد نفع و نقصان پہنچانے یا اور کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے و تحقیقت ان معبدوں کی سخت توہین اور بہت بڑی گالی ہے اور یہ ہمارے ان آباء اجداد کو احمد اور گمراہ قرار دینے کے بھی سہم معنی ہے جو اسی دین پر گزر چکے ہیں۔ — قریش کو یہی راستا سمجھ میں آیا اور انہوں نے بڑی تیزی سے اس پر چنان شروع کر دیا۔

**قریش ابوطالب کی خدمت میں** | ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اشراف قریش سے چند آدمی ابوطا  
کے پاس گئے اور بولے: "اے ابوطالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداوں کو بُرا بجلا کہا ہے، ہمارے دین کی عرب چیزی کی ہے، ہماری عقولوں کو حماقت زدہ کہا ہے، اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ قرار دیا ہے۔ لہذا یا تو آپ انہیں اس سے روک دیں، یا ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی ہماری ہی طرح ان سے مختلف دین پر ہیں۔ ہم ان کے معاملے میں آپ کے لیے بھی کافی رہیں گے۔"

اس کے جواب میں ابوطالب نے زم بات کی اور رازدارانہ ادب والہجا اختیار کیا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے سابقہ طریقے پر رواں دواں رہتے ہوئے اللہ کا دین پھیلائے اور اس کی تبلیغ کرنے میں مصروف رہئے۔

**حجاج کور و کنکے محلہ شوری** | ان ہی دنوں قریش کے سامنے ایک اور مشکل آنکھی سمجھتے تھے کہ بنی ﷺ کے متعلق کوئی ایسی بات کہیں کہ جس کی وجہ سے اہل عرب کے دلوں پر آپ کی تبلیغ کا اثر نہ ہو۔ چنانچہ وہ اس بات پر گفت و شنید کے لیے ولید بن مغیرہ کے پاس لٹھے ہوئے۔ ولید نے کہا اس بارے میں تم سب لوگ ایک رائے اختیار کر لو تم میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے کہ خود تمہارا ہی ایک آدمی دوسرے آدمی کی تکذیب کر دے اور ایک کی بات دوسرے کی بات کو کاٹ دے۔ لوگوں نے کہا آپ ہی کہتے۔ اس نے کہا، نہیں تم لوگ کہو، میں سنوں گا۔ اس

پرچسند لوگوں نے کہا، ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔ ولید نے کہا، نہیں بخدا وہ کاہن نہیں ہے، ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اس شخص کے اندر نہ کاہنوں صیغی گلگنا ہست ہے۔ مذان کے صیغی قافیہ گوئی اور شنگ بندی۔

اس پر لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔ ولید نے کہا، نہیں، وہ پاگل بھنہیں۔ ہم نے پاگل بھی دیکھے ہیں اور ان کی کیفیت بھی۔ اس شخص کے اندر نہ پاگلوں صیغی دم گھٹنے کی کیفیت اور الٹی سیدھی حرکتیں ہیں اور نہ ان کے جیسی بہکی بہکی باتیں۔

لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں۔ ہمیں رجن، ہجز، قریض، مقبوض، مبسوط سارے ہی اصنافِ سخن معلوم ہیں۔ اس کی بات بہر حال شعر نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا، یہ شخص جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے جادوگر اور ان کا جادو بھی دیکھا ہے، یہ شخص نہ توان کی طرح جھاڑ پھوٹ کرتا ہے نہ گہ لگاتا ہے۔ لوگوں نے کہا؛ تب ہم کیا کہیں گے؟ ولید نے کہا، خدا کی قسم اس کی بات بڑی شیری ہے۔ اس کی جڑ پایدار ہے اور اس کی شاخ پھلدار تھم جو بات بھی کہو گے لوگ اسے باطل سمجھیں گے اب تھے اس کے بارے میں سب سے مناسب بات یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جو جادو ہے۔ اس سے ہاپ بیٹھے، بھائی بھائی، شوہر بیوی اور کئے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ بالآخر لوگ اسی تجویز پر مستحق ہو کر دہان سے رخصت ہوتے یہ تھے۔

بعض روایات میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ جب ولید نے لوگوں کی ساری تجویزیں رد کر دیں تو لوگوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اپنی بے داغ راستے پیش کیجئے۔ اس پر ولید نے کہا: ذرا سوچ لینے دو۔ اس کے بعد وہ سوچتا رہا سوچتا رہا یہاں تک کہ اپنی مذکورہ بالا راستے ظاہر کی یہ تھے اسی معلمے میں ولید کے متعلق سورہ مُثَرَّ کی سولہ آیات (۲۹، ۳۰، ۳۱) نازل ہوئیں جن میں سے چند آیات کے اندر اس کے سوچنے کی کیفیت کا نقشہ بھی کھینچا گیا چنانچہ ارشاد ہوا:

إِنَّهُ فَكَرَ وَقَدْرَ ۖ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَرَ ۖ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَرَ ۖ ثُمَّ نَظَرَ ۖ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۖ ثُمَّ أَدْبَرَ وَأَسْتَكَبَرَ ۖ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثِرُ ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۖ

(۱۸:۴۷-۴۸)

”اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔ وہ غارت ہو۔ اس نے کیا اندازہ لگایا، پھر غارت ہواں نے کیا اندازہ لگایا!  
پھر نظر دوڑائی۔ پھر پیشی اسکی تحریر اور منہ بسوار۔ پھر پلٹا اور سمجھ کر کیا۔ آخر کار کہا کہ یہ زرالا جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آ رہا  
ہے۔ یہ محض انسان کا کلام ہے“

بہر حال یہ قرارداد طے پاچکی تو اسے جامہ عمل پہنانے کی کارروائی شروع ہوئی۔ کچھ لفڑی مکہ عازمین  
حج کے مختلف راستوں پر بیٹھ گئے اور باہم سے ہرگز رنے والے کو آپ کے ”خطرے“ سے آگاہ کرنے  
ہوئے آپ کے متعلق تفصیلات بتانے لگے۔

اس کام میں سب سے نریادہ پیش پیش ابوالہبیت تھا۔ وہ حج کے ایام میں لوگوں کے ڈر دل  
اور عکاظ، مجنة اور ذوالمحاجز کے بازاروں میں آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ آپ اللہ کے دین کی تبلیغ  
کرتے اور ابوالہبیت پیچھے پیچھے یہ کہتا کہ اس کی بات نہ ماننا یہ جھوٹا بد دین ہے۔<sup>۹</sup>  
اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس حج سے اپنے گھر دل کو واپس ہونے تو ان کے علم  
میں یہ بات آپکی تھی کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور یوں ان کے ذریعے پورے دیارِ عرب  
میں آپ کا چرچا پھیل گیا۔

بسہاری کے مختلف انداز اجنب قریش نے دیکھا کہ محمد ﷺ کو تبلیغ دین سے روکنے  
محاذ ارائی کے مختلف انداز اکی حکمت کا رگ نہیں ہو رہی ہے تو ایک بار پھر انہوں نے  
غور و خوض کیا اور آپ کی دعوت کا قلع قمع کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے جن کا خلاصہ  
یہ ہے۔

۱۔ ہنسی، بھٹھا، تحقیر، استہزاء اور تکذیب۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو بد دل کر کے  
ان کے حوصلے توڑ دیئے جائیں۔ اس کے لیے مشرکین نے نبی ﷺ کو نار و اثہمتوں اور زیہودہ  
گالیوں کا شانہ بنایا۔

چنانچہ وہ کبھی آپ کو پاگل کہتے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمُجْنِّنٌ ۝ (۶۰:۱۵)

”ان کفار نے کہا کہ لے دہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا تو یقیناً پاگل ہے۔“

اور کبھی آپ پر جاؤ گر اور جھوٹے ہونے کا الزام لگاتے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفَّارُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَابٌ (۲۸: ۲۰)

”انہیں حیرت ہے کہ خود انہیں میں سے ایک ڈرانیوالا آیا اور کافرین کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے جو ہم ہے؟“

یہ کفار آپ کے آگے پچھے پُغضب ہنسنا نہ کھا ہوں اور بھڑکتے ہوئے جذبات کے ساتھ

چلتے تھے۔ ارشاد ہے:

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيَزْلُفُونَكَ إِنْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِكْرَ  
وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لِمَجْنُونٌ (۲۰: ۶۵)

”اور جب کفار اس قرآن کو سنتے ہیں تو آپ کو ایسی نکا ہوں سے دیکھتے ہیں کہ گواہی کے قدم اکھاڑ دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ یقیناً پاگل ہے؟“

اور جب آپ کسی بُلگہ تشریف فراہوتے اور آپ کے ارد گرد کمزور اور مظلوم صحابہ کرامؓ موجود ہوتے تو انہیں دیکھ کر مشرکین اشہزاد کرتے ہوئے کہتے:

..أَهُؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْتِنَا (۵۳: ۱۶)

”اچھا! یہی حضرات ہیں جن پر اللہ نے ہمارے دمیان سے احسان فرمایا ہے!“

جو ایسا اللہ کا ارشاد ہے:

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمُ بِالشَّكِيرِينَ (۵۳: ۱۷)

”میں اللہ شکر گزاروں کو سب سے زیادہ نہیں چانتا!“

عام طور پر مشرکین کی کیفیت وہی تھی جس کا نقشہ ذیل کی آیات میں کھینچا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ أَمْنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُوا  
بِهِمْ يَتَفَاهَرُونَ ۝ وَإِذَا افْتَلُوْا إِلَى أَهْلِهِمْ افْتَلُوْا فَكِيرِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ  
فَالْتُّوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝ وَمَا أَرْسَلُوا عَلَيْهِمْ حِفْظِينَ (۲۹: ۸۳)

”جو مجرم تھے وہ ایمان لاتے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو انہیں

مارتے تھے اور جب اپنے گھروں کو پلٹتے تو لطف انداز ہوتے ہوئے پلٹتے تھے۔ اور جب انہیں دیکھتے تو

کہتے کہ یہی گمراہ ہیں، حالانکہ وہ ان پر نگران بناتے نہیں بھیجے گئے تھے۔“

(۲) محاو آرائی کی دوسری صورت آپ کی تعلیمات کو منع کرنا شکوک شہہات پیدا کرنا، جو ہو

پر پیگنڈا کرنا۔ تعلیمات سے لے کر شخصیت تک کو واہیات اعتراضوں کا نشانہ بنانا اور یہ سب

اس کثرت سے کرنا کہ عوام کو آپ کی دعوت و تبلیغ پر خور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ چنانچہ پر مشکین قرآن کے متعلق کہتے تھے،

.. أَسَاكِطِيرُ الْأَوَّلِينَ حَكَتْهَا فِي مُثْلِي عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۵:۲۵)

”یہ پہلوں کے افسانے ہیں جنہیں آپ نے لکھوا یا ہے۔ اب یہ آپ پر صبح دشام تلاوت کئے جاتے ہیں“

.. إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْلُكُ افْتَرَاهُ وَأَعْانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ أَخْرُونَ ۝ (۴:۲۵)

”یہ بعض جھوٹ ہے جسے اس نے گھڑیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی اعانت کی ہے“

پر مشکین یہ بھی کہتے تھے کہ

.. إِنَّمَا يُعَكِّلُهُ بَشَرٌ ۝ (۱۰۳:۱۶)

یہ قرآن تو آپ کو ایک انسان سمجھاتا ہے۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ان کا اعتراض یہ تھا:

.. مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَا كُلُّ الظَّعَامَ وَيَمِشُّ فِي الْأَسْوَاقِ ۝ (۷:۲۵)

یہ کیا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے!

قرآن شریف کے بہت سے مقامات پر مشکین کارڈ بھی کیا گیا ہے کہیں اعتراض نقل کر کے اور کہیں نقل کے بغیر۔

۳۔ محاذاہ آرائی کی تیسرا صورت [پہلوں کے واقعات اور افانوں سے قرآن کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو اسی میں المحتاط اور پہنچاتے کھدا

چنانچہ نظر بن حارث کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک بار قریش سے کہا: ”قریش کے لوگو! خدا کی قسم تم پر ایسی افتاد آن پڑی ہے کہ تم لوگ اب تک اس کا کوئی تورٹ نہیں لاسکے۔ محمدؐ تم میں جوان تھے تو تمہارے سب سے پسندیدہ آدمی تھے۔ سب سے زیادہ سچے اور سب سے بڑھ کر امامت دار تھے۔ اب جبکہ ان کی کنٹیوں پر سفیدی دکھائی پڑتے کہے رعنی ادھیر ط ہو چلے ہیں) اور وہ تمہارے پاس

کچھ باتیں لے کر آئے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں! نہیں بخدا وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر دیکھے ہیں۔ ان کی جھاڑ بچنگا اور گرہ بندی بھی بیکھی ہے۔ اور تم لوگ کہتے ہو وہ کاہن ہیں۔ نہیں!

بندادوہ کا ہن بھی نہیں۔ ہم نے کا ہن بھی دیکھے ہیں، ان کی اُٹی سیدھی حرکتیں بھی دیکھی ہیں اور ان کی فقرہ بندیاں بھی سنی ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو وہ شاعر ہیں۔ نہیں بندادوہ شاعر بھی نہیں، ہم نے شعر بھی دیکھا ہے اور اسکے سارے اصناف، بھر، بجز، وغیرہ سنے ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو وہ پاگل ہیں۔ نہیں، بندادوہ پاگل بھی نہیں، ہم نے پاگل پن بھی دیکھا ہے۔ یہاں نہ اس طرح کی گھٹن ہے نہ ویسی بہکی بہکی باتیں اور نہ ان کے جیسی فربہ کارانہ گفتگو۔ قوش کے لوگوں اسوجہ! خدا کی قسم تم پر زیر دست افداد آن پڑی ہے۔ اس کے بعد نظر بن حارث ریزہ گیا۔ وہاں بادشاہوں کے واقعات اور رسم و اسناد پر کے قصے سیکھے۔ پھر واپس آیا تو جب رسول اللہ ﷺ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کی باتیں کرتے اور اس کی گرفت سے لوگوں کو ڈلاتے تو آپ کے بعد شخص وہاں پہنچ جانا اور کہتا کہ بندادا! محمد کی باتیں مجھ سے بہتر نہیں۔ اس کے بعد وہ فارس کے بادشاہوں اور رسم و اسناد پر کے قصے سناتا پھر کہتا ہے۔ آخر کس بناء پر محمدؐ کی باتیں مجھ سے بہتر ہے۔ ابن عباس کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نظر نے چند لونڈیاں خرید رکھی تھیں اور جب وہ کسی آدمی کے تعلق سنتا کہ وہ نبی ﷺ کی طرف مائل ہے تو اس پر ایک لونڈی مسلط کر دیتا، جو اس کے کھلاقی پلاتی اور گلنے ساتی یہاں تک کہ اسلام کی طرف اس کا جھکاؤ باقی نہ رہ جاتا اسی سلسلے میں یہ ارشاد الہی نازل ہوا۔ اللہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِئُهُوا لِحَدِيثٍ لِيُضِلَّ عَزْكَيْلَ اللَّهِ .. (٦:٣١)

”کچھ لوگ لیے ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی ماہ سے بھٹکا دیں یا (۳-۴)

**۳۔ محااذارائی کی چھٹی صورت** سودے بازیاں جن کے ذریعے مشرکین کی یہ کوشش تھی کہ اسلام اور حاہلیت دونوں یعنی راستے میں ایک دوسرے سے جاتمیں یعنی کچھ لوا اور کچھ دو کے اصول پر اپنی بعض باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض باتیں نبی ﷺ کے چھوڑ دیں۔ قرآن پاک میں اسی کے متعلق ارشاد ہے:

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿٩٨﴾

دوده چاہتے ہیں کہ آپ ٹھیک پڑ جائیں تو دہ بھی ٹھیک پڑ جائیں ॥

پنځانچه ابن جریر اور طبرانی کی ایک روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو یہ تجویز

پیش کی کہ ایک سال آپ ان کے معبودوں کی پوجا کیا کریں اور ایک سال وہ آپ کے رب کی عبادت کیا کریں گے۔ عبد بن حمیند کی ایک روایت اس طرح ہے کہ مشرکین نے کہا اگر آپ ہمارے معبودوں کو قبول کر لیں تو ہم بھی آپ کے فدائی عبادت کریں گے یہ

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ انسود بن مطلوب بن اسد بن عبد العزیز، ولید بن مغیرہ، امیرہ بن خلوف اور عاص بن واہل سہنی آپ کے سامنے آئے یہ سب اپنی قوم کے بڑے لوگ تھے۔ یوں لے! اے محمد! آؤ جسے تم پوچھتے ہو اسے ہم بھی پوچھیں۔ اور جسے ہم پوچھتے ہیں اسے تم بھی پوچھو۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں۔ اب اگر تمہارا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہے تو ہم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے اور اگر ہمارا معبود تمہارے معبود سے بہتر کہو تو تمہارے سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہو گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورہ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ نے نازل فرمائی، جس میں اعلان کیا گیا کہ جسے تم لوگ پوچھتے ہو اسے میں نہیں پوچھ سکتا اور اس فیصلہ کو جواب کے ذریعے ان کی ضھکنخیز گفت و شنید کی جڑ کاٹ دی گئی۔ روایتوں میں اختلاف غالباً اس لیے ہے کہ اس سودے بازی کی گوشش پاریار کی گئی۔

ظللم و جور سکھ نبوت میں جب پہلی بار اسلامی دعوت منظر عام پر آئی تو مشرکین نے اسے بلند کیے وہ کارروائیاں انجام دیں جن کا ذکر اور پذیر چکا ہے۔ یہ کارروائیاں تھوڑی تھوڑی اور درجہ بدرجہ عمل میں لائی گئیں اور ہفتوں بلکہ ہیجنوں مشرکین نے اس سے آگے قدم نہیں بڑھایا اور ظلم و زیادتی شروع نہیں کی لیکن جب ویکھا کہ یہ کارروائیاں اسلامی دعوت کی راہ روکتے ہیں موثق ثابت نہیں ہو رہی ہیں تو ایک پارچہ جمع ہوتے اور ۲۵ سردار ان قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا سربراہ رسول اللہ ﷺ کا چھپا ابو لہب تھا۔ اس کمیٹی نے باہمی مشورے اور غور و خوض کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کرام کے خلاف ایک فیصلہ کو قرارداد منظور کی۔ یعنی یہ طے کیا کہ اسلام کی مخالفت پر غیر اسلام کی ایزار سافی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جو رسم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی گمراہانہ رکھی جائے یہ

مشرکین نے یہ قرار داد طے کر کے اسے رو بہ عمل لئے کا عزم مصتمم کر دیا۔ مسلمانوں اور خصوصاً  
کمزور مسلمانوں کے اعتبار سے تو یہ کام بہت آسان تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے لحاظ سے ہری  
مشکلات تھیں۔ آپ ذاتی طور پر شکوہ، بادقاں اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ دوست دشمن  
بھی آپ کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ صیہی شخصیت کا سامنا اکرام و احترام ہی سے کیا جاسکتا  
تھا اور آپ کے خلاف کسی نیچ اور ذیل حرکت کی جرأت کوئی ردیل اور احمدی ہی کر سکتا تھا۔ اس  
ذاتی عظمت کے علاوہ آپ کو ابو طالب کی حمایت و حفاظت بھی حاصل تھی اور ابو طالب کے  
کے ان گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو اپنی ذاتی اور اجتماعی دونوں یتیشتوں سے استے باختی  
تھے کہ کوئی شخص ان کا عہد توڑنے اور ان کے خانوادے پر ہاتھ دلانے کی جگارت نہیں کر سکتا تھا۔  
اس صورت حال نے قریش کو سخت قلق پر پیشی اور کشمکش سے دوچار کر رکھا تھا۔ مگر سوال یہ ہے  
کہ چودھوت ان کی مذہبی پیشوائی اور دنیاوی سرباہی کی جڑ کاٹ دینا چاہتی تھی آخر اس پر اتنالبا صبر  
کر تک؟ بالآخر مشرکین نے ابوہب کی سرباہی میں نبی ﷺ اور مسلمانوں پلکم و جوڑ کا آغاز کر دیا۔ وحقیقت نبی  
ﷺ کے تعلق ابوہب کا وقت روزِ اول ہی سے چبکا بھی قریش نے اس طرح کی بات سوچی بھی نہ تھی ہی تھا۔ اس نے  
بنی هاشم کی مجلس میں جو کچھ کیا، پھر کوہ صفا پر جو حرکت کی اس کاذکر کچھ پر صفحات میں آچکا ہے۔ بعض روایات  
میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس نے کوہ صفا پر نبی ﷺ کو مارنے کے لیے ایک پتھر بھی اٹھایا تھا۔<sup>۱۴</sup>  
بعثت سے پہلے ابوہب نے اپنے دو بیٹوں عثیہ اور عتیہ کی شادی نبی ﷺ کی دوسرے اولیٰ  
رفیقہ اور اُم کلثوم سے کی تھی لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت سختی اور درشتی سے ان دونوں کو طلاق  
دوادی۔<sup>۱۵</sup>

اسی طرح جب نبی ﷺ کے دوسرے صاحزادے عبد اللہ کا انتقال ہوا تو ابوہب  
کو اس قدر خوشی ہوتی کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے رفتائے کے پاس پہنچا اور انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ محمد  
ﷺ اپنے اپنے ابتر (نسل بیدہ) ہو گئے ہیں۔<sup>۱۶</sup>

ہم یہ بھی ذکر کر سکتے ہیں کہ ایام جج میں ابوہب نبی ﷺ کی تکنیب کے لیئے بازاروں  
اور اجتماعات میں آپ کے پیچے پیچے لگا رہتا تھا۔ طارق بن عبد اللہ مخاربی کی روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ یہ شخص صرف نکدیب ہی پر میں نہیں کرتا تھا بلکہ پھر بھی ماتمار ہتا تھا جس سے آپ کی ایڈیاں خون آکو دھو جاتی تھیں ہیں۔

ابولہب کی بیوی اُم جمیل، جس کا نام آزادی تھا اور جو حزب بن اُمیہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی، وہ بھی نبی ﷺ کی عادت میں اپنے شوہر سے پچھلے نہ تھی، چنانچہ وہ نبی ﷺ کے راستے میں اور دروازے پر رات کو کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ خاصی بذریبان اور منفہ پرداز بھی تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ کے خلاف بذریبانی کرنے لبی چوری ذمہ داری و افتراض پردازی سے کام لینا، فتنے کی آگ بھرا کرنا، اور خوفناک جنگ پار کرنا اس کا شیوه تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کو حَمَّالَةَ الْحَطَبْ (لکڑی ڈھونے والی) کا لقب عطا کیا۔

جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے شوہر کی ذمہت میں قرآن نازل ہوا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتی ہوئی آئی۔ آپ نمازِ کعبہ کے پاس مسجدِ حرام میں تشریف فرماتھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ یہ سُجُّی بھر پھر لیے ہوئے تھی۔ سامنے کھڑی ہوئی تو اللہ نے اس کی ننگاہ پکڑ لی اور وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سامنے پہنچتے ہی سوال کیا، ابو بکر تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہیری ہجور کرتا ہے۔ بخدا اگر میں اسے پاگئی تو اس کے منہ پر یہ پھر دے ماروں گی۔ دیکھو! افادا کی قسم میں بھی شاعر ہوں پھر اس نے یہ شعر سنایا۔

فَلَمَّا مَأَعْصَيْنَا      وَأَمْرَنَا أَبِيَّنَا      وَدِينَهُ قَلِيلَنَا

” ہم نے ذمہم کی نافرمانی کی۔ اس کے امر کو تسلیم نہ کیا اور اس کے دین کو نفرت و حقدار سے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد واپس چل گئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا! یا رسول اللہ ﷺ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں۔ ہآپ نے فرمایا نہیں؟ اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ نے اس کی ننگاہ پکڑ لی تھی بنتے ابو بکر زدار نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے اور اس میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ جب وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی تھی تو اس نے یہ بھی کہا، ابو بکر! تمہارے ساتھی نے ہماری ہجوکی ہے۔ ابو بکر نے کہا، نہیں اس عمارت کے رب کی قسم نہ وہ شر کہتے ہیں نا سے زبان پر لاتے ہیں۔ اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔

---

لعلہ جامع الترمذی۔ ۱۹۰ مشرکین جل کرنے ﷺ کو مُعْتَمِد کے بجائے ذُرْقُم کہتے تھے جس کا معنی مُعْتَمِد کے معنی کے بالکل عکس ہے محدث، وہ شخص ہے جس کی تعریف کی جائے۔ ذُرْقُم: وہ شخص ہے جس کی ذمہت اور بُرائی کی جلتے۔ نے ابن ہشام ار ۳۵۰، ۳۶۰

ابوہب اس کے باوجود یہ ساری حرکتیں کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چیا اور پڑوسی تھا۔ اس کا گھر آپ کے گھر سے متصل تھا۔ اسی طرح آپ کے دوسرے پڑوسی بھی آپ کو گھر کے اندر تلتے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جو گردہ گھر کے اندر رسول اللہ ﷺ کو آذیت دیا کرتا تھا وہ یہ تھا۔ ابوہب، حکم بن ابی العاص بن امیة، عقبہ بن ابی معیط، عبد بن حمراء شفیعی، ابن الصدام هنڈلی۔ یہ سب کے سب آپ کے پڑوسی تھے اور ان میں سے حکم بن ابی العاص کے علاوہ کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ ان کے شانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اس طرح ٹکا کر چینکتا کہ وہ تھیک آپ کے اور پرگرتی چھلے پر ہاذی چڑھائی جاتی تو بچہ دانی اس طرح چینکتے کریدے ہے ہاذی میں جاگرتی۔ آپ نے مجبور ہو کر ایک گھر دنا بنا لیا تاکہ نماز پڑھتے ہوتے ان سے بچے سکیں۔

بہر حال جب آپ پر یہ گندگی چینکی جاتی تو آپ اسے لکڑی پر لے کر نکلتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے: "لے بنی عبد مناف ای کسی ہمسانگی ہے؟ پھر اسے راستے میں ڈال دیتے۔ عقبہ بن ابی معیط اپنی بد بختی اور خباشت میں اور بڑھا ہوا تھا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ بنی قیاطہ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہتے۔ اور ابو جبل اور اس کے کچھ رفقاء بیٹھے ہوتے تھے کہ اتنے میں بعض نے بعض سے کہا، کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوچھڑی لاتے اور جب محمد ﷺ سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟ اس پر قوم کا بد بخت ترین آدمی — عقبہ بن ابی میوط <sup>۳۲</sup> — اٹھا اور اوچھلاکا انتظار کرنے لگا جب بنی قیاطہ سجدے میں تشریف لے گئے تو اسے آپ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈالیا۔ میں سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کاش میرے اندر بچانے کی طاقت ہوتی۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ نہی کے مارے ایک دوسرے پر گز نے لگے اور رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے۔ سر زاد اٹھایا۔ یہاں تک کہ فاطمہ آئیں اور آپ کی پیٹھ سے اوچھہ ہٹا کر چینکی تب آپ نے سر اٹھایا۔ پھر تین بار فرمایا اللہ ہے عَلَيْكَ يُفْرِشُ اُمَّةَ اللَّهِ تَوْقِيرِشُ كَمَكْرَبَهُ ۝ جب آپ نے بد دعا کی تو ان پر بہت گران گذری۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعا میں قبول کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نام لے لے کر بد دعا کی: لے

الله ابوجبل کو پکڑ لے۔ اور عقبہ بن ریمہ، شیبہ بن ریمہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے ۔

انہوں نے ساتوں کا بھی نام گنایا۔ لیکن راوی کو یاد نہ رہا ۔ این سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم لوگوں کے با تھے میری جان ہے میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ﷺ نے گن گن کر لیے تھے۔ سب کے سب پدر کے کنویں میں مقتول پڑے ہوئے تھے یہ امیہ بن خلف کا وظیفہ تھا کہ وہ جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو لعن طعن کرتا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ وَيُلْ تِلْ هُزَّ لِمَزَّ (۱۰: ۱۱) ہر لعن طعن اور برا بیان کرنے والے سیلے تباہی ہے؛ این ہشام کہتے ہیں کہ ہُزَّ وہ شخص ہے جو عذانیہ گالی بکے اور آنکھیں ٹیڑھی کر کے اشارے کرے۔ اور لُمَّةٌ وہ شخص ہے جو پیڑھی پیچھے لوگوں کی برا بیان کرے اور انہیں اذیت دے ۔ امیہ کا بھائی ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کا گھر ادوات تھا۔ ایک بار عقبہ نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا۔ ابی یک کو معلوم ہوا تو اس نے عقبہ کو سخت سُست کہا، عقاب کیا اور اس سے مطالیہ کیا کہ وہ جا کر رسول اللہ ﷺ کے منہ پر تھوک آتے۔ آخر عقبہ نے ایسا ہی کیا خود ابی بن خلف نے ایک مرتبہ ایک یوسیدہ ہڈی لا کر توڑی اور ہوا میں پھونک کر رسول اللہ ﷺ کی طرف اُڑا دی ۔<sup>۲۴</sup>

آنفس بن شریعت شفیقی بھی رسول اللہ ﷺ کے تکنے والوں میں تھا۔ قرآن میں اس کے نو اوصاف بیان کئے گئے ہیں جس سے اس کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔ ارشاد ہے،

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّا زِ مَشَّاءٍ بَنَمِيمٍ ۝ مَنَاعَ لِلْخَيْرِ مُعْتَدِّ أَثِيمٍ ۝ عُتْلٌ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ ۝ (۶۸: ۱۰ - ۱۳)

”تم ہات نمازوں کی قسم کرانے والے ذمیل کی جو لعن طعن کرتا ہے، چنڈیاں کھاتا ہے۔ بجلاتی سے روکتا ہے، حد درجہ ظالم، بد عمل اور جفا کار ہے۔ اور اس کے بعد بمال جھی ہے“

ابوجبل کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر قرآن سناتھا لیکن بس ستا ہی تھا۔ ایمان د اطاعت اور ادب و حیمت اختیار نہیں کرتا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بات سے اذیت

<sup>۲۴</sup> مجمع البخاری کتاب الوضوء باب اذا القى على المصلى قذر او حسنة ۱۰، ۳۔

<sup>۲۵</sup> این ہشام ۱/ ۳۵۶، ۳۵۷۔ تھے این ہشام ۱/ ۳۹۱، ۳۶۲۔

پہنچانا اور اللہ کی راہ سے روکنا تھا۔ پھر پہنچی اس حرکت اور بُرائی پر نماز اور فخر کرتا ہوا جاتا تھا۔ گویا اس نے کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دے دیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیات اسی شخص کے بارے میں نماز لہیں،

**فَلَا صَدَقَ وَلَا أَصْلَى** ﴿۳۱﴾ (۵) ”نَرَسَ نَصْدَقَهُ دِيَانَةٌ نَمَازٌ پُطُوشٌ،“ بلکہ جب جبلایا اور پیٹھ پھیری۔ پھر

وہ اکٹتا ہوا اپنے گھروں کے پاس گیا۔ تیرے خوب لائق ہے۔ خوب لائق ہے؟“

اس شخص نے پہلے دن جب نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسی دن سے آپ کو نماز سے روکتا رہا۔ ایک بار نبی ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ اس کا گذر ہوا۔ دیکھتے ہی بولا، مُحَمَّدؐ اکیا میں نے تجھے اس سے منع نہیں کیا تھا ہے ساتھ ہی ہمکی بھی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ڈاٹ کر سختی سے جواب دیا۔ اس پر وہ کہنے لگا۔ اے مُحَمَّدؐ! مجھے کا ہے کی ہمکی دے رہے ہو، دیکھو! خدا کی قسم! اس وادی (کمہ) میں میری محل سب سے بڑی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **فَلَيَدْعُ نَادِيَهُ شِيمَچَا!** تو وہ بلاستے اپنی محل کو دہم بھی سزا کے فرشتوں کو بلاستے دیتے ہیں۔)

ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا گیریان گلے کے پاس سے پکڑ لیا اور جھنجھوٹتے ہوئے فرمایا۔

**أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى ۝ شُوَّأَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى ۝** (۵۰/۲۲: ۵)

”تیرے یہے بہت ہی موزوں ہے۔ تیرے یہے بہت ہی موزوں ہے۔“

اس پر اللہ کا یہ دشمن کہنے لگا: اے مُحَمَّدؐ! مجھے ہمکی دے رہے ہو ہے خدا کی قسم تم اور تمہارا پورا دگدار میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ میں لکھ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں گے۔

بہر حال اس ڈاٹ کے باوجود ابو جہل اپنی حماقت سے باز آنے والا نہ تھا بلکہ اس کی بدیختی میں کچھ اور اضافہ ہی ہو گیا، چنانچہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار سردار ان قریش سے، ابو جہل نے کہا کہ مُحَمَّدؐ! آپ حضرات کے رُورُو اپنا چہرہ خاک آلو کرتا ہے؟ جواب دیا گیا۔ ہاں! اس نے کہلات و عزتی کی قسم! اگر میں نے اس حالت میں اسے دیکھ لیا تو اس کی گرد روند دوں گا۔ اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا۔ اسکے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے

دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کر آپ کی گردان رومندے گا، لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑی  
کے بل پٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھ سے بچاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا، ابو الحکم! تمہیں کیا ہوا؟  
اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے۔ ہونا کیاں ہیں اور پر ہیں۔ رسول اللہ

صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک یلتے تھے

جور و تسم کی یہ کارروائیاں نبی صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو رہی تھیں اور عوام و خواص کے لفوس میں  
آپ کی منفرد شخصیت کا جود قار و احترام تھا اور آپ کو سمجھنے کے سب سے محترم اور عظیم انسان  
ابوظابب کی جو حمایت و حفاظت حاصل تھی اس کے باوجود ہو رہی تھیں۔ باقی رہیں وہ کارروائیاں  
جو مسلمانوں اور خصوصاً ان میں سے بھی کمزور افراد کی ایذار سانی کے لیے کی جا رہی تھیں تو وہ کچھ زیادہ  
ہی سنگین اور تلخ تھیں۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزایں دے رہا تھا اور  
جس شخص کا کوئی قبیلہ نہ تھا ان پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے جور و تسم روا رکھے تھے جنہیں سُن کر  
مضبوط انسان کا دل بھی بے صینی سے ترپنے لگتا ہے۔

ابو جہل جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے بُرا جلا کہتا ذیل میں  
رسو اکرتا اور مال و جاہ کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور آدمی  
مسلمان ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی برائی گھنٹہ کرتا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا پچھا انہیں بھور کی چٹانی میں پیٹ کر نیچے سے ڈھوائیا  
حضرت مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ کی ماں کو ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو ان کا دانہ پانی  
بند کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ یہ بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ حالات کی شدت سے  
دوچار ہوئے تو کھال اس طرح ادھڑ گئی جیسے سانپ کھلی چھوڑتا ہے۔

حضرت بلال، امیة بن خلف بھی کے غلام تھے۔ امیة انکی گردان میں رستی ڈال کر ڈکوں کو دے  
رہا تھا اور وہ انہیں کے کے پہاڑوں میں گھماتے پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ گردان پر رسی کا  
نشان پڑ جاتا تھا۔ خود امیة بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے سے سے مارتا تھا اور چلپلاتی دھوپ میں جبراً  
بٹھاتے رکھتا تھا۔ کھانا پانی بھی نہ دیتا بلکہ بھوکا پیسا سار کھاتا تھا اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ ظلم کرتا تھا

کہ جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی تو مگر کے پتھریلے کنکروں پر ٹاکریسے نے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ پتھر کتھانہ خدا کی قسم! تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مر جائے، یا مُحَمَّد کے ساتھ کفر کرے۔ حضرت بلالؑ اس حالت میں بھی فرماتے آئد۔ آئد۔ ایک روز یہی کارروائی کی جا رہی تھی کہ ابو بکرؓ کا گذر ہوا۔ انہوں نے حضرت بلالؑ کو ایک کالے غلام کے بدلے، اور کہا جاتا ہے کہ دوسو درہم (۳۵، گرام چاندی) یا دوسو آنسی درہم (ایک کیلو سے زائد چاندی) اسکے بدلے خرید کر آزاد کر دیا۔<sup>۴۷</sup>

حضرت عمر بن یاسر رضی اللہ عنہ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مشرکین جن میں ابو جہل پیش پیش تھا سخت دھوپ کے وقت انہیں پتھریلی زمین پرے جا کر اس کی پیش سے سزا دیتے۔ ایک بار انہیں اسی طرح سزا دی جا رہی تھی کہ نبی ﷺ کا گذر ہوا۔ آپ نے فرمایا: آں! یا سر صبر کرنا۔ تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ آخھا یا سر نظم کی تاب نہ لا کر وفات پا گئے اور نبی ﷺ بحضور حضرت عمر بن کی والدہ تھیں، ان کی شرمنگاہ میں ابو جہل نے نیزہ مارا، اور وہ دم توڑ گئیں۔ یہ اسلام میں پہلی شہید ہیں۔ حضرت عمر پر سختی کا سلسلہ جاری رہا، انہیں کبھی دھوپ میں تپایا جاتا تو کبھی ان کے یہ نے پر سرخ پتھر کھدیا جاتا۔ اور کبھی پانی میں ڈبوایا جاتا۔ ان سے مشرکین کہتے تھے کہ جب تک تم مُحَمَّد کو گالی نہ دو گے یالات و عزتی کے بارے میں کلمہ خیر دکھو گے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ حضرت عمر نے مجبوراً ان کی بات مان لی۔ پھر نبی ﷺ کے پاس فتنے اور معذرت کرنے ہوئے تشریف لائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌ بِالإِيمَانِ .. (۱۰۶:۱۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا (اس پر اللہ کا غضب اور عذاب پڑیم ہے) لیکن جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو رہا (پر کوئی گرفت نہیں ہے)

حضرت فیکرؓ جن کا نام اقلیع تھا، بنی عبد الدار کے غلام تھے۔ ان کے یہ مالکان ان کا پاؤں رسی سے باندھ کر انہیں زمین پر گھستیت تھی۔

حضرت خبائیؓ بن ارت، قبیلہ خزانہ کی ایک عورت اُمّۃ انہار کے غلام تھے۔ مشرکین انہیں طرح طرح کی سزا میں دیتے تھے۔ ان کے سر کے بال نوچتے تھے اور سختی سے گردان ہروڑتے

۴۷ رحمۃ للعالمین، ۱/۵ تلکیح فہوم ص۲۸ ابن ہشام ارج، ۳۱۸، ۳۱۹۔

۴۸ ابن ہشام ۳۱۹، ۳۲۰، فقہ السیرہ محمد غزالی ۲۷۔ عوفی نے ابن عباس سے اس کا بعض مکمل روایت کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر زیر آیت مذکورہ ۴۹ رحمۃ للعالمین، ۱/۵ بحوالہ اعجاز التنزیل ص۲۵

تھے۔ انہیں کسی بار وہ مکتے انگاروں پر لٹا کر اوپر سے پھر رکھ دیا کہ وہ انہوں نے سکیں چکے تھے اور نہ ہدایہ اور ان کی صاحزادی اور اُمّ عجیش یہ سب لونڈیاں تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور مشرکین کے ہاتھوں اسی طرح کی شکین سزاویں سے دوچار ہوئیں جن کے چند نمونے ذکر کئے جا سکتے ہیں۔ قبیلہ بنی عدنی کے ایک خانوادے بنی مؤمل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انہیں حضرت عمر بن خطاب — جو بنی عدنی سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہو چکے تھے — اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے تھے اور اس کے بعد کہتے تھے کہ میں نے تجوہ کی مردوں کی وجہ سے نہیں بلکہ محض تھک جانے کی وجہ سے چھوڑا ہے ۷۳

آخر کار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ کی طرح ان لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا ۷۴

مشرکین نے سزا کی ایک شکل یہ بھی اختیار کی تھی کہ بعض بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچھ حال میں پیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے اور بعض کو لو ہے کی زرد پہنچا کر جلاتے ہوئے پھر پٹا دیتے تھے ۷۵ درحقیقت اللہ کی راہ میں ظلم و جور کا نشانہ بننے والوں کی فہرست بڑی لمبی ہے اور بڑی تسلیف وہ بھی۔ مالت یہ تھی کہ جس کسی کے مسلمان ہونے کا پتہ چل جاتا تھا مشرکین اس کے درپے آزار ہو جاتے تھے۔

**دارِ ارم** ان ستم رانیوں کے مقابل حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رُسُول ﷺ مسلمانوں کو قولًا اور عملًا دو دنوں طرح اسلام کے انہار سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپ ان کے ساتھ کھلکھل کر اکٹھا ہوتے تو مشرکین آپ کے تذکرے نفس اور تعیین کتاب حکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈلتے اور اس کے نتیجے میں فرقیین کے درمیان تصادم ہو سکتا تھا بلکہ عملًا سماں نبوت میں ہر بھی چکھا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام گھائیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک پارکفار قریش کے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا تو گالم گھوچ اور لڑائی جھگڑے پڑا تھا کہ جو باہضت سعد بن ابی و قاص نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون یہ پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا ۷۶

۷۳ رحمۃ للعالمین ۱/۲۵ تلقیح الفیوم ص ۲۷ تھے زیرہ بروز منگیتہ، یعنی زکریہ اور بروز کر زیر اور شدید

۷۴ رحمۃ للعالمین ۱/۲۵، ابن ہشام ۱/۳۱۹۔ تھے ابن ہشام ۱/۳۱۸، ۳۱۹

۷۵ رحمۃ للعالمین ۱/۲۵۔ تھے ابن ہشام ۱/۲۹۲۔ مختصر السیرہ محمد بن عبد الوہاب ص ۲

یہ واضح ہی ہے کہ اگر اس طرح کا مکراو بار بار ہوتا اور طول پکڑ جاتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نبوت ہسکتی تھی لہذا حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ کام پس پر دہ کیا جائے۔ چنانچہ عام صحابہ کرام اپنا اسلام اپنی عبادت اپنی تبلیغ اور اپنے باہمی اجتماعات سب کچھ پس پر دہ کرتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ کا کام بھی مشرکین کے روبرو حکم کھلا انعام دیتے تھے اور عبادت کا کام بھی۔ کوئی چیز آپ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی، تاہم آپ بھی مسلمانوں کے ساتھ خود ان کی مصلحت کے پیش نظر خفیہ طور سے جمع ہوتے تھے۔ ادھر از قم بن ابی الارقم مخزوومی کا مکان کوہ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی مجلسوں سے دوراً لگ تھا واقع تھا۔ اس لیے آپ نے پانچوں سنہ نبوت سے اسی مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماع کا مرکز بنایا۔  
**پہلی ہجرت حدیث**

**بُلْهَى هَجْرَةَ حَدِيثٍ** جوز و ستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے درمیان یا آخر میں شروع ہوا تھا اور ابتداءً معمولی تھا مگر دن اور ماہ بہاہ پڑھتا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچوں سال کا وسط آتے آتے اپنے شباب کو پہنچ گیا حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے کہ میں رہنا دو بھر ہو گیا۔ اور انہیں ان پیغمبر مسیم را نیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لیے مجبور ہو جانا پڑا۔ ان ہی شگین اور تاریک حالات میں سورہ کھف نازل ہوتی۔ یہ اصلاً تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کئے گئے ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے مستقبل کے ہارے میں نہایت ملیخ اشارات تھے چنانچہ اصحاب کھف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دن وایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مرکز سے ہجرت کے لیے تن پتھریں کھل پڑنا چاہیئے، ارشاد ہے:

وَإِذَا عَذَرَ لِتَمُوْهُمْ وَمَا يَعْدُونَ إِلَّا اللَّهُ فَأُفَا إِلَى الْكَهْفِ يَدْسُرُ لَكُمْ رَبِّكُمْ  
 مِنْ تَرْحِمَتِهِ وَيُهَمِّيْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ۝ (۱۶:۱۸)

”او رحیب تم ان سے اور اللہ کے سوالان کے دوسروں بیرونیوں سے الگ ہو گئے تو غار میں پناہ گیر ہو جاؤ، تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلاتے گا۔ اور تمہارے کام کے لیے تمہاری سہولت کی چیز تھیں جو یا کیا جائیں۔“  
 موسیٰ اور حضرت علیہما السلام نے واقعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل عکس ہوتے ہیں لہذا اس واقعے

میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ پہنچا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم و تشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ ان ہی مقصود و مجبور مسلمانوں کے سامنے سرگوں ہو کر اپنی قیمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

**ذُو الْقَرْبَاتِ** کے واقعے میں چند خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

۱۔ یہ کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنتا ہے۔

۲۔ یہ کہ فلاح دکام رانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر کی راہ میں نہیں۔

۳۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ رہ رہ کر اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقصود انسانوں کو اس دور کے یا جوج و ماجوج سے نجات دلاتے ہیں۔

۴۔ یہ کہ اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ خقدر ہیں۔

پھر سورہ کہف کے بعد سورہ زمر کا نزول ہوا اور اس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا۔

اور بتایا گیا کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے:

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّ  
الصَّدِيقُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱۰۰:۲۹)

”جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جائے گا“

اوہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اصحابِ نبی شاہ عیش ایک عادل بادشاہ ہے۔ وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اس لیے آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے جو شہر ہجرت کر جائیں۔ اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق حب شہ نبوی میں صحابہؓ کے پہلے گروہ نے جوشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس گروہ میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان ان کے امیر تھے اور ان کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہمراہ میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوٹ علیہما السلام کے بعدی پہلا گھرنا ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

یہ لوگ رات کی تاریخی میں چپکے سے نکل کر اپنی نبی منزل کی جانب روانہ ہوتے۔ رازداری

کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ رُخ بحر احمر کی بندگاہ شعیبہ کی جانب تھا۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی گشتیاں موجود تھیں جو انہیں اپنے دامنِ عافیت میں لے کر سمندر پار جانشہ چلکیں۔ قریش کو کسی قدر بعد میں ان کی روائی کا علم ہو سکتا۔ تاہم انہوں نے پرچھا کیا اور ساحل تک پہنچنے لیکن صحابہ کرام آگے جا پکے تھے، اس لیے نامراد واپس آئے۔ ادھر مسلمانوں نے جانشہ پہنچ کر بڑے چین کا سانس یافت۔<sup>۴۷</sup> اسی سال رمضان شریف میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ ایک پارہ م تم شریف  
لے گئے۔ وہاں قریش کا بہت بڑا جمع تھا۔ ان کے سروار اور بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ آپ نے ایک دم اچانک کھڑے ہو کر سودہ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ ان کفار نے اس سے پہلے عموماً قرآن سازہ تھا کیونکہ ان کا دلائلی و طییرہ قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ:

لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعْلَكُمْ تَفَلِّبُونَ ۝ (۲۹:۳۱)

”اس قرآن کو مت سنو اور اس میں فصل ڈالو۔ را و حم مجاو، تاکہ تم غالب رہو“

لیکن جب نبی ﷺ نے اچانک اس سورہ کی تلاوت شروع کر دی۔ اور ان کے کاؤں میں ایک ناقابل بیان رعنائی و دلکشی اور عظمت لئے ہوئے کلامِ الٰہی کی آواز پڑی تو انہیں کچھ بہش نہ رہا۔ سب کے سب گوش پر آواز ہو گئی کسی کے دل میں کوئی اور خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب آپ نے سورہ کے اوپر میں دل ہلا دیتے والی آیات تلاوت فرمائے اور اللہ کا یہ حکم سنایا کہ:

فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا ۝ (۶۲:۵۲)

”اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو“

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر حق کی رعنائی و جلال نے مُنْكَرِین و مُسْهَرَتِین کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک کر دیا تھا اس لیے انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہ گیا تھا اور وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑے تھے۔<sup>۴۸</sup>

بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ کلامِ الٰہی کے جلال نے ان کی لگامِ موڑ دی۔ اور وہ مُنْكَرِ وہی کام کر دیٹھے جسے ملنے اور ختم کرنے کے لیے انہوں نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا کر

<sup>۴۷</sup> روزہ للعلمین ۱۱، ذاالمعاد ا رس ۲

<sup>۴۸</sup> صحیح بخاری میں اس سجدے کا واقعہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختصرًا مروی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ اخظفیں)

تحا اور اس کے ساتھ ہی اس واقعے میں غیر موجود مشرکین نے ان پر ہر طرف سے عتاب اور ملامت کی پوچھاڑ شروع کی تو ان کے ہاتھوں کچھ طوطے اڑ گئے اور انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے رسول اللہ ﷺ پر یہ افتراء پر دازی کی اور یہ جھوٹ کھڑا کہ آپ نے ان کے بتوں کا ذکر عزت و احترام سے کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ:

تِلْكَ الْفَرَانِقُ الْعُلَىٰ، وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَكُنْ تَجْلِيٌ  
”یہ بلند پایہ دیوبیاں ہیں۔ اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے“

حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا جو محض اس سے یہے کھڑا یا گیا تھا تاکہ نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی ”عقلطی“ ہوتی ہے اس کے لیے ایک ”معقول“ عذر بیش کیا جاسکے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ پر ہمیشہ جھوٹ کھڑتے اور آپ کے خلاف ہمیشہ دیس کاری اور افتراء پر دازی کرتے ہے تھے وہ اپنا دامن بچانے کے لیے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ کھڑتے یا گے۔

بہر حال مشرکین کے سجدہ کرنے کے اس واقعے کی خبر جو شہ کے مہاجرین کو بھی معلوم ہوئی لیکن اپنی اصل صورت سے بالکل بیٹ کو یعنی انہیں یہ معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ماہ شوال میں مکہ واپسی کی راہ لی لیکن جب اتنے قریب آگئے کہ مکہ ایک دن سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو تحقیقت حال اشکارا ہوئی۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو یہی ہے جو شہ پہنچ گئے اور کچھ لوگ چھپ چکا کر یہ قریش کے کسی آدمی کی پتاہ یکر لکتے میں داخل ہوئے ہیں۔

اس کے بعد ان مہاجرین پر خصوصاً اور مسلمانوں پر یہ مخصوصاً قریش کا خلتم و تشدد ہو رہا اور ان دوسری ہجرت حاشیہ کے خاندان والوں نے انہیں خوب ستایا کیونکہ قریش کو ان کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک کی جو خوبی تھی اس پر وہ نہایت چیز ہے جیسی تھے۔ ناچار رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو پھر ہجرت جو شہ کا مشورہ دیا، لیکن یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت کے بال مقابل اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہوئے تھی۔ کیونکہ اب کی پار قریش پہلے سے ہی چوکنا تھے اور ایسی کسی کوشش کو ناکام بننے کا تھی کہ ہوئے تھے۔ لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ مستعد ثابت ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے سفر آسان بنادیا چاہیجہ وہ قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ جوش کے پاس پہنچ گئے۔

---

دگذشتہ سے پورتا) دیکھئے باب سجدۃ النجم اور باب سجدۃ المسین والمشکین ارجمند اور باب مائتی النبی ﷺ واصحابہ مکہ ۶۷۵  
عکسہ تحقیقین نے اس روایت کے تمام طریق کے تحدیل و تجزیے کے بعد یہی تجویز اخذ کیا ہے۔  
عکسہ زاد المعاویہ ۲/۲۰۰۳م، ابن ہشام ارجمند - ۳۹۰۳م

اس دفعہ کل ۲۰ یا ۳۰ مردوں نے ہجرت کی حضرت عمار کی ہجرت مختلف قیہ ہے اور اٹھارہ یا ایس عورتوں نے یہی علامہ منصور پوری نے یقین کے ساتھ عورتوں کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے تھے

### مہاجرین جنگ شہر کے خلاف قویں کی سازش

مشرکین کو سخت قلق تھا کہ مسلمان اپنی جان مہاجرین جنگ شہر کے خلاف قویں کی سازش اور اپنے دین بچا کر ایک پُرانے جگہ بھاگ گئے ہیں۔ لہذا انہوں نے عمر و بن عاص اور عبد اللہ بن زبیر کو جو گہری سُوجہ بوجھ کے مالک تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ایک اہم سفارتی ہم کے لیے منتخب کیا اور ان دونوں کو نجاشی اور بطریقوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بہترین تخفی اور ہدیہ دے کر جوش روانہ کیا۔ ان دونوں نے پہلے جوش پہنچ کر بطریقوں کو تھائفت پیش کئے۔ پھر انہیں اپنے ان دلائل سے آگاہ کیا، جن کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو بیش سے مخلوقاتاً چاہتے تھے۔ جب بطریقوں نے اس بات سے اتفاق کر لیا کہ وہ نجاشی کو مسلمانوں کے نکال دینے کا مشودہ دیں گے تو یہ دونوں نجاشی کے حضور حاضر ہوتے اور تھائفت تھائفت پیش کر کے اپنا مدد عایوں عرض کیا،

”اے بادشاہ! آپ کے مالک میں ہمارے کچھ ناس بھجوں بھاگ آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین بھجوڑ دیا ہے۔ لیکن آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ ایک نیا دین لیجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں تاہم یہیں آپ کی خدمت میں انہی کی بابت ان کے والدین چھاؤں اور کنبے قبیلے کے عمالیں نے بھیجا ہے۔ مقصد ہے کہ آپ انہیں ان کے پاس واپس بھیجیں کیونکہ وہ لوگ ان پر کوئی بگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور عتاب کے اساب کو ہر طور پر سمجھتے ہیں۔“ جب یہ دونوں اپنا مدد عاعوض کر کے تو بطریقوں نے کہا: ”بادشاہ سلامت! یہ دونوں ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ آپ ان جوانوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیں۔ یہ دونوں انہیں ان کی قوم اور ان کے مالک میں واپس پہنچا دیں گے۔“

لیکن نجاشی نے سوچا کہ اس قضیے کو گہرائی سے کھنگانا اور اس کے تمام پہلوؤں کو سنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمان یہ تہییہ کر کے اس کے دربار میں آئے کہ ہم سچ ہی بولیں گے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ جب مسلمان آگئے تو نجاشی نے پوچھا یہ کونا دین ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، لیکن میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہو۔ اور نہ ان مٹتوں ہی میں سے کسی کے دین میں داخل ہوئے ہو؟۔ مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے بادشاہ! ہم اپسی

قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بُت پوجتے تھے، مُدارکھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے۔ قرابتداروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کھارا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت اور پاک دامتہ بھیں پہلے سے معلوم تھی۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بیلایا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پھروں اور بُتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری و خوزیزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور فواحش میں ملوث ہونے، جھوٹ بولنے، عتیم کامال کھانے اور پاک دامتہ عورتوں پر جھوٹی تھمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ — اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے کام گئے، پھر کہا، ”ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے، اور اس کے لائے ہوئے دینِ خداوندی میں اس کی پیروی کی۔ چنانچہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جن باتوں کو اس پیغمبر نے حرام بتایا انہیں حرام مانا، اور جن کو حلال بتایا انہیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاویں سے دوچار کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بُت پرستی کی طرف پلٹ جائیں۔ اور جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر بہت قہر و ظلم کیا، زمین تنگ کر دی اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان روک بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہی۔ اور دوسروں پر آپ کو تزیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا۔ اور یہ امید کی کہ اے باوشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

نجاشی نے کہا: ”وہ پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ ہمارے پاس ہے؟“

حضرت جعفر نے کہا: ”ماں!“

نجاشی نے کہا: ”ذر ا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ۔“

حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ نجاشی اس قدر روپا کہ اس کی داراً صحتی تر ہو گئی۔ نجاشی کے تمام اسقف بھی حضرت جعفر کی تلاوت سن کر اس قدر رفتے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آتے تھے۔ دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے عمر و بن عاص اور عبد اللہ بن رَبِيعہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور زیریں ان کے خلاف کوئی چال چلی جاسکتی ہے۔

اس حکم پر وہ دونوں وباں سے نکل گئے۔ لیکن پھر عمر و بن عاص نے عبد اللہ بن رَبِيعہ سے کہا: ”خدا کی قسم! میں ان کے متعلق ایسی بات لاول گاگ کہ ان کی ہر یا لی کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا۔“ عبد اللہ بن رَبِيعہ نے کہا: ”نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔ ان لوگوں نے اگرچہ ہمارے خلاف کپڑا ہے۔ لیکن ہمیں بہر حال ہمارے اپنے ہی کنبے قبیلے کے لوگ۔“ مگر عمر و بن عاص اپنی راتے پر آڑے رہے۔

اگلا دن آیا تو عمر و بن عاص نے نجاشی سے کہا: ”آے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔“ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمان کیا کہتے ہیں۔ اس دفعہ مسلمانوں کو گھبراہٹ ہوئی۔ لیکن انہوں نے طے کیا کہ سچ ہی بولیں گے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوتے اور اس نے سوال کیا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ نے کرائے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ گلہ ہیں جسے اللہ نے کنو اوری پا کر امن حضرت مریم علیہ السلام کی طرف التا کیا تھا۔“

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکہ اٹھایا اور بولا: ”خدا کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔“ اس پر بطریقوں نے ”ہونہہ“ کی آواز لگائی۔ نجاشی نے کہا: ”اگرچہ تم لوگ ”ہونہہ“ کہو۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں سے کہا: ”جاو! تم لوگ میرے قلمرو میں امن و امان سے ہو۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر تاو ان لگایا جائے گا۔ مجھے گوارا نہیں کہ تم میں سے میں کسی آدمی کو

شادی اور اس کے بد لے مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے؟

اس کے بعد اس نے اپنے حاشیہ شینوں سے مخاطب ہو کر کہا "ان دونوں کو ان کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رשות نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رשות لوں۔ نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات قبول نہ کی تھی کہ میں اللہ کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔"

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے اس واقعے کو بیان کیا ہے، کہتی ہیں اس کے بعد وہ دونوں اپنے ہدیے تنفسیے بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے اور ہم نجاشی کے پاس ایک اپچھے ملک میں ایک اپچھے پڑوی کے زیر سایہ مقیم رہے۔ لفظ

یہ این اسحاق کی روایت ہے۔ دوسرے میرت نگاروں کا بیان ہے کہ نجاشی کے دربار میں حضرت عمر بن عاصیؓ کی حاضری جنگ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ حضرت عمر بن عاصیؓ نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی واپسی کے لیے دو مرتبہ گئے تھے، لیکن جنگ بدر کے بعد کی حاضری کے ضمن میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور نجاشی کے درمیان سوال و جواب کی جو تفصیلات بیان کی جاتی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو این اسحاق نے ہجرت جبشہ کے بعد کی حاضری کے سلسلے میں بیان کی ہیں۔ پھر ان سوالات کے مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس یہ معاملہ ابھی پہلی بار پیش ہوا تھا، اس لیے ترجیح اس بات کو حاصل ہے کہ مسلمانوں کو واپس لانے کی کوشش صرف ایک بار ہوئی تھی۔ اور وہ ہجرت جبشہ کے بعد تھی۔

بہر حال مشرکین کی چال ناکام ہو گئی اور ان کی سمجھ میں آگیا کہ وہ اپنے جذبہ عداوت کو اپنے دائرہ اختیار ہی میں آسودہ کر سکتے ہیں، لیکن اس کے نتیجے میں انہوں نے ایک خوفناک بات سوچنی شروع کر دی۔ درحقیقت انہیں اپھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ اس "مصیبت" سے نمٹنے کے لیے اب ان کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ سے بزور طاقت روک دیں یا پھر آپ کے وجود ہی کا صفائیا کرویں۔ لیکن دوسری صورت حد درجہ مشکل تھی کیونکہ ابوطالب آپ کے محافظ تھے اور مشرکین کے عزم کے سامنے

آہنی دیوار بننے ہوئے تھے۔ اس یہی مفید سمجھا گیا کہ ابوطالب سے دودو باتیں ہو جائیں۔

**ابوطالب کو قریش کی دھمکی** | اس تجویز کے بعد سردار ان قریش ابوطالب کے پاس حاضر ہوتے اور یوں: ”ابوطالب! آپ ہمکے اندر سن و شرف اور اعزاز کے مالک ہیں۔ ہم نے آپ سے گذارش کی کہ اپنے بھتیجے کو روکتے۔ لیکن آپ نے نہیں روکا۔ آپ یاد رکھیں ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آبا و اجداد کو گایاں دی جائیں، ہماری عقل و فہم کو حققت زدہ قرار دیا جاتے۔ اور ہمارے خداوں کی عیوب صینی کی جاتے۔ آپ روک دیجئے ورنہ ہم آپ سے اور ان سے ایسی چنگ چھیر دیں گے کہ ایک فریق کا صفائیا ہو کر رہے گا۔“

ابوطالب پر اس زور دار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: ”بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آتے تھے۔ اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معلمے میں مجھ پر اتنا بوجہ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اب آپ کے چھا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ بھی آپ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں۔ اس یہی فرمایا: ”چھا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دامنے ماتھ میں سورج اور بائیس ماتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچاٹے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں تو نہیں چھوڑ سکتا۔“

اس کے بعد آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ روپڑے اور اٹھ گئے، جب واپس ہونے لگے تو ابوطالب نے پکارا اور سامنے تشریف لائے تو کہا: ”بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو، خدا کی قسم میں تمہیں کبھی بھی کسی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔“ اور یہ اشعار کہے،

وَاللَّهِ لَنْ يَصُلُوا إِلَيْكَ بِجَمِيعِهِمْ حَتَّىٰ أَوْسَدَ فِي التَّارِبِ دَفِنَا  
فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلِيَّكَ غَضَاضَةٌ وَإِشْرُ وَقْرَ بِذَالِكَ مُنْكَ عِيُونًا

”بنداؤہ لوگ تمہارے پاس اپنی جمیعت سیست بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ میں

میں دفن کر دیا جاؤ۔ تم اپنی بات کھلم کھلا کہو۔ تم پر کوئی قدغن نہیں، تم خوش ہو جاؤ  
اور تمہاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہو جائیں ॥

**قریش ایک بار بھرا ابوطالب کے رہانے** | پچھلی دھملی کے باوجود جب قریش  
نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑنے  
اپنا کام کئے جا رہے ہیں تو ان کی سمجھ میں آگیا کہ ابو طالب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑنے  
سکتے، بلکہ اس بارے میں قریش سے جدا ہونے اور ان کی عدالت مولیے کو تیار ہیں چنانچہ  
وہ لوگ ولید بن منیرہ کے لڑکے عمارہ کو ہمراہ لے کر ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان سے  
یوں عرض کیا:

"اے ابو طالب! یہ قریش کا سب سے بانکا اور خوبصورت نوجوان ہے۔ آپ اسے  
لے لیں۔ اس کی دیت اور نصرت کے آپ قادر ہوں گے۔ آپ اسے اپنا لڑکا بنالیں۔  
یہ آپ کا ہو گا اور آپ اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں جس نے آپ کے آباء و  
اجداد کے درن کی مخالفت کی ہے، آپ کی قوم کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اور ان کی  
عقلوں کو حماقت سے دوچار بتلایا ہے۔ ہم اسے قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدے  
ایک آدمی کا حساب ہے۔"

ابو طالب نے کہا: "خدا کی قسم! بتنا بُرًا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو، تم اپنا  
بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاوں۔ پالوں پوسوں اور میرا بیٹا مجھ سے طلب کرتے  
ہو کہ اسے قتل کر دو۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔"

اس پر نو قل بین عبدِ مناف کا پوتا مُطّعْمٌ بن عَدَى بولا! خدا کی قسم! اے ابو طالب! تم  
سے تمہاری قوم نے انصاف کی بات کہی ہے۔ اور جو صورت تمہیں ناگوار ہے اس سے نپھنے  
کی کوشش کی ہے۔ لیکن میں دیکھا ہوں کہ تم ان کی کسی بات کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔"

جواب میں ابو طالب نے کہا: "خدا تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی ہے بلکہ تم  
بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد پڑنے بیٹھے ہو تو تھیک ہے جو چاہو کرو۔" ۵۵  
سیرت کے مأخذ میں پچھلی دونوں گفتگو کے زمانے کی تیزیں نہیں ملتی لیکن قرآن و شواہد

سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں گفتگوؤں نبوي کے وسط میں ہوتی تھیں اور دونوں کے دریان فاصلہ مختصر ہی تھا۔

**نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے قتل کی تجویز**

ان دونوں گفتگوؤں کی ناکامی کے بعد قریش کا جذبہ جو رستم اور بھی برٹھ گیا اور ایذا رسانی کا سلسلہ پہلے سے فزوں تر اور سخت تر ہو گیا۔ ان ہی دونوں قریش کے سرکشوں کے دامغ میں نبی ﷺ کے خاتمے کی ایک تجویز ابھری لیکن یہی تجویز اور یہی سختیاں تکہ کے جانبازوں میں سے دوناورہ روزگار سرفوشوں، یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ان کے ذمیع اسلام کو تقویت پہنچانے کا بسب بن گئیں۔ جو روز جھاکے سلسلہ دراز کے ایک دونوں نے پہلی میں کہ ایک روز ابوہبیب کا بیٹا عتیبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور یو لا: میں وَالنَّجِيمَ إِذَا هَوَى اور ثمَّ دَنَّا فَتَدَلَّ كے ساتھ کفر کرتا ہوں۔“ اس کے بعد وہ آپ پر ایذا رسانی کے ساتھ مسلط ہو گیا۔ آپ کا گرتا چاڑ دیا اور آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اگرچہ تھوک آپ پر نہ پڑا۔ اسی موقع پر نبی ﷺ نے بد دعا کی کہ اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتاب مسلط کر دے۔ نبی ﷺ کی یہ بد دعا قبول ہوتی۔ چنانچہ عتیبہ ایک بار قریش کے کچھ لوگوں کے ہمراہ سفر میں گیا۔ جب انہوں نے ملک شام کے مقام رُزْقان میں پڑا و ڈالا تورات کے وقت شیر نے ان کا چکر لگایا۔ عتیبہ نے دیکھتے ہی کہا: ”ما تے میری تباہی! یہ خدا کی قسم مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے مجھ پر بد دعا کی ہے۔ دیکھو میں شام میں ہوں۔“ لیکن اس نے تکمیل رہتے ہوئے مجھے مار ڈالا۔“ احتیاطاً لوگوں نے عتیبہ کو اپنے اور جانوروں کے گھیرے کے بیچوں نیچ سلایا۔ لیکن رات کو شیر سب کو پھلانگتا ہوا سیدھا عتیبہ کے پاس پہنچا۔ اور سر کیڑ کر ذیح کر ڈالا۔<sup>۵۵</sup>

ایک بار عقبہ بن ابی میظ نے رسول اللہ ﷺ کی گردان حالت سجدہ میں اس زور سے روندی کہ معلوم ہوتا تھا دونوں آنکھیں نکل آئیں گی۔<sup>۵۶</sup>

ابن اسحاق کی ایک طویل روایت سے بھی قریش کے سرکشوں کے اس ارادے پر

<sup>۵۵</sup> مختصر السیرہ شیخ عبد اللہ ص ۲۵، استیعاب، اصحاب، دلائل النبوة، الروض الانف

<sup>۵۶</sup> ایضاً مختصر السیرہ ص ۱۱۳

روشنی پڑتی ہے کہ وہ بنی ﷺ کے خلائق کے چکر میں تھے، چنانچہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ابو جہل نے کہا:

”برادر ان قریش! آپ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے دین کی عیب چینی ہمارے آباؤ اجداد کی بدگوئی، ہماری عقولوں کی تخفیف اور ہمارے معیودوں کی تذلیل سے باز نہیں آتا۔ اس لیے میں اللہ سے عہد کر رہا ہوں کہ ایک بہت بھاری اور مشکل اٹھنے والا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ سجدہ کرے گا تو اسی پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اب اس کے بعد چاہے تم لوگ مجھ کو سبیلے بار و مددگار چھوڑ دو، چاہے میری حفاظت کرو۔ اور بنو عبد مناف بھی اس کے بعد جو جی چاہے کریں۔“ لوگوں نے کہا: ”نہیں واللہ ہم تمہیں کبھی کسی معلمانے میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزو۔“

صحیح ہوئی تو ابو جہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ حسب دستور تشریف لاتے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی اپنی مجلسوں میں آپ کھے تھے۔ اور ابو جہل کی کارروائی دیکھنے کے منتظر تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو ابو جہل نے پتھرا لٹھایا۔ پھر آپ کی جانب بڑھا۔ لیکن جب قریب پہنچا تو شکست خورده حالت میں واپس بجا گا۔ اس کارنگ فتح تھا اور وہ اس قدر مروع ب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر چک کر رہ گئے تھے۔ وہ مشکل ہاتھ سے پتھر پھینک رکا۔ ادھر قریش کے کچھ لوگ اٹھ کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”ابو الحکم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“ اس نے کہا: ”میں نے رات جو بات کی تھی وہی کرنے جا رہا تھا۔ لیکن جب اس کے قریب پہنچا تو ایک اوٹ آڑے آگیا۔ بندامیں نے کبھی کسی اوٹ کی دیسی کھوڑی دیسی گردن اور ویسے دانت دیکھے ہی نہیں۔ وہ مجھے کھاجانا چاہتا تھا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں: ”مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جہریل علیہ السلام تھے۔ اگر ابو جہل قریب آتا تو اسے دھر کر پڑتے“<sup>۲۶</sup>

اس کے بعد ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک ایسی حرکت کی جو حضرت

حمدہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بن گئی تفضیل آرہی ہے۔

جہاں تک قریش کے دوسرے بدمعاشوں کا تعلق ہے تو ان کے دلوں میں بھی نبی ﷺ کے خاتمے کا خیال برابر پک رہا تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصٰؓ سے ابن اسحاق نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک بار مشرکین حظیم میں جمع تھے۔ میں بھی موجود تھا۔ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر چھیرا اور کہنے لگے، اس شخص کے معاملے میں ہم نے جیسا صبر کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ وہ حقیقت ہم نے اس کے معاملے میں بہت ہی بڑی بات پر صبر کیا ہے۔ یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نمودار ہو گئے۔ آپ نے تشریف لا کر پہلے جھرا سود کو چوہ ما پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کچھ کہہ کر طعنہ زندگی جس کا اثر میں نے آپ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ کا گذر ہوا تو مشرکین نے پھر اسی طرح کی لعن طعن کی۔ میں نے اس کا بھی اثر آپ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد آپ سہ بارہ گزرے تو مشرکین نے پھر آپ پر لعن طعن کی۔ اب کی بار آپ شہر گئے اور فرمایا:

"قریش کے لوگو! من رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس (تمہارے) قتل و ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں۔"

آپ کے ارشاد نے لوگوں کو پکڑ لیا۔ ران پر ایسا سکتنا طاری ہوگا کہ (گویا ہر آدمی کے سر پر چڑیا ہے) یہاں تک کہ جو آپ پر سب سے زیادہ سخت تھا وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ جو پا سکتا تھا اس کے ذریعے آپ سے طلب گا اور رحمت ہوتے ہوئے کہنے لگا کہ "ابوالقاسم ابوالقاسم ادا پس جائیے۔ خدا کی قسم! آپ کبھی بھی نادان نہ تھے۔"

دوسرے دن قریش پھر اسی طرح جمع ہو کر آپ کا ذکر کر رہے تھے کہ آپ نمودار ہوتے۔ دیکھتے ہی سب (یکجاں ہو کر) ایک آدمی کی طرح آپ پر پل پڑے اور آپ کو گھیر لیا۔ پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے گئے کے پاس سے آپ کی چادر پکڑ لی۔ را اور بن دینے لگا۔ ابو بکر خاً آپ کے بجا قویں میں لگ گئے۔ وہ رو تے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: "آئی دمدون رجلاً أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ؟" کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کر وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ اس کے بعد وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر پلٹ گئے۔ عبد اللہ

بن عمر و بن عاص میں کہتے ہیں کہ یہ سب سے سخت ترین ایذا رسانی تھی جو میں نے قریش کو کبھی کرتے ہوئے دیکھی۔ ۵۹ انتہی ملخصا

صحیح بخاری میں حضرت عزوجہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ان کا بیان مردی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مشرکین نے نبی ﷺ کے ساتھ جو سب سے سخت ترین بدسلوکی کی تھی آپ مجھے اس کی تفصیل بتائیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حجیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عُقْبَةُ بْنُ ابِي مُعِيطٍ آگیا۔ اُس نے آتے ہی اپنا کپڑا آپ کی گرد میں ڈال کر نہایت سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹا۔ اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ پہنچے۔ اور انہوں نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے نبی ﷺ سے دُور کرتے ہوئے فرمایا "أَنْفَقْتُ لُؤْنَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ" تم لوگ ایک آدمی کو اس یہ قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرارب اللہ ہے ۶۰

حضرت اسماء کی روایت میں مزید تفصیل ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ صحیح پہنچی کہ اپنے ساتھی کو بچاؤ۔ وہ جھٹ ہمارے پاس سے نکلے۔ ان کے سر پر چار چوٹیاں تھیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے گئے کہ "أَنْفَقْتُ لُؤْنَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ" تم لوگ ایک آدمی کو محض اس یہ قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرارب اللہ ہے۔ مشرکین نبی ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ پڑے۔ وہ واپس آئے تو حالت یہ تھی کہ ہم ان کی چوٹیوں کا جو بال بھی چھوتے تھے، وہ ہماری رچنگی کے ساتھ چلا آتا تھا۔ ۶۱

**حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام** [مکہ کی فضاظلم و جور کے ان سیاہ بادلوں سے گھبیرتھی کہ اچانک ایک بھلی چمکی اور مقہودیں

کا راستہ روشن ہو گیا، یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ سنتہ نبوی کے اخیر کا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ ماہ ذی الحجه میں مسلمان ہوئے تھے ان کے اسلام لانے کا بسبب یہ ہے کہ ایک روز ابو جہل کو صفا کے زدیک سویں اللہ ﷺ کے پاس سے گذر انہوں آپ کو ایذا پہنچاتی اور سخت سُست کہا۔ رسول اللہ ﷺ من

خاموش رہے، اور کچھ بھی نہ کہا۔ لیکن اس کے بعد اس نے آپ کے سر پر ایک پتھر دے مارا، جس سے ایسی چوٹ آئی کہ خون بہ نکلا۔ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی مجلسیں میں جا بیٹھا۔ عبد اللہ بن جد عان کی ایک لونڈی کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کمان حاصل کئے شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے ان سے ابو جہل کی ساری حرکت کہہ ساتی۔ حضرت حمزہؓؓ غصتے سے بھڑک اٹھے۔ یہ قریش کے سب سے طاقتور اور مضبوط جوان تھے۔ ماجرائ سن کر ہمیں ایک محمدؐ کے بغیر دولتے ہوتے اور یہ تہمیہ کئے ہوتے آتے کہ جوں ہی ابو جہل کا سامنا ہوگا، اس کی مرمت کر دیں گے۔ چنانچہ مسجد حرام میں داخل ہو کر سیدھے اس کے سر پر جا کھڑے ہوتے اور بولے: ”اوسرین پر خوبشو لگانے والے مُزدِل! تو میرے بختیجے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔“ اس کے بعد کان سے اس زور کی مار ماری کہ اس کے سر پر پدر تین قسم کا زخم آگیا۔ اس پر ابو جہل کے قبیلے بنو مخزوم اور حضرت حمزہؓؓ کے قبیلے بنو هاشم کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے۔ لیکن ابو جہل نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ ابو عمارہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بختیجے کو بہت بڑی گالی دی تھی۔ اللہ

ابتداءً حضرت مُحَمَّد رضي اللہ عنہ کا اسلام محض اس محیت کے طور پر تھا کہ ان کے عزیز کی تو ہیں کیوں کی گئی۔ لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ کھول دیا۔ اور انہوں نے اسلام کا کڈا مضبوطی سے تھامریا اللہ اور مسلمانوں نے ان کی وجہ سے بڑی عزت و قوت محسوس کی۔

**حضرت عمرؑ کا قبولِ اسلام** نظم و طبعیان کے سیاہ بادلوں کی اسی گمبیر فضائی میں ایک اور برق تایاں کا جلوہ نمودار ہجوما جس

کل چمک پہنے سے زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ نبوی کا ہے۔ اللہ۔ وہ حضرت حمزةؑ کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے اسلام لانے کے لیے دعا کی تھی۔ چنانچہ امام ردمیؓ نے ابن عمر سے روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ

<sup>۲۹</sup> مختصر السیرہ شیخ محمد بن عبد الوہاب ج ۶ ص ۷۸ رحمۃ للعالمین ۱/۱، ابن ہشام

<sup>۲۳</sup> اس کا اندازہ مختصر السیرہ شیخ نعید اللہ میں مذکور ایک روایت سے ہوتا ہے۔ دیکھئے ص ۱۰۱

سلسلة تاریخ عگرین الخطاب لاین جوڑی ص ۱۱

اور حضرت اُنسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا،  
 اللَّهُمَّ أَعِزَّ إِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرِّجُلِينَ إِلَيْكَ عَمَرُ بْنُ الْخَطَابٍ أَوْ بَانِيُّ  
 جہل بن ہشام۔

”لَئِنَّ اللَّهَ أَعْزَ إِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرِّجُلِينَ إِلَيْكَ“ اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔

اللَّهُنَّا نَسْأَلُكَ يَهْدِي دُعَاءَ قَبُولَ فِرْمَاتَكَ وَعَمَرَ مُسْلِمًا نَّهَا كَذَّابَيْنَ دُونَيْنَ میں زیادہ محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔<sup>۲۴</sup>

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اسلام رفتہ رفتہ جاگریں ہو گئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور جذبات و احساسات کی طرف بھی مختصر آشارہ کر دیا جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تند مزاجی اور سخت خُلُّ کے لیے مشہور تھے۔ مسلمانوں نے طویل عرصے تک ان کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں بھیل تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متضاد قسم کے جذبات باہم دست دگریاں تھے، چنانچہ ایک طرف تو وہ آپا، واجداد کی لیجادگر وہ رسول کا بڑا احترام کرتے تھے اور بلا نوشی اور ہلو و لعب کے دلداروں کے لیکن دوسری طرف وہ ایمان و عقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی بخششی اور مصائب کے سلسلے میں ان کی قوت برداشت کو خوشگواری حیرت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر ان کے اندر کسی بھی عقلمند آدمی کی طرح شکوک و شبہات کا ایک سلسلہ تھا جو وہ رہ کر ابھرا کتا تھا کہ اسلام جس بات کی دعوت دے رہا ہے غالبًا وہی زیادہ برتر اور پاکیزہ ہے۔ اسی لیے ان کی کیفیت دم میں ماشد دم میں تولہ کی سی تھی کہ ابھی بھڑکے اور ابھی ڈھینے پڑے۔<sup>۲۵</sup>

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایات کا خلاصہ مجمع تطبیق — یہ ہے کہ ایک دفعہ انہیں گھر سے باہر رات گزارنی پڑی۔ وہ ہرم تشریف لائے اور خانہ کعبہ کے پردے میں گھس گئے۔ اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور سورہ

<sup>۲۴</sup> ترمذی ابواب المناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ۲۰۹/۲

<sup>۲۵</sup> حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کا یہ تجزیہ شیخ محمد غزالی نے کیا ہے۔ فقہ السیرہ ص ۹۲، ۹۳

الحاقة کی تلاوت فرمائے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن سننے لگے اور اس کی تایف پر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا: خدا کی قسم یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔“ لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَيْرِيٌّ وَمَا هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ<sup>(۷۷/۳۰:۶۹)</sup>

”یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو،“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے — اپنے جی میں — کہا، راو ہو) یہ تو کا ہے ہے۔ لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ طَبْرَانِيٌّ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ<sup>(۳۷/۴۲:۶۹)</sup>  
(إلى آخر السورة)

”یہ کسی کا ہن کا قول بھی نہیں۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمیں کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔“

(آخر سورۃ نہج)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میرے دل میں اسلام جا گزیں ہو گیا یہ<sup>۱۱</sup> یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کا یہی پڑا، لیکن ابھی ان کے اندر جا ہی جذبات، تقلیدی عبیت اور آباد و اجداد کے دین کی غلطت کے احساس کا چھلکا اتنا مضبوط تھا کہ نہاں خانہ دل کے اندر پھلتے والی حقیقت کے مغز پر غالب رہا، اس لیے وہ اس چھلکے کی تھیں چھپے ہوئے شور کی پروار کے بغیر اپنے اسلام دشمن عمل میں سرگردان رہے۔

ان کی طبیعت کی سختی اور رسول اللہ ﷺ سے فرط عداوت کا یہ حال تھا کہ ایک روز خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تواریخ کنکل پڑئے

۱۱۔ تاریخ عمر بن الخطاب لا بن الجوزی ص ۶۔ ابن اسحاق نے عطار اور جاہد سے بھی تقریباً یہی بات نقل کی ہے البتہ اس کا آخری مکمل اس سے مختلف ہے۔ دیکھئے بیرۃ ابن ہشام ۱/۶۹، ۳۴۸، ۳۴۹۔ اور خود ابن جوزی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کے قریب قریب روایت روایت نقل کی ہے لیکن اس کا آخری حصہ بھی اس روایت سے مختلف ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر بن الخطاب ص ۹-۱۰۔

لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ نعیم بن عبد اللہ النحام عدویٰ سے یا بنی زہرہ یا بنی مخزوم کے کسی آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ اُس نے تپور دیکھ کر پوچھا ”عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟“ انہوں نے کہا ”محمد ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔“ اس نے کہا ”محمد ﷺ کو قتل کر کے بنوہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”علوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پچھلا دین پھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو۔“ اس نے کہا ”عمر!“ ایک بجیب بات نہ بتا دوں تماہاری بہن اور بہنوی بھی تمہارا دین پھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔“ یہ مُسْنَ کہ عمر غصے سے بے فتا ابو ہو گئے اور سیدھے بہن بہنوی کا رُخ کیا۔ وہاں انہیں حضرت خباث بن ارث سورة طه پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانے کے لیے وہاں آنا جانا حضرت خباث کا معمول تھا۔ جب حضرت خباث نے حضرت عمرؓ کی آہست سنی تو گھر کے اندر پھیپ گئے۔ ادھر حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ نے صحیفہ پھیپا دیا؛ لیکن حضرت عمرؓ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت خباث کی قلات سن پھکے تھے، پھنا پھنچ پوچھا کر یہ کسی دھیمی دھیمی سی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انہوں نے کہا ”چھ بھی نہیں۔ بس ہم آپس میں باقیں کر رہے تھے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”غاباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو؟“ بہنوی نے کہا ”آپھا عمر! یہ تباہ اگر حق تھا میں دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟“ حضرت عمرؓ کا اتنا سنا تھا کہ اپنے بہنوی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بڑی طرح کچل دیا۔ ان کی بہن نے پاک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو اپنا چانٹا مارا کر چہرہ خون آکو د ہو گیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان کے سر میں چوٹ آئی۔ بہن نے جوش غصب میں کہا ”عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو؟“ اشہدُ ان لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ مُسْنَ کہ حضرت عمر پر ما یوسی کے بادل چھا گئے اور انہیں اپنی بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر شرم و نذامت بھی محسوس ہوئی۔ کہنے لگے ”آپھا یہ کتاب جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو۔“

۱۲۸ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابن ہشام ۳۴۲/۱  
۱۲۹ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر بن الخطاب لا بن الجوزی،

ص ۱۰۔ و مختصر السیرۃ از شیخ عبد اللہ ص ۱۰۲

۱۳۰ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے۔ دیکھئے مختصر السیرۃ ایضاً ص ۱۰۶

بہن نے کہا "تم ناپاک ہو۔ اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ انھوں نے حضرت عمرؓ نے انھوں کو غسل کیا۔ پھر کتاب لی اور **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** پڑھی۔ کہنے لگے، یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔" اس کے بعد طہ سے **إِنَّمَا اللَّهُ لَآ إِلَهٌ إِلَّا هُوَ فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي** (۱۳:۲۰) تک قراءت کی۔ کہنے لگے، یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔

**نبی مُحَمَّد ﷺ کا پتا بتاؤ۔**

حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کے یہ فقرے سن کر اندر سے باہر آگئے۔ کہنے لگے، "عمر خوش ہو جاؤ۔ مجھے ایمہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی رکھ لے اللہ! عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعے اسلام کو قوت پہنچا، یہ وہی ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرمائیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تواریخاں کی اور اس گھر کے پاس آگر دروازے پر دٹک دی۔ ایک آدمی نے انھوں کو دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تواریخاں کے موجود ہیں۔ پاک کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر بیکھا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا، عمر ہیں۔ حضرت حمزہ نے کہا، میں! عمر ہے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو اسے ہم خیر عطا کریں گے۔ اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تواریخ سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرماتھے۔ آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے۔ پیشک میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انکے پیڑے اور تواریخ کا پر تلاسمیٹ کر کر دا اور سختی سے جھکتے ہوئے فرمایا، "عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی دیسی ہی ذلت و رسالہ اور عبرت ناک سزا نازل نہ فرمادے۔ جیسی دلیریں مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و عزت عطا فرمًا۔" آپ کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمرؓ نے حلقة بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا:

**أشهد أنَّ لِلَّهِ إِلَهٌ إِلَّا هُوَ وَإِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ۔**

"میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی لاائق عبادت نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ سن کر گھر کے اندر موجود صحابہؓ نے اس زور سے تباہ کر کی مسجد حرام والوں

سنائی پڑی۔ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کی زور آوری کا حال یہ تھا کہ کوئی اُن سے مقابلے کی جرأت نہ کرتا تھا اس لیے ان کے مسلمان ہو جانے سے مشرکین میں کھرام مج گیا اور انہیں بڑی ذلت و رسالت محسوس ہوتی۔ دوسری طرف ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی عزت و قوت، شرف و اعزاز اور صریح و شادمانی حاصل ہوتی چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہوا تو میں نے سوچا کہ کہ کا کون شخص رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے؟ پھر میں نے جی ہی جی میں کہا، یہ ابو جہل ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر جا کر اس کا دروازہ لٹکھا ٹھیا۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا، اہملا و سُفْلَةً (خوش آمدید، خوش آمدید) کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا، تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ (یہ سننہ ہی) اس نے میرے رُخ پر دروازہ بند کر دیا اور بولا، "اللہ تیرا بُرا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی بُرا کرے" ۱

امام ابن جوزی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ اسے زد کوب کرتے۔ اور وہ بھی انہیں مارتا، اس لیے جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گیا اور اُسے خبر دی۔ وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا۔ شاید ابو جہل کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسے خبر دی وہ بھی گھر کے اندر گھس گیا۔ ۲

ابن ہشام اور ابن جوزی کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو جمیل بن معراجی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا دھول پیٹھے میں پورے قریش کے اندر سب سے زیادہ متاز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے سننہ ہی نہایت بلند آواز سے جیخ کر کہا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے ہی تھے۔ بدلے یہ جھوٹ کہتا ہے۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ بہرحال لوگ حضرت عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ لوگ حضرت عمرؓ کو مار رہے تھے اور حضرت عمرؓ لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سوچ

سر پر آگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کر بیٹھ گئے۔ لوگ سر پر سوار تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا جو بن پڑے کرو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سوکی تعداد میں ہوتے تو پھر لگتے میں یا تم ہی رہتے یا ہم ہی رہتے۔<sup>۳۷</sup>

اس کے بعد مشرکین نے اس ارادے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پر پہلہ بول دیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت میں گھر کے اندر تھے کہ اس دوران ابو عمر و عاص بن واٹل سہمی آگیا۔ وہ دھاری دار یعنی چادر کا جوڑا اور رشی گوٹے سے آراستہ گرتا زیب تن کئے ہوئے تھے اس کا تعلق قبیلہ سہم سے تھا اور یہ قبیلہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ عاص نے کہا، یہ ممکن نہیں۔ عاص کی یہ بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد عاص دہان سے نکلا اور لوگوں سے ملا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ لوگوں کی بھیرتے وادی کچا کچھ بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا، یہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا یہی خطاب کا بیٹھا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا، اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ یہ سنتے ہی لوگ واپس چلے گئے۔<sup>۳۸</sup> ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا وہ لوگ ایک پرڈا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پہنچ دیا گیا۔<sup>۳۹</sup>

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر یہ کیفیت تو مشرکین کی ہوتی تھی۔ باقی رہنے والے مسلمان تو ان کے احوال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجاہد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟ تو انہوں نے کہا، مجھ سے تین دن پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے اذکار کا واقعہ بیان کر کے اخیر میں کہا کہ پھر جب میں مسلمان ہوا تو۔۔۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ میریں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ماتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو۔

<sup>۳۷</sup> ایضاً ص ۸۔ ابن ہشام ۱/۳۲۸، ۳۲۹

<sup>۳۸</sup> صحیح بخاری باب اسلام عمر بن الخطاب ۱/۴۵۵

<sup>۳۹</sup> ابن ہشام ۱/۳۲۹

حضرت عمر رضیتھے ہیں کہ تب میں نے کہا کہ پھر چھپنا کیسا ہو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صفحہ میں حمزہؓ نے اور ایک میں میں نے تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اُڑ رہا تھا میرہاں تک کہ ہم مسجد عرام میں داخل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوت لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا القب نار ورق رکھ دیا۔<sup>۳۶</sup>

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔<sup>۳۷</sup>

حضرت چہبیب بن رشان رومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے تو اسلام پر دے سے باہر آیا۔ اس کی علاویہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقت لگا کہ بیت اللہ کے گرد بیٹھے بیت اللہ کا طواف کیا، اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام یا اور اس کے بحق نظام کا جواب دیا۔<sup>۳۸</sup> حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کی تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔<sup>۳۹</sup>

## قریش کا نمائندہ رسول اللہ ﷺ اعلیٰ و سلم کے حضور میں | ان دونوں بطل جیل

یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہو جانے کے بعد ظلم و طغیان کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کو جو روتھم کا تختہ مشق بنانے کے لیے مشرکین پر ہجوبستی چھائی تھی اس کی جگہ سوچ جو بوجوئے یعنی شروع کی۔ چنانچہ مشرکین نے یہ کوشش کی کہ اس دعوت سے نبی ﷺ کا جو منشا اور مقصد ہو سکتا ہے اسے فراواں مقدار میں فراہم کرنے کی پیشکش کر کے آپ کو آپ کی دعوت و تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے سودے یا زی کی جائے لیکن ان غربیوں کو پتہ نہ تھا کہ وہ پوری کائنات جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، آپ کی دعوت کے مقابل پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی اس لیے انہیں اپنے اس منصوبے میں ناکام و نامراد ہونا پڑا۔<sup>۴۰</sup>

<sup>۳۶</sup> تاریخ عمر بن الخطاب لا بن الجوزی ص ۶۷۔ <sup>۳۷</sup> مختصر ایسرہ الشیخ عبد اللہ ص ۱۰۳

<sup>۳۸</sup> تاریخ عمر بن الخطاب لا بن الجوزی ص ۱۳

<sup>۳۹</sup> صحیح البخاری ۱ باب اسلام عمر بن الخطاب ۱/۲۵

ابن اسحاق نے یزید بن زیاد کے واسطے سے محمد بن کعب القرطبی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ عتبہ بن ربیعہ نے جو سردارِ قوم نخا، ایک روز قریش کی محفل میں کہا — اور اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں ایک جگہ تن تہا تشریف فرماتھے — کہ قریش کے لوگوں کیوں نہ میں محمدؐ کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں، اور ان کے سامنے چند امور پیش کروں، ہو سکتا ہے وہ کوئی چیز قبول کر لیں۔ تو جو کچھ وہ قبول کر لیں گے، اسے دے کر ہم انہیں اپنے آپ سے باز رکھیں گے؟ — یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب حضرت خمینہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین نے یہ دیکھ دیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھتی ہی جا رہی ہے —

بشرکین نے کہا ابوالولید! آپ جائیتے اور ان سے بات یکجئی۔ اس کے بعد عتبہ اُٹھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا: ”بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مرتبہ و مقام ہے اور جو بلند پایہ نسب ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ اور اب تم اپنی قوم میں ایک بڑا معاملہ کر کتے ہو جس کی وجہ سے تم نے ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا، ان کی عقولوں کو حماقت سے دوچار قرار دیا۔ ان کے معبدوں اور ان کے دین کی عیوب چینی کی۔ اور ان کے جو آبا و آجداد گذرا چکے ہیں انہیں کافر کھڑھرا یا۔ لہذا میری بات سنو! میں تم پر چند باتیں پیش کر رہا ہوں، ان پر غور کرو۔ ہو سکتا ہے کوئی بات قبول کرلو۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابوالولید کہو! میں سنوں گا۔“ ابوالولید نے کہا: ”بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جس کے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ، اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے؛ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بیک جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں؛ اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لیے اس کا علاج تلاش کئے دیتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ہم اپنا اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفایاب ہو جاؤ، کیونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن بھوت انسان پر غالب آ جاتا ہے اور اس کا علاج کروانا پڑتا ہے۔“

عتبه پر باتیں کہتا رہا۔ اور رسول اللہ ﷺ سنتے رہے۔ جب فارغ ہو چکا تو آپ نے فرمایا: ”ابوالولید تم فارن ہو گئے؟“ اس نے کہا: ”ہاں۔“ آپ نے فرمایا: ”اچھا اب میری بیوی سنو!“ اس نے

کہا: صحیک ہے مسنوں گا۔ آپ نے فرمایا وہ

**بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**

حَمْمٌ ○ تَذَرِّيْلُ مِنَ السَّجْمِ الرَّحِيمِ ○ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَغْرَضَ أَكْثَرَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ وَقَالُوا قُلُونَا فِي أَكْثَرَهُمَا تَدْعُونَا إِلَيْهِ .. (۵۱: ۹۱)

"حَمْم" یہ حَمْمَنْ درِیْم کی طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ عربی قرآن ان لوگوں کی طرف رکھتے ہیں۔ بُشِیراً وَنَذِيرًا فَأَغْرَضَ أَكْثَرَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ایکنہ اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں ملتے ہو اس کی طرف ہمکے ہمکے لوگوں پر پڑا ہوا ہے۔ اخ

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے جا رہے تھے۔ اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹکے چُپ چاپ سُننا تھا۔ جب آپ سجدے کی آیت پڑھنے تو آپ نے سجدہ کیا پھر فرمایا "ابو الولید! تمہیں جو کچھ سُننا تھا سن پکے اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"

عُثْرَةُ الْحَمْمَ اور سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اُسے آتا دیکھ کر مشرکین نے اپس میں ایک دوسرے سے کہا: "خدا کی قسم! ابو الولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا ہے جو چہرہ لے کر گیا تھا۔ پھر جب ابو الولید اُس کو بیٹھا گیا تو لوگوں نے پوچھا: "ابو الولید! اپنے کیا خبر ہے؟" اس نے کہا: "پیچھے کی خبر ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنایا کہ ویسا کلام واللہ تعالیٰ نے کبھی نہیں سنایا۔ خدا کی قسم وہ نہ شعر ہے نہ جادو، نہ کہانت، قریش کے لوگوں ایسی بات مانو اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلاک بیٹھو رہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کا جو قول سنایا اس سے کوئی زبردست واقعہ رُونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر اس شخص کو عرب نے مارڈا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر غائب آگیا تو اس کی بادشاہیت تمہاری بادشاہیت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی؛ اور اس کا وحد و سب سے بڑھ کر تمہارے بیلے سعادت کا باعث ہو گا۔" لوگوں نے کہا: "ابو الولید! خدا کی قسم تم پر بھی اس کی زبان کا جادو پل گیا۔" عُثْرَة نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی ہے اب تمہیں جو صحیک معلوم ہو کرو۔" رنہ

ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے جب تلاوت شروع کی تو عتبہ چپ چاپ سنتا رہا، جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر پہنچے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذِرْنِي صِعْقَةً مِثْلَ صِعْقَةِ عَادٍ وَّثَمُودَ ○ (۳۱: ۱۳)

پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ میں تمہیں عاد و ثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔

تو عتبہ شترہ کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا اتحاد رسول اللہ ﷺ کے منہ پر کھدیا کر میں آپ کو اللہ کا اور قربت کا واسطہ دیتا ہوں (کہ ایسا ذکر کیسی یہ ڈراوا آن نہ پڑے۔ اس کے بعد وہ قوم کے پاس گیا اور مذکورہ گفتگو ہوئی۔ اللہ

### ابو طالب بنی هاشم اور بنی مطلب کو جمع کرتے ہیں

حالات کی رفتار بدل چکی تھی۔ گرد و پیش کے ماحول میں فرق آچکا تھا، لیکن ابو طالب کے انذیشے برقرار تھے۔ انہیں مشرکین کی طرف سے اپنے بھتیجے کے متعلق برابر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پچھلے واقعات پر برابر غور کر رہے تھے۔ مشرکین نے انہیں مقابلہ آرائی کی دھمکی دی تھی۔ پھر ان کے بھتیجے کو عمارہ بن ولید کے عوض حاصل کر کے قتل کرنے کے لیے سودے بازی کی کوشش کی تھی۔ ابو جہل ایک بخاری پتھر کے ران کے بھتیجے کا سر کچلنے اٹھا تھا۔ عقبہ بن ابی مُعیظ نے چادر پیٹ کر گلا گھونٹنے اور مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ خطاب کا بیٹھا تواریے کر ان کا کام تمام کرنے نکلا تھا۔ ابو طالب ان واقعات پر غور کرتے تو انہیں ایک ایسے سنگین خطرے کی بُو محکوم ہوتی جس سے ان کا دل کا نپ اٹتا۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ مشرکین ان کا عہد توڑنے اور ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تھیہ کر پکے ہیں۔ اور ان حالات میں خدا نخواستہ اگر کوئی مشرک اچانک آپ پر ٹوٹ پڑا تو حرمہ یا عمر خیر یا اور کوئی شخص کیا کام دے سکے گا۔

ابو طالب کے نزدیک یہ بات یقینی تھی۔ اور یہ حال صحیح بھی تھی کیونکہ مشرکین اعلانیہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر چکتے تھے۔ اور ان کے اسی فیصلے کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں

اشارہ ہے:

آمَّا بَرْمُوَا أَمْرًا فَإِنَّا مُبِرِّمُونَ ﴿٢٩:٩٣﴾

”اگر انہوں نے ایک بات کا تھیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی تھیہ کئے ہوئے ہیں۔“

اب سوال یہ تھا کہ ان حالات میں ابو طالب کو کیا کتنا چاہیئے؟ انہوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر ٹل پڑے ہیں تو انہوں نے اپنے جدرا علی عبد مناف کے دو صاحزادوں ہاشم اور مطیلب سے وجود میں آئے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی خاطرت و حایت کا جو کام تنہا انہام دیتے رہے ہیں اب اسے سب مل کر انہام دیں۔ ابو طالب کی یہ بات عربی حمیت کے پیش نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کی۔ البتہ صرف ابو طالب کا بھائی ابو اہب ایک ایسا فرد تھا جس نے اُسے منظور نہ کیا۔ اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکین قریش سے جا علا اور ان کا ساتھ دیا۔ ۸۲



## ملکی بائیکاٹ

صرف چار ہفتے یا اس سے بھی کم مدت میں مشرکین کو چار بڑے بڑے چھپکے لگ چکے تھے، یعنی حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا، پھر حضرت عمرؓ مسلمان ہوتے، پھر محمد ﷺ نے ان کی پیش کش یا سوچے بازی مسترد کی، پھر قبید بنی ہاشم و بنی مطلب کے سارے ہی مسلم و کافر افراد نے ایک ہو کر نبی ﷺ کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا۔ اس سے مشرکین چکرا گئے اور انہیں چکرانا ہی چاہیئے تھا کیونکہ ان کی سمجھ میں آگیا کہ اگر انہوں نے نبی ﷺ کے قتل کا اقدام کیا تو آپ کی حفاظت میں مکہ کی دادی مشرکین کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی۔ بلکہ ممکن ہے ان کا مکمل صفائیا ہی ہو جائے، اس لیے انہوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی۔ جوان کی اب تک کی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ شکلیں تھیں۔

**ظلم و تم کا پیمان**

اس تجویز کے مطابق مشرکین دادی مُحَصَّب میں خیف بنی کنانہ کے اندر جمع ہوتے اور آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف یہ عہد و پیمان کیا کہ نہ ان سے شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید و فروخت کریں گے، نہ ان کے ساتھ مٹھیں مٹھیں گے، نہ ان سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ مشرکین نے اس بائیکاٹ کی دستاویز کے طور پر ایک صحیفہ لکھا جس میں اس بات کا عہد و پیمان کیا گیا تھا کہ وہ بنی ہاشم کی طرف سے کبھی بھی کسی صلح کی پیش کش قبول نہ کریں گے نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مُروّت بر قیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مشرکین کے حوالے نہ کر دیں۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا اور بعض کے نزدیک نظر بن حارث نے لکھا تھا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس پر بد دعا کی اور اس کا ماتحت شل ہو گیا۔ لہ بہر حال یہ عہد و پیمان ملے پا گیا اور صحیفہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ابوالہب کے سوابنی ہاشم اور بنی مطلب کے سارے افراد خواہ مسلمان رہے ہوں یا کافر سمٹ سمجھ کر شعوب ابی طالب میں محبوس ہو گئے یہ نبی ﷺ کی بعثت کے ساتوں سال محرم کل چاند رات کا واقعہ ہے۔

## تین سال شعب ابی طالب میں

اس بائیکاٹ کے نتیجے میں حالات نہایت سنگین ہو گئے۔ غلے اور سامان خریدنے والوں کی آمد بند ہو گئی کیونکہ مکہ میں جوغلہ یا فروختی سامان آتا تھا اسے مشرکین لپک کر خریدنے تھے۔ اس پلے مخصوصین کی حالت نہایت پُلی ہو گئی۔ انہیں پتے اور چھڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ بھوک سے بلکہ ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹ کے باہر سنائی پڑتی تھیں۔ ان کے پاس مشکل ہی کوئی چیز پہنچ پاتی تھی، وہ بھی پس پردہ۔ وہ لوگ حرمت والے ہمینوں کے علاوہ باقی ایام میں اشیائے ضرورت کی خرید کے لیے گھاٹ سے باہر نکلتے بھی نہ تھے۔ وہ اگرچہ قاتلوں سے سامان خرید سکتے تھے جو باہر سے مکہ آتے تھے لیکن ان کے سامان کے دام بھی مکے والے اس قدر بڑھا کر خریدنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے کہ مخصوصین کے لیے کچھ خریدنا مشکل ہو جاتا تھا۔ حکیم بن حرام جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا کبھی کبھی اپنی بچو پچی کے لیے گھوون بھجوادیتا تھا۔ ایک بار ابو جہل سے سابقہ پڑ گیا۔ وہ غلہ روکنے پر اڑ گیا لیکن ابوالجنتی نے مغلت کی اور اسے اپنی بچو پچی کے پاس گھوون بھجوانے دیا۔

اوھر ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں برابر خطہ لکھا رہتا تھا، اس لیے جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم اپنے بستر پر سورہ ہو۔ مقصد یہ ہوتا کہ اگر کوئی شخص آپ کو قتل کرنے کی نیت رکھتا ہو تو دیکھو کہ آپ کہاں سورہ ہے میں۔ پھر جب لوگ سوچاتے تو ابوطالب آپ کی جگہ بدل دیتے۔ یعنی اپنے بیٹوں، بھائیوں یا بھنوں میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سلاادیتے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم اس کے بستر پر چلے جاؤ۔

اس مصوری کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمان حج کے ایام میں باہر نکلتے تھے اور حج کے لیے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اس موقع پر ابوہبیب کی جو حرکت ہوا کرتی تھی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

### صحیفہ چاک کیا جاتا ہے

ان حالات پر پورے تین سال گذر گئے۔ اس کے بعد محرم نسلہ نبوت ﷺ میں صحیفہ چاک کرنے جانے اور اس ظالمانہ عہد و پیمان کو ختم کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے قریش کے کچھ لوگ اگر اس عہد و پیمان سے راضی تھے تو کچھ ناراض بھی تھے اور انہی ناراض لوگوں نے اس صحیفے کو چاک کرنے کی تگ دوکی۔

اس کا اصل حرک قبیلہ بنو عامر بن لوئی کا ہشام بن عروناہی ایک شخص تھا۔ یہ رات کی تاریکی میں چکپے چکپے شعبابی طالب کے اندر غلہ بھیج کر بنو ہاشم کی مدد بھی کیا کرتا تھا۔ یہ زہیر بن ابی ایم غززادی کے پاس پہنچا۔ (زہیر کی ماں عائشہ، عبدالمطلب کی صاحزادی یعنی ابوطالب کی بہن تھیں) اور اس سے کہا ”زہیر ایکا تھیں یہ گوارا ہے کہ تم قوم سے سکھاؤ، پیو اور قہارے ماموں کا وہ حال ہے جسے تم جانتے ہو؟“ زہیر نے کہا ”افسوس! میں تن تھا کیا کر سکتا ہوں؟ ماں اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہوتا تو میں اس صحیفے کو پھاڑنے کے لیے یقیناً آٹھ پڑتا۔“ اس نے کہا اچھا تو ایک آدمی اور موجود ہے۔ پوچھا کون ہے؟ کہا میں ہوں۔ زہیر نے کہا اچھا تواب تیسرا آدمی تلاش کرو۔ اس پر ہشام، مطعم بن عدی کے پاس گیا اور بنو ہاشم اور بنو مطلب سے جو کہ عبدستاف کی اولاد تھے مطعم کے قریبی تعلق کا ذکر کر کے اسے ملامت کی کہ اس نے اس ظلم پر قریش کی ہنرواتی کیونکر کی؟۔ یاد رہے کہ مطعم بھی عبدستاف ہی کی نسل سے تھا۔ مطعم نے کہا ”افسوس! میں تن تھا کیا کر سکتا ہوں۔“ ہشام نے کہا ایک آدمی اور موجود ہے۔ مطعم نے پوچھا کون ہے؟ ہشام نے کہا میں۔ مطعم نے کہا اچھا ایک تیسرا آدمی تلاش کرو۔ ہشام نے کہا یہ بھی کوچک کا ہوں۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کہا زہیر بن ابی ایم یہ، مطعم نے کہا اچھا تواب چوتھا آدمی تلاش کرو۔ اس

تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوطالب کی وفات صحیفہ پھاڑے جانے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کی موت رب جمادی میں ہوئی تھی۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں ان کی وفات رمضان میں ہوئی تھی وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کی وفات صحیفہ پھاڑے جانے کے چھ ماہ بعد نہیں بلکہ آٹھ ماہ اور چند دن بعد ہوئی تھی۔ دونوں صورتوں میں وہ ہمینہ جس میں صحیفہ پھاڑا گیا، محرم ثابت ہوتا ہے۔

پرہشام بن عمرُو، ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی اسی طرح کی گفتگو کی جیسی مطعم سے کی تھی۔ اس نے کہا بھلا کوئی اس کی تائید بھی کرنے والا ہے؟ ہشام نے کہا ہاں۔ پوچھا کون؟ کہا، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں۔ اس نے کہا، اچھا تو اب پانچواں آدمی ڈھونڈو۔ اس کے لیے ہشام، زمفعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا۔ اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے بنو ہاشم کی قرابت اور ان کے حقوق یاد دلاتے۔ اس نے کہا، بھلا جس کام کے لیے مجھے بلا رہے ہو اس سے کوئی اور بھی متفق ہے۔ ہشام نے اثبات میں جواب دیا اور سب کے نام بتلاتے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جو ان کے پاس جمع ہو کر آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ صحیفہ چاک کرتا ہے۔ زہیر نے کہا، میں ابتدا کروں گا یعنی سب سے پہلے میں ہی زبان کھولوں گا۔

صحیح ہوتی تو سب لوگ حسبِ مہول اپنی اپنی محفوظوں میں پہنچے۔ زہیر بھی ایک جوڑا زیرین کئے ہوئے پہنچا۔ پہلے بیت اللہ کے سات چکر لگائے پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا "کتنے والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنسیں اور بنو ہاشم تباہ و بر باد ہوں، نہ ان کے ہاتھ کچھ بیجا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔ خدا کی قسم میں بیٹھنیں سکتی ہیں تاکہ اس ظلمانہ اور قرابت نکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے" ابو جہل۔ جو مسجد حرام کے ایک گوشے میں موجود تھا "بولا، تم غلط کہتے ہو خدا کی قسم سے پھاڑا نہیں جا سکتا۔"

اس پر زمفعہ بن اسود نے کہا، "بخدا تم زیادہ غلط کہتے ہو، جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے راضی نہ تھے۔"

اس پر ابوالبختری نے گہ لگائی، "زمفعہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ ہم راضی ہیں نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔" اس کے بعد مطعم بن عدی نے کہا، "تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور اس میں جو کچھ لکھا ہو اسے اس سے اللہ کے حضور برارت کا اظہار کرتے ہیں۔"

پھر ہشام بن عمرُو نے بھی اسی طرح کی بات کی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابو جہل نے کہا، "ہونہہ! یہ بات رات میں طے کی گئی ہے۔ اور اس کا مشورہ یہاں کے بجائے کہیں اور کیا گیا ہے؟"

اس دوران ابوطالب بھی حرم پاک کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ

تحتی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس صحیفے کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کیرڑے بھیج دیتے ہیں۔ جنہوں نے ظلم و ستم اور قرابت شکنی کی ساری یاتیں چٹ کر دی ہیں اور صرف اللہ عز و جل کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے چھاکویہ بات بتائی تو وہ قریش سے یہ کہنے آئے تھے کہ ان کے بھتیجے نے انھیں یہ اور یہ خبر دی ہے اگر وہ جھوٹا بنت ہو تو ہم تمہارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور تمہارا جو جی چاہے کرنا۔ لیکن اگر وہ سچا ثابت ہو تو تمہارے پائیکاٹ اور ظلم سے باز آنا ہوگا۔ جب قریش کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے کہا:

”آپ انصاف کی بات کر رہے ہیں۔“

ادھر ابو جہل اور باقی لوگوں کی نوک جھونک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ واقعی کیرڑوں نے اس کا صفا یا کردیا ہے۔ صرف باسمک اللہ مر باقی رہ گیا ہے اور جہاں جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے یا کیرڑوں نے اُسے نہیں کھایا تھا۔

اس کے بعد صحیفہ چاک ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور بقیہ تمام حضرات شعبابی طالب سے نکل آئے اور مشرکین نے آپ کی نبوت کی ایک عظیم الشان نشانی دیکھی۔ لیکن ان کا روئیہ وہی رہا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَإِنْ يَرَوْا أَيْةً يُغْرِضُوا وَيَقُولُوا سَاحِرٌ مُّسْتَمِرٌ ۝ (۲۰۵۲)

”اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو وہ پھریلیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔“

چنانچہ مشرکین نے اس نشانی سے بھی رُخ پھریلیا۔ اور اپنے کفر کی راہ میں چند قدم اور آگے بڑھ گئے۔ ۳۷




---

۳۷ پائیکاٹ کی تفصیل حسب ذیل مأخذ سے مرتب کی گئی ہے۔ صحیح بخاری باب نزول النبی ﷺ بیکثہ ۱/۲۱۹ باب تقاض المشرکین علی النبی ﷺ زاد المعاو ۲/۴۸/۱۔ ابن ہشام ۱/۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲/۲۶۶۔ ابن ہشام ۱/۳۵۱، ۳۵۲/۲۶۶۔ رحمۃ للعالمین ۱/۴۹، ۵۰، ۵۱۔ مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص ۱۰۶ تا ۱۱۰۔ و مختصر السیرہ للشیخ محمد بن عبد الوہاب ص ۶۸ تا ۷۳۔ ان مأخذ میں قدر سے اختلاف بھی ہے۔ ہم نے قرآن کی روشنی میں راجح پہلو درج کیا ہے۔

## ابو طالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد

رسول اللہ ﷺ نے شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد پھر حسبِ معمول دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور اب مشرکین نے اگرچہ بائیکاٹ ختم کر دیا تھا لیکن وہ بھی حسبِ معمول مسلمانوں پر دباوڑا لئے اور اللہ کی راہ سے روکنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے اور جہاں تک ابو طالب کا تعلق ہے تو وہ بھی اپنی دیرینہ روایت کے مطابق پوری جاں سپاری کے ساتھ اپنے بھتیجے کی حمایت و حفاظت میں لگے ہوئے تھے لیکن اب ان کی عمر اسی سال میں تجاوز ہو چلی تھی۔ کئی سال سے پہلے درپے سنگین آلام و حادث نے اور خصوصاً محسوسی نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کے قومی مضمحل ہو گئے تھے اور کمر ٹوٹ چکی تھی، چنانچہ گھٹائی سے نکلنے کے بعد چند ہی ہفتے گزرے تھے کہ انہیں سخت بیماری نے آن پکڑا۔ اس موقع پر مشرکین نے سوچا کہ اگر ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد ہم نے اس کے بھتیجے پر کوئی زیادتی کی تو بڑی بد نامی ہو گی؛ اس لیے ابو طالب کے سامنے ہی بنی ﷺ سے کوئی معاملہ طے کر لینا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ بعض ایسی رعائیں بھی دیئے کے لیے تیار ہو گئے جس پر اب تک راضی نہ تھے۔ چنانچہ ان کا ایک وفد ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ ان کا آخری وفد تھا۔

ابن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب ابو طالب بیمار پڑ گئے اور قریش کو معلوم ہوا کہ ان کی حالت غیر ہوتی جا رہی ہے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھو حمزہ اور عمر مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور محمد ﷺ کا دین قریش کے ہر قبیلے میں پھیل چکا ہے اس لیے چلو ابو طالب کے پاس چلیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو کسی بات کا پابند کریں اور ہم سے بھی ان کے متعلق عہد لے لیں کیونکہ واللہ ہمیں انذیرہ ہے لوگ اس کی وفات کے بعد ہمارے قابو میں نہ رہیں گے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہمیں انذیرہ ہے کہ یہ بُدھا مر گیا اور حسمد (ﷺ) کے ساتھ کوئی گڑ بڑھ ہو گئی تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے۔ کہیں گے کہ انہوں نے محمد ﷺ کو چھوڑے رکھا۔ اور اس کے خلاف کچھ کرنے کی بہت نہ کی، لیکن جب اس کا چھا مر گیا تو اس پر چڑھ دوڑے۔

بہر حال قریش کا یہ وفد ابو طالب کے پاس پہنچا اور ان سے گفت و شنید کی۔ وفد کے ارکان قریش کے معزز ترین افراد تھے یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف ابوسفیان بن حرب اور دیگر اشراف قریش جن کل تعداد تقریباً پچس تھیں۔

انہوں نے کہا:

”اے ابو طالب! ہمارے درمیان آپ کا جو مرتبہ و مقام ہے اسے آپ بخوبی جانتے ہیں اور اب آپ ہبھی حالت سے گزر رہے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ آپ کے آخری ایام ہیں۔ ادھر ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو معاملہ چل رہا ہے اس سے بھی آپ واقف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ انہیں بلا میں اور ان کے بارے میں ہم سے کچھ عہد و پیمان لیں اور ہمارے بالے میں ان سے عہد و پیمان لیں یعنی وہ ہم سے دستکش رہیں اور ہم ان سے دستکش رہیں۔ وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیں۔“

اس پر ابو طالب نے آپ کو بلوایا اور آپ تشریف لائے تو کہا: ”بھتیجے! یہ تھاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔ تھارے ہی سبھے جمع ہوتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں کچھ عہد و پیمان دے دیں اور تم بھی انہیں کچھ عہد و پیمان دے دو۔“ اس کے بعد ابو طالب نے ان کی یہ پیش گش ڈگر کی کہ کوئی بھی فرمان دوسرے سے تعریض نہ کرے۔

جواب میں رسول ﷺ نے وفد کو مخاطب کر کے فرمایا: ”آپ لوگ یہ بتائیں کہ اگر میں ایک ایسی بات پیش کروں جس کے اگر آپ قائل ہو جائیں تو عرب کے بادشاہ بن جاہیں اور عجم آپ کے زیر نگہیں آجائے تو آپ کی رائے کیا ہوگی؟“ بعض روایتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے ابو طالب کو مخاطب کر کے فرمایا: ”میں ان سے ایک ایسی بات چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کے تابع فرمان بن جاہیں اور عجم انہیں جزیہ ادا کریں۔“ ایک اور روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: ”چچا جان! آپ کیوں نہ انہیں ایک ایسی بات کی طرف بلائیں جوان کے حق میں بہتر ہے؟“ انہوں نے کہا تم انہیں کس بات کی طرف بلانا چاہتے ہو؟۔ آپ نے فرمایا: ”میں ایک ایسی بات کی طرف بلانا چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کا تابع فرمان بن جاہے اور عجم پران کی بادشاہی قائم ہو جائے۔“ اب اسحاق کی ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ”آپ لوگ صرف ایک بات مان لیں ہیں کہ بدولت آپ عرب کے بادشاہ بن جاہیں گے اور عجم آپ کے

نیز نہیں آ جائے گا۔

بہر حال جب یہ بات آپ نے کہی تو وہ لوگ کسی قدر توقف میں پڑ گئے اور شپٹا سے گئے۔ وہ جیران تھے کہ صرف ایک بات جو اس قدر مفید ہے۔ اسے مسترد کیسے کر دیں؟ آخر کار ابو جہل نے کہا: ”اچھا بتاؤ تو وہ بات ہے کیا؟ تمہارے باپ کی قسم! ایسی ایک بات کیا دس باتیں بھی سپش کرو تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”آپ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں اور اللہ کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔“ اس پر انہوں نے ہاتھ پریٹ پریٹ کر اور تالیاں بجا بجا کر کہا: ”محمد (صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم)！ تم یہ چاہتے ہو کہ سارے خداوں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنادلو، واقعی تمہارا معاملہ بڑا عجیب ہے۔“

پھر آپ میں ایک دوسرے سے بولے: ”خدا کی قسم یہ شخص تمہاری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔ لہذا چلو اور اپنے آباء اجداد کے دین پر ڈٹ جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور اس شخص کے درمیان فیصلہ فرمادے۔“ اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اس واقعے کے بعد انہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوتیں۔

صَّوْلَقْرَانِ ذِي الذِّكْرِ ○ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عَزَّةٍ وَشَفَاقٍ ○ كَأَهْلِكُنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنِ فَنَادُوا وَلَكَتْ حِينَ مَنَاصِ ○ وَجَبُوَا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفَّارُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَابٌ ○ أَجَعَلَ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ بُعْجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمُلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى الْهِتَكْ ○ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ وَبِرَادٌ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَأِ الْأُخْرَةِ ○ إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ○ (۱۴۸۱)

”ص، قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی۔ بلکہ جنہوں نے کفر کیا بیکڑی اور صندمیں ہیں۔ ہم نے کتنی ہی تو میں ان سے پہلے ہلاک کر دیں اور وہ چیخنے چلاتے (لیکن اس وقت جبکہ بچنے کا وقت نہ تھا۔ انہیں تجھب ہے کہ ان کے پاس خود انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آگیا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ جادو گر ہے۔ بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی مسعود بنادلو؟ ایسے تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور ان کے بڑے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹئے رہو۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ ہم نے کسی اور ملت میں یہ بات نہیں سنی۔ یہ محض گھرانت ہے۔“

## غم کا سال

ابو طالب کا مرض بڑھتا گیا اور بالآخر وہ انتقال کر گئے۔

ان کی وفات شعب ابی طالب کی محصوری کے خاتمے

کے چھ ماہ بعد رجب نسلہ نبوی میں ہوئی۔ لہ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے صرف تین دن پہلے ماہ رمضان میں وفات پائی۔

صحیح بخاری میں حضرت میثب سے مردی ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ابو جہل بھی موجود تھا۔ آپ نے فرمایا "چھا جان، آپ لا إلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَبِيرٌ" کہہ دیجئے۔ بس ایک کلمہ جس کے ذریعے میں اللہ کے پاس آپ کے لیے جلت پیش کر سکوں گا۔" ابو جہل اور عبد اللہ بن امیر نے کہا "ابو طالب! کیا عبد المطلب کی ملت سے مُخْپِر لوگے؟" پھر یہ دونوں برابران سے بات کرتے رہے یہاں تک کہ آخری بات جو ابو طالب نے لوگوں سے کہی یہ تھی کہ "عبد المطلب کی ملت پر" نبی ﷺ نے فرمایا "میں جب تک آپ سے روک نہ دیا جاؤں آپ کے لیے دعا مغفرت کرتا رہوں گا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِنَّا  
قُرُونٍ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۝ (۱۱۲:۹۱)

"نبی ﷺ اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ مشرکین کے لیے دعا مغفرت کریں۔"

اگرچہ وہ قرا بتدار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ لوگ جیتنی ہیں۔"

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ .. (۵۹:۲۸)

"آپ جسے پسند کریں ہے ایت نہیں دے سکتے۔"

لہ سیرت کے مأخذ میں بڑا اختلاف ہے کہ ابو طالب کی وفات کس ہفتے میں ہوئی۔ ہم نے رجب کو اس لیے ترجیح دی رہے کہ بیشتر مأخذ کااتفاق ہے کہ ان کی وفات شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ اور محصوری کا آغاز غم کا سال ہوئی کیا چادرات سے ہوا تھا۔ اس حساب سے ان کی موت کا زمانہ رجب نسلہ نبوی ہی ہوتا ہے۔

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ابوطالب نے نبی ﷺ کی کس قدر حمایت و حفاظت کی تھی۔ وہ درحقیقت مکنے کے بڑوں اور احمقوں کے جملوں سے اسلامی دعوت کے بچاؤ کے لیے ایک قلمبند تھے، لیکن وہ بذاتِ خود اپنے بزرگ آباء اجداد کی ملت پر فائماً رہے، اس لیے مکمل کامیابی نہ پاس کے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: "آپ اپنے چھا کے کیا کام آسکے؟" کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے رد و سرد پر) بگزتے را دران سے لٹائی مولیتے) تھے۔ آپ نے فرمایا: "وہ جہنم کی ایک چھلی جگہ میں ہیں۔ اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گھرے کھنڈ میں ہوتے۔"

ابو سعید خدراوی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار نبی ﷺ کے پاس آپ کے چھا کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا: "ممکن ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت فائدہ پہنچا دے اور انہیں جہنم کی ایک کم گھری جگہ میں رکھ دیا جائے کہ آگ صرف ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ سکے۔"

**حضرت خدیجہؓ چوار رحمت میں** | جانب ابوطالب کی وفات کے دو ماہ بعد  
یا صرف تین دن بعد — علی اختلاف الاول  
حضرت اُمّ المؤمنین خدیجہؓ الکبری رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرمائیں۔ ان کی وفات نبوت کے دسویں سال ماه رمضان میں ہوئی۔ اس وقت وہ ۶۵ برس کی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد  
اپنی عمر کی پچاسویں منزل میں تھے۔

حضرت خدیجہؓ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی گرانقدر نعمت تھیں۔ وہ ایک چوتھائی صدی آپ کی رفاقت میں رہیں اور اس دوران رنج و قلق کا وقت آتا تو آپ کے لیے تڑپ اٹھتیں، سہنگیں اور مشکل ترین حالات میں آپ کو قوت پہنچاتیں تبینہ رسالت میں آپ کی مدد کرتیں اور اس تبعیت ترین جہاد کی سختیوں میں آپ کی شرکیک کا رہتیں۔ اور اپنی جان و مال سے آپ کی خیرخواہی و غمگساری کرتیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

سچے صحیح بخاری باب قصۃ ابن طالب ۸/۱  
۲۷ رمضان میں وفات کی صراحت ابن جوزی نے تلیقۃ الفہوم ص ۷ میں اور علامہ منصور پوری نے رحمۃ للعالمین ۲/۱۶۳ میں کی ہے۔

"جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لا بیس، جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے میری تصدیق کی جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسرا بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔<sup>۱۷</sup> صحیح بنخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس تشریف لاتے اور فرمایا: آئے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ تشریف لارہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن یا کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آپ ہمیں تو آپ انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موقعی کے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ شور و شغب ہو گا نہ دراندگی و تکان۔<sup>۱۸</sup>

**غم ہی غم** | یہ دونوں الم الگیز عادثے صرف چند نوں کے دوران پیش آئے۔ جس سے نبی ﷺ کے دل میں غم والم کے احساسات موجود ہو گئے اور اس کے بعد قوم کی طرف سے بھی مصائب کا طومان بندھ گیا کیونکہ ابوطالب کی وفات کے بعد ان کی جستاز بڑھ گئی اور وہ کھل کر آپ کو اذیت اور تکلیف پہنچانے لگے۔ اس کیفیت نے آپ کے غم والم میں اور اضافہ کر دیا۔ آپ نے ان سے مایوس ہو کر طائف کی راہی کو مکن ہے دہان لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں، آپ کو پناہ دے دیں۔ اور آپ کی قوم کے خلاف آپ کی مدد کریں، لیکن دہان نہ کوئی پناہ دہندا مددگار، بلکہ اُسے انہوں نے سخت اذیت پہنچائی اور ایسی بدسلوک کہ خود آپ کی قوم نے ویسی بدسلوک نہ کی تھی۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

یہاں اس بات کا اعادہ ہے محل نہ ہو گا کہ اہل کہ نے جس طرح نبی ﷺ کے خلاف ظلم و جور کا بازار گرم کر رکھا تھا اسی طرح وہ آپ کے رفقاء کے خلاف بھی تم رافی کا سلسہ جاری رکھے ہوئے تھے، چنانچہ آپ کے ہمدرم دہراز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور جدش کے ارادے سے تن بہ تقدیر نکل پڑے، لیکن بڑک غماد پہنچے توابین دعنت سے ملاقات ہو گئی اور وہ اپنی پناہ میں آپ کو مکہ واپس لے آیا۔<sup>۱۹</sup>

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب ابوطالب انتقال کر گئے تو قریش نے رسول اللہ ﷺ

۱۷ مسند احمد ۶/ ۱۱۸ سچے صحیح بنخاری باب تزویج النبی ﷺ خدیجہ وفضلہ ۵۲۹/۱  
۱۸ ابکر شاہ بن حبیب آبادی نے صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا تھا۔ دیکھئے تاریخ اسلام ۱/ ۱۲۰، اصل واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ابن ہرشام ۱/ ۳۴۲ تا ۳۴۳۔ اور صحیح بنخاری ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳ میں مذکور ہے۔

کو ایسی اذیت پہنچائی کہ ابو طالب کی زندگی میں کبھی اس کی آرزو بھی نہ کر سکے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک احمد نے سامنے آ کر آپ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے ملئے آپ کے سر پر پڑی ہوتی تھی۔ آپ کی ایک صاحبزادی نے اُنہوں کو مٹی دھونی۔ وہ دھونتے ہوئے روتی جا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ انہیں تسلی دیتے ہوئے فرماتے جا رہے تھے ”ابیٹی! روؤ نہیں اللہ تمہارے ابا کی حفاظت کرے گا“ اس دوران آپ یہ بھی فرماتے جا رہے تھے کہ قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گذری ہو یہاں تک کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اسی طرح کے پلے درپیے آلام و مصائب کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس سال کا نام عالم الحزن یعنی غم کا سال رکھ دیا اور یہ سال اسی نام سے تاریخ میں مشہور ہو گیا۔

### حضرت سُودَه رضي اللہ عنہا سے شادی

سُودَه بنت زمعہ رضی سے شادی کی۔ یہ ابتدائی دور میں مسلمان ہو گئی تھیں اور دوسرا ہجرت جب شہر کے موقع پر ہجرت بھی کی تھی۔ ان کے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا۔ وہ بھی قدیم الاسلام تھے اور حضرت سُودَه نے انہیں کی رفاقت میں جب شہر کی جانب ہجرت کی تھی لیکن وہ جب شہر ہی میں اور کہا جاتا ہے کہ وہ اسکے آگر انتقال کر گئے، اس کے بعد جب حضرت سُودَه رضی کی عدت ختم ہو گئی تو نبی ﷺ نے ان کو شادی کا پیغام دیا اور پھر شادی ہو گئی۔ یہ حضرت خدیر بجہڑی وفات کے بعد پہلی بیوی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی۔ چند برس بعد انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہمسہ کر دی تھی۔



## اپنے مسلمانوں کا صبر و ثبات اور اسکے اسباب و عوامل

یہاں پہنچ کر گھری سوجہ بوجہ اور مضبوط دل و دماغ کا آدمی بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور بڑے بڑے عقلاءِ دم بخود ہو کر پوچھتے ہیں کہ آخزوہ کیا اسباب و عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو اس قدر انہائی اور مجرمانہ حذکث ثابت قدم رکھا؟ آخر مسلمانوں نے کس طرح ان بیانات مظلوم پر صبر کیا جنہیں مُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرزائھتا ہے۔ بار بار کھکھلنے اور دل کی تہوں سے اُبھرنے والے اس سوال کے کچھ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب و عوامل کی طرف ایک سرسری اشارہ کر دیا جاتے۔

۱۔ ان میں سب سے پہلا اور اہم سبب اللہ کی ذات واحد پر ایمان اور اس کی ٹھیک ٹھیک معرفت ہے کیونکہ جب ایمان کی بشاشةت دلوں میں جانزین ہو جاتی ہے تو وہ پہاڑوں سے لمگرا جاتا ہے اور اسی کا پلہ بھاری رہتا ہے اور جو شخص ایسے ایمانِ محکم اور یقین کامل سے بہرہ در ہو وہ دُنیا کی مشکلات کو۔ خواہ وہ جتنی بھی زیادہ ہوں اور جیسی بھی بھاری بھر کم، خطرناک اور سخت ہوں۔ اپنے ایمان کے مقابل اس کافی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا جو کسی یہند توڑا اور قلعشکن سیلاہ کی بالائی سطح پر جنم جاتی ہے۔ اس یہے مومن اپنے ایمان کی حلاوٹ یقین کی تازگی اور اعتقاد کی بشاشةت کے ساتھ ان مشکلات کی کوئی پرواہ نہیں کتنا کیونکہ:

**فَإِنَّمَا الزَّيْدُ فِي ذَهَبٍ جُفَاءٌ وَّ إِنَّمَا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فِيمَا كُنْتُ فِيهِنَّكُنْ فِي الْأَرْضِ ط (۱۲، ۱۳)**

”جو بھاگ ہے وہ تو یہ کارہ کر اڑ جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتے والی چیز ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے۔“

پھر اسی ایک سبب سے ایسے اسباب وجود میں آتے ہیں جو اس صبر و ثبات کو قوت بخشنے ہیں مثلاً:

۲۔ پُرکشش قیادت، نبی اکرم ﷺ جو امتِ اسلامیہ ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے سب سے بلند پایہ قائد درہنمانتھے ایسے جسمانی جمال، نفسانی کمال، کرمیانہ اخلاق، باعظت کردار اور پرشیخانہ عادات و اطوار سے بہرہ در تھے کہ دل خود بخود آپ ﷺ کی جانب کھنپے جاتے تھے اور

بیعتیں خود بخود آپ ﷺ پر نچاہو رہتی تھیں، کیونکہ جن کمالات پر لوگ جان پھر لکتے ہیں ان سے آپ ﷺ کو اتنا بھروسہ ملنا تھا کہ اتنا کسی اور انسان کو دیا ہی نہیں گیا۔ آپ ﷺ شرف و عظمت اور فضل و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر جلوہ فگن تھے۔ عفت و امانت، صدق و صفا اور جملہ امور خیر میں آپ ﷺ کا وہ امتیازی مقام تھا کہ رفقا ر تو رفقا ر۔ آپ ﷺ کے شہنوں کو بھی آپ ﷺ کی میتائی و انفرادیت پر کبھی شک نہ گزرا۔ آپ ﷺ کی زبان سے جو بات نکل گئی، شہنوں کو بھی لیتیں ہو گیا کہ وہ کچی ہے اور ہو کر رہے گی۔ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ایک بار قریش کے ایسے تین ادمی اکٹھے ہوئے جن میں سے ہر ایک نے اپنے بقیہ دوساریوں سے چھپ چھپا کر تن تھا قرآن مجید ساختا یا لیکن بعد میں ہر ایک کا راز دوسرے پر فاش ہو گیا تھا۔ ان ہی تینوں میں سے ایک ابو جہل بھی تھا۔ تینوں اکٹھے ہوئے تو ایک نے ابو جہل سے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے جو کچھ محمد ﷺ سے سنائے؟ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے اور بنو عبد مناف نے شرف و عظمت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے رغبا و مساکین کو کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا انہوں نے داد دش میں سواریاں عطا کیں تو ہم نے بھی عطا کیں، انہوں نے لوگوں کو عطیات سے نوازا تو ہم نے بھی ایسا کیا، یہاں تک کہ جب ہم اور وہ کھشوں کھشوں ایک دوسرے کے ہم پر ہو گئے اور ہماری اور ان کی حیثیت ریس کے دو مقابل گھوڑوں کی ہو گئی تواب بنو عبد مناف کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نبی ﷺ کہے جس کے پاس آسان سے وحی آتی ہے۔ بخلاف ایسے ہم اسے کب پا سکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم اس شخص پر کبھی ایمان نہ لائیں گے، اور اس کی ہرگز تصدیق نہ کریں گے۔ چنانچہ ابو جہل کہا کرتا تھا: ”آے محمد ﷺ ہم تمہیں بھوٹا نہیں کہتے، لیکن تم جو کچھ لے کر آئے ہو اس کی تکذیب کرتے ہیں“۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَإِنَّهُمْ لَا يَنْكِدُّونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ يَا يَأُيُّوبَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَعْمَلُونَ ۝ (۳۲:۶۱)

”یہ لوگ آپ کو نہیں بھٹلتاتے، بلکہ یہ ظالم اشد کی آئتوں کا انکار کرتے ہیں۔“

اس واقعے کی تفصیل گذرچکی ہے کہ ایک روز گفارنے نبی ﷺ کو تین بار یعنی طعن کی اور تیسرا دفعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت! میں تھارے پاس ذبح اکا حکم، لیکر آیا ہوں تو یہ بات ان پر اس طرح اثر کر گئی کہ جو شخص عدالت میں سب سے بڑھ کر تھا وہ بھی

بہتر سے بہتر جملہ پاسکتا تھا اس کے ذریعے آپ ﷺ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ اسی طرح اس کی بھی تفصیل گذرچکی ہے کہ جب حالت سجدہ میں آپ ﷺ پر ادھڑی ڈالی گئی، اور آپ ﷺ نے سراٹھنے کے بعد اس حرکت کے کرنے والوں پر بدعما کی توان کی ہنسی ہوا ہو گئی۔ اور ان کے اندر غم و فکر کی ہر دوڑ گئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہم نجی ہیں سکتے۔

یہ واقعہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ابو ہب کے بیٹے عتیبہ پر بدعما کی تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ آپ ﷺ کی بدعما کی زوسے نجی ہیں سکتا، چنانچہ اس نے مکشام کے سفر میں شیر کو دیکھتے ہی کہا: "واللہ محمد ﷺ نے مکر میں رہتے ہوئے مجھے قتل کر دیا۔"

ایم بن خلف کا واقعہ ہے کہ وہ بار بار آپ ﷺ کو قتل کی دھمکیاں دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے جو ایسا فرمایا کہ (تم نہیں) بلکہ میں تمہیں قتل کروں گا، ان شاء اللہ۔ اسکے بعد جب آپ ﷺ نے جنگ احرار کے روز ایم کی گردان پر نیزہ مارا تو اگرچہ اس سے معمولی خراش آئی تھی لیکن ایم برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ محمد ﷺ نے مجھ سے مکر میں کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا اس یہے اگر وہ مجھ پر تھوک ہی دیتا تو بھی میری جان نکل جاتی۔ (تفصیل آگے آرہی ہے) اسی طرح ایک بار حضرت سعد بن معاذ نے مکے میں اُمیمہ بن خلف سے کہہ دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنائے کہ مسلمان تمہیں قتل کریں گے تو اس سے اُمیمہ پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی، جو مسلسل قائم رہی چنانچہ اس نے عہد کر لیا کہ وہ مکے سے باہر ہی نہ نکلے گا اور جب جنگ بذر کے موقع پر ابو جہل کے اصرار سے مجبور ہو کر نکلا پڑا تو اس نے مکے کا سب سے تیز رو اوٹ خریدا تاکہ خطرے کی علامات ظاہر ہوتے ہی چھپت ہو جائے۔ اور جنگ میں جانے پر آمادہ دیکھ کر اس کی بیوی نے بھی ٹوکا کر ابو صفوان "آپ کے شریب بھائی نے جو کچھ کہا تھا اسے آپ بھول گئے" ابو صفوان نے جواب میں کہا کہ نہیں، بلکہ میں خدا کی قسم ان کے ساتھ تھوڑی ہی دُور جاؤں گا۔

یہ تو آپ ﷺ کے دشمنوں کا حال تھا۔ باقی رہے آپ ﷺ کے صحابہ اور رفقاء

تو آپ ﷺ تو ان کے لیے دیدہ و دل اور جان و روح کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے آپ ﷺ کے لیے خوب صادق کے جذبات اس طرح اُبلتے تھے جیسے نشیب کی طرف پافی بہتا ہے اور جان و دل اس طرح آپ ﷺ کی طرف کھنپتے تھے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنپتا ہے۔

### فصورتہ ہیولی حکل جسم و مغناطیس افسدہ الرجال

آپ کی صورت ہر جسم کا ہیوں تھی اور آپ کا وجود ہر دل کے لیے مقناطیس اس محبت و فدا کاری اور جان شاری وجہ سپاری کا نتیجہ پر تھا کہ صحابہ کرام کو یہ گوارانٰ نخوا کہ آپ ﷺ کے ناخن میں خراش تک آ جاتے یا آپ ﷺ کے پاؤں میں کائنات ہی پھیج جائے خواہ اس کے لیے ان کی گرد نیں ہی کیوں نہ کوٹ دی جائیں۔

ایک روز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بری طرح کچل دیا گیا اور انہیں سخت مار ماری گئی۔ عقبہ بن رَبِيعہ ان کے قریب آگر انہیں دو پیوند لگے ہوئے جو توں سے مارنے لگا۔ چہرے کو خصوصیت سے نشانہ بنایا۔ پھر پیٹ پر چڑھ گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ چہرے اور ناک کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ پھر ان کے قبیلہ بنو شیم کے لوگ انہیں ایک پکڑے میں پیٹ کر گھر لے گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اب یہ زندہ نہ پکیں گے لیکن دن کے خلتے کے قریب ان کی زبان کھل گئی۔ (اور زبان کھل تھی) بولے کہ رسول اللہ ﷺ کیا ہوئے؟ اس پر بنو شیم نے انہیں سخت سست کہا۔ ملامت کی اور ان کی ماں اُم الحیرے یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ انہیں کچھ کھلا پلا دینا۔ جب وہ تنہارہ گنیں تو انہوں نے ابو بکر پکڑے کھانے پینے کے لیے اصرار کیا لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ آخراً رام الحیرے کہا: ”مجھے تمہارے ساتھی کا حال معلوم نہیں۔“ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اُم جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور اس سے دریافت کرو۔“ وہ اُم جمیل کے پاس گئیں اور بولیں، ”ابو بکر تم سے محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔“ اُم جمیل نے کہا: ”اُم جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور اس سے دریافت کرو۔“ وہ اُم جمیل کے پاس گئیں اور بولیں، ”ابو بکر تم سے محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔“ اُم جمیل نے کہا: ”میں نہ ابو بکر کو جانتی ہوں نہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کو۔ البتہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ تھا رے صاحبزادے کے پاس چل سکتی ہوں۔“ اُم الحیرے کہا بہتر ہے۔ اس کے بعد امام جمیل ان کے ہمراہ آئیں دیکھا تو ابو بکر انتہائی خستہ حال پڑے تھے۔ پھر قریب ہوئیں تو پیغمبر پڑیں اور کہنے لگیں: ”جس قوم نے آپ کی یہ درگت بنائی ہے وہ یقیناً بدقاش اور کافر قوم ہے۔ مجھے امید ہے

کر اللہ آپ کا بدلہ ان سے لے کر رہے گا۔ ابو بکر نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کیا ہوئے؟ انہوں نے کہا: آپ کی ماں سُن رہی ہیں۔ کہا کوئی بات نہیں۔ بولیں: آپ صحیح سالم ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں؟ کہا: این ارقم کے گھر میں ہیں۔ ابو بکر نے فرمایا: اچھا تو پھر اللہ کے یہے مجھ پر عہد ہے کہ میں نہ کوئی کھانا کھاؤں گا تاہم پانی پیوں گا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ اس کے بعد امام الحیر اور امام جیل رکی رہیں۔ جب آمد و رفت بند ہو گئی اور شام پاچھا گیا تو یہ دونوں ابو بکر کو لے کر نکلیں۔ وہ ان پر ٹیک لگائے ہوتے تھے اور اس طرح انہوں نے ابو بکر کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا۔<sup>۶</sup>

محبت و جال پاری کے کچھ اور بھی نادر واقعات ہم اپنی اس کتاب میں موقع بہ موقع نقل کریں گے خصوصاً جنگ احمد کے واقعات اور حضرت خبیر بٹ کے حالات کے ضمن میں۔  
۳۔ احساسِ ذمہ داری۔ صاحابہ کرام جانتے تھے کہ یہ مشت خاک جسے انسان کہا جاتا ہے اس پر کتنی بھاری بھر کم اور زبردست ذمہ داریاں ہیں اور یہ کہ ان ذمہ داریوں سے کسی صورت میں گریز اور پہلوتی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس گریز کے جو نتائج ہوں گے وہ موجودہ ظلم و قسم سے زیادہ خوفناک اور ہلاکت آفریں ہوں گے۔ اور اس گریز کے بعد خود ان کو اور ساری انسانیت کو جو خسارہ لاحق ہو گا وہ اس قدر شدید ہو گا کہ اس ذمہ داری کے نتیجہ میں پیش آنے وال مشکلات اس خسارے کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

۴۔ آخرت پرایمان۔ جو نہ کورہ احساسِ ذمہ داری کی تقویت کا باعث تھا یہ حکایات کام اس بات پر غیر مترکذل یقین رکھتے تھے کہ انہیں رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونا ہے پھر ان کے چھوٹے بڑے اور معمولی وغیر معمولی ہر طرح کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو نعمتوں بھری دائمی جنت ہو گی یا عذاب سے بھر کتی ہوئی جہنم۔ اس یقین کا نتیجہ یہ تھا کہ صاحابہ کرام اپنی زندگی امید و یکم کی حالت میں گزارتے تھے، یعنی اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اس کے عذاب کا خوف بھی اور ان کی کیفیت وہی رہتی تھی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا أَتَوا وَقُلُوبُهُمْ وَرَجْلَهُمْ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَجِعونَ ○ (۶۰:۲۳)

”وَهُوَ كُلُّهُ كَرِتَهُ بِهِنْ دَلٌّ كَمَا خَوْفٌ كَمَا تَحْكُمَتِهِ هِنْ كَمَا نَهْيٌ اپنے رب کے پاس پڑ کر جانہ ہے۔“  
 انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ دُنیا اپنی ساری نعمتوں اور مصیبوں سے حیثیت آخرت کے مقابلہ پر محروم کے ایک پر کے برابر بھی نہیں اور یہ یقین اتنا پختہ تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی ساری مشکلات، مشقتیں اور تلخیاں ہیچ تھیں۔ اس لیے وہ ان مشکلات اور تلخیوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔  
 ۵۔ ان ہی پُر خطر مشکل ترین اور تیرہ دنار حالات میں ایسی سورتیں اور آئیں بھی نازل ہو رہی تھیں جن میں بڑے ٹھووس اور پُر کشش انداز سے اسلام کے بنیادی اصولوں پر دلائل و برائیں قائم کئے گئے تھے اور اس وقت اسلام کی دعوت انہی اصولوں کے گرد گردش کر رہی تھی۔  
 ان آیتوں میں اہل اسلام کو ایسے بنیادی امور بتائے جا رہے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے عالم انسانیت کے سب سے باعظمت اور پُر رونق معاشرے یعنی اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل مقدار کر رکھی تھی۔ نیزان آیات میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو پامردی و ثابت قدمی پر ابھارا جا رہا تھا، اس کے لیے شالیں دی جا رہی تھیں اور اس کی حکمتیں بیان کی جاتی تھیں۔

أَمَرَ حَسِيبَتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ  
 مَسْتَهُمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ  
 مَتَّىٰ نَصَرَ اللَّهُ أَلَا إِنَّ نَصَرَ اللَّهُ فَرِيقٌ ○ (۲۱۳:۲)

”تم سمجھتے ہو کر جنت میں پہنچے جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہنچے گزر چکے ہیں۔ وہ سختیوں اور بدحالیوں سے دوچار ہوتے اور انہیں جسم ہوڑ دیا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی جسنوں اللہ کی مدد قریب ہی ہے؟“  
 ﷺ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوُا أَنْ يَقُولُوا أَمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ وَلَقَدْ  
 فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَذَّابِينَ ○  
 ”آلم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہتے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزادی کی جائے گی حالانکہ ان سے پہنچے جو لوگ تھے ہم نے ان کی آزادی کی؛ لہذا ران کے بارے میں بھی) اللہ یہ ضرور معلوم کرے گا کہ کن لوگوں نے سچ کہا اور یہ بھی ضرور معلوم کرے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔“

اور انہی کے پہلو بہ پہلو ایسی آیات کا تزویل بھی ہو رہا تھا جن میں کفار و معاذین کے اعتراضات کے دن ان شکن جواب دیتے گئے تھے۔ ان کے لیے کوئی حلہ باقی نہیں چھوڑا گی تھا اور انہیں

بڑے واضح اور دو لوگ الفاظ میں تلا دیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی مگرا ہی اور عناد پر مصروف ہے تو اس کے نتائج کس قدر سنگین ہوں گے۔ اس کی دلیل میں گذشتہ قوموں کے ایسے واقعات اور تاریخی شواہد پیش کئے گئے تھے جن سے واضح ہوتا تھا کہ اللہ کی سنت اپنے اوپیار اور اعداد کے بارے میں کیا ہے۔ پھر اس ڈراوے کے پہلو بہ پہلو لطف و کرم کی باتیں بھی کہی جا رہی تھیں اور انہاں و تفہیم اور ارشاد و رہنمائی کا حق بھی ادا کیا جا رہا تھا تاکہ باز آنے والے اپنی کھلی مگرا ہی سے باز آ سکیں۔

درحقیقت قرآن مسلمانوں کو ایک دوسرا ہی دنیا کی سیر کرنا تھا اور انہیں کائنات کے مشاہد، ربوبیت کے جمال، الوہیت کے کمال، رحمت و رافت کے آثار اور لطف و رضا کے ایسے ایسے جلوٹے دکھاتا تھا کہ ان کے جذب و شوق کے آگے کوئی رکاوٹ برقدار ہی نہ رہ سکتی تھی۔

پھر انہیں آیات کی تھیں مسلمانوں سے ایسے ایسے خطاب بھی ہوتے تھے جن میں پروگار کی طرف سے رحمت و رضوان اور دائمی نعمتوں سے بھری ہوئی جنت کی بشارت ہوتی تھی اور ظالم و سرکش دشمنوں اور کافروں کے ان حالات کی تصویر کشی ہوتی تھی کہ وہ رب العالمین کی عدالت میں فیصلے کے لیے کھڑے کے جائیں گے۔ ان کی سچائیاں اوزنیکیاں ضبط کر لے جائیں گی اور انہیں پھر وہ کہتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا کہ وجہ تم کا لطف اٹھاؤ۔

۶۔ کامیابی کی بشارتیں۔ ان ساری باتوں کے علاوہ مسلمانوں کو اپنی مظلومیت کے پہلے ہی دن سے — بلکہ اس کے بھی پہلے سے — معلوم تھا کہ اسلام قبول کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دائمی مصالحت اور ہلاکت خیزیاں مولے لی گئیں بلکہ اسلامی دعوت روzi اول سے جاہلیت جہلماں اور اس کے ظالماں نے نظام کے خلائق کے عوام رکھتی ہے اور اس دعوت کا ایک اہم شانہ یہ بھی ہے کہ وہ روئے زمین پر اپنا اثر و نفوذ پھیلاتے اور دنیا کے سیاسی موقف پر اس طرح غالب آجائے کہ انسانی بحیثیت اور اقوام عالم کو اللہ کی رضی کی طرف لے جاسکے۔ اور انہیں بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کر سکے۔

قرآن مجید میں یہ بشارتیں — کبھی اشارۃ اور کبھی صراحةً — نازل ہوتی تھیں لہچنا پڑھ ایک

طرف حالات یہ تھے کہ مسلمانوں پر پوری روئے زمین اپنی ساری وسائل کے باوجود تنگ بنی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ اب وہ پنپ نہ سکیں گے بلکہ ان کا مکمل صفائیا کر دیا جائے گا مگر دوسری طرف ان ہی حوصلہ شکن حالات میں ایسی آیات کا نزول بھی ہوتا رہتا تھا جن میں پچھے اپنیار کے واقعات اور ان کی قوم کی تکذیب و کفر کی تفصیلات مذکور ہوتی تھیں اور ان آیات میں ان کا جو نقصہ کیا چکا جاتا تھا وہ بعینہ وہی ہوتا تھا جو کتنے کے مسلمانوں اور کافروں کے ما بین درپیش تھا؛ اس کے بعد یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ ان حالات کے نتیجے میں کس طرح کافروں اور ظالموں کو ہلاک کیا گیا اور اللہ کے نیک بندوں کو روئے زمین کا وارث بنایا گیا۔ اس طرح ان آیات میں واضح اشارہ ہوتا تھا کہ آگے چل کر اہل مکہ ناکام و نامراد رہیں گے اور مسلمان اور ان کی اسلامی دعوت کا میابی سے ہمکار ہو گی۔ پھر ان ہی حالات و آیام میں بعض ایسی بھی آیتیں نازل ہو جاتی تھیں جن میں صراحت کے ساتھ اہل ایمان کے غلبے کی بشارت موجود ہوتی تھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتَنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمُنْصُرُونَ ۝  
وَإِنَّ جُنَاحَنَا لَهُمُ الْغَلِبُونَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينَ ۝ وَأَبْصِرُهُمْ فَسَوْفَ يُبَصِّرُونَ ۝  
أَفَيُعِدُّ أَبْنَا يَسْتَهْلِكُونَ ۝ فَإِذَا نَزَّلَ بِسَاحِرِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۝ (۳۴: ۲۷-۲۸)

”اپنے فرستادہ بندوں کے لیے ہمارا پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ان کی ضرورت دو کی جائے گی اور یقیناً ہمارا ہی شکر غائب رہے گا، پس رکے نبی ﷺ ایک وقت تک کے لیے تم ان سے رُخ پھیر لے اور انہیں دیکھتے رہو عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی چا رہے ہیں توجہ وہ ان کے صحن میں اتر پڑے گا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بُری ہو جائے گی۔“

نیز ارشاد ہے۔

سَيْهَزْمُ الْجَمْعُ وَيُؤْلُونَ الدُّبُرَ ۝ (۵۲: ۲۵)

”عنقریب اس جمیعت کو شکست دے دی جائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھر کر جا گئیں گے؛“

جُنَاحٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝ (۳۸: ۲۷)

”یہ جنگوں میں سے ایک معمول ساجتھہ ہے جسے یہیں شکست دی جائے گی۔“

ہماری جیش کے بارے میں ارشاد ہموا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ  
وَلَا جُرْأٌ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ مُلَوْكَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (۱۹: ۳۱)

”جن لوگوں نے مظلومیت کے بعد اللہ کی راہ میں بھرت کی ہم انہیں یقیناً دنیا میں بہترین حکماء عطا کریں گے۔ اور آخرت کا اجر بہت ہی بڑا ہے اگر لوگ جانیں۔“

اسی طرح گفار نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ پوچھا تو جواب میں ضمناً یہ آئیت بھی نازل ہوئی۔

**لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَالْخَوَّاتِهِ أَيْتٌ لِّلشَّاكِلِينَ ۝ ۱۲۰**

”یوسف اور ان کے بھائیوں (سے) کے واقعے میں پوچھنے والوں کے لیے ثانیاں ہیں۔“

یعنی اہل مکہ جو آج حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ پوچھ رہے ہیں یہ خود بھی اسی طرح ناکام ہوں گے جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ناکام ہوتے تھے۔ اور ان کی پرانہ ازی کا وہی حال ہو گا جو ان کے بھائیوں کا ہوا تھا۔ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعے سے بھرت پکڑنی چاہئیے کہ ظالم کا حشر کیا ہوتا ہے۔ ایک جگہ پیغمبروں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

**وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَسْعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنَهْلِكُنَّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَنُشْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ هِسْرَةِ ذِلِّكَ لِمَنْ خَافَ مَقَاءِنِي وَخَافَ وَعِيدِهِ ۝ ۱۳/۱۲**

”گفار نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے ضرور نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملت میں واپس آجائو۔ اس پر ان کے رب نے ان کے پاس دعی بھی کہ ہم خالوں کو یقیناً ہلاک کر دیں گے۔ یہ ( وعدہ) ہے اس شخص کے لیے جو میرے پاس کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعدہ سے ڈرے۔“

اسی طرح جس وقت فارس و روم میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور گفار چاہتے تھے کہ فارسی غالب آجائیں کیونکہ فارسی مشرق تھے اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی غالب آجائیں، کیونکہ رومی بہر حال اللہ پر، پیغمبروں پر، دعی پر، آسمانی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کے دعویدار تھے، لیکن غلبہ فارسیوں کو حاصل ہوتا جا رہا تھا تو اس وقت اللہ نے پرخوبی نازل فرمائی کہ چند برس بعد رومی غالب آجائیں گے، لیکن اسی ایک بشارت پر اکتفا نہ کی بلکہ اس شہر میں یہ بشارت بھی نازل فرمائی کی رومیوں کے غلبے کے وقت اللہ تعالیٰ موسین کی بھی خاص مدد فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے؛ چنانچہ ارشاد ہے:

وَيَوْمَٰئِذٍ يَّقْرَءُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ ۝ (۵۱۳: ۳۰)

”یعنی اس دن اہل ایمان بھی اللہ کی (ایک ناص) مدد سے خوش ہو جائیں گے۔“

راور آگے چل کر اللہ کی یہ مدد جنگ بدر کے اندر حاصل ہونے والی عظیم کامیابی اور فتح کی شکل میں نازل ہوتی۔)

قرآن کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ بھی مسلمانوں کو وقتاً فوتاً اس طرح کی خوشخبری سنایا کرتے تھے، چنانچہ موسم حج میں آپ ﷺ عکاظ، مجنة اور ذوالحجہ کے بازاروں میں لوگوں کے اندر تبلیغ رسالت کے لیے تشریف لے جاتے تو صرف جنت ہی کی بشارت نہیں دیتے تھے بلکہ دو لوگ لفظوں میں اس کا بھی اعلان فرماتے تھے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تُفْلِحُوا وَتَمْلِكُوا بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِينُ  
لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ فَإِذَا مُهَاجِرُوكُنْدُ مُلُوكًا فِي الْجَنَّةِ۔

”وَگریا لا إلہ الا اللہ کبو، کامیاب رہو گے؛ اور اس کی بدولت عرب کے باادشاہ بن جاؤ گے اور اس کی وجہ سے جنم بھی تھارے زیر نگین آجائے گا پھر جب تم وفات پاؤ گے تو جنت کے اندر باادشاہ رہو گے۔“  
یہ واقعہ پحمدے صفات میں گذر چکا ہے کہ جب عقبہ بن ریزہ نے آپ ﷺ کو تابع دنیا کی پیشکش کر کے سو دے بازی کرنی چاہی اور آپ ﷺ نے جواب میں حتم تنزیل السجدہ کی آیات پڑھ کر سنائیں تو عقبہ کو یہ ترقی بندھ گئی کہ انہم کا رآپ غالب رہیں گے۔  
اسی طرح ابو طالب کے پاس آنے والے قریش کے آخری وفد سے آپ ﷺ کی چوگفتگو ہوتی تھی اس کی بھی تفصیلات گذر چکی ہیں۔ اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے پوری صراحة کے ساتھ فرمایا تھا کہ آپ ﷺ ان سے صرف ایک بات پاہستے ہیں جسے وہ مان لیں تو عرب ان کا تابع فرمان بن جائے اور جنم پران کی باادشاہت قائم ہو جائے۔

حضرت خباب بن ارث کا ارشاد ہے کہ ایک بار میں خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ آپ کعبہ کے ساتھ میں ایک چادر کو تکمیر نہیں کرتے تشریف فرماتھے۔ اس وقت ہم مشرکین کے ہاتھوں سختی سے دوچار تھے۔ میں نے کہا: ”کیوں نہ آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں؟“ یہ سن کر آپ ﷺ اٹھ چکے ہیں، آپ ﷺ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ تم سے پہنچتے ہیں، ان کی ہڈیوں تک گوشت اور اعصاب میں لہے

کی کنگھیاں کر دی جاتی تھیں لیکن یہ سختی بھی انہیں دین سے باز نہ رکھتی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اس امر کو یعنی دین کو مکمل کر کے رہتے گما یہاں تک کہ سوار صنعتاء سے خرموٹ تک جائیں گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ اب تک بکری پر بھیڑیے کا خوف ہو گا۔" یہ ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ — لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔ یاد رہے کہ یہ بشارتیں کچھ ڈھکی چھپی نہ تھیں۔ بلکہ معروف و مشہور تھیں۔ اور مسلمانوں ہی کی طرح کفار بھی ان سے واقف تھے، چنانچہ جب آنسو دبن مُطلب اور اس کے رفقاء صحابہ کرام کو دیکھتے تو طعنہ زنی کرتے ہوئے آپ میں کہتے کہ یہ جتنے آپ کے پاس رُوانے زمین کے بادشاہ آگئے ہیں۔ یہ جلد ہی شاہانِ قیصر و کسری کو منظوب کر لیں گے۔ اس کے بعد وہ یئیاں اور تایاں بجا تے یہ

بہر حال صحابہ کرام کے خلاف اس وقت ظلم و ستم اور مصائب و آلام کا جو ہمگیر طوفان برپا تھا اس کی حیثیت حمول جنت کی ان لقینی امیدوں اور تابناک و پُر وقار مستقبل کی ان بشارتوں کے مقابل اس بادل سے زیادہ نہ تھی جو ہوا کے ایک ہی جھلک سے بھر کر تخلیل ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ اہل ایمان کو ایمانی مرغوبات کے ذریعے سلسل روحاںی عقدا فراہم کر رہے تھے۔ تعلیم کتاب و حکمت کے ذریعے ان کے نفوس کا تذکیرہ فرمارہے تھے۔ نہایت دقیق اور گہری تربیت دے رہے تھے اور روح کی بلندی، قلب کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی ماذیات کے غلبے سے آزادی، شہوات کی مُقاومت اور رب السموات والا رض کی کشش کے مقامات کی جانب ان کے نفوس قدسیہ کی حدی خوانی فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ ان کے دلوں کی بحیثی ہوتی چنگاری کو بھر کتے ہوئے شعلوں میں تبدیل کر دیتے تھے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور زارِ ہدایت میں پہنچا رہے تھے۔ انہیں اذیتوں پر صبر کی تلقین فرماتے تھے اور شریفانہ درگزار اور غمینوں کی ہدایت دیتے تھے۔ اس کا نیچجہ یہ تھا کہ ان کی دینی شخصی فروں تر ہوتی گئی۔ اور وہ شہوات سے کنار کشی، رضاۓ الہی کی راہ میں جاں پساری، جنت کے شوق، علم کی حرص، دین کی سمجھنیں کے عما بے، جذبات کو دبانے رجحانات کو موڑنے، بیجانات کی لہروں پر قابو پانے اور صبر و سکون اور سعہ و وقار کی پایندگی کرنے میں انسانیت کا نادرۃ روزگار نہ نہیں گا۔

## بیرونِ کم و عوتِ اسلام

**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں** | شوال الحسنہ نبوت راؤ اختر منی یا اوائل جون ۱۹۴۷ء) میں نبی ﷺ طائف تشریف

لے گئے۔ یہ سکتے سے تقریباً سالہ میل دُور ہے۔ آپ ﷺ نے یہ مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ تھے۔ راستے میں حبس قبیلے سے گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی یہ دعوت قبول نہ کی۔ جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپ میں بھائی تھے اور جن کے نام یہ تھے: عبد یا ایل، مسعود اور جیب ان یعنیوں کے والد کا نام عمر و بن عمیر ثقیف تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اللہ کی اطاعت اور اسلام کی مدد کی دعوت دی۔ جواب میں ایک نے کہا کہ کوہ کجھے کا پردہ پھاڑے اگر اللہ نے تمہیں رسول بنیا ہوئے دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو تمہارے علاوہ کوئی اور نہ ٹالا ہے؟ تیسرا نے کہا: میں تم سے ہر گز بات نہ کروں گا۔ اگر تم واقعی پیغمبر ہو تو تمہاری بات رد کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم نے اللہ پر جھوٹ گھوڑ کھا ہے تو پھر مجھے تم سے بات کرنی ہی نہیں چاہیئے۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صرف اتنا فرمایا: تم لوگوں نے جو کچھ کیا کیا، بہر حال اسے پس پردہ ہی رکھنا۔

رسول اللہ ﷺ نے طائف میں دس دن قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ ان کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی۔ لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ بلکہ انہوں نے اپنے اوپا شوں کو شہ دے دی۔

لہ مولانا بیگ آبادی نے تاریخ اسلام ۱۲۲/۱ میں اس کی صراحت کی ہے اور یہی میرے ذمیک بھی راجح ہے۔ مگر یہ اردو کے اس مخادرے سے ملتا جلتا ہے کہ ”اگر تم پیغمبر ہو تو اللہ مجھے خارت کرے۔“ مقصود اس یقین کا انہار ہے کہ تمہارا پیغمبر ہونا ناممکن ہے جیسے کبھی کے پردے پر دست درازی کرنا ناممکن ہے۔

چنانچہ جب آپ ﷺ نے والپی کا قصد فرمایا تو یہ اوہ باش گایاں دیتے ہیں ایسا پسندیتے اور شور مچلتے آپ ﷺ کے پیچے لگ گئے، اور دیکھتے دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ آپ ﷺ کے راستے کے دونوں جانب لائیں گئیں۔ پھر گایوں اور بذریانیوں کے ساتھ ساتھ پھر بھی پڑنے لگے جس سے آپ ﷺ کی ایڈی پر اتنے زخم آئے کہ دونوں جو تے خون میں تربت ہو گئے۔ اور حضرت زید بن حارثہ ڈھال بن کر چلتے ہوئے پھر وہ کو روک رہے تھے جس سے ان کے سر میں کئی جگہ چوت آئی۔ بد معاشوں نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ کو عتبہ اور شنیبہ اتنا نے ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ یافتے پر عبور کر دیا۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب آپ ﷺ نے یہاں پناہ لی تو بھیرد والپیں چل گئی اور آپ ﷺ ایک دیوار سے دیکھ لگا کر انگور کی بیل کے ساتے میں پیٹھ گئے۔ قدرے اطمینان ہوا تو دعا فرمائی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے۔ اُس دعا کے ایک ایک فقرت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ طائف میں اس بدنلوکی سے دوچار ہونے کے بعد اور کسی ایک بھی شخص کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ ﷺ کس قدر دل فکار نہیں اور آپ ﷺ کے احساسات پر عزان والم اور غنم و افسوس کا بھل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی، ولا حول ولا قوۃ الا بك۔

اللهم إلیک اشکو ضعف قوی وقلة حیلی وھواف علی الناس  
یا ارحم الراحیمین ، انت رب المستضعفين وانت ربی ، الی من تکلفی ؟ الی  
بعید یتجھمنی ام الی عَذْق ملکته امری ؟ ان لم يكن بك على غضب فلا  
ابالی ، ولكن عافیتك هي اوسع لي ، اعوذ بنور وجهك الذي اشرقت  
له الظیات وصلح عليه امر الدنيا والآخرة من ان تنزل بي غضبك او  
یحل على سخطك لك العتبی حتى ترضی ، ولا حول ولا قوۃ الا بك .

”بار الہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحیمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیکانے کے جو یہ ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی ڈھن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنادیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پردہ نہیں؛ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے میں تیرے چھرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست

ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر دارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جاتے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔“

ادھر آپ ﷺ کو اپنے ربعہ نے اس حالتِ زار میں دیکھا تو ان کے جذبہ قرابت میں حرکت پیدا ہوتی اور انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو جس کا نام عَدَسٌ تھا بلکہ کہا کہ اس انگور سے ایک گچھا لو۔ اور اس شخص کو دے آؤ۔ جب اس نے انگور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر ما تھب طھایا اور کھانا شروع کیا۔

عداس نے کہہ یہ جملہ تو اس علاقے کے لوگ نہیں بولتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا! تم مرد صالح یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو؟ اُس نے کہا، آپ ﷺ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی تھے۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سُن کر عَدَسٌ رسول اللہ ﷺ پر جھک پڑا اور آپ ﷺ کے سرادر ما تھب پاؤں کو بوسرہ دیا۔

یہ دیکھ کر ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے اپس میں کھالو، اب اس شخص نے ہمارے غلام کو پہکڑ دیا۔ اس کے بعد جب عَدَسٌ و اپس گیا تو دونوں نے اس سے کہا: اجی! یہ کیا معاملہ تھا؟ اُس نے کہا میرے آقا اردوئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی اور نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان دونوں نے کہا: دیکھو عَدَسٌ کہیں یہ شخص تھیں تمہارے دین سے پھریزے دے۔ کیونکہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔

قدرتے سخھر کر رسول اللہ ﷺ باغ سے نکلے تو نکتے کی راہ پر چل پڑے۔ غم و الم کی شدت سے طبیعتِ مذھال اور دل پاش پاکش تھا۔ قرآن ماذل پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ وہ آپ ﷺ سے یہ گزارش کرنے آیا تھا کہ آپ ﷺ حکم دیں تو وہ اہل کذ کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالے۔ اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے دریافت کی کہ کیا آپ ﷺ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو اُمُّہ کے دن سے زیادہ سنگین رہا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں!

تمہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں گھٹائی کے دن دو چار ہوا، جب میں نے اپنے آپ کو عبیدِ یا میل بن عبیدِ گلال کے صاحبزادے پر ہٹلیا کیا۔ مگر اس نے میری بات منتظر نہ کی تو میں غم والم سے مٹھاں اپنے رُخ پر چل پڑا اور مجھے قرآن تعالیٰ پہنچ کر ہی افاقہ ہوا۔ وہاں میں نے سراٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ریک مکروہ مجھ پر سایہ نگلن ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے پہکار کر کہا ہے آپ ﷺ کی قوم نے آپ سے جو بات کہی اللہ نے اُسے سُن لیا ہے۔ اب اس نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ان کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: اے محمد ﷺ! بات یہی ہے۔ اب آپ ﷺ جو چاہیں ... .... اگر چاہیں کہ میں انہیں دوپہاڑوں کے درمیان کچل دوں — تو ایسا ہی ہو گا — نبی ﷺ نے فرمایا (انہیں بلکہ مجھے ایمد ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شرکیت نہ ٹھہرائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس جواب میں آپ کی یکانہ روز گھار شخصیت اور ناقابل اور اک گھبرا رکھنے والے اخلاق عظیمہ کے جلوے دیکھ جاسکتے ہیں۔ بہر حال اب سات آسمانوں کے اوپر سے آئے والی اس غنیبی مدد کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا اور غم والم کے بادل چھٹ گئے چنانچہ آپ ﷺ نے نکتے کی راہ پر مزید کوئی قدمی فرمائی اور وادی نخلہ میں جا فرد کش ہوئے۔ یہاں دو چہیں قیام کے لائق ہیں۔ ایک اسیل الکبیر اور دوسرے زیمہ کیونکہ دونوں ہی جگہ پانی اور شادابی موجود ہے لیکن کسی ماغذے سے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کس جگہ قیام فرمایا تھا۔

وادی نخلہ میں آپ ﷺ کا قیام چند دن رہا۔ اس دورانِ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس جتوں کی ایک جماعت بھیجی جس کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک

۱۔ اس موقع پر صحیح بخاری میں لفظ اخشین استعمال کیا گیا ہے جو کہ کے دو مشہور پہاڑوں ابو قثیس اور قیقمان پر بولا جاتا ہے۔ یہ دو نوں پہاڑ اعلیٰ الترتیب قم کے جنوب و شمال میں آئندے سامنے واقع ہیں۔ اس وقت نکتے کی عام آبادی ان ہی دوپہاڑوں کے بیچ میں تھی۔

۲۔ مسیح بخاری کتاب پر الخلق ۱/۸۵ مسلم باب المثلی ایسی ایشی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین ۱۰۹/۲

سورة الاحقاف میں، دوسرے سورہ جن میں، سورہ الاحقاف کی آیات یہ ہیں:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يُسَمِّعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا  
أَنْصُتُوْا فَلَمَّا فُضِّلَ وَلَوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ○ قَالُوا يَقُولُونَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا  
أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّدًا فَالِّيَّا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ○  
يَقُولُونَا أَجِبْنُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرُ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَجُنُوحُكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ○  
(۳۱-۲۹: ۴۶)

”اور جب کہ ہم نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھر اکر دہ قرآن نہیں توجہ دہ رہا تو اس کی طرف  
کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اپس میں کہا کہ چُپ ہو جاؤ ہے پھر جب اس کی تلاوت پوری کی جا چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف  
عذابِ الہی سے ڈرانے والے بن کر پڑے۔ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سُنی ہے جو موسیٰؑ  
کے بعد نازل کی گئی ہے۔ اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے حتیٰ اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے  
اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات ان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تھارے گناہ خیش دے گا  
اور تمہیں دروناک عذاب سے بچائے گا۔“

سورة جن کی آیات یہ ہیں:-

فُلُّ أُوْحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ أَسْمَعَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا فُرَانًا عَجَبًا○  
يَهْدِي إِلَيَّ الرُّشْدِ فَأَمَّنَا بِهِ وَلَكِنْ شَرِيكَ بِرِسْتَنَا أَحَدًا ○ (۲۱: ۴۲)

”آپ کہہ دیں: میری طرف یہ وہی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سُننا، اور باہم  
کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن منا ہے۔ جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور  
ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کر سکتے۔“ (رپورٹ ہوی آیت میں)

یہ آیات جو اس واقعے کے بیان کے سلسلے میں نازل ہوتیں ان کے سیاق و سبق سے  
معلوم ہوتا ہے کہ بنی یهودیت کو ابتداء جنوں کی اس جماعت کی آمد کا علم نہ ہو سکا تھا بلکہ  
جب ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تب  
آپ واقف ہو سکے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی یہ آمد پہلی بار ہوئی تھی اور احادیث سے  
پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد ان کی آمد و رفت ہوتی رہی۔

جنوں کی آمد اور قبولِ اسلام کا واقعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسری مدد  
تھی جو اس نے اپنے غیبِ مکون کے خزانے سے اپنے اس شکر کے ذریعے فرمائی تھی جس کا

علم اللہ کے سو اکسی کوہ نہیں پھر اس واقعے کے تعلق سے جو آیات نازل ہوئیں ان کے بیچ میں نبی ﷺ کی دعوت کی کامیابی کی بشارتیں بھی ہیں اور اس بات کی وضاحت بھی کر کائنات کی کوئی بھی طاقت اس دعوت کی کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَنْ لَا يُحِبُّ دَارِعَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ  
أَوْلِيَاءٌ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (۲۲:۴۶)

”جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے وہ زین میں راہ اللہ کو بیٹھانے سے بیس نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا اس کا کوئی کار ساز ہے بھی نہیں اور ایسے لوگ کھلی ہوئی مگر ابھی میں ہیں۔“  
 ﷺ وَأَنَا ظَنَّا أَنْ لَنْ نَعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نَعْجِزَهُ هَرَبَّا ○ (۱۲:۴۲)  
 ”ہماری سمجھ میں آگیا ہے کہ ہم اللہ کو زین میں سے بیس نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر ہی اسے رپکڑنے سے عاجز کر سکتے ہیں۔“

اس نصرت اور ان بشارتوں کے سامنے خم و الام اور حزن و مایوسی کے وہ سارے باطل چھٹ گئے جو طائف سے نکلتے وقت گا یا اوت یا سننے اور پتھر کھانے کی وجہ سے آپ ﷺ پر چھائے تھے۔ آپ ﷺ نے عزم مصمم فرمایا کہ اب تک پڑنا ہے اور نئے مرے سے دعوتِ اسلام اور تبلیغ رسالت کے کام میں حصہ اور گرجوشی کے ساتھ لگ جانا ہے یہی موقع تھا جب حضرت زید بن حارثہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ تکریکے جائیں گے جبکہ وہاں کے باشندوں یعنی قریش نے آپ ﷺ کو نکال دیا ہے؟ اور جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور بنجات کی کوئی راہ ضرور بناتے گا۔ اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا۔ اور اپنے نبی کو غالب فرمائے گا۔“

آخر رسول اللہ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے اور سکتے کے قریب پہنچ کر کوہ حرا کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر خزانہ کے ایک آدمی کے ذریعے اخنس بن شریعت کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دے دے گر اخنس نے یہ کہہ کر منذرہ کر لی کہ میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سہیل بن عمر و کعب کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی یہ کہہ کر منذرہ کر لی کہ بنی عامر کی دی ہوئی پناہ بنو کعب پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے رعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم نے کہا: ہاں اور پھر بتھیا رپہن کر پانے

بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا تم لوگ ہتھیار باندھ کر خانہ کعبہ کے گوشوں پر جمع ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد مطعم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ لگئے کے اندر آ جائیں۔ آپ ﷺ پیغام پانے کے بعد حضرت زید بن حارثہ کو ہمراہ کر کر تشریف لاتے، اور مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد مطعم بن عدی نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ قریش کے لوگوں میں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے۔ اب اسے کوئی نہ چھیڑے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ سیدھے چڑرا سود کے پاس پہنچے اسے چھوٹا۔ پھر درکعت نماز پڑھی اور اپنے گھر کو پلٹ آتے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور ان کے رکوں نے ہتھیار بند ہو کر آپ ﷺ کے ارد گرد حلقة باندھے رکھتا آنکہ آپ ﷺ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر ابو جہل نے مطعم سے پوچھا تھا کہ تم نے پناہ دی ہے یا پیروکار مسلمان۔ بن گئے ہو؟ اور مطعم نے جواب دیا تھا کہ پناہ دی ہے اور اس جواب کو سن کر ابو جہل نے کہا تھا کہ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ اللہ

رسول اللہ ﷺ نے مطعم بن عدی کے اس حُسْنِ سلوک کو کبھی فراموش نہ فرمایا۔ چنانچہ بذریعہ جب گفارنگ کی ایک بڑی تعداد قید ہو کر آئی۔ اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لیے حضرت جعییر بن مطعم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ نے فرمایا،

لَوْكَانَ الْمَطْعَمَ بْنَ عَدَى حِيَاشَمَ كَلْمَنْتَى فِي هَوْلَادَ النَّعْنَى لِتَرْكِتَهُمْ لَهُ كَمْ  
”اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر مجھ سے ان پر بودار لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر  
ان سب کو چھوڑ دیتا۔“



تہ سفر طائف کے واقعے کی تفصیلات ابن ہشام ۱/۱۹ تا ۲۲، زاد المعاد ۲/۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰ مختصر السیرۃ لیشیخ عبد اللہ ص ۱۳۲ ارجمند للعالمین ۱/۱، تابعہ تاریخ اسلام تحریک بادی ۱/۱۲۳، ۱۲۴۔ اور معروف و معتبر کتب تغیریں جمع کی گئی ہیں۔

## قبائل اور افراد کو اسلام کی دعویٰ

ذی قعدہ شنسہ نبوت (ادا خرجن یا اوائل جولائی ۱۹۷۴ء) میں رسول اللہ ﷺ طائف سے بکر تشریف لاتے، اور یہاں افراد اور قبائل کو پھر سے اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ چونکہ موسم حج قریب تھا اس لیے فریضۃ حج کی ادائیگی کے لیے دُور و نزدیک ہر جگہ سے پیدل اور سواروں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقعے کو غنیمت سمجھا۔ اور ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دی جیسا کہ نبوت کے چوتھے سال سے آپ ﷺ کا مஸول تھا۔

**وہ قبائل جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی** | امام زہری فرماتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ ان میں سے حسب ذیل قبیلوں کے نام ہمیں بتائے گئے ہیں۔

بنو عامر بن حفصہ، مُحَارِبَتْ بْنَ حَصْفَةَ، فَرَازَة، غَثَان، مَرَه، حَنِيفَةُ، سُلَيْمَ، عَبِيس، بَنُو نَصَر، بَنُو الْبَكَارَ، كَلْب، حَارِثَ بْنَ كَعْبَ، عَذَرَه، حَضَارَه، لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ لے

واضح رہے کہ امام زہری کے ذکر کردہ ان سارے قبائل پر ایک ہی سال یا ایک ہی موسم حج میں اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ نبوت کے چوتھے سال سے بھرت سے پہلے کے آخری موسم حج تک دس سالہ نہادت کے دوران پر اسلام کی پیشی اور ان کے جواب کی کیفیت کا بھی ذکر کیا ہے۔

ابن اسحاق نے بعض قبائل پر اسلام کی پیشی اور ان کے جواب کی کیفیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ذیل میں مختصرًا ان کا بیان نقل کیا جا رہا ہے:

۱۔ بنو کلب - بنی قلباں ﷺ اس قبیلے کی ایک شاخ بنو عبد اللہ کے پاس تشریف لے

گئے۔ انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ باتوں باتوں میں یہ بھی فرمایا کہ اے بنو عبد اللہ! اللہ نے تمہارے جدرا علی کا نام بہت اچھا رکھا تھا، لیکن اس قبیلے نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔

۲۔ **بِسْتُو حَمْيِفِرْ**۔ آپ ﷺ ان کے ڈیرے پر تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا، لیکن ان جیسا برا جواب اہل عرب میں سے کسی نے بھی نہ دیا۔

۳۔ **عَامِرِبْنِ صَعْصَعَهْ**۔ انہیں بھی آپ ﷺ نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ جواب میں ان کے ایک آدمی، حُجَّرہ بن فراس نے کہا: "خدا کی قسم اگر میں قریش کے اس جوان کو لے لوں تو اس کے ذریعے پورے عرب کو کھا جاؤں گا۔" پھر اس نے دریافت کیا کہ اچھا یہ بتائیتے: "اگر ہم آپ ﷺ سے آپ کے اس درن پر بھیت کر لیں پھر اللہ آپ کو مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو کیا آپ کے بعد زمام کا رہمارے ہاتھیں ہوگی؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "زمام کا رہ تو اللہ کے ہاتھیں ہے، وہ جہاں چاہے گا۔" اس پر اس شخص نے کہا: خوب! آپ ﷺ کی حفاظت میں تو ہمارا سینہ اہل عرب کے نشانے پر رہے، لیکن جب اللہ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے تو زمام کا رکسی اور کے ہاتھیں ہو۔ ہمیں آپ ﷺ کے دین کی ضرورت نہیں۔" عرض انہوں نے انکار کر دیا۔

اس کے بعد جب قبیلہ بنو عامر اپنے علاقے میں واپس گیا تو اپنے ایک بوڑھے آدمی کو جو کہ بسنی کے باعث حج میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ سارا ما جراستیا اور بتایا کہ ہمارے پاس قبیلہ قریش کے خاندان بنو عبد المطلب کا ایک جوان آیا تھا جس کا خیال تھا کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کی حفاظت کریں؛ اس کا ساتھ دیں اور اپنے علاقے میں لے آئیں۔ یہ مئن کر اس ٹڑھے نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور بولا: "اے بنو عامر! کیا اب اس کی تلافی کی کوئی سیل ہے؟ اور کیا اس ازدست رفتہ کو ڈھونڈھا جا سکتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھیں فلاں کی جان ہے کسی اسماعیل نے کبھی اس (رُبُوت) کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔

یقیناً حق ہے۔ آخر تھاری عقل کہاں حل گئی تھی؟<sup>۳</sup>

ایمان کی شعاعیں کے سے باہر جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قبائل اور اشخاص کو بھی اسلام کی دعوت دی اور بعض نے اچھا جواب بھی دیا۔ پھر اس موسم حج کے کچھ ہی عرصے بعد کئی افراد نے اسلام قبول کیا۔ ذیل میں ان کی ایک مختصر رواداد پیش کی جا رہی ہے۔

۱۔ سُوَيْدُ بْنُ صَامِتٍ - یہ شاعر تھے۔ گھری سو جھ بوجھ کے حامل اور یثرب کے باشندے، ان کی پنچھی، شرگوئی اور شرف و نسب کی وجہ سے ان کی قوم نے انہیں کامل کا خطاب دے رکھا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ کہنے لگے: ”غَابَآآپ کے پاس جو کچھ ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا میرے پاس ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تھارے پاس کیا ہے؟“ سُوَيْدُ نے کہا: ”حکمتِ لقمان۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پیش کرو۔“ انہوں نے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کلام یقیناً اچھا ہے۔“ لیکن میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے، وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ وہ ہدایت اور فور ہے۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور بولے: ”یہ توبہست، ہی اچھا کلام ہے۔“ اس کے بعد وہ مدینہ پلٹ کر آتے ہی تھے کہ جنگ بیانث چھڑ گئی اور اسی میں قتل کر دئے گئے۔ انہوں نے سالہ نبوی کے آغاز میں اسلام قبول کیا تھا۔<sup>۴</sup>

۲۔ ایاس بن معاذ - یہ بھی یثرب کے باشندے تھے اور نو خیز جوان۔ سالہ ثبوت میں جنگ بیانث سے کچھ پہلے اُس کا ایک دفعہ خُرُج کے خلاف قریش سے حلف و تعاون کی تلاش میں مکہ آیا تھا۔ آپ بھی اسی کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت یثرب میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان عداوت کی آگل بھڑک رہی تھی اور اُس کی تعداد خُرُج سے کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو وفد کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے درمیان بیٹھ کر یوں خطاب فرمایا: ”آپ لوگ جس مقصود کے لیے تشریف لائے ہیں کیا اس

سے بہتر چیز قبول کر سکتے ہیں؟ ان سب نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے اپنے بنزوں کے پاس اس بات کی دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اللہ نے مجھ پر کتاب بھی اتاری ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسلام کا ذکر کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔

ایاس بن معاذ بولے: اے خدا کی قسم اس سے بہتر ہے جس کے لیے آپ لوگ بہاں تشریف لائے ہیں۔ لیکن وفد کے ایک رکن ابو الحیرا نس بن رافع نے ایک مٹھی مشی اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماری اور بولا: "یہ بات چھوڑو! امیری عمر کی قسم! یہاں ہم اس کے بجائے دوسرے ہی مقصد سے آئے ہیں۔" ایاس نے خاموشی اختیار کر لی اور رسول اللہ ﷺ بھی اٹھ گئے۔ وفد قریش کے ساتھ حلف و تعاون کا معاہدہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یوں ہی ناکام مدینہ والوں ہو گیا۔

مدینہ پلٹے کے تھوڑے ہی دن بعد ایاس انتقال کر گئے۔ وہ اپنی وفات کے وقت ہمیں و مکبیراً و رحمد و نیمع کر رہے تھے اس لیے لوگوں کو یقین ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوتی۔ نہ ۳۔ ابوذر غفاری - یہ یثرب کے اطراف میں سکونت پذیر تھے۔ جب سوید بن صلت اور ایاس بن معاذ کے ذریعے یثرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو یہ خبر ابوذر رضی اللہ عنہ کے کان سے بھی ٹکرائی اور یہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل سے مردی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں قبیلہ غفار کا ایک آدمی تھا۔ مجھے مسلم ہوا کہ ملے میں ایک آدمی نوادر ہوا ہے جو اپنے آپ کرنی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: تم اس آدمی کے پاس جاؤ اس سے بات کرو اور میرے پاس اس کی خبر لاؤ۔ وہ گیا، ملاقات کی، اور واپس آیا۔ میں نے پوچھا: کیا خبر لائے ہو؟ بولا: خدا کی قسم میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جو بھائی کا حکم دیتا ہے، اور بُرا تھا۔ میں نے کہا: تم نے تشفی بخش خبر نہیں دی۔ آخر میں نے خود تو شہدان اور ڈنڈا اٹھایا اور نکل کے لیے پل پڑا۔ ردال پنج تھی، لیکن آپ ﷺ کو پہچانتا نہ تھا اور یہ

بھی گوارا نہ تھا کہ آپ کے متعلق کسی سے پوچھوں۔ چنانچہ میں زمزم کا پانی پیتا اور مسجد حرام میں پڑا رہتا۔ آخر میرے پاس سے علیؑ کا گذر ہوا۔ کہتے گے: آدمی اجنبی معلوم ہوتے ہو! میں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو گھر چلو۔ میں ان کے ساتھ پڑا۔ ندوہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے ذمیں ان سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نہ انہیں کچھ بتا ہی رہا تھا۔

صحیح ہوئی تو میں اس ارادے سے پھر مسجد حرام گیا کہ آپ ﷺ کے متعلق دریافت کروں۔

یکن کوئی نہ تھا جو مجھے آپ ﷺ کے متعلق کچھ بتاتا۔ آخر میرے پاس سے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ گزرے (دیکھ کر) بولے: اس آدمی کو ابھی اپنا لٹکا نہ معلوم نہ ہو سکا؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو میرے ساتھ چلو۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اچھا تمہارا معاملہ کیا ہے؟ اور تم کیوں اس شہر میں آئے ہو؟ میں نے کہا: آپ رازداری سے کام لیں تو بتاؤ۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک آدمی نوادر ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کر وہ بات کر کے آئے۔ مگر اس نے پلٹ کر کوئی تشنیخ نہ شروع کیا۔ اس نے سوچا کہ خود ہی ملاقات کر لوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بھئی تم صحیح جگہ پہنچے۔ دیکھو میرا رخ انہیں کی طرف ہے۔ جہاں میں گھسوں والیں تم بھی گھس جانا۔ اور ہاں اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے تمہارے لیے خطرہ ہے تو دیوار کی طرف اس طرح جا رہوں گا کویا اپنا جو تا ٹھیک کر رہا ہوں۔ یکن تم راستہ چلتے رہتا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ روشنہ ہوتے اور میں بھی ساتھ ساتھ پڑا۔ یہاں تک کہ وہ اندر داخل ہوتے اور میں بھی ان کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس جادا خل ہوا اور عرض پرداز ہوا کہ آپ ﷺ مجھ پر اسلام پیش کریں۔ آپ ﷺ نے اسلام پیش فرمایا۔ اور میں وہیں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! اس معاملے کو پس پردہ رکھو۔ اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ جب ہمارے ظہور کی خبر ٹلتے تو آ جانا۔ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مسحوت فرمایا ہے میں تو ان کے درمیان بیناگ دہل اس کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد میں مسجد حرام آیا۔ قریش موجود تھے۔ میں نے کہا: قریش کے لوگو!

ا شهـدـاـنـ لـاـ الـلـهـ اـلـاـ اللـهـ وـ اـشـهـدـاـنـ حـمـدـاـ عـبـدـاـ وـ رـسـوـلـهـ

”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی مسیود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ

صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

لوگوں نے کہا: اٹھو۔ اس بے دین کی خبر لو، لوگ اُٹھ پڑے۔ اور مجھے استقدار مارا گیا کہ مر جاؤ۔ یکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے آپ چایا۔ انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا۔ پھر قریش کی طرف پلت کر جوئے، تمہاری بربادی ہو۔ تم لوگ غفار کے ایک آدمی کو مارے فے رہے ہو؛ حالانکہ تمہاری تجارت گاہ اور گذرگاہ غفار ہی سے ہو کر جاتی ہے! اس پر لوگ مجھے چھوڑ کر ہٹ گئے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو میں پھر دیں گی۔ اور جو کچھ کل کہا تھا آج پھر کہا۔ اور لوگوں نے پھر کہا کہ اٹھواں یے دین کی خبر لو۔ اس کے بعد پھر میرے ساتھ ہی ہوا جو کل ہو چکا تھا اور آج بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے مجھے آپ چایا۔ وہ مجھ پر جھک کے پھر دیسی ہی بات کہی جیسی کل کہی تھی ہے۔

**۳۔ طفیل بن عمرو و دوستی** - یہ شریف انسان شاعر، سوجھ بوجھ کے مالک اور قبیلہ دوس کے سردار تھے۔ ان کے قبیلے کو بعض نواحی میں میں امارت یا تقریباً امارت حاصل تھی۔ وہ نبوت کے گیارہویں سال مکہ تشریف لائے تو ماں پہنچنے سے پہلے ہی اہل مکہ نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام سے پیش آئے۔ پھر ان سے عرض پرداز ہوئے کہ اے طفیل! آپ ہمارے شہر تشریف لائے ہیں اور یہ شخص جو ہمارے دریان ہے اس نے ہمیں سخت پیچیدگی میں پھنسا رکھا ہے۔ ہماری جمیعت بکھیردی ہے اور ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اس کی بات جادو کا سا اثر رکھتی ہے کہ آدمی اور اس کے باپ کے دریان آدمی اور اس کے بھائی کے دریان اور آدمی اور اس کی بیوی کے دریان تفرقہ ڈال دیتی ہے۔ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ جس افادے سے ہم دو چار ہیں کہیں وہ آپ پر اور آپ کی قوم پر بھی نہ آں پڑے، لہذا آپ اس سے ہرگز گفتگونہ کریں اور اس کی کوئی چیز نہ سنیں۔

حضرت طفیل کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ مجھے برابر اسی طرح کی باتیں سمجھاتے رہتے یہاں تک کہ میں نے تہییہ کر لیا کہ نہ آپ کی کوئی چیز سنوں گا ز آپ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کروں گا؛ حتیٰ کہ جب میں صبح کو مسجد عرام گی تو کان میں روئی مٹھنیں رکھی تھی کہ مبادا آپ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات میرے کان میں پڑ جاتے، یکن اللہ کو منظور تھا کہ آپ کی بعض باتیں مجھے سُنا ہی دے۔ چنانچہ میں نے بڑا عمدہ کلام سُنا۔ پھر میں نے اپنے بھی میں کہا: ہاتے مجھ پر میری ماں کی آہ و فخار! میں تو بخدا، ایک سوجھ

بوجھ رکھنے والا شاعر آدمی ہوں، مجھ پر بھلا برا چھپا نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں؟ اگر اچھی ہوئی تو قبول کر لوں گا۔ بُری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ یہ سوچ کر میں رُک گی اور جب آپ گھر پہنچتے تو میں بھی یہ سچے ہوں گا۔ آپ ﷺ اندر داخل ہوتے تو میں بھی داخل ہو گی اور آپ کو اپنی آمد کا واقعہ اور لوگوں کے خوف دلانے کی کیفیت، پھر کان میں روئی کھونے اور اس کے باوجود آپ کی بعض باتیں سن لینے کی تفصیلات بتاتیں، پھر عرض کیا کہ آپ اپنی بات پیش کیجئے۔ آپ ﷺ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ خدا گواہ ہے: میں نے اس سے عده قول اور اس سے زیادہ انصاف کی بات کبھی دُسُنی تھی؛ چنانچہ میں نے دیں اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے۔ میں ان کے پاس پلٹ کر جاؤں گا اور انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ لہذا آپ ﷺ اللہ سے دُعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشان دے دے۔ آپ ﷺ نے دُعا فرمائی۔

حضرت طفیل کو جو نشانی عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے پر چراغ جیسی روشنی پیدا کر دی۔ انہوں نے کہا: یا اللہ چہرے کے بجائے کسی اور جگہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسے مژہ کہیں گے۔ چنانچہ یہ روشنی ان کے ڈنڈے میں پلٹ گئی۔ پھر انہوں نے اپنے والد اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی اور وہ دونوں مسلمان ہو گئے؛ لیکن قوم نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی۔ مگر حضرت طفیلؓ بھی مسلکوشاں رہے۔ حتیٰ کہ عز و اہم خندق کے بعد جب انہوں نے ہجرت فرمائی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے شریا اسٹی خاندان تھے۔ حضرت طفیلؓ نے اسلام میں بڑے اہم کارناٹے انجام دے کر یا مر کی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ نہ

۵۔ حِمَادُ أَذْدِي - یہ میں کے باشندے اور قبیلہ آذُوذُنُوہ کے ایک فرد تھے۔ جہاڑ پھونک کرنا اور آسیب اتارنا ان کا کام تھا۔ مگر آئئے تو وہاں کے احمدتوں سے ناکفر ﷺ پاگل ہیں۔ سوچا کیوں نہ اس شخص کے پاس چلوں ہو سکتا ہے اللہ میرے ہی باتخوں سے اسے شنا دے دے؟ چنانچہ آپ سے ملاقات کی، اور کہا: اے محمد ﷺ! امیں آسیب اتارنے کے لیے

۶۔ بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کیونکہ جب وہ مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ خبر میں تھے۔

دیکھئے ابن ہشام ۱/۳۸۵

نہ ابین ہشام ۱/۱۸۲، ۱۸۵ - رحمۃ للعالمین ۱/۸۱، ۸۲ - مختصر السیرہ لیشیع عبد اللہ ص ۱۴۴

جھاؤ پھونک کیا کرتا ہوں، کیا آپ ﷺ کو بھی اس کی ضرورت ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

ان الحمد لله نحمدہ و نستعینہ من يهدہ اللہ فلا مضل له  
و من يضلله فلا هادی له، و اشهد ان لا اله الا اللہ وحده  
لا شريك له و اشهد ان محمدًا عبدہ و رسوله، اما بعد :

”یقیناً ساری تعریف اللہ کے یہے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔“  
جسے اللہ مدعاۃ دے دے اسے کوئی گراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے اللہ بھنگا دے اُسے کوئی مدد نہیں دے سکتا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی مسجد نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد :

ضمادتے کہا ذرا اپنے یہ کلمات مجھے پھر سنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے تین بار وہ رایا۔ اس کے بعد ضماد نے کہا، میں کا ہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے آپ ﷺ کا ان جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سند رک اتحاہ گھرائی کو پہنچنے ہوئے ہیں۔ لایتے اپنا اتحاہ بڑھایتے! آپ ﷺ سے اسلام پر بعیت کروں، اور اس کے بعد انہوں نے بعیت کر لی۔ اللہ

**شیرب کی چھ سعادت مندر و حسین** | گیارہوں سن بیوت کے موسم حج (حوالی ۶۳۰ھ)

میں اسلامی دعوت کو چند کار آمد زیج دستیاب ہوئے۔ جو دیکھتے دیکھتے سر و قامت درختوں میں تبدیل ہو گئے۔ اور ان کی لطیف اور گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر مسلمانوں نے بر سون ظلم و ستم کی تپش سے راحت و نجات پائی۔

اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو جشنلانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا جو پیرا اٹھا رکھا تھا اس کے تیس نبی ﷺ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ آپ رات کی تاریکی میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تاکہ کئے کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

اسی حکمتِ عملی کے مطابق ایک رات آپ ﷺ خرست ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر باہر نکلے۔ بنو قریش بن شعبہ کے ڈیروں سے گزرے تو ان سے اسلام کے بارے میں بات چیت کی۔ انہوں نے جواب تو بڑا امید افزادیا لیکن اسلام

قبول کرنے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کیا۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور بنو ذہل کے ایک آدمی کے درمیان سلسہ نسب کے تعلق بڑا دلچسپ سوال و جواب بھی ہگوا۔ دونوں ہی ماہر انساب تھے۔ ۲۳

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی کتابت میں کل گھاٹ سے گزرے تو کچھ لوگوں کو باہم گفتگو کرتے نہ ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ہے ان کا رخ کیا اور ان کے پاس جا پہنچے۔ یہ شریف کے چھ جوان تھے اور سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ نام یہ ہیں،

(۱) اَسْعَدُ بْنُ زَرَّاَه (قبیلہ بنی الجثیر)

(۲) عُوفُ بْنُ حَارِثَ بْنُ رَفَاعَةَ (ابن عَفْرَاءَ) ( ” ” ” )

(۳) رَافِعٌ بْنُ مَالِكٍ بْنُ عَجَلَانَ (قبیلہ بنی زریق)

(۴) قَطْبَيْهُ بْنُ عَامِرٍ بْنُ حَدِيدَه (قبیلہ بنی سلمہ)

(۵) عَقْبَيْهُ بْنُ عَامِرٍ بْنُ نَابِي (قبیلہ بنی حرام بن کعب)

(۶) حَارِثَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَابَ (قبیلہ بنی عبید بن غنم)

یہ اہل شریف کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنے حلیف یہود مدنیہ سے سنا کرتے تھے کہ اس زمانے میں ایک نبی بھیجا جانے والا ہے اور اب جلد ہی وہ نمودار ہو گا۔ ہم اس کی پیروی کر کے اس کی معیت میں تمہیں عادِ ارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔ ۲۴

رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس پہنچ کر دریافت کیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا، ہم قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یعنی یہود کے حلیف ہی یوں“ ہاں فرمایا، ”پھر کیوں نہ آپ حضرات میشییں، کچھ بات چیت کی جائے۔“ وہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی۔ انہیں اللہ عز وجل کی طرف دعوت دی اور قرآن کی ملاو فرمائی۔ انہوں نے آپ میں ایک دوسرے سے کہا، ”مجھی دیکھوایہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ لہذا یہود تم پر بیقت نہ لے جانے پائیں۔“ اس کے بعد انہوں نے فوراً آپ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔

یہ شرپ کے عقلاء، الرجال تھے۔ حال ہی میں جو جنگ گذر چکی تھی، اور جس کے دھویں اب تک فضا کو تاریک کئے ہوئے تھے، اس جنگ نے انہیں چور چور کر دیا تھا اس لیے انہوں نے بجا طور پر یہ توقع قائم کی کہ آپ کی دعوت، جنگ کے خاتمے کا ذریعہ ثابت ہوگی، چنانچہ انہوں نے کہا، ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان کے جیسی عداوت و دشمنی نہیں پائی جاتی۔ امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعے انہیں میجا کر دے گا۔ ہم وہاں جا کر لوگوں کو آپ کے تقدیر کی طرف بلا میں گے اور یہ دین جو ہم نے خود قبول کر لیا ہے ان پر بھی پیش کریں گے۔ اگر اللہ نے آپ پران کو میجا کر دیا تو پھر آپ سے بڑھ کر کوئی اور معذز نہ ہو گا۔

اس کے بعد جب یہ لوگ مدینہ والیں ہوئے تو اپنے ساتھ اسلام کا پیغام بھی لے گئے، چنانچہ دہاں لگھر گھر رسول اللہ ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔ ۱۵

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح | رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چند برس تھی۔ پھر بھرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینہ میں مدینہ کے اندر ان کی خصتی ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔ ۱۶



## اسراء اور مراج

نبی ﷺ کی دعوت و نیشن بھی کامیابی اور ظلم و ستم کے اس دریانی مرحلے سے گذر رہی تھی اور افق کی دو روز راز پہنائیوں میں دھندے تاروں کی جھنک دکھائی پڑنا شروع ہو چکی تھی کہ اسراء اور مراج کا واقعہ پیش آیا۔ یہ مراج کب واقع ہوئی؟ اس بارے میں اہل سیر کے اقوال مختلف ہیں جو یہ ہیں :

- ۱۔ جس سال آپ ﷺ کو نبوت دی گئی اسی سال مراج بھی واقع ہوتی ریطبری کا قول ہے)
- ۲۔ نبوت کے پانچ سال بعد مراج ہوتی راستے امام نوی اور امام قطبی نے راجح قرار دیا ہے)
- ۳۔ نبوت کے دسویں سال، ۲ رجب کو ہوتی راستے علامہ منصور پوری نے اختیار کیا ہے۔)
- ۴۔ ہجرت سے سولہ ہیئت پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال ماه رمضان میں ہوتی۔
- ۵۔ ہجرت سے ایک سال دو ماہ پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال محرم میں ہوتی۔
- ۶۔ ہجرت سے لیک سال پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال ماه زیست الاول میں ہوتی۔

ان میں سے پہلے تین اقوال اس بیان صحیح نہیں مانے جاسکتے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے ہوتی تھی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز پنجگانہ کی وفات نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے ہوتی تھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات مراج کی رات ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبوت کے دسویں سال ماه رمضان میں ہوتی تھی اور صلوم ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبوت کے دسویں سال ماه رمضان میں ہوتی تھی۔ لہذا مراج کا زمانہ اس کے بعد کا ہوگا اس سے پہلے کا نہیں۔ باقی رہے اخبر کے تین اقوال تو ان میں کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل نہ مل سکی۔ البتہ سورہ اسراء کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے۔ لہ

الحمد لله رب العالمين

لہ ان اقوال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ زاد المعاو ۲/۲۹۔ مختصر السیرۃ للیث بن عبید اللہ

پیش کر رہے ہیں۔

ابن قیم لکھتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو آپ کے جسم مبارک سیست بُران پر سوار کر کے حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی پھر آپ ﷺ نے وہاں نزول فرمایا، اور انبیاء کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی، اور بُران کو مسجد کے دروازے کے چلتے سے باندھ دیا تھا۔

اس کے بعد اسی رات آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمانِ دنیا تک پرے جایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ ﷺ کے پیسے دروازہ کھولا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا، اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کو مر جائیا۔ سلام کا جواب دیا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اللہ نے آپ کو ان کے دامیں جانب سعادت مندوں کی روحیں اور بامیں جانب بدجتوں کی روحیں دکھلائیں۔

پھر آپ ﷺ کو دوسرے آسمان پرے جایا گیا اور دروازہ کھلوایا گیا۔ آپ نے وہاں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا، مبارک باد دی، اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر تیسرا آسمان پرے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی، اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر چوتھے آسمان پرے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت اوریس علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مر جائیا، اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پرے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کو دیکھا۔ اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور اقرار نبوت کیا۔

پھر آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پرے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ بن علیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ انہوں نے مر جائیا، اور اقرار نبوت کیا۔ البتہ جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رو نہ لگئے۔ ان سے کہا گیا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا میں اس سے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد میوٹ کیا گیا اس کی امت کے لوگوں یہی امت کے لوگوں سے بہت زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہوں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو سدراۃ المنشتیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر آپ کے یہ بیت مُحَمَّدؑ کو ظاہر کیا گیا۔

پھر خدا نے جبار جل جلالہ کے درپار میں پہنچایا گیا اور آپ ﷺ اللہ کے اتنے قریب ہوتے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی جو کچھ کہ وحی فرمائی اور پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ واپس ہوتے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو کس چیز کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پچاس نمازوں کا؟ انہوں نے کہا، آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیتے اور اپنی امت کے یہ تخفیف کا سوال کیجئے۔ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ ہاں، اگر آپ چاہیں۔ اس کے بعد حضرت جبریلؓ آپ ﷺ کو جبار تبارک تعالیٰ کے حضور لے گئے، اور وہ اپنی جگہ تھا۔ بعض طرق میں صحیح بخاری کا لفظ یہی ہے۔ اس نے دس نمازیں کم کر دیں اور آپ ﷺ نے پچھے لائے گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہو تو انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا آپ ﷺ اپنے رب کے پاس واپس جائیتے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ عز وجل کے درمیان آپ کی آمد و رفت برابر جاری رہی یہاں تک کہ اللہ عز وجل نے صرف پانچ نمازیں باقی رکھیں۔ اس کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو واپسی اور طلب تخفیف کا مشورہ دیا۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا: اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ میں اسی پر راضی ہوں اور تسلیم ختم کرتا ہوں۔ پھر جب آپ مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو نہ آتی کہ میں نے اپنا فرضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

اس کے بعد ابن قیم نے اس بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے کہ بنی ﷺ نے اپنے رب

تبارک تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں؟ پھر امام ابن تیمیہ کی ایک تحقیق ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کا سرے سے کوئی ثبوت نہیں اور نہ کوئی صحابی اس کا قائل ہے؛ اور ابن عباس سے مطلقاً دیکھنے اور دل سے دیکھنے کے وجود و قول منقول ہیں۔ ان میں سے پہلا دوسرے کے منافی نہیں اس کے بعد امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝ ۵۳

”پھر وہ نزدیک آیا اور قریب تر ہو گیا۔“

تو یہ اس قربت کے علاوہ ہے جو مراج کے واقعے میں حاصل ہوئی تھی کیونکہ سورہ نجم میں جس قربت کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام کی قربت و تدلی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے؛ اور سیاق بھی اسی پر زدالت کرتا ہے اس کے برخلاف حدیث مراج میں جس قربت و تدلی کا ذکر ہے اس کے بارے میں صراحت ہے کہ یہ رب تبارک و تعالیٰ سے قربت و تدلی تھی، اور سورہ نجم میں اس کو سرے سے چھینٹا ہی نہیں گیا، بلکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں دوسری بار سدرۃ المنہاج کے پاس دیکھا اور یہ حضرت جبریل تھے۔ انہیں محمد ﷺ نے ان کی اپنی شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا ایک مرتبہ زمین پر اور ایک مرتبہ سدرۃ المنہاج کے پاس۔ واللہ اعلم

اس دفعہ بھی نبی ﷺ کے ساتھ شیخ صدر ریسنس چاک کے تجھے (کا واقعہ پیش آیا اور آپ کو اس سفر کے دوران کئی چیزیں دکھلائی گئیں۔

آپ ﷺ پر دودھ اور شراب پیش کر کرے گئے۔ آپ نے دودھ اختیار فرمایا۔ اس پر آپ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کو فطرت کی راہ بتائی گئی، یا آپ نے فطرت پالی۔ اور یاد رکھیے کہ اگر آپ ﷺ نے شراب ل ہوتی تو آپ کی امت گراہ ہو جاتی۔

آپ ﷺ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں، دن طاہری اور دو باطنی، ظاہری نہریں نیل و فرات تھیں۔ راس کا مطلب غائب یہ ہے کہ آپ کی رسالت نیل و فرات کی شاداب وادیوں کو اپنا وطن بنائے گی، یعنی یہاں کے باشندے نسل بند نسل مسلمان ہوں گے۔ یہ نہیں کہ ان دونوں نہروں کے

پانی کا بنیع جنت میں ہے۔ واللہ اعلم)

آپ ﷺ نے مالک، داروغہ جہنم کو بھی دیکھا۔ وہ ہفتا نہ تھا اور نہ اس کے پھرے پر خوشی اور بشاشت تھی، آپ ﷺ نے جنت و جہنم بھی دیکھی۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو عیمیوں کا مال نہیں کھا جاتے ہیں۔ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور وہ اپنے منہ میں پتھر کے مکڑوں جیسے انہارے ٹھونس رہے تھے جو دوسری جانب ان کے پاخانے کے راستے سے نکل رہے تھے۔

آپ ﷺ نے سودخروں کو بھی دیکھا۔ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ادھر اور ہر ہیں ہو سکتے تھے اور جب آل فرعون کو آگ پر پیش کرنے کے لیے لے جایا جاتا تو ان کے پاس سے گزرتے وقت انہیں رومند تھے ہوئے جاتے تھے۔

آپ ﷺ نے زنا کاروں کو بھی دیکھا۔ ان کے سامنے تازہ اور فربہ گوشت تھا اور اسی کے پہلو پہلو سڑا ہوا چھپڑا بھی تھا۔ یہ لوگ تازہ اور فربہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا چھپڑا کھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان عورتوں کو دیکھا جو اپنے شوہروں پر دوسروں کی اولاد داخل کر دیتی ہیں۔ رسمی دوسروں سے زنا کے ذریعے حاملہ ہوتی ہیں لیکن لا علی کی وجہ سے بچتے ان کے شوہر کا بھما جاتا ہے آپ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ ان کے سینوں میں بڑے بڑے ٹیڑے ہے کاٹنے پر چھما کر انہیں آسمان فریز کے درمیان لٹکا دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے آتے جاتے ہوئے اہل کمرہ کا ایک قافلہ بھی دیکھا اور انہیں ان کا ایک اونٹ بھی بتایا جو بھڑک کر بھاگ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا پانی بھی پیا جو ایک ڈھکے ہوئے برتن میں رکھا تھا۔ اس وقت قافلہ سورہ بانخوا پھر آپ نے اُسی طرح برتن ڈھک کر چھوڑ دیا اور یہ بات سورج کی صبح آپ ﷺ کے دعویٰ کی صداقت کی ایک دلیل ثابت ہوتی رہی۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی اور انہیں قوم کو ان بڑی بڑی نشانیوں کی خبر دی جو مالک دعویٰ و جمل نے آپ کو دکھائی تھیں تو قوم کی تکذیب اور اذیت و ضرر رسانی میں اور شدت آگئی۔ انہوں نے آپ نے سے سوال کیا کہ بیت المقدس کی کیفیت بیان کریں۔ اس پر اللہ نے آپ ﷺ کے لیے بیت المقدس کو ظاہر فرمادیا اور وہ آپ کی نجماہوں کے سامنے آگئے پہنچا۔

آپ ﷺ نے قوم کو اس کی نشانیاں تبلاناً شروع کیں اور ان سے کسی بات کی تردید نہ بن پڑی۔ آپ ﷺ نے جاتے اور آتے ہوتے ان کے قافلے سے ملنے کا بھی ذکر فرمایا اور تبلیا کر اس کی آمد کا وقت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس اونٹ کی بھی نشاندہی کی جو قافلے کے آگے آگے آ رہا تھا؛ پھر جیسا کچھ آپ نے بتایا تھا ویسا ہی ثابت ہوا لیکن ان سب کے باوجود ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوا۔ اور ان ظالموں نے کفر کرتے ہوئے کچھ بھی مانند سے انکار کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسی موقع پر صدیق کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپ نے اس وقت کی اس تصدیق کی جبکہ اور لوگوں نے تکذیب کی تھی۔

مراجع کا فائدہ بیان فرماتے ہوئے جو سب سے مختصر اور عظیم بات کی گئی وہ یہ ہے:

**لِتُرِيَّةٌ مِنْ أَيْتَنَا ۝ (۱:۱۴)**

”تاکہ ہم راللہ تعالیٰ لے آپ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔“

اور ان بیان کرام کے بارے میں یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ ارشاد ہے،

**وَكَذِلِكَ نُرِيَ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَيَكُونَ مِنَ الْمُؤْفِنِينَ ۝ (۵۰:۶)**

”اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کا نظام سلطنت دکھلایا۔ اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں

میں سے ہو۔“

اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے:-

**لِرِبِيلَكَ مِنْ أَيْتَنَا الْكَبْرَى ۝ (۴۳:۲۰)**

”تاکہ ہم تمہیں اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھلائیں۔“

پھر ان نشانیوں کے دکھلانے کا جو مقصود تھا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد و لیکونَ مِنَ الْمُؤْفِنِينَ رتاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو) کے ذریعے واضح فرمادیا۔ چنانچہ جب ان بیان کرام کے علوم کو اس طرح کے مشاہدات کی سند حاصل ہو جاتی تھی تو ہمیں عین یقین کا وہ مقام حاصل ہو جاتا تھا جس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں کہ ”شیخ“ کے بود ماشد دیدہ“ اور یہی وجہ ہے کہ ان بیان کرام اللہ کی راہ میں ایسی ایسی مشکلات جھیل لیتے تھے جنہیں کوئی اور جھیل ہی نہیں سکتے۔

درحقیقت ان کی نجا ہوں میں دُنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی مچھر کے پر کے برادر حیثیت نہیں رکھتی تھیں اسی لیے وہ ان قتوں کی طرف سے ہونے والی سختیوں اور ایذا رسانیوں کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔

اس واقعہ معراج کی جزئیات کے پس پردہ مزید جو حکمتوں اور اسرار کا فرمائھے ان کی بحث کا اصل مقام اسرار شریعت کی تابیں ہیں البتہ چند موٹے موٹے حقائق ایسے ہیں، جو اس بارک سفر کے سچھموں سے پھوٹ کر سیرت نبوی کے گلشن کی طرف روان دواں دواں میں اس لیے یہاں مختصرًا انہیں قلمبند کیا جا رہا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اسرار میں اسرار کا واقعہ صرف ایک آیت میں ذکر کر کے کلام کا رُخ یہود کی سیاہ کاربؤں اور جرائم کے بیان کی جانب موڑ دیا ہے؛ پھر انہیں آگاہ کیا ہے کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھی اور صحیح را ہے۔ قرآن پڑھنے والے کو بسا اوقات شبہ ہوتا ہے کہ دونوں باتیں بے جوڑ ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ اس اسلوب کے ذریعے یہ اشارہ فرماتا ہے کہ اب یہود کو نوع انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے کیونکہ انہوں نے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جن سے ملوث ہونے کے بعد انہیں اس منصب پر باقی نہیں رکھا جاسکتا؛ لہذا اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپنا چاہتے گا اور دعوت ابراہیمی کے دونوں مرکزوں کے ماتحت کر دیتے جائیں گے۔ بالفاظ دیگر اب وقت آگیا ہے کہ روحانی قیادت ایک امت سے دوسری امت کو منتقل کر دی جائے ہیعنی ایک ایسی امت سے جس کی تاریخ غدر و خیانت اور ظلم و بدکاری سے بھری ہوئی ہے، یہ قیادت جیسی کہ ایک ایسی امت کے حوالے کر دی جائے جس سے نیکیوں اور بجلائیوں کے چشمے پھوٹیں گے اور جس کا پیغمبر سب سے زیادہ درست راہ بتانے والے قرآن کی دھی سے پھرہ در ہے۔

لیکن یہ قیادت منتقل کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس امت کا رسول نکتے کے پہاڑوں میں لوگوں کے درمیان ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے؟ اس وقت یہ ایک سوال تھا جو ایک دوسری حقیقت سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ اور وہ حقیقت یہ تھی کہ اسلامی دعوت کا ایک دور اپنے خلتے اور اپنی تکمیل کے قریب آگاہ ہے اور اب ایک دوسرا دور شروع ہونے والا ہے جس کا دھارا پہنچ سے مختلف ہو گا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض آیات میں مشرکین کو کھلی وارنگ اور سخت دھمکی دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذَا آتَدْنَا أَنْ تُهْلِكَ قَرْيَةً أَمْرَنَا مُرْسِلِهَا فَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا  
الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا ○ (۱۶: ۱۶)

”اور جب ہم کسی سبتوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے اصحابِ ثروت کو حکم دیتے ہیں مگر وہ کھلی خلافِ مرزا  
کرتے ہیں۔ پس اس سبتوں پر رتباہی کا) قولِ برحق ہو جاتا ہے اور ہم اسے کچل کر کھو دیتے ہیں یہ۔“

وَكَمْ أَهْلَكَنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۖ وَكَفَى بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ  
خَبِيرًا بَصِيرًا ○ (۱۶: ۱۷)

”اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو تباہ کر دیا؟ اور تھا را رب اپنے بندوں کے جرائم کی  
خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔“

پھر ان آیات کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ایسے تدبی قواعد  
ضوابط اور دفعات و مبادی بتلائے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی معاشرے کی تغیری ہونی تھی۔ گویا  
اب وہ کسی سرزین پر اپنا طحکانا بننا پکے ہیں، جہاں ہر پہلو سے ان کے معاملات ان کے  
اپنے ہاتھ میں ہیں اور انہوں نے ایک ایسی وحدتِ متماسکہ بنائی ہے جس پر سماج کی چکی گھوما کرنے  
ہے۔ لہذا ان آیات میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب ایسی جاتے پناہ اور امن گاہ  
پالیں گے جہاں آپ ﷺ کے درن کو استقرار نصیب ہو گا۔

یہ اسرار و معراج کے بارگفت واقعہ کی تھیں پوشیدہ حکمتوں اور راز ہائے سربرستہ میں سے  
ایک ایسا راز اور ایک ایسی حکمت ہے جس کا ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق ہے۔ اس  
لیے ہم نے مناسب بھاکر اسے بیان کر دیں۔ اسی طرح کی دو بڑی حکمتوں پر نظر ڈالنے کے بعد ہم نے  
یہ رلتے قائم کی ہے کہ اسرار کا یہ واقعہ یا تو بیعتِ عقبۃُ اُولیٰ سے کچھ ہی پہلے کا ہے یا عقبۃُ کی  
دونوں بیعتوں کے درمیان کا ہے۔ واللہ اعلم



## پہلی سمعتِ عَقْبَيْهِ

ہم بتا سکتے ہیں کہ نبوت کے گزارہوں سال موسم حج میں شریب کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی قوم میں جا کر آپ ﷺ کی راست کی تبلیغ کریں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال جب موسم حج آیا (ینی ذی الحجه ۱۳ نبوی، مطابق جولائی ۱۴۲۸ھ) تو بارہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان میں حضرت جابر بن عبد اللہ بن رئاب کو چھوڑ کر باقی پانچ دہی تھے جو پچھے سال بھی آپ کے تھے اور ان کے علاوہ سات آدمی تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

- |                              |                                 |                               |
|------------------------------|---------------------------------|-------------------------------|
| ۱) معاذ بن الحارث (ابن عفرا۔ | قبيله بنی البخار (رخراج)        | قبيله بنی زريق (رخراج)        |
| ۲) ذوقون بن عبد القيس        | " بنی غنم (رخراج)               | " بنی غنم کے علیف (رخراج)     |
| ۳) عبادہ بن صامت             | " بنی عاصم (رخراج)              | " ابوالہيثم بن القیمان (راوس) |
| ۴) یزید بن شعبہ              | " عباش بن عبادہ بن نضله (رخراج) | " بنی عبد الاشہل (راوس)       |
| ۵) عویم بن ساعدہ             | " عویم بن عوف (رخراج)           |                               |

لہ عَقْبَيْرَعْ-ق. ب. تینوں کو زبر پہاڑ کی گھاٹیں نیتیں پہاڑی گزر گاہ کہتے ہیں۔ مکتبے منی آتے جاتے ہوئے منی کے نزدیک ایک تلگ پہاڑی رستے سے گزرنا پڑتا تھا یہی گزر گاہ عَقْبَیْہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی الجھ کی دسویں تاریخ کو حبس ایک جمرہ کو لکھری ماری جاتی ہے وہ اسی گزر گاہ کے سرے پر واقع ہے ایسے لئے جمروں عَقْبَیْہ کہتے ہیں۔ اس جمرہ کا دوسرا نام جَرْدَةِ بُكْرَى بھی ہے۔ باقی دو جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔ چونکہ منی کا پورا میدان جہاں بُحاجِ تمام کرتے ہیں، ان تینوں جمرات کے مشرق میں ہے اس لیے ساری چہل پہل ادھر ہی رہتی تھی اور لکھریاں مارنے کے بعد اس طرف لوگوں کی آمد و رفت کا سلسہ ختم ہو جاتا تھا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بیعت یعنی کے لیے اس گھاٹ کو منتخب کیا اور اسی مناسبت سے اس کو سمعت عَقْبَیْہ کہتے ہیں۔ اب پہاڑ کاٹ کر یہاں کٹا دہ سڑکیں نکال ل گئی ہیں۔

ان میں صرف اخیر کے دو آدمی قبیلہ اوس سے تھے، بقیہ سب کے سب قبیلہ خزان سے تھے۔  
ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے متی میں عقبہ کے پاس ملاقات کی اور آپ ﷺ سے  
چند باتوں پر بیعت کی۔ یہ باتیں وہی تھیں جن پر آئندہ صلح صدیبیہ کے بعد اور فتح حملہ کے وقت عورتوں  
سے بیعت لی گئی۔

عقبہ کی اس بیعت کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی  
ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا “آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ  
اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ  
کرو گے، اپنے ما تھا پاؤں کے درمیان سے گھر ڈکر کوئی بہتان نہ لادے گے اور کسی بھل بات میں میری  
نافرمان نہ کرو گے۔ جو شخص یہ ساری باتیں پوری کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو شخص ان میں  
سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اسے دنیا ہی میں اس کی سزا دے دی جائے گی تو یہ اس کے  
لیے کفارہ ہوگی۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اللہ اس پر پردہ ڈال  
دے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے؛ چاہے گا تو سزا دے گا اور چاہے گا تو معاف کر دے  
گا۔” حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس پر آپ ﷺ سے بیعت لی ہے۔

**مدینہ میں اسلام کا سفیر** | لوگوں کے ہمراہ یہ رہ میں اپنا پہلا سفیر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں  
کو اسلامی احکام کی تعلیم دے اور انہیں دین کے درجہ ختم ہو گیا تو نبی ﷺ نے ان  
چلے آرہے ہیں ان میں اسلام کی اشاعت کرے۔ نبی ﷺ نے اس سفارت کے لیے سابقین  
اویمین میں سے ایک جوان کا انتخاب فرمایا۔ جس کا نام ناجی اور اسم گرامی مصعب بن عمير عہد ری  
رضی اللہ عنہ ہے۔

**قابل رشک کامیابی** | حضرت مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچنے تو حضرت اسد بن  
زراڑہ رضی اللہ عنہ کے گھر نزول فرمائے۔ پھر دنوں نے مل کر

اہل یترب میں جوش فخر و شوش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت مصعب بن مقری کے خطاب سے مشہور ہوتے۔ (مقری کے معنی ہیں پڑھانے والا۔ اس وقت مسلم اور استاد کو مُفْرِی کہتے تھے)

تبلیغ کے سلے میں ان کی کامیابی کا ایک نہایت شاندار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت اسد بن زرگارہ رضی اللہ عنہ اپنے بھراہ لے کر بنی عبد الاشہل اور بنی ظفر کے محلے میں تشریف لے گئے اور وہاں بنی ظفر کے ایک باغ کے اندر مرق نامی ایک کنھیں پر بیٹھ گئے۔ ان کے پاس چند مسلمان بھی مجھ ہو گئے۔ اس وقت تھا کہ بنی عبد الاشہل کے دونوں سردار یعنی حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حبیب مسلمان نہیں ہوتے تھے بلکہ شرک ہی پر تھے۔ انہیں جب خبر ہوئی تو حضرت سعد نے حضرت اسید کے پہا کہ ذرا جاؤ اور ان دونوں کو، جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آتے ہیں، ڈانٹ دو اور ہمارے محلے میں آنے سے منع کر دو۔ چونکہ اسعد بن زرگارہ بیری خالہ کا لٹکا ہے (اس لیے تمہیں بھیج رہا ہوں) ورنہ یہ کام میں خود انجام دے دیتا۔

اسید نے اپنا حرہ بالٹھایا۔ اور ان دونوں کے پاس پہنچے۔ حضرت اسعد نے انہیں آتا دیکھ کر حضرت مصعب نے کہا: یہ اپنی قوم کا سردار تھا رہا پاس آ رہا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ سے سچاں اختیار کرنا۔ حضرت مصعب نے کہا: اگر یہ بیٹھتا تو اس سے بات کروں گا۔ اسید پہنچنے تو ان کے پاس کھوٹے ہو کر سخت سست بھٹکنے لگے۔ بولے "تم دونوں ہمارے یہاں کیوں آتے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو ہی یاد رکھو! اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے الگ ہی رہو۔" حضرت مصعب نے کہا: کیوں نہ آپ بیٹھیں اور کچھ سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آجائے تو قبول کر لیں۔ سندھ آتے تو چھوڑ دیں۔" حضرت اسید نے کہا: بات منصفانہ کہہ رہے ہو۔ اس کے بعد اپنا حرہ کاڑ کر دیکھ گئے۔ اب حضرت مصعب نے اسلام کی بات شروع کی اور قرآن کی تلاوت فرماتی۔ ان کا بیان ہے کہ بخدا ہم نے حضرت اسید کے بولنے سے پہلے ہی ان کے چہرے کی چک دک سے ان کے اسلام کا پتہ لگایا۔ اس کے بعد انہوں نے زبان کھوئی تو فرمایا: یہ تو بڑا ہی عمدہ اور بہت ہی خوب تر ہے۔ تم لوگ کسی کو اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ غسل کر لیں۔ یہ پڑھے پاک کر لیں۔ پھر حق کی شہادت دیں، پھر دور کست نماز پڑھیں۔" انہوں نے اٹھ کر غسل کیا یا پکڑے پاک کئے۔

کلمہ شہادت ادا کیا۔ اور دور کست نماز پڑھی۔ پھر بولے! میرے چیچے ایک اور شخص ہے، اگر وہ تمہارا پیر و کاربیں جائے تو اس کی قوم کا کوئی آدمی چیچے نہ رہے گا، اور میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیج رہا

ہوں۔ راشارہ حضرت سُلَيْمَان معاذ کی طرف تھا۔)

اس کے بعد حضرت اُسْتَیْنِد نے اپنا حربہ اٹھایا اور پلٹ کر حضرت سُلَيْمَان کے پاس پہنچے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ مغل میں تشریف فرماتھے رحضرت اُسْتَیْنِد کو دیکھ کر بولے: ”میں بخدا کہہ رہا ہوں کہ یہ شخص تمہارے پاس جو چہرہ لے کر آ رہا ہے یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لے کر گیا تھا۔“ پھر جب حضرت اُسْتَیْنِد مغل کے پاس آن کھڑے ہوئے تو حضرت سُلَيْمَان نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: ”میں نے ان دونوں سے بات کی تو واللہ مجھے کوئی حرج تو نظر نہیں آیا۔ ویسے میں نے انہیں منع کر دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے۔“

اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے گئے ہیں اور اس کی وجہ پہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسحد آپ کی خالہ کا لڑکا ہے۔ لہذا وہ چاہتے ہیں کہ آپ کا حجد توڑ دیں۔ یہ سن کر سعد غصت سے بھڑک اٹھے اور اپنا نیزہ لے کر سیدھے ان دونوں کے پاس پہنچے۔ دیکھا تو دونوں اطیبان سے بیٹھے ہیں۔ سمجھو گئے کہ اُسْتَیْنِد کا مشایہ تھا کہ آپ بھی ان کی باتیں سنیں لیکن یہ ان کے پس پہنچنے تو کھڑے ہو کر سخت سست کہنے لگے۔ پھر اسعد بن زرارہ کو مخاطب کر کے بولے: ”خدا کی قسم اے ابوالہا! اگر میرے اور تیرے دریان قرابیت کا معاملہ نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس کی امید نہ رکھ سکتے تھے۔ ہمارے محلے میں اگر ایسی حرکتیں کرتے ہو جو ہمیں گوارا نہیں۔“

ادھر حضرت سُلَيْمَان نے حضرت مُصَبَّبَۃ سے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ بخدا تمہارے پاس ایک ایسا سردار آ رہا ہے جس کے پیچے اس کی پوری قوم ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر ان میں سے کوئی بھی نپوچھ رہے گا؛ اس لیے حضرت مُصَبَّبَۃ نے حضرت سُلَيْمَان سے کہا: ”کیوں نہ آپ تشریف رکھیں اور سُنیں۔ اگر کوئی بات پسند آگئی تو قبول کر لیں اور اگر پسند نہ آئی تو ہم آپ کی ناپسندیدہ بات کو آپ سے دُور ہی رکھیں گے۔“ حضرت سُلَيْمَان نے کہا: ”انصاف کی بات کہتے ہو۔“ اس کے بعد اپنا نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مُصَبَّبَۃ نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ اُن کا یہ بیان ہے کہ ہمیں حضرت سُلَيْمَان کے بولنے سے پہلے ہی ان کے چہرے کی چک دمک سے اُن کے اسلام کا پتا لگ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے زیان کھوی۔ اور فرمایا: ”تم لوگ اسلام لاتے ہو تو کیا کرتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”آپ غسل کر لیں کپڑے پاک کر لیں، پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں۔“ حضرت سُلَيْمَان نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد اپنا نیزہ اٹھایا اور اپنی قوم کی محفل میں تشریف لائے۔ لوگوں نے دیکھتے ہی کہا: "ہم بخدا کہہ رہے ہیں کہ حضرت سعد جو چہرے کے کر گئے تھے اس کے بجائے دوسرا ہی چہرے کے کر پڑے ہیں۔ پھر جب حضرت سعد اہل مجلس کے پاس آ کر رکے تو بولے: "اے بنی عبد الاشہل! تم لوگ اپنے اندر میرا معاملہ کیسا جانتے ہو؟" انہوں نے کہا، آپ ہمارے مردار ہیں۔ سب سے اچھی سوجہ بوجہ کے مالک ہیں اور ہمارے سب سے بارکت پایاں ہیں۔ انہوں نے کہا: "اچھا تو سنو! اب تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت حرام ہے جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لاق۔" ان کی اس بات کا یہ اثر ہوا کہ شام ہوتے ہوتے اس قبیلے کا کوئی بھی مرد اور کوئی بھی عورت ایسی شپھی جو مسلمان نہ ہو گئی ہو۔ صرف ایک آدمی جس کا نام اُصیہر متحا اس کا اسلام جنگ احمد تک مورخ ہوا۔ پھر احمد کے دن اس نے اسلام قبول کیا اور جنگ میں لڑتا ہوا کام آگیا۔ اس نے ابھی اللہ کے پیلے ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس نے تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر پا یا۔

حضرت مصعب، حضرت اسد بن زرارہ ہی کے گھر مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھرانہ باقی نہ بچا جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو چکی ہوں۔ صرف بنی امیہ بن زید اور خلمہ اور وائل کے مکانات باقی رہ گئے تھے۔ مشہور شاعر قیس بن اسلت انہیں کا آدمی تھا اور یہ لوگ اسی کی بات مانتے تھے۔ اس شاعر نے انہیں جنگ خندق (مشہور ہجتی) تک اسلام سے روکے رکھا۔ بہرحال اگلے موسم حج یعنی تیر ہوئیں سال نبوت کا موسم حج آنے سے پہلے حضرت مصعب بن عییر رضی اللہ عنہ کا میاں کی بشارتیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مکر تشریف لائے اور آپ ﷺ کو قبائلِ شیرب کے حالات، ان کی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں، اور خیر کی لیا قتوں کی تفصیلات ساختیں لے گئے۔



## دُوسری بیعتِ عَقْبَةٍ

نبوت کے تیرہویں سال موسم حج - جون ۶۲۲ء - میں شریب کے ستر سے زیادہ مسلمان فرنیخہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ تشریف لاتے۔ یہ اپنی قوم کے مشرک حاجیوں میں شامل ہو کر آئے تھے اور ابھی شریب ہی میں تھے، یا لگتے کے راستے ہی میں تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو پہنچائیں گے؟ کب تک کاٹے، کچھ کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوفزدہ کئے جاتے چھوڑے رکھیں گے؟

پھر جب یہ مسلمان کہ پہنچ گئے تو درپردہ نبی ﷺ کے ساتھ سلسلہ اور رابطہ شروع کیا اور آخر کار اس بات پراتفاق ہو گیا کہ دونوں فریضی آیام تشریف ﷺ کے درمیانی دن - ۱۲ ماہی الحجہ کو۔ منی میں مجرہ اول، یعنی مجرہ عقبہ کے پاس جو گھاٹ ہے اسی میں جس ہوں اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں باکھل خفیہ طریقے پر ہو۔

آئیے اب اس تاریخی اجتماع کے احوال، انصار کے ایک قائد کی زبانی سنیں کہ یہی وہ اجتماع ہے جس نے اسلام و بت پرستی کی جنگ میں زفارہ زمانہ کا رُخ موڑ دیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ہم لوگ حج کے لیے نکلے۔ رسول اللہ ﷺ سے آیام تشریف کے درمیانی روز عقبہ میں ملاقات ملے ہوئے اور بالآخر وہ رات آگئی جس میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ملے تھی۔ ہمارے ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبد اللہ بن حرام بھی تھے رجوا بھی اسلام نہ لائے تھے، ہم نے ان کو ساتھ لے لیا تھا۔ درنہ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے جو مشرکین تھے ہم ان سے اپنا سارا معاملہ خفیہ رکھتے تھے۔ مگر ہم نے عبد اللہ بن حرام سے بات چیت کی اور کہا کہ اے ابو جابر! آپ ہمارے ایک معزز اور شریف سربراہ ہیں اور ہم آپ کو آپ کی موجودہ حالت سے نکانا چاہتے ہیں تاکہ آپ کل کلآل کو آگ کا ایندھن نہ بن جائیں۔ اس کے بعد ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور بتلایا

کہ آج عقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے ساتھ عقبہ میں تشریف لے گئے اور نقیب بھی مقرر ہوتے۔“

حضرت کعب رضی اللہ عنہ واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم لوگ حسب دستور اس رات اپنی قوم کے ہمراہ اپنے ڈیروں میں سوئے، لیکن جب تہائی رات گزر گئی تو اپنے ڈیروں نے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے شدہ مقام پر جا پہنچے۔ ہم اس طرح پچکے چپکے دیک کر نکلتے تھے جیسے چڑیا گھونسے سے سکڑ کر نکلتی ہے، یہاں تک کہ ہم سب عقبہ میں جمع ہو گئے۔ ہماری کل تعداد پچھتر تھی۔ تہتر مرد اور دو عورتیں۔ ایک اتمِ عمارہ نسیبہ بنت کعب تھیں جو قبیلہ بنو مازن بن نجاش سے تعلق رکھتی تھیں اور دوسری اتمِ منش اسماں بنت عمر و تھیں۔ جن کا تعلق قبیلہ بنو سسلہ سے تھا۔

ہم سب گھٹی میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے اور آخر وہ لمحہ آہی گی جب آپ تشریف لاتے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ وہ اگرچہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لیے پختہ اطمینان حاصل کر لیں۔ سب سے پہلے بات بھی انہیں نے شروع کی۔

## گفتگو کا آغاز اور حضرت عباس کی طرف سے معاملے کی نزاکت کی تشریح

مجلسِ مکمل ہو گئی تو دنی اور فوجی تعاون کے عہد و پیمان کو قطعی اور آخری شکل دینے کے لیے گفتگو کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس نے سب سے پہلے زبان کھولی۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ پوری صراحة کے ساتھ اس ذمہ داری کی نزاکت واضح کر دیں جو اس عہد و پیمان کے نتیجے میں ان حضرات کے سر پڑنے والی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

خُزَرَاج کے لوگوں۔ عامِ اہلِ عرب انصار کے دونوں ہی قبیلے یعنی خُزَرَاج اور اُوس کو خُزَرَاج ہی کہتے تھے۔ ہمارے اندر محمد ﷺ کی جو حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہماری قوم کے جو لوگ دینی نقطہ نظر سے ہمارے ہی جیسی رائے رکھتے ہیں ہم نے محمد ﷺ کو ان سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں قوت و عزت اور طاقت و حفاظت کے اندر میں مگراب

وہ تمہارے یہاں جانے اور تمہارے ساتھ لاحق ہونے پر مصروف ہیں؛ لہذا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم انہیں جس چیز کی طرف بلارہے ہو اسے نبھالو گے اور انہیں ان کے مخالفین سے بچاؤ گے۔ تب تو صحیح ہے۔ تم نے جو ذمے داری اٹھائی ہے اسے تم جانو۔ لیکن اگر تمہارا یہ اندازہ ہے کہ تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں بہر حال عزت و حفاظت سے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عبادش سے کہا کہ آپ کی بات ہم نے مُن لی۔ اب اے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے گفتگو فرمائیے۔ اور اپنے یہے اور اپنے رب کے یہے جو عہد و پیمان پسند کریں یعنی یہ

اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم ذمے داری کو اٹھانے اور اس کے پُر خطر قیام کو محیث کے سلسلے میں انصار کے عزم حکم، شجاعت و ایمان اور جوش و اخلاص کا کیا حال تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپ نے پہلے قرآن کی تلاوت کی، اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی ترغیب دی۔ اس کے بعد بیعت ہوئی۔

**بیعت کی دفاتر** | بیعت کا واقعہ امام احمدؓ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! ہم آپ کے کس بات پر بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا، اس بات پر کہ،

(۱) چستی اور سُستی ہر حال میں بات سنو گے اور ما نو گے۔  
(۲) تسلی اور خوشحال ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔  
(۳) بھلانی کا حکم دو گے اور بُراقی سے روکو گے۔

(۴) اللہ کی راہ میں آٹھ کھڑے ہو گے اور اللہ کے محلے میں کسی ملامت گر کی ملامت ک پروا نزکو گے۔

(۵) اور جب میں تمہارے پاس آجائیں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال، پچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔

اور تمہارے یہے جنت ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ۔ جسے ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے ۔ صرف آخربی دفعہ (۵) کا ذکر ہے ۔ چنانچہ اس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تلاوت اللہ کی طرف دعوت اور اسلام کی تغییب دینے کے بعد فرمایا : ”میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اس چیز سے میری خناخت کرو گے جس سے اپنے بال پھوٹ کی خناخت کرتے ہو۔“ اس پر حضرت برادر بن مفرود نے آپ ﷺ کا ماتحت پکڑا اور کہا ہاں : اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بننا کر سمجھا ہے ہم یقیناً اس چیز سے آپ ﷺ کی خناخت کریں گے جس سے اپنے بال پھوٹ کی خناخت کرتے ہیں ۔ لہذا اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپ ہم سے بیعت پہنچئے ۔ ہم خدا کی قسم جنگ کے بیٹھے ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے ۔ ہماری یہی ریت باپ دادا سے چل آ رہی ہے ۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ حضرت برادر رسول اللہ ﷺ سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالثیم بن یہمان نے بات کامنے ہوئے کہا : ”اے اللہ کے رسول ﷺ ! ہمارے اور کچھ لوگوں ۔ یعنی یہود ۔ کے درمیان ۔ عہد و پیمان کی ۔ دسیاں ہیں ۔ اور اب ہم ان رسیوں کو کامنے والے ہیں، تو ہمیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ ہم ایسا کروں گا ایسا کہ اپنے اللہ آپ ﷺ کو غلبہ و ظہور عطا فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ آئیں ۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے مسم فرمایا، پھر فرمایا ”رنہیں“ بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے ۔ میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں جس سے آپ جنگ کریں گے اس سے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے اس سے میں صلح کروں گا۔ **بیعت کی مکر ریاد دہافنی** بیعت کی شرط کے متعلق گفت و شنید محل ہو چکی اور خطرناکی بیعت کی مکر ریاد دہافنی کے بعد ہی بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو صفت اول کے دو مسلمان جو سالہ نبوت اور سالہ نبوت کے ایام حج میں مسلمان ہوئے تھے، یکے بعد دیگرے اُنھیں تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی ذمے داری کی نذکر اور خطرناکی کو اچھی طرح واضح کر دیں اور یہ لوگ معاملے کے سارے پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہی بیعت کریں ۔ اس سے یہ بھی پتہ لگانا مقصود

ابقیہ ذات گوشہ سفر، اور امام حاکم اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے ۔ دیکھئے مختصر السیرہ شیخ عبداللہ بن جدی ص ۱۵۵ ۔  
ابن اسحاق نے قریب قریبہ یہی چیز حضرت عبادہ بن صالح صاحب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ البتہ اس میں ایک دفعہ کا اضافہ ہے جو یہ ہے کہ ہم اہل حکومت سے حکومت کے یہے زداع نہ کریں گے ۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/۴۵۲  
مطہ ابن ہشام ۱/۴۲۳

تھا کہ قوم کس حد تک قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب لوگ بیعت کے لیے جمع ہو گئے تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضدہ نے کہا: "تم لوگ جانتے ہو کہ ان سے (اشارہ بنی چلیلۃ القیمۃ کی طرف تھا) کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ جی ماں کی آواز میں چھڑت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تم ان سے سخ اور سیاہ لوگوں سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ جب تمہارے اموال کا صھایا کرو یا جائے گا اور تمہارے اشراف قتل کردے جائیں گے تو تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے چھوڑ دو! یہ کیونکہ اگر تم نے انہیں لے جانے کے بعد چھوڑ دیا تو یہ دنیا اور آخرت کی رسماں ہو گی۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ماں کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود وہ عہد نبھاؤ گے جس کی طرف تم نے انہیں بلا یا ہے تو پھر بے شک تم انہیں لے لو۔ کیونکہ پر خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی بھائی ہے۔"

اس پر سب نے بیک آواز کہا! ہم ماں کی تباہی اور اشراف کے قتل کا خطرہ مول لے کر انہیں قبول کرتے ہیں۔ ماں! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے یہ عہد پورا کیا تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت سے لوگوں نے عرض کی: اپنا ماتح پھیلائیے! آپ نے ماتح پھیلایا اور لوگوں نے بیعت کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت ہم بیعت کرنے اٹھے تو حضرت اسد بن زرارہ نے۔ جوان ستراً دیوں میں سب سے کم عمر تھے۔ آپ ﷺ کا ماتح پکڑ دیا اور یوں: "اہل شرب ذرا لٹھر جاؤ! ہم آپ کی خدمت میں اونٹوں کے لیکھے مار کر ریعنی لمبا چوڑا سفر کر کے" اس یقین کے ساتھ خار ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں سارے عرب سے دشمنی، تمہارے چیدہ سرداروں کا قتل، اور تواروں کی مار۔ لہذا اگر یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو تب تو انہیں لے چلو، اور تمہارا اجر اللہ پر ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو انہیں ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ فابل قبول عذر ہو گا۔

**بیعت کی تکمیل** | بیعت کی دفات پہلے ہی طے ہو چکی تھیں، ایک بار ناکت کی وضاحت زرارہ! اپنا ماتح پھٹاو۔ خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ توڑ سکتے ہیں۔ یہ

اس جواب سے حضرت اسدؑ کو اپنی طرح معلوم ہو گیا کہ قوم کس حد تک اس راہ میں جان دینے در  
کے بیلے تیار ہے — و تحقیقت حضرت اسعد بن زرارة حضرت مُصْعَبُ بْن عُمَرَ کے ساتھ مل کر میئے اور  
میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تھے، اس بیلے طبعی طور پر وہی ان بیعت کنندگان کے دینی سرراہ ان  
بھی تھے اور اسی بیلے سب سے بیلے انہیں نے بیعت بھی کی۔ چنانچہ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ  
نبو النجاشی کہتے ہیں کہ ابو امامہ اسعد بن زرارة سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے ہاتھ  
ملایا۔<sup>۹</sup> اور اس کے بعد بیعت عامۃ ہوتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک ایک آدمی  
کر کے اٹھے اور آپ ﷺ نے ہم سے بیعت لی اور اس کے عوض جنت کی بشارت دی۔ نہ  
باقی رہیں دوسرے میں جو اس موقعے پر حاضر تھیں تو ان کی بیعت صرف زبانی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی اجنبی عورت سے مصافحت نہیں کیا۔ اللہ

**بارہ نقیب** | بیت مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ تجویز کی کہ بارہ سربراہ منتخب کر  
یے جائیں جو اپنی اپنی قوم کے نقیب ہوں اور اس بیعت کی وفات پر  
عملہ آمد کے بیلے اپنی قوم کی طرف سے وہی ذمے دار اور مخلف ہوں۔ آپ کا ارشاد تھا کہ آپ لوگ اپنے  
اندر سے بارہ نقیب تکشیں کیجئے تاکہ وہی لوگ اپنی اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں۔ آپ کے  
اس ارشاد پر فوراً ہی نقیبوں کا انتخاب عمل میں آگیا۔ نو خواجہ سے منتخب کئے گئے اور تین اوس  
سے۔ نام یہ ہیں ۔۔۔

### خرزنج کے نقیباء:

- |                              |                            |
|------------------------------|----------------------------|
| ۱۔ سعد بن زیاد بن عدس        | ۲۔ سعد بن زرارة بن عقبہ    |
| ۳۔ عبد اللہ بن رواحد بن شعبہ | ۴۔ رافع بن مالک بن عجلان   |
| ۵۔ براہ بن معروف بن حمزہ     | ۶۔ عبد اللہ بن عمر بن حرام |
| ۷۔ عبادہ بن صامت بن قیس      | ۸۔ سعد بن عبادہ بن دیلم    |

۹۔ ابن اسحاق کا یہ بھی بیان ہے کہ بنو عبد الاشہل کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابوالہیثم بن تیہان نے بیعت کی اور  
حضرت کعبہ بن مالک کہتے ہیں کہ برادرِ بنی مزور نے کی رابن ہشام (۱/۲۳۴)۔ راقم کا خیال ہے کہ عکن ہے بیعت  
سے پہلے نبی ﷺ سے حضرت ابوالہیثم اور برادر کی جو لفظ تھوڑی ہوتی تھی۔ لوگوں نے اسی کو بیعت شمار کر لیا ہو  
و زاد اس وقت آگے بڑھائے جانے کے سب سے زیادہ تعداد حضرت اسعد بن زرارة ہی تھے۔ واللہ اعلم

۹۔ مُنْذِرٌ بْنُ عَمْرُو بْنُ حَنْيَسٍ  
اوُس کے نقباء!

۱۰۔ سُعْدُ بْنُ خَيْرٍ بْنُ حَارِثَ

۱۱۔ رِفَاعَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَنْذُرِ بْنُ زَبِيرٍ<sup>۱۲</sup>

جب ان نقباء کا انتخاب ہو چکا تو ان سے سردار اور ذئبے دار ہونے کی چیزیں سے رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں۔ جیسے حواری حضرت عیسیے علیہ السلام کی جانب سے کفیل ہوئے تھے اور میں اپنی قوم یعنی مسلمانوں کا کفیل ہوں۔ ان سب نے کہا: جی ہاں۔<sup>۱۳</sup>

**شیطان معاہدہ کا انکشاف کرتا ہے** | معاہدہ مکمل ہو چکا تھا اور اب لوگ بکھرنے ہی والے تھے کہ ایک شیطان کو اس کا پتا لگ گیا۔ چونکہ یہ انکشاف بالکل آخری لمحات میں ہوا تھا اور اتنا موقع نہ تھا کہ یہ خبر چکے سے قریش کو پہنچادی جائے، اور وہ اچانک اس اجتماع کے شرکار پر ٹوٹ پڑیں اور انہیں گھاٹی ہی میں جالیں اس یہے اس شیطان نے جھٹ ایک اوپنی جگہ کھڑے ہو کر نہایت بلند آواز سے، جو شاید ہی کبھی سُنی گئی ہو، یہ پکار لگائی اُنھیں والوں محمد (ﷺ) کو دیکھو۔ اس وقت بدین اس کے ساتھ ہیں اور تم سے رُذنے کے لیے جمع ہیں۔<sup>۱۴</sup>

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اس گھاٹ کا شیطان ہے اور! اللہ کے دشمن اُسُن، اب میں تیر سے یہے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے ڈروں پر چکے جائیں۔<sup>۱۵</sup>

**قریش پر ضرب لگانے کے لیے انصار کی مستعدی** | اس شیطان کی آواز مُنْ کر حضرت عباس بن عبد الرحمن نے فرمایا: اس ذات کی قسم ہیں نے آپ کو حق کے ساتھ مبووث فرمایا ہے۔ آپ چاہیں تو ہم کل اہل منی

۱۲۔ زبیر، حرف ب سے۔ بعض لوگوں نے ب کی جگہ نہ کہا ہے یعنی زنیر، بعض اہل سیر نے رفاعہ کے بدے ابوالشیم بن تیہان کا نام درج کیا ہے۔

پر اپنی تواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں۔ آپ نے فرمایا: ”ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے بیس آپ لوگ اپنے ذمہ داروں میں چلے جائیں۔“ اس کے بعد لوگ واپس جا کر سو گئے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ۱۵

## روسامہ شرب سے فریش کا احتجاج

یہ خبر قریش کے کافوں تک پہنچی تو غم والم کی روسامہ شرب سے احتجاج شدت سے ان کے اندر کہرام مج گیا کیونکہ اس جیسی بیعت کے جو نتائج ان کی جان و مال پر مرتب ہو سکتے تھے اس کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا، چنانچہ صبح ہوتے ہی ان کے روسامہ اور اکابر مجرمین کے ایک بھاری بھر کم و فد نے اس معاهدے کے خلاف سخت احتجاج کے لیے اہل شرب کے خیموں کا رُخ کیا، اور یوں عرض پر داز ہوا:

”خُرَاج کے لوگوں باہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ہمارے اس صاحب کو ہمارے درمیان سے نکال لے جانے کے لیے آتے ہیں اور ہم سے جنگ کرنے کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں ہے جنگ کرنا ہمارے لیے اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ہے۔“ ۱۶

لیکن چونکہ مشرکین خرمنج اس بیعت کے بارے میں سرے سے کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ کیونکہ یہ مکمل رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں زیر عمل آئی تھی اس لیے ان مشرکین نے اللہ کی قسم کی کھا کر یقین دلا یا کہ ایسا کچھ ہوا ہی نہیں ہے، ہم اس طرح کی کوئی بات سرے سے جلتے ہی نہیں۔ بالآخر یہ فد عبد اللہ بن ابی ابن سلوک کے پاس پہنچا۔ وہ بھی کہنے لگا: ”یہ باطل ہے۔ ایسا نہیں ہوا ہے، اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میری قوم مجھے چھوڑ کر اس طرح کا کام کر دے۔ اگر میں شرب میں ہوتا تو بھی مجھ سے مشورہ کئے بغیر میری قوم ایسا نہ کرتی۔“

باقی رہنے والے مسلمان تو انہوں نے نکھیوں سے ایک دسرے کو دیکھا اور چپ سادھل۔ ان میں سے کسی نے ہاں یا نہیں کے ساتھ زبان ہی نہیں کھولی۔ آخر روسامہ قریش کا رححان یہ رہا کہ مشرکین کی بات سمجھ ہے اس لیے وہ نامرا دداپس چلے گئے۔

## خبر کا یقین اور بیعت کوئنے والوں کا تعاقب

غلط ہے لیکن اس کی کرید میں وہ برابر لگے رہے۔ بالآخر انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خرمنج ہے اور بیعت ہو چکی ہے۔ لیکن یہ پتا اس وقت چلا جب

ُجہاج اپنے اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے، اس لیے ان کے سواروں نے تیز زفاری سے اہل یترب کا پیچھا کیا لیکن موقعِ نخل چکا تھا، الجۃ انہوں نے سعد بن عبادہ اور مُذہر بن عمرو کو دیکھ لیا اور انہیں جا کھدیداً لیکن مُذہر زیادہ تیز زفار شایستہ ہوتے اور نخل بھاگے الجۃ سعد بن عبادہ پکڑ لئے گئے اور ان کا با تھر گردن کے چیچھے انہیں کے کجا وے کی رستی سے بامدھ دیا گیا؛ پھر انہیں مارتے پیٹتے اور بال نوچتے ہوتے مکارے جایا گیا، لیکن وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیر نے آگر چھڑا دیا کیونکہ ان دونوں کے جو قافلے مدبنے سے گذرتے تھے۔ وہ حضرت سعد ہی کی پناہ میں گذرتے تھے۔ ادھر انصار ان کی گرفتاری کے بعد یا ہم مشورہ کر رہے تھے کہ کیوں نہ دھاوا بول دیا جائے مگر اتنے میں وہ دکھان پڑ گئے۔ اس کے بعد تمام لوگ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ یہاں

یہی عقیدہ کی دوسری بیعت ہے جسے بیعتِ عقیدہ گزری کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت ایک ایسی فضائی نریہ عمل آئی جس پر محبت و وفاداری منتشر اہل ایمان کے درمیان تعاون و تناصر، باہمی اعتماد، اور جاں سپاری و شجاعت کے جذبات چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ یہی اہل ایمان کے دل اپنے کمزورگی بھائیوں کی شفقت سے بریز تھے۔ ان کے اندر ان بھائیوں کی حمایت کا جوش تھا اور ان پر مسلم کرنے والوں کے خلاف غم و غصہ تھا۔ ان کے یہ سننے اپنے اس بھائی کی محبت سے سرشار تھے جسے دیکھے بنی محض اللہ فی اللہ اپنا بھائی قرار دے لیا تھا۔

اور یہ جذبات و احاساتِ محض کسی عارضی کشش کا میبجہ نہ تھے جو دون گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کا منبع ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالکتاب تھا۔ یعنی وہ ایمان جو ظلم و عدو ان کی کسی بڑی سے بڑی قوت کے ساتھ سر بگوں نہیں ہوتا، وہ ایمان کہ جب اس کی بادیہاری چلتی ہے تو عقیدہ و عمل میں عجائبات کا نہ ہوتا ہے۔ اسی ایمان کی بدولت مسلمانوں نے صفاتِ زمانہ پر ایسے ایسے کارنامے ثابت کئے اور ایسے ایسے آثار و نشانات چھوڑ کر ان کی نظیر سے ماضی و حاضر خالی ہیں۔ اور غالباً مستقبل بھی خالی ہی رہے گا۔



## ہجرت کے ہراول وستے

جب دوسری بیعت عقیبہ مکمل ہو گئی۔ اسلام، کفر و جہالت کے لئے ودق صحرا میں اپنے ایک وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور یہ سب سے اہم کامیابی تھی جو اسلام نے اپنی دعوت کے آغاز سے اب تک حاصل کی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجازتِ رحمت فرمائی۔ اس نے وطن کی طرف ہجرت کر چاہیں۔

ہجرت کے معنی یہ تھے کہ سارے مفاہمات حجج کر اور مال کی قربانی دے کر محض جان بچا لی جائے اور وہ بھی یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ جان بھی خطرے کی زد میں ہے۔ ابتداۓ راہ سے انتہا تے راہ تک کہیں بھی ہلاک کی جاسکتی ہے۔ پھر سفر بھی ایک مہم مستقبل کی طرف ہے معلوم نہیں آگے چل کر الجھی کون کون سے مصائب اور غم و الم رو نہ ہوں گے۔

مسلمانوں نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے ہجرت کی ابتداء کر دی۔ ادھر شرکیں نے بھی ان کی روانگی میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کیں کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس میں خطراتِ مضر ہیں۔ ہجرت کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے مہاجر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ابن اسحاق کے بقول بیعت عقیبہ گزری سے ایک سال پہلے ہجرت کی تھی، ان کے ہمراہ ان کے یہوی نبچے بھی تھے۔ جب انہوں نے روانہ ہونا چاہا تو ان کے مسراں والوں نے کہا کہ یہ ہری آپ کی بیگم۔ اسکے متعلق تو آپ ہم پر غائب آگئے۔ لیکن یہ بتایتے کہ یہ ہمارے گھر کی لڑکی آخر کس بنا پر ہم آپ کو چھوڑ دیں کہ آپ اسے شہر شہر گھماتے پھر؟ چنانچہ انہوں نے ان سے ان کی بیوی چھین لی۔ اس پر ابو سلمہ کے گھر والوں کو تاؤ آگیا اور انہوں نے کہا کہ جب تم لوگوں نے اس عورت کو ہمارے آدمی سے چھین یا تو ہم اپنا بیٹا اس عورت کے پاس نہیں رہنے دے سکتے۔ چنانچہ دونوں فرقے نے اس نبچے کو اپنی اپنی طرف کھینچا جس سے اس کا ہاتھ اکھڑا گیا۔ اور ابو سلمہ کے گھر والے اس کو اپنے پاس لے گئے۔ خلاصہ یہ کہ ابو سلمہ نے تنہا مدینہ کا سفر کیا۔ اس کے بعد حضرت امام سلمہؑ کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کی روانگی اور اپنے نبچے سے محرومی کے

بعد روزانہ صبح صبح ابطح پہنچ جاتیں۔ رجہاں یہ ماجرا پیش آیا تھا) اور شام تک وقت رہتیں۔ اسی حالت میں ایک سال گذر گی۔ بالآخر ان کے گھرانے کے کسی آدمی کو تر س آگیا اور اس نے کہا کہ اس بیچاری کو جانے کیوں نہیں دیتے؟ اسے خواہ نخواہ اس کے شوہر اور بیٹے سے جُدا کر رکھا ہے۔ اس پر اُمِ سلمہ سے ان کے گھر والوں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چل جاؤ۔ حضرت اُمِ سلمہ نے بیٹے کو اس کے ددھیاں والوں سے واپس لیا اور مدینہ چل پڑیں۔ اللہ اکبر! کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت کا سفر اور ساتھ میں اللہ کی کوئی مخلوق نہیں؛ جب تَعْبُرُمُ بَهْنَجِیں تو عثمان بن ابی طلحہ مل گیا۔ اسے حالات کی تفصیل معلوم ہوئی تو مشایعت کرتا ہوا مدینہ پہنچانے لے گیا اور جب قباء کی آبادی نظر آئی تو بولا "تمہارا شوہر اسی بستی میں ہے اسی میں چل جاؤ اللہ برکت دے۔" اس کے بعد وہ کہ پڑت آیا یہ

۲۔ حضرت صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان سے کفار قریش نے کہا "تم ہمارے پاس آئے تھے تو حیر و فقیر تھے۔ لیکن یہاں آکر تمہارا مال بہت زیادہ ہو گیا اور تم بہت آگے پہنچ گئے۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنی جان اور اپنا مال دونوں لے کر چل دو تو سخدا ایسا نہیں ہو سکت۔" حضرت صہیبؓ نے کہا "اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا مال چھوڑ دوں تو تم میری راہ چھوڑ دو گے؟" انہوں نے کہا میں حضرت صہیبؓ نے کہا اچھا تو پھر شیک ہے، چلو میرا مال تمہارے حوالے — رسول اللہ ﷺ کا اعلم ہو تو آپ نے فرمایا "صہیبؓ نے نفع اٹھایا۔ صہیبؓ نے نفع اٹھایا۔"

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عیاش بن ابی ریسم اور ہشام بن عاص بن والی نے آپ سیں طے کیا کہ فلاں جگہ صبح صبح اکٹھتے ہو کر وہیں سے مدینہ کو ہجرت کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ اور عیاشؓ تو وقت مقررہ پر آگئے۔ لیکن ہشام کو قید کر دیا گیا۔

پھر جب یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچ کر قباء میں اتر پکے تو عیاشؓ کے پاس ابو جہل اور اس کا بھائی حارث پہنچے۔ تینوں کی ماں ایک تھی۔ ان دونوں نے عیاشؓ سے کہا "تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہ لے گی سر میں لکھی نہ کرے گی اور دھوپ چھوڑ کر سائے میں نہ آئے گی۔" یہ مُن کہ عیاشؓ کو اپنی ماں پر ترس آگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عیاشؓ سے کہا "عیاشؓ! دیکھو خدا کی قسم یہ لوگ تم کو محض تمہارے دین سے فتنے میں ڈالنا چاہتے ہیں؛ لہذا ان سے ہوشیار رو خدا کی قسم اگر تمہاری ماں کو جو دوں نے افیمت پہنچائی تو وہ لکھی کر لے گی اور اسے مکر کی ذرا کڑی دھوپ

لگی تو وہ سائے میں چلی جائے گی“ مگر عیاش نہ مانے انہوں نے اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے ان دونوں کے ہمراہ نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا! آچھا جب یہی کرنے پر آمادہ ہو تو میری یہ اونٹنی سے لو۔ یہ بڑی حمدہ اور تیز رو ہے۔ اس کی پیٹھ نہ چھوڑنا اور لوگوں کی طرف سے کوئی مشکوک حرکت ہو تو نکل بھاگن۔“

عیاشؓ اونٹنی پر سوار ان دونوں کے ہمراہ نکل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ ابو جہل نے کہا، ”صبی میرا یہ اونٹ تو بڑا سخت نکلا، کیوں نہ تم مجھے بھی اپنی اس اونٹنی پر چیچے بٹھا لو۔ عیاش نے کہا،“ تھیک ہے۔ اور اس کے بعد اونٹنی بیٹھا دی۔ ان دونوں نے بھی اپنی اپنی سواریاں بٹھایاں تاکہ ابو جہل عیاشؓ کی اونٹنی پر پڑت آتے ہیں جب یعنوں زمین پر آگئے تو یہ دونوں اچانک عیاشؓ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں رستی سے جکڑ کر باندھ دیا اور اسی بندھی ہوتی حالت میں دن کے وقت مکہ لائے اور کہا کہ اے اہل مکہ! اپنے بیوقوفوں کے ساتھ ایسا ہی کرو جیا ہم نے اپنے اس بیوقوف کے ساتھ کیا ہے تھے عاز میں ہجرت کا علم ہو جانے کی صورت میں ان کے ساتھ مشرکین جو سلوک کرتے تھے اس کے یہ تین نمونے ہیں کا لیکن ان سب کے باوجود لوگ آگے چیچے پے درپے نکلتے ہی رہے چنانچہ بیعت غثّۃ الگُبری کے صرف دو ماہ چند دن بعد مکہ میں رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ کچھ ایسے مسلمان ضرور رہ گئے تھے جنہیں مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا۔ ان دونوں حضرات (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ) کو بھی رسول اللہ ﷺ نے روک رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنا ساز و سامان تیار کر کے روانگی کے لیے حکم خداوندی کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کا رخت سفر بھی بندھا ہوا تھا۔ لئے صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں

---

۳۔ ہشامؓ اور عیاشؓ کفار کی قید میں پڑے رہے جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فراپکھے تو آپ نے ایک روز کہا، کون ہے جو یہ رہے یہ ہشامؓ اور عیاشؓ کو چھڑا لاسکے۔ ولید بن ولید نے کہا میں آپ کے لیے ان کو لانے کا ذمہ دار ہوں۔ پھر ولید خوبیہ طور پر مکہ گئے اور ایک عورت نے جو ان دونوں کے پاس کھانا لے جا رہی تھی، اس کے چیچے چاکران کا ٹھکانا نامعلوم کیا۔ یہ دونوں ایک بغیر بھت کے مکان میں قید تھے۔ رات ہوتی تو حضرت ولید شد ویسا رپھلانگ کر ان دونوں کے پاس پہنچے اور پیر بڑیاں کاٹ کر اپنے اونٹ پر بٹھایا اور مدینہ بجاگ آئے۔ این ہشام ۱/۴، ۴/۳۔ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے بیس صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ صحیح بخاری ۱/۵۵۸

سے فرمایا: مجھے تمہارا مقام بھرت دکھلایا گیا ہے۔ یہ لادے کی دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک نخلستان علاقہ ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے مدینے کی جانب بھرت کی۔ عام مہاجرین جب شہ بھی مدینہ ہی آگئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی سفرِ مدینہ کے لیے ساز و سامان تیار کر لیا۔ (لیکن) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ذرا رُکَرے رہو کیونکہ تو قع ہے مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے باپ آپ پر فدا کیا آپ کو اس کی امید ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اسکے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹیاں تھیں۔ انھیں بھی چار ماہ تک بول کے پتوں کا خوب چارہ کھلایا۔ ۶



## قریش کی پاریمیٹر دارالنحوہ میں

جب مشرکین نے دیکھا کہ صحابہ کرام تیار ہو کر نکل گئے اور بالپتوں اور مال و دولت کو لاد بچانہ کراؤں دخراں جس کے علاقے میں جا پہنچے تو ان میں بڑا کہرام مجاہدین و الم کے لاوے پھوٹ پڑے اور انہیں ایسا رنج و قلق ہوا کہ اس سے کبھی سابقہ نہ پڑتا تھا۔ اب ان کے سامنے ایک ایسا غظیم اور حقیقی خطرہ ہم ہو چکا تھا جو ان کی بست پرتا نہ اور اقتصادی اجتماعیت کے یہ چیزیں تھا۔

بشرکین کو معلوم تھا کہ محمد ﷺ کے اندر کمال قیادت و رہنمائی کے ساتھ ساتھ کس قدر انہی کی درجہ قوت تاثیر موجود ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ میں کیسی عنیت و استفامت اور کیسی جذبہ فدا کاری پایا جاتا ہے۔ پھر اس دخراں کے قبائل میں کس قدر قوت و قدرت اور جنگی صلاحیت ہے۔ اور ان دونوں قبائل کے عقول میں صلح و صفائی کے یہ چیزیں جذبات ہیں۔ اور وہ کئی برس تک خانہ جنگی کی تختیاں پکھنے کے بعد اب ہبھی رنج و عداوت کو ختم کرنے پر کس قدر آمادہ ہیں۔

انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ میں سے شام تک بحراں کے ساحل سے ان کی جو تجارتی شاہراہ گذرتی ہے۔ اس شاہراہ کے اعتبار سے مدینہ فوجی اہمیت کے کس قدر حساس اور نازک مقام پر واقع ہے۔ درآں ہائیکر ملک شام سے صرف تک والوں کی سالانہ تجارت ڈھائی لاکھ دینار سونے کے تباہی سے ہوا کرتی تھی۔ اہل طائف وغیرہ کی تجارت اسکے علاوہ تھی اور معلوم ہے کہ اس تجارت کا سارا دارود مدار اس پر تھا کہ یہ راستہ پورا من رہے۔ ان تفصیلات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ ثیرب میں اسلامی دعوت کے جزو پکڑنے اور اہل مکہ کے خلاف اہل ثیرب کے صفت آرا ہونے کی صورت میں سکتے والوں کے یہے کتنے خطرات تھے۔ چونکہ مشرکین کو اس گم جھیل خطرے کا پورا پورا احساس تھا جو ان کے وجود کے یہے چیزیں بن رہا تھا اس یہے انہوں نے اس خطرے کا کامیاب ترین علاج سوچنا شروع کیا۔ اور معلوم ہے کہ اس خطرے کی اصل بنیاد دعوتِ اسلام کے علمبردار حضرت محمد ﷺ ہی تھے۔

بشرکین نے اس مقصد کے یہے بیعتِ عقبیہ اُبُرُمی کے تقریباً ڈھائی ہی میلہ بعد ۲۶ صفر ۱۴ نبوت مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۲۲ء یوم جمعرات کو دن کے پہلے پہر کے کل پاریمیٹر دارالنحوہ میں تاریخ کا سب خطرناک

اجماع منعقد کیا۔ اور اس میں قریش کے تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی۔ موضوع بحث ایک ایسے قطعی پلان کی تیاری تھی جس کے مطابق اسلامی دعوت کے علمبردار کا قصہ بے عجبت تمام پاک کر دیا جاتے اور اس دعوت کی روشنی کلی طور پر مشادی جائے۔

اس خطرناک اجماع میں قبائل قریش کے نمایاں چہرے یہ تھے:

۱۔ ابو جہل بن ہشام قبیله بنی خزدم سے۔

۲۔ جعیہ بن مظہم، طعیہ بن عدی اور حارث بن عامر، بنی ذفل بن عبد مناف سے

۳۔ شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ربیعہ اور ابو سفیان بن حرب، بنی عبد شمس بن عبد مناف سے

۴۔ نضر بن حارث، بنی عبد الدار سے۔

۵۔ ابو البختیاری بن ہشام، زمرہن اسود اور حکیم بن حرام بنی اسد بن عبد العزیز سے

۶۔ نبیہ بن ججاج اور منبہ بن ججاج بنی ہشم سے

۷۔ امیر بن خلف بنی جمع سے

وقت مقررہ پر یہ نمائندگان دارالندوہ پہنچے تو ابیس بھی ایک شیخ جیل کی صورت، عبا اور ڈھنے، راستہ روکے، دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا یہ کون سے شیخ ہیں؟ ابیس نے کہا، "یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے۔ آپ لوگوں کا پروگرام سن کر حاضر ہو گیا ہے۔ باقی سننا چاہتا ہے اور کچھ بعد نہیں کہ آپ لوگوں کو خیرخواہانہ مشورے سے بھی محروم نہ رکھے۔" لوگوں نے کہا، "بہتر ہے آپ بھی آجائیے، چنانچہ ابیس بھی ان کے ساتھ اندرون گیا۔

## پارلیمانی بحث اور نبی ﷺ کے قتل کی ظالمانہ قرارداد پر اتفاق اجتماع محل ہو گیا تو تجاوز

اور حل پیش کے جانے شروع ہوتے اور دریتک بحث جاری رہی۔ پہلے ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس شخص کو اپنے درمیان سے نکال دیں اور اپنے شہر سے جلاوطن کروں۔ پھر ہمیں اس سے

انوٹ گوئی مصنف لے یہ تاریخ علامہ منصور پوری کی دلچ کردہ تحقیقات کی روشنی میں تعمین کی گئی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہمین ۹۵/۱ - ۹۶، ۹۷ - ۱۰۲، ۹۸، ۹۹  
لئے پہلے پھر اس اجماع کے منعقد ہوتے کی دلیل این اتحاد کی دو روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریلؐ نبی ﷺ کی خدمت میں اس اجماع کی خبر لے کر آئے اور آپؐ کو تحریت کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ مسیح بن مخاری میں مردی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو ملایجعہ کہ نبی ﷺ نبیؐ کو پہلے دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لاتھے اور فرمایا "مجھے روانگی کی اجازت ہے دی گئی ہے، روایت پہلیں آگے آ رہی ہے۔"

کوئی واسطہ نہیں کروہ کہاں جاتا اور کہاں رہتا ہے۔ بس ہمارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور ہمارے درمیان پہنچے جیسی یگانگت ہو جائے گی۔

مگر شیخ نجدی نے کہا: ”نہیں۔ خدا کی قسم یہ مناسب راستے نہیں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی بتات کتنی عمدہ اور بول کتے میٹھے ہیں اور جو کچھ لاتا ہے اس کے ذریعے کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو کچھ اطمینان نہیں کروہ عرب کے کسی قبیلے میں نازل ہوا اور انہیں اپنا پیر و بنائیں کے بعد تم پر یوں کروے اور تمیں تمہارے شہر کے اندر روند کرم سے جیسا سلوک چاہئے گے۔ اسکے بجائے کوئی ارجمند سروج۔ ابوالبغتری نے کہا: ”اسے دوہے کی بیڑیوں میں جبکہ کر قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو پھر اسی انعام (موت) کا انتظار کرو جو اس سے پہلے دوسرے شاعروں مثلاً زہیر اوزنابغہ وغیرہ کا ہو چکا ہے۔“

شیخ نجدی نے کہا: ”نہیں۔ خدا کی قسم یہ بھی مناسب راستے نہیں ہے۔ واللہ اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو اس کی خبر پسند دروازے سے باہر نکل کر اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی۔ پھر کچھ بعید نہیں کروہ لوگ تم پر دھادا بول کر اس شخص کو تمہارے قبضے سے نکال لے جائیں۔ یہ اس کی مدد سے پہنچ تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کر لیں۔— لہذا یہ بھی مناسب راستے نہیں۔ کوئی ارجمند سروج!“

یہ دونوں تجاویز پاریمیت روک کر چکی تو ایک تیسری مجرمانہ تجویز پیش کی گئی جس سے تمام ممبران نے اتفاق کیا۔ اسے پیش کرنے والا کئے کا سب سے بڑا مجرم ابو جہل تھا۔ اس نے کہا: ”اس شخص کے بارے میں میری ایک راستے ہے۔ یہی دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے“ لوگوں نے کہا، ”ابو الحکمہ وہ کیا ہے؟“ ابو جہل نے کہا: ”میری راستے یہ ہے کہ ہم ہر ہر قبیلے سے ایک مضبوط، صاحبِ نسب اور بانکاجوان منتخب کر لیں، پھر ہر ایک کو ایک تیز تواردیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رُخ کریں اور اس طرح یہاں تک توارما رک قتل کر دیں جیسے ایک ہر آدمی نے توارما رک ہو۔ یہی ہمیں اس شخص سے راحت مل جاتے گی اور اس طرح قتل کرنے کا فتح یہ ہو گا کہ اس شخص کا خون سارے قبائل میں کھجھ جاتے گا اور بن بعد مناف سارے قبیلوں سے جلاں رک کر سکیں گے۔ لہذا دیت (خون پہا) یعنی پر راضی ہو جائیں گے۔ اور ہم دیت ادا کر دیں گے۔“

شیخ نجدی نے کہا: ”بات یہ رہی جو اس جوان نے کی۔ اگر کوئی ارجمند اور راستے ہو سکتی ہے تو یہی ہے، باقی سب بیکھ۔ اس کے بعد پاریمیت کرنے اس مجرمانہ قرارداد پر اتفاق کر لیا۔ اور ممبران اس عزمِ مصمم کے ماتحت پہنچنے گھروں کو واپس گئے کہ اس قرارداد پر عمل فی القور کرنا ہے۔“

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

جب نبی ﷺ کے قتل کی مجرمانہ قرارداد میں ہو چکی تو حضرت جبریل علیہ السلام اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی دھی سے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتالیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہاں سے روانگی کی اجازت دے دی ہے اور یہ بھتے ہوئے ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرمادیا کہ آپ ﷺ یہ رات اپنے اُس بستر پر نگذاریں جس پر اب تک نگذارا کرتے تھے یہ

اس اطلاع کے بعد نبی ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تاکہ ان کے ساتھ ہجرت کے سارے پروگرام اور مرحلے طے فرمائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہم لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں بیٹھے تھے کہ کسی کہنے والے نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ رسول اللہ ﷺ سرڈھانکے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ ﷺ تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ ابو بکر نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ ﷺ اس وقت کسی اہم مسئلے ہی کی وجہ سے تشریف لائے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اجازت طلب کی۔ آپ کو اجازت دی گئی اور آپ ﷺ اندر داخل ہوئے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تمہارے پاس جو لوگ ہیں انہیں ہشادو۔" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "بس آپ کی اہل خانہ ہی ہیں آپ ﷺ پر میرے باپ فدا ہوں اے اللہ کے رسول!" (ﷺ) آپ نے فرمایا: "اچھا تو مجھے روانگی کی اجازت مل چکی ہے۔" ابو بکر نے کہا، ساتھ..... اے اللہ کے رسول! میرے باپ آپ پر فدا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں یہ ۔۔۔

اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے رسول اللہ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لائے اور رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

**رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے مکان کا گھبڑا وَ**

**اپنا سارا دن کتنے کی پاریہاں**

دارالندوہ کی پہلے پھر کی طے کردہ قرارداد کے نفاذ کی تیاری میں گزارا اور اس مقصد کے لیے ان اکابر مجرمین میں سے کیا رہ سردار منتخب کئے گئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ابو جہل بن ہشام

۲۔ عُقْبَةُ بْنُ ابْيٌ مُعْيَطٍ

۳۔ زَمْعَةُ بْنُ الْأَسْوَدِ

۴۔ ابُو لَهْبَةَ بْنُ عَدَى

۵۔ اُمَيَّةُ بْنُ خَلْفٍ

۶۔ طَعَيْمَةُ بْنُ عَدَى

۷۔ أَبَيْ بْنِ الجَاجِ

۸۔ أَبَيْ بْنِ الجَاجِ

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رات ذرا تاریک ہو گئی تو یہ لوگ گھات لگا کرنی چاہیے کے دروازے پر بیٹھ گئے کہ آپ ﷺ سو جائیں تو یہ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ لئے ان لوگوں کو پورا دلو ق اور پختہ یقین تھا کہ ان کی یہ ناپاک سازش کا میاں کر رہے گی یہاں تک کہ ابو جہل نے بڑے شکرانہ اور پغور انداز میں مذاق و استہزا کرتے ہوئے اپنے گھیراؤ مکانے ساتھیوں سے کہا: محمد (ﷺ) کہتا ہے کہ اگر تم لوگ اس کے دن میں داخل ہو کر اس کی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، پھر منے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو تمہارے یہے باردن کے باغات جیسی جنتیں ہوں گی۔ اور اگر تم نے ایسا ذکیر کی تو ان کی طرف سے تمہارے اندر فجع کے واقعات پیش آئیں گے۔ پھر تم منے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے یہے آگ ہو گی جس میں جلاستے جاؤ گے۔

بھر حال اس سازش کے نفاذ کے لیے آدمی رات کے بعد کا وقت مقرر تھا اس لیے یہ لوگ جاگ کر رات گزار رہے تھے اور وقت مقررہ کے منتظر تھے، لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے، اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہیت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جسے بچانا چاہے کوئی اس کا باال بیکا نہیں کر سکتا اور جسے پکڑنا چاہے کوئی اس کو بچا نہیں سکتا، اپنے چانچہ اللہ تعالیٰ نے

اس موقع پر وہ کام کیا جسے ذیل کی آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ  
وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُكْرِينَ ۝ (۳۰:۸)

”وہ موقع یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ تمہیں قید کر دیں یا افل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ لوگ داؤ چل رہے تھے اور اللہ بھی داؤ چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داد والا ہے“  
**رسول اللہ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنَا گھر چھوڑتے ہیں** [بہرحال قریش اپنے پلان کے نفاذ کی انتہائی تیاری کے باوجود فاش ناکامی سے دو چار ہوتے بچانچہ اس نماز ک تین لمحے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تم میرے بستر پریست جاؤ اور میری یہ بزر حضرت چادر اور ڈھکر سو رہو۔ تمہیں ان کے ما تھوں کوئی گزندہ نہیں پہنچے گا۔“ رسول اللہ ﷺ میں چادر اور ڈھکر کہ سو یا کرتے تھے۔]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پاہر تشریف لے آئے مشرکین کی صفين چیزیں اور ایک مٹھی شگریزوں والی مٹھی کے کران کے سروں پر ڈالیں لیکن اللہ نے ان کی نھاہیں پکڑلیں اور وہ آپ ﷺ کو دیکھنے لے کے۔ اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرمادے تھے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَنِينَ آيُدِيهِمْ سَدَّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدَّاً فَاغْشَيْهِمْ  
فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ (۹۱:۶۱)

”ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے چیچے رکاوٹ کھڑی کر دی پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ دیکھنے نہیں رہے ہیں۔“

اس موقع پر کوئی بھی مشرک باقی نہ بچا جس کے سر پر آپ ﷺ نے مٹی ڈالی ہو۔ اس کے بعد آپ ابو یکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور پھر ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے منکل کر دنوں حضرات نے رات ہی رات میں کارخ کیا اور چند میل پر واقع ثورنا می پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔

لئے حضرموت (جنوبی یمن) کی بنی ہونی چادر حضرتی کہلاتی ہے۔

لئے ابن ہشام ۱/۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴ نہ ایضاً ۱/۳۸۳۔ زاد المعاد ۲/۵۲

ادھر معاصرین وقت صفر کا انتظار کر رہے تھے لیکن اس سے ذرا پہلے انہیں اپنی ناکامی و نامرادی کا علم ہو گیا۔ ہوا یہ کہ ان کے پاس ایک غیر متعلق شخص آیا اور انہیں آپ ﷺ کے دروازے پر دیکھ کر پوچھا کہ آپ لوگ کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (ﷺ) کا۔ اس نے کہا، آپ لوگ ناکام و نامراد ہوئے۔ خدا کی قسم! محمد (ﷺ) تو آپ لوگوں کے پاس سے گزرے اور آپ کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے اپنے کام کو گئے۔ انہوں نے کہا، بخدا! ہم نے تو انہیں نہیں دیکھا اور اس کے بعد اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے آٹھ پڑے۔

لیکن پھر دروازے کی دراز سے جہانگیر کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ کہنے لگے، خدا کی قسم! یہ تو محمد (ﷺ) سوتے پڑے ہیں۔ ان کے اوپر ان کی چادر موجود ہے پچانچہ یہ لوگ صبح تک دیس ڈلتے رہے۔ ادھر سیح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھتے تو مشرکین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے معلوم نہیں۔<sup>۹</sup>

**گھر سے غارتک** | رسول اللہ ﷺ صفر سنه بست مطابق ۱۴-۱۳ ستمبر ۶۲۲ مسیحی  
کی دریانی رات اپنے مکان سے نکل کر جان و مال کے سامنے میں اپنے سب سے قابل اعتماد ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے تھے اور وہاں سے پچھوٹنے کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے باہر کی راہ لی تھی تاکہ مکہ سے جلد از جلد یعنی طلوع فجر سے پہلے پہلے باہر نکل جائیں۔

چونکہ نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ قریش پوری جانشناشی سے آپ ﷺ کی تلاش میں لگ جائیں گے اور جس راستے پر پہلے ان کی نظر آئے گی وہ مدینہ کا کارروائی راستہ ہو گا جو شمال کے رخ پر جاتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے وہ راستہ اختیار کیا جو اس کے بالکل اُٹھ تھا یعنی میں جانے والا راستہ جو کہ جنوب میں واقع ہے۔ آپ ﷺ نے اس راستے پر کوئی پانچ میل

<sup>۹</sup> ایضاً ایضاً

سلسلہ رحمۃ اللہ علیہ ۱/۹۵۔ صفر کا یہ مہینہ چودھویں سنه بست کا اس وقت ہو گا جب سدہ کا آغاز محرم کے پہنچنے سے مانا جائے اور اگر سدہ کی ابتداء اسی پہنچنے سے کریں جس میں آپ ﷺ کو بست سے مشرف کیا گی تھا تو صفر کا یہ مہینہ قطعی طور پر تیرہویں سدہ بست کا ہو گا۔ مام اہل سیر نے کہیں پہلا حساب اختیار کیا ہے اور کہیں دوسرا بھی دجھے سے وہ واقعات کی ترتیب میں خط اور غلطی میں پڑ گئے ہیں ہم نے سدہ کا آغاز محرم سے مانا ہے۔

کافاصلہ طے کیا اور اس پہاڑ کے دامن میں پہنچے جو ثور کے نام سے معروف ہے۔ یہ نہایت بلند پوجیع اور شکل چڑھاتی والا پہاڑ ہے۔ یہاں پتھر بھی بکثرت ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ آپ نشان قدم چھپانے کے لیے پنجوں کے بل چل رہے تھے اس لیے آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ بہر حال وجہ جو بھی رہی ہو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر آپ ﷺ کو اٹھایا اور دوڑتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار کے پاس جا پہنچے جو تاریخ میں غارِ ثور کے نام سے معروف ہے۔ اللہ

**غار میں** | غار کے پاس پہنچ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، "خدا کے لیے ابھی آپ ﷺ اس میں داخل نہ ہوں۔ پہلے میں داخل ہو کر دیکھ لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی چیز ہوئی تو آپ ﷺ کے بجائے مجھے اس سے سابقہ پیش آتے گا۔" چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اندر گئے اور غار کو صاف کیا۔ ایک جانب چند سوراخ تھے۔ جنہیں اپنا تہ بند پھاڑ کر بند کیا یہیں دو سوراخ باقی رہے۔ حضرت ابو بکر نے ان دونوں پر اپنے پاؤں رکھ دیے پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اندر تشریف لا میں۔ آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں کسی چیز نے ڈس لیا مگر اس ڈر سے بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ جاگ رہا ہے۔ لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر پاک گئے را اور آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "ابو بکر ہ تمہیں کیا ہوا؟" عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعاب دہن لگادیا اور تکلیف جاتی رہی۔ اللہ

یہاں دونوں حضرات نے تین راتیں لعنی جمعہ، سیپھر اور اتوار کی راتیں چھپ کر گزاریں۔ اللہ اس دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحزادے عبد اللہ بھی نہیں رات گزارتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ گھری سو جھو بوجھ کے مالک، سخن فہم فوجوان تھے۔ سحر کی تاریکی میں ان دونوں حضرات کے پاس سچے چلتے اور کوئی قریش کے ماتھیوں صبع کرتے گویا انہوں نے نہیں رات گزاری ہے پھر آپ دونوں کے خلاف سازش کی جو کوئی بات سنتے اُسے اچھی طرح یاد کر لیتے اور جب

الله رحمۃ للعالمین ۱/۹۵ مختصر السیرۃ لیثبن عبد اللہ ص ۱۶۳

الله پیات رذین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر یہ زہر پھوٹ پڑا رسمی موت کے وقت اس کا اثر پہنچ آیا اور یہی موت کا بسبب بنا۔ دیکھے مشکوہ ۲/۵۵۶ باب مناقب ابن بکر۔

تاریکی گھری ہو جاتی تو اس کی خبر لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گذر جاتا تو بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں حضرات رات کو آسودہ ہو کر دو دھپیلیتے۔ پھر صبح تڑکہ ہی عامر بن فہیرہ بکریاں ہاتھ کر پل دیتے۔ تینوں رات انہوں نے میہی کی۔ (لہ رمزیہ کہ) عامر بن فہیرہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے گزر جانے کے بعد انہیں کے نشانات قدم پر بکریاں ہاتھ نکلتے تھے تاکہ نشانات مت جائیں۔ ۱۵

### **قریش کی تہک و دو**

ادھر قریش کا یہ حال نفا کر جب منصوبہ قتل کی رات گذر گئی اور صبح کو تینی طور پر معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھ سے نکل پکھے ہیں تو ان پر گویا جنون طاری ہو گیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنا غصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آتا را آپ کو گھبیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے اور ایک گھنٹی زیر حراست رکھا کر ملکن ہے ان دونوں کی خبر لگ جائے لہ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ حاصل نہ ہو تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور دروازہ کھلکھلایا۔ حضرت اسما مرتضیٰ ابی بکر برآمد ہوئیں۔ ان سے پوچھا تھا اسے اب آ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا، بخدا مجھے معلوم نہیں کہ میرے ابا کہاں ہیں۔ اس پر کمیت خبیث ابو جہل نے با تھ اٹھا کر ان کے رخسار پر اس زور کا تھپڑا مارا کہ ان کے کان کی بالی گز گئی۔ ۱۶

اس کے بعد قریش نے ایک ہنگامی اجلاس کر کے یہ طے کیا کہ ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے تمام عکنہ وسائل کام میں لائے جائیں؛ چنانچہ کئے سے نکلنے والے تمام راستوں پر خواہ وہ کسی بھی سمت جا رہا ہو نہایت کوشش پر بھادیا گیا۔ اسی طرح یہ اعلان عام بھی کیا گیا کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بایا ان میں سے کسی ایک کو نندہ یا مردہ حاضر کرے گا اسے ہر ایک کے بدالے سو اونٹوں کا گرانقدر انعام دیا جائے گا۔ لہ اس اعلان کے نتیجے میں سوار اور پیادے اور نشانات قدم کے ماہر کھو جی ہنایت سرگزی سے تلاش میں لگ گئے اور پہاڑوں، وادیوں اور نشیب و فرازیں ہر طرف بکھر گئے؛ لیکن نتیجہ اور حاصل کچھ نہ رہا۔

تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک بھی پہنچے لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے چنانچہ صلح بخاری

میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نبی ﷺ کے ساتھ خار میں تھا۔ سراٹھا یا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے پاؤں نظر آ رہے ہیں۔ میں نے کہا، اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کوئی شخص محض اپنی نجاح نیچی کر دے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابو بکر، خاموش رہو (ہم) دو ہیں جن کا تیراللہ ہے۔" ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں ماذکرہ یا آبا بکر پاٹنیں <sup>۱۹</sup> اللہُ ثَالِثُهُمَا۔ ابو بکر! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، جن کا تیراللہ ہے۔<sup>۱۹</sup>

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مسخر۔ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشرف فرمایا چنانچہ تلاش کرنے والے اس وقت واپس پہنچے گئے جب آپ کے درمیان اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ باقی نہ رہ گیا تھا۔

**مدینہ کی راہ میں** | جب بسجوں کی آگ بجھ گئی، تلاش کی ہٹک دوڑک گئی اور تمیں روز کی مسیل اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کے جوش و جذبات سرد پڑ گئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لیے نکلنے کا عزم فرمایا۔ بعد اللہ بن ارطیش سے، جو صحرائی اور بیانی راستوں کا ماہر تھا، پہنچے ہی اجرت پر مدینہ پہنچانے کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ یہ شخص ابھی قریش ہی کے دین پر تھا لیکن قابل اطمینان تھا اس لیے سواریاں اس کے حوالے کر دی گئی تھیں اور طے ہوا تھا کہ تمیں راتیں گذر جانے کے بعد وہ دونوں سواریاں لے کر غار شور رہے سن جاتے گا۔ چنانچہ جب دو شنبہ کی رات آئی جو پیغمبر اول سلمہ کی چاند رات تھی (مطابق ۶ استبر ۶۲۲ء)

تو عبد اللہ بن ارطیش سواریاں لے کر آگیا اور اسی موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں افضل ترین اوقتنی پیش کرتے ہوئے گزارش کی کہ آپ میری ان دو سواریوں میں سے ایک قبول فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "قیمتہ لول گا۔"

ادھر اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بھی زاد سفر لے کر آئیں مگر اس میں لٹکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں۔ جب روانگی کا وقت آیا اور حضرت اسماء نے تو شہنشکانا چاہا تو دیکھا کہ اس میں بندھن ہی نہیں

<sup>۱۹</sup> ایضاً ۱/۵۵۸، ۵۱۶۔ یہاں یہ نکتہ بھی یہاں درکھنا چاہیے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اضطراب اپنی جان کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس کا واحد سبب وہی تھا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب قیافہ شاسوں کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ پر آپ کا خم فزول تھا جو گیا اور آپ نے کہا، کہ اگر میں مارا گیا تو میں محض ایک آدمی ہوں لیکن اگر آپ تسل کر دیے گئے تو پوری امت ہی فارت ہو جائے گ۔ اور اسی موقع پر ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ غم نہ کرو۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

ہے۔ انہوں نے اپنا پٹکا رکر بند کھولا اور وحصوں میں چاک کر کے ایک میں تو شکار کا دیا اور دوسرا کمر میں یاندھیا۔ اسی وجہ سے ان کا القب ذات النطاقین پڑ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کوچ فرمایا۔ عامر بن فہیم رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ رہنماء عبد اللہ بن اریقیط نے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔

غار سے روانہ ہو کر اس نے سب سے پہلے میں کے رُخ پر چلا یا اور جنوب کی سمت خوب دوڑنک لے گیا پھر پھم کی طرف مردا اور ساحل سند رکارخ کیا؛ پھر ایک ایسے راستے پر پہنچ کر جس سے عام لوگ واقع فتحتھے شمال کی طرف مُرگیا۔ یہ راستہ مالِ بھر احر کے قریب ہی تھا اور اس پر شاذ و نادر ہی کوئی چلتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس راستے میں جن مقامات سے گذرے این اسحاق نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رہنماء آپ دونوں کو ساتھ لے کر نکلا تو زیرین کہ سے لے چلا پھر ساحل کے ساتھ چلتا ہوا زیرین عجھاں سے راستہ کامیاب، پھر زیرین انج سے گذرتا ہوا آگے بڑھا، اور قدید پار کرنے کے بعد پھر راستہ کامیاب وہیں سے آگے بڑھتا ہوا خار سے گزرا، پھر ثیختہ المرۃ سے، پھر لفٹ سے پھر بیان لفٹ سے گزرا، پھر مجاہ کے بیان میں پہنچا۔ اور وہاں سے ہو کر پھر محلہ کے موڑ سے گزرا پھر ذوالغضبوں کے موڑ کے نشیب میں چلا پھر ذی کشر کی وادی میں داخل ہوا پھر جدید کارخ کیا پھر اجرد پہنچا اور اس کے بعد بیان تمہن کے اطراف کی وادی ذولم سے گزرا۔ وہاں سچابید اور اسکے بعد فاجہ کارخ کیا پھر عرصہ میں اتنا پھر کوہ کے پہنچے با تھوڑتہ العائر میں چلا یہاں تک کہ وادی رشم میں اتنا اور اسکے بعد قبائل پہنچ گیا۔

آئیے! اب راستے کے چند واقعات بھی سنتے چلیں۔

۱۔ میسح بخاری میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ انہوں نے فرمایا، ہم لوگ رغار نے نکل کر) رات بھرا درون میں دوپہر تک چلتے رہے۔ جب ٹھیک دوپہر کا وقت ہو گیا راستہ خال ہو گیا اور کوئی گذر نے والا نہ رہا تو ہمیں ایک بھی چنان دکھائی دی جس کے ساتھ پر وحصوں نہیں آئی تھی۔ ہم وہیں اتر پڑے۔ میں نے اپنے ساتھ سے بنی ﷺ کے سونے کے لیے ایک جگہ برابر کی اور اس پر ایک پوتین بچا کر گزارش کی کہ اسے اللہ کے رسول ﷺ کی ایک سو جاییں اور میں آپ کے گرد ویشیں کی دیکھ بھال کئے لیتا ہوں۔ آپ ﷺ سور گئے اور میں آپ کے گرد ویشیں کی دیکھ بھال کے لیے نکلا۔ اچانکہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چورا

اپنی بکریاں لیے چنان کی جانب چلا آ رہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان سے وہی چاہتا تھا جو ہم نے چاہا تھا۔ میں نے اس سے کہا، اے جوان تم کس کے آدمی ہو؟ اس نے مکریا مدنیہ کے کسی آدمی کا ذکر کیا۔ میں نے کہا، تمہاری بکریوں میں کچھ دودھ ہے؟ اس نے کہا، نہ۔ میں نے کہا وہ سکتا ہوں۔ اس نے کہا، نہ۔ اور ایک بکری پکڑی۔ میں نے کہا ذرا تھن کو مٹی، بال اور تنکے وغیرہ سے صاف کرو۔ پھر اس نے ایک کاب میں تھوڑا ساد دودھ دو۔ اور میرے پاس ایک چرمی لوٹا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیمنے اور ضرور کرنے کے لیے رکھ لیا تھا۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا۔ یکن گوارا نہ ہوا کہ آپ کو بیدار کروں۔ چنانچہ جب آپ بیدار ہوتے تو میں آپ کے پاس آیا اور دودھ پر پانی انڈلایا ہیاں تک کہ اس کا نچلا حصہ تھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے ہائے اللہ کے رسول ﷺ پلیا۔ آپ نے پیا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا، کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا، کیوں نہیں؟ اس کے بعد ہم لوگ چل پڑے۔

۲۔ اس سفر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ کے ردیف رہا کرتے تھے یعنی سواری پر حضور کے تیچھے بیٹھا کرتے تھے، چونکہ ان پر بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے اس لیے لوگوں کی توجہ انہیں کی طرف جاتی تھی۔ نبی ﷺ پر ابھی جوان کے آثار غائب تھے اس لیے آپ کی طرف توجہ کم جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی آدمی سے سابقہ پشاۃ توہہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھتا کہ یہ آپ کے آگے کون سا آدمی ہے؟ رحمت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کا بڑا طیف جواب دیتے) فرماتے ہیں یہ آدمی مجھے راستہ بتاتا ہے؛ اس سے سمجھنے والا سمجھتا کہ وہ یہی راستہ مراد ہے رہے ہیں حالانکہ وہ خیر کار است مراد یلتے تھے۔

۳۔ اسی سفر میں آپ ﷺ کا گذر اُمّت مسجد خدا عزیز کے نیچے سے ہوا۔ یہ ایک نمایاں اور توان خاتون تھیں۔ باخوں میں گھٹنے ڈالے نیچے کے صحن میں بیٹھی رہتیں اور آنے جانے والے کو کھلانے پلاتی تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ پاس میں کچھ ہے؟ بولیں: ”بندہ ہمارے پاس کچھ ہوتا تو آپ لوگوں کی میزبانی میں تنگی نہ ہوتی، بکریاں بھی دُور دراز ہیں۔“ یہ قحط کا زمانہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ نیچے کے ایک گوشے میں ایک بکری ہے۔ فرمایا، ”اُمّت مسجد“ یہ کسی بکری ہے؟ بولیں، ”اے کمزوری نے روپڑ سے چیچھے چھوڑ رکھا ہے۔“ آپ ﷺ نے

دریافت کیا کہ اس میں کچھ دودھ ہے؟ بولیں: "وہ اس سے کہیں زیادہ کرو رہے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت ہے کہ اسے دوہ لوں؟" بولیں: "ہاں میرے ماں باپ تم پر قربان۔ اگر تھیں اس میں دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دوہ لو۔" اس گفتگو کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس بکری کے تھن پر ما تھ پھیرا۔ اللہ کا نام لیا اور دعا کی۔ بکری نے پاؤں پھیلادے۔ تھن میں بھر پور دودھ اُت آیا۔ آپ نے اُمّ معبد کا ایک بڑا سارتن لیا جو ایک جماعت کو اس وادہ کر سکتا تھا اور اس میں اتنا دوہ کہ جھاگ اُپر رہا گیا۔ پھر اُمّ معبد کو پلا یا۔ وہ پلی کر شکم سیر ہو گئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلا یا۔ وہ بھی شکم سیر ہو گئے تو خود پیا۔ پھر اسی برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہ کہ برتن بھر گیا اور اسے اُمّ معبد کے پاس چھوڑ کر آگے چل پڑے۔ تھوڑی ہی دیرگز ری تھی کہ ان کے شوہرا ابو معبد اپنی کمرہ ورکریوں کو جو دبليے پن کی وجہ سے مریل چال چل رہی تھیں، مانکتے ہوئے آپ پہنچے۔ دودھ دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے۔ پوچھا یہ تھا اسے پاس کہاں سے گیا؟ جبکہ بکریاں دور دراز تھیں اور گھر میں دودھ دینے والی بکری نہ تھی۔ بولیں: "بند اکوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہمارے پاس سے ایک بارکت آدمی گذر اجس کی ایسی اور ایسی بات تھی اور یہ حال تھا۔ ابو معبد نے کہا یہ تو وہی صاحبِ قریش معلوم ہوتا ہے جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اچھا ذرا اس کی کیفیت توبیان کرو۔ اس پر اُمّ معبد نے نہایت دلکش انداز سے آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گویا سننے والا آپ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ کتاب کے آخر میں یہ اوصاف درج کئے جائیں گے۔ یہ اوصاف سن کر ابو معبد نے کہا: "واللہ تو وہی صاحبِ قریش ہے جس کے بارے میں لوگوں نے قسم قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ ﷺ کی رفاقت اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔"

ادھر کتے میں ایک آواز ابھری جسے لوگ سن رہے تھے گراس کا بولنے والا دکھان نہیں پڑ رہا تھا۔ آواز یہ تھی۔

جزی اللہ رب العرش خیر جزاءه	رفیقین حلا خیمتی ام معبد
همانزل لا بالبر وارتاحلا به	و افلح من امسی رفیق محمد
فی لقصی مازوی اللہ عنکم	بہ من فعال لا یجاذی وسُود
لیہن بنی کعب مکان فتاتهم	و مقعدہا للمومنین بمرصده
سلوا اختکم عن شأتها و آذائها	فانکم ان تسألوا الشاة تشهد

”اللَّهُرَبُ الْعَرْشَ أَنْ دُورَفِيقُوںَ كُو بَهْتَرِينَ جِزاً دَيْ جَوَامِمُ مَعْدَكَے خَيْرَے میں نازل ہوئے۔ وَهُوَ دُونُوں خیر کے ساتھ آتے اور خیر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور جو محمد ﷺ کا رفیق ہوا وہ کائیا ہوا۔ مارے قصیٰ! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں تم سے سیٹ لیں۔ بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑا اور مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو۔ تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہر کا رخ فرمایا ہے کہ ایک جن زیریں کلمے سے یہ اشعار پڑھتا ہوا آیا۔ لوگ اس کے پیچے پیچھے چل رہے تھے، اس کی آواز سن رہے تھے لیکن خود اسے نہیں دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ بالائی کلمے سے نکل گیا وہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے اس کی پات سنی تو ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہر کا رخ فرمایا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا رخ مدینہ کی جانب ہے۔<sup>۱۴</sup>

۱۴۔ راستے میں سُرَاةَ بْنِ مَالِكَ نے تعاقب کیا اور اس واقعے کو خود سُرَاةَ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”میں اپنی قوم بنی مذْنَعَ کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں لیک اآدمی آ کر ہمارے پاس کھڑا ہوا اور ہم بیٹھے تھے۔ اس نے کہا، اے سُرَاةَ! میں نے ابھی ساحل کے پاس چند افراد دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہیں۔ سُرَاةَ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا یہ وہی لوگ ہیں، لیکن میں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں بلکہ تم نے فلاں اور فلاں کو دیکھا ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے گزر کر گئے ہیں۔ پھر میں مجلس میں کچھ دیر تک ٹھہر ا رہا۔ اس کے بعد اٹھ کر اندر گیا اور اپنی لودھی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا نکالے اور یہی کے پیچھے روک کر میرا انتظار کرے۔ ادھر میں نے اپنا نیزو لیا اور گھر کے پھوٹے سے باہر نکلا۔ لاثی کا ایک سراز میں پر گھیٹ رہا تھا اور دوسرا اور ہری سرای پیچے کر رکھا تھا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور اس پر سوار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسب معمول مجھے لے کر دوڑ رہا ہے یہاں تک کہ میں ان کے قریب آ گیا۔ اس کے بعد گھوڑا مجھ سیست پھسلا اور میں اس سے گزگی۔ میں نے اٹھ کر تکش کی طرف مانجھ رہا یا اور پرانے کے تیز نکال کر یہ جاننا چاہا کر میں انہیں ضرر پہنچا سکوں گایا نہیں تو وہ تیز نکلا جو مجھے ناپسند تھا، لیکن

<sup>۱۴</sup> زاد المعاو ۵/۲، ۵۔ بنو خزادہ کی آبادی کے محل و قوع کو بد نظر رکھتے ہوئے اغلب یہ ہے کہ یہ داقو غار سے روائی کے بعد دسرے دن پیش آیا ہو گا۔

میں نے تیر کی نافرمانی کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا یہاں تک کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت سن رہا تھا۔ اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے، جیکہ ابو بکر بار بار مرد کر دیکھ رہے تھے۔ تو میرے گھوڑے کے الگ کے دونوں پاؤں زمین میں ڈنس گئے یہاں تک کہ گھنٹوں تک جا پہنچے اور میں اس سے گلیا ہو چکیں نے اسے ڈانٹا تو اس نے اٹھنا چاہا لیکن وہ اپنے پاؤں مشکل نکال سکا۔ بہر حال جب وہ یہدیہا کھڑا ہوا تو اُس کے پاؤں کے شان سے آسمان کی طرف ڈھونیں جیسا غبار اڑ رہا تھا۔ میں نے پھر پانے کے تیر سے قصہت معلوم کی اور پھر وہی تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا۔ اس کے بعد میں نے امان کے ساتھ انہیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا جس وقت میں ان سے روک دیا گیا تھا اسی وقت میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ( غالب ) کر رہے گا، چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ کی قوم نے آپ ﷺ کے بدے دیت رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عذام سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور تو شہ اور ساز و سامان کی بھی پیش کش کی مگر انہوں نے میرا کوئی سامان نہیں لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال کیا۔ صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق رازداری برداشت۔ میں نے آپ سے گزارش کی کہ آپ مجھے پرواہ امن لکھ دیں۔ آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے چھڑتے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر میرے حلقے کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ ۴۵

اس واقعے سے متعلق خود ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت ہے ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ روانہ ہوئے تو قوم ہماری تلاش میں تھی مگر سراقت بن مالک بن جشم کے سوا، جو اپنے گھوڑے پر آیا تھا، اور کوئی نہیں نہ پاس کا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے سمجھا کرنے والا ہمیں آئیا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

لَا تَخْرُنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

”غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ ۴۶

بہر حال سراقت تو اپس ہوا تو دیکھا کہ لوگ تلاش میں سرگردان ہیں۔ کہنے لگا ادھر کی کھونج خبر سے

۴۵۔ مسیح بخاری ۱/۲۵۵۔ یہی نہ لمحی کا وطن رابنے کے قریب تھا اور سراقت نے اس وقت آپ کا سمجھا کیا تھا جب آپ قدیم سے اور پیغامبر ہے تھے رزاد المعاو ۲/۵۳) اس یہے اغیب یہ ہے کہ غار سے رواجی کے بعد میرے دن تعزیت کا یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

چکا ہوں۔ یہاں تھا راجو کام تھا وہ کیا جا چکا ہے۔ راس طرح لوگوں کو واپس لے گیا) یعنی دن کے شروع میں تو چڑھا کر با تھا اور آخر میں پاسپان بن گی۔ ۲۷

۵۔ راستے میں نبی ﷺ کو بُریدہ آئلی ملے، یہ اپنی قوم کے سردار تھے اور فرشت نے جس زبردست انعام کا اعلان کر رکھا تھا اسی کے لाभ میں نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلتے تھے؛ لیکن جب رسول اللہ ﷺ سے سامنا ہوا اور بات چیت ہوئی تو نقد دل دے بیٹھے اور اپنی قوم کے شرآدمیوں سیست وہیں سلمان ہو گئے۔ پھر اپنی گردی اتار کر نیزہ سے باندھ لی جس کا سفید پھر ریا ہوا میں لہرا تا اور بشارت سننا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دُنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لارہا ہے۔ ۲۸

۶۔ راستے میں نبی ﷺ کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ملے۔ مسلمانوں کے ایک تجارت پیشہ گروہ کے ساتھ مکث شام سے واپس آ رہے تھے۔ حضرت زبیر نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سفید پارچہ جات پیش کئے۔ ۲۹

**قبار میں تشریف آوری** | دو شنبہ ۸ ربیع الاول نبوت یعنی سالہ ہجری مطابق ۴۲ ستمبر ۱۹۰۴ء کو رسول اللہ ﷺ قبار میں وارد ہوئے تھے  
حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مسلمان ان مرینہ نے کہہ سے رسول اللہ ﷺ کی روائی کی خبر سنی تھی اس لیے لوگ روزانہ صحیح ہی صحیح رتہ کی طرف نکل جاتے اور آپ کی راہ نکلتے رہتے۔ جب دوپہر کو دھوپ سخت ہو جاتی تو واپس چلے آتے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو پہنچ پکھتے تھے کہ ایک یہودی اپنے کسی میلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء سفید کھروں میں بوس۔ جن سے چاندنی چھٹک رہی تھی۔ تشریف لارہے ہیں۔ اس نے بخود ہو کر نہایت بلند آواز سے کہا: عرب کے لوگوں ای رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔ یہ سنتے ہی مسلمان ہمیاروں کی طرف دوڑ

۲۷۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۱۔ ۲۸۔ صحیح بخاری عن عروۃ ابن الزبیر ۱/۵۵۶۔  
۲۹۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲۔ اس دن نبی ﷺ کی عمر بیشتری کی بیشی کے طحیب ترین حال ہوئی تھی اور جو لوگ آپ کی نبوت کا آغاز ۹ ربیع الاول نکھلے عام الفیل سے مانتے ہیں انکے قول کے مطابق آپ کی نبوت پر طحیب تیرہ سال کی کوئی ہوئے تھے۔  
ابتو جو لوگ آپ کی نبوت کا آغاز رمضان نکھلے عام الفیل سے مانتے ہیں ان کے قول کے مطابق بارہ سال پائی تھیہ میں اٹھا رہے دن یا بارہ دن ہوئے تھے۔

پڑے۔ اللہ را اور تھیار سچ دھج کر استقبال کے لیے امنڈ پڑے) اب قیم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی بنی عُزُوں بن عوف (ساکنِ قبار) میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنتی گئی۔ مسلمان آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں نعمۃ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے نیچے نکل پڑے۔ پھر آپ ﷺ سے مل کر تجویہ بیوت پیش کیا اور گرد و پیش پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ پر سکینت چھائی ہوئی تھی۔ اور یہ دعیٰ نازل ہو رہی تھی۔

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَكُكَهُ بَعْدَ →

ذَلِكَ ظَهِيرٌ ○ (۲:۶۶)

”اللہ آپ کا مولیٰ ہے اور جبریل علیہ السلام اور صالح مؤمنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپ کے مددگار ہیں“ ۳۳

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگوں سے ملنے کے بعد آپ ان کے ساتھ داہنی جانب مرٹے اور بنی عُزُوں بن عوف میں تشریف لائے۔ یہ دو شنبہ کا دن اور زیست الاول کا چہینہ تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آنے والوں کے استقبال کے لیے کھڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا وہ چپ چاپ بیٹھے تھے۔ انصار کے جو لوگ آتے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا وہ سیدھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چادر تنا کر آپ ﷺ پر سایہ کیا تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ۳۴

آپ ﷺ کے استقبال اور دیدار کے لیے سارا مدینہ امنڈ پڑا تھا۔ یہ ایک تاریخی دن تھا جس کی نظیر سرزہ میں مدینہ نے کبھی نہ دکھی تھی۔ آج یہود نے بھی جتوں نبی کی اس بشارت کا مطلب دیکھ لیا تھا ”کہ الشَّجْنُوبُ سَعَى إِلَيْهِ جَوْقَدُوسُ هُوَ كُوْهُ فَارَانُ سَعَى إِلَيْهِ“ رسول اللہ ﷺ نے قبائل میں کثوم بن ہدم — اور کہا جاتا ہے کہ شعب بن خشمہ — کے مرکان میں قیام فرمایا — پہلا قول زیادہ توی ہے۔

ادھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہ میں تین روز مٹھر کر اور لوگوں کی جواناں تیس

رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں انہیں ادا کر کے پیدل ہی مدینہ کا رخ کیا اور قباد میں رسول اللہ ﷺ سے آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا۔<sup>۲۵</sup>

رسول اللہ ﷺ نے قباد میں کل چار دن <sup>۲۶</sup> (دو شنبہ، منگل، بده، جمعرات) یادوں سے زیادہ دن یا پانچ اور روانگی کے علاوہ ۲۳ دن قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قباد کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ یہ آپ ﷺ کی نبوت کے بعد پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ پانچویں دن ریا باہر ہوی دن یا چھبوسویں دن (جمعہ کو)۔ آپ حکم الہی کے مطابق سوار ہوتے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ردیف تھے۔ آپ نے بنو النجار کو جو آپ ﷺ کے ماموؤں کا قبیلہ تھا۔ ہلاعِ صحیح دی تھی۔ چنانچہ وہ تواریں حماں کے حاضر تھے۔ آپ نے ران کی معیت میں مدینہ کا رخ کیا۔ بنو سالم بن حوف کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آگیا۔ آپ نے بطنِ دادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے۔ کل ایک سو آدمی تھے۔<sup>۲۷</sup>

**مَدِينَةِ مِيْسَ دَاخِلَهُ** | جمعہ کے بعد نبی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام شرب کے بجائے مدینۃ الرسول۔ شہر رسول۔ ﷺ پڑ گیا جسے مختصرًا مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تباشک تاریخی دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس و تحریر کے لماتے سے گونج رہے تھے اور انصار کی بھیان خوشی و مسرت سے ان اشعار کے نفعے بکھر رہی تھیں۔<sup>۲۸</sup>

أَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ شَذِيَّاتِ الْوَدَاعِ  
”ان پہاروں سے جو ہیں سوئے جنوب پرودھوں کا چاند ہے ہم پر چڑھا

<sup>۲۵</sup> زاد المعاوٰد ۲/۱۰۵۔ ابن ہشام ۱/۴۹۳۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲۔

<sup>۲۶</sup> یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/۴۹۴۔ اسی کو علامہ منصور پوری نے اختیار کیا ہے۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲۔ لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قباد میں ۲۲ رات قیام فرمایا (۱/۶۱) مگر ایک اور روایت میں وسی رات سے چند روز زیادہ را (۵۵۵) اور ایک تیسرا روایت میں چودہ رات (۱/۵۴۰) بتایا گیا ہے۔ ابن قیم نے اسی آخری روایت کو اختیار کیا ہے مگر ابن قیم نے خود تصریح کی ہے کہ آپ قباد میں دو شنبہ کو پہنچے تھے اور وہاں سے جمعہ کو روانہ ہوتے تھے۔ (زاد المعاوٰد ۲/۵۵، ۵۲، ۵۵) اور حکوم ہے کہ دو شنبہ اور جمعہ دو الگ الگ ہفتوں کا یا جائے تو پانچ اور روانگی کا دن چھوڑ کر کل مدت وسی دن ہوتی ہے اور پانچ اور روانگی کا دن شامل کر کے ۱۲ دن ہوتی ہے اس لیے کل مدت چودہ دن کی ہے ہو سکے گی۔

<sup>۲۷</sup> صحیح بخاری ۱/۵۵۵، ۵۵۰۔ زاد المعاوٰد ۲/۵۵۔ ابن ہشام ۱/۴۹۲۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۲۔

<sup>۲۸</sup> اشعار کا یہ ترجمہ علامہ منصور پوری نے کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ اشعار (باقی لگے صفحہ)

وَجَبَ الشُّكُرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا اللَّهُ دَاعِ  
کیماں عمدہ دین اور تسلیم ہے شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا  
آیَهَا الْمَبْعُوتُ رَفِيْتَ رِجْنَتَ پَا لَأْمُرِ الْمُطَابِع  
ہے اطاعت فرض تسلیک حکم کی ذیکر ہے والا ہے تسلیم کبریا ۲۸  
انصار اگرچہ بڑے دولت مند تھے لیکن ہر ایک کو یہی آرزو تھی کہ رسول اللہ ﷺ  
اس کے یہاں قیام فرمائیں؛ چنانچہ آپ ﷺ انصار کے حبیس مکان یا محلے سے گزرتے وہاں  
کے لوگ آپ کی اوٹٹی کی نیکی پکڑ لیتے اور عرض کرتے کہ تعداد و سامان اور تھیار و حفاظت فرش راہ  
میں تشریف لایتے؛ مگر آپ ﷺ فرماتے کہ اوٹٹی کی راہ پھوڑ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے مأمور  
ہے۔ چنانچہ اوٹٹی مسلسل چلتی رہی اور اس مقام پر پہنچ کر مسیحی جہاں آج مسجد نبوی ہے؛ لیکن آپ  
ﷺ یئچے نہیں اترے یہاں تک کہ وہ انہوں کو تھوڑی دور کئی، پھر مرد کو دیکھنے کے بعد پڑت  
آئی اور اپنی پہلی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ یئچے تشریف لائے۔ یہ آپ کے نہیاں  
والوں یعنی بنو نجاشی کا محلہ تھا اور یہ اوٹٹی کے لیے عرض توفیق الہی تھی کیونکہ آپ ﷺ نہیاں  
میں قیام فرمکر ان کی عزت افرانی کذا چاہتے تھے۔ اب بنو نجاشی کے لوگوں نے اپنے گھر کے  
جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے عرض مروض شروع کی لیکن ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ  
نے پاک کر کجا وہ اٹھایا اور اپنے گھر کے رپھے گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ فرمائے گئے،  
آدمی اپنے بجاوے کے ساتھ ہے۔ ادھر حضرت اسحاق زرارہ رضی اللہ عنہ نے آگراؤٹی کی نکیں  
پکڑ لی۔ چنانچہ یہ اوٹٹی انہیں کے پاس رہی۔ ۲۹

صیح بنخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہمارے  
کس آدمی کا گھر زیادہ قریب ہے؟" حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا، اے اللہ کے رسول! یہ رہا  
میرا مکان اور یہ رہا میرا دروازہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ! اور ہمارے لیے قیوں کی جگہ تیار

ابن زادہ محدث سخن، تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی پر پڑھے گئے تھے اور جو یہ کہتا ہے کہ مدینہ میں  
آپ ﷺ کے داخلے کے موقعے پر پڑھے گئے تھے اسے وہم ہوا ہے (زاد المعاذ ۱۰/۳) لیکن  
علامہ ابن قیم نے اس کے وہم ہونے کی کوئی تشفی بخش دلیل نہیں دی ہے۔ ان کے برخلاف علامہ مصوّر پوری  
نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ اشارہ مدینہ میں داخلے کے وقت پڑھے گئے اور ان کے پاس اس کے ناقابل  
تر دیدہ لائل بھی ہیں۔ ذیکرے حجر للعائمین ۱/۶۷ - حجر للعائمین ۲/۵۵ - رحمۃ للعائمین ۱/۶۷

کر دو۔ انہوں نے عرض کی آپ دونوں حضرات تشریف لے چکیں اللہ برکت دے بذکه  
 چند دن بعد آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت سُودہ رضی اللہ عنہا اور آپ  
 کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور امام ائمہؓ بھی آگئیں۔ ان  
 سب کو حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آل ابی بکر کے ساتھ جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں لے کر  
 آتے تھے ؟ البتہ نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت زینبؓ، حضرت ابو العاصؓ کے پاس  
 باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آنے نہیں دیا اور وہ جنگ بدرا کے بعد تشریف لا سکیں۔ اللہ  
 حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینۃ تشریف لائے تو حضرت  
 ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار آگیا۔ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ۔ ابہا جان  
 آپ کا کیا حال ہے؟ اور اے بلال! آپ کا کیا حال ہے؟ وہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ  
 کو بخار آتا تو یہ شعر پڑھتا ہے ।

كُلُّ امْرِيٍّ مُصَبِّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتَ أَدْقَى مِنْ شِرَابٍ نَغْلِهِ  
 ”ہر آدمی سے اسکے اہل کے اندر صحیح بخیر کہا جاتا ہے حالانکہ موت اُنکے جو تے کے تھے سے بھی زیادہ قریب ہے“  
 اور حضرت بلالؓ رضی اللہ عنہ کی حالت کو سنبھلتی تو وہ اپنی کربناک آواز بلند کرتے اور کہتے ہے:  
 الالیت شعري هسل ابیعن لیلۃ بواد و حولی اذخر و جدید  
 و همل اردن یوما میاہ مجنتہ و همل یہدون لی شامۃ و طفیل  
 ”کاش میں جانتا کر کوئی رات وادی رکھ، میں گزار سکوں گا اور میرے گرد اذخر اور جیل (گھاس،  
 ہول گ) اور کیا کسی دن مجنتے کے پیشے پر وارد ہو سکوں گا اور مجھے شامہ اور طفیل (رپہاڑ) دکھلانی پڑیں گے۔“  
 حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر  
 اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینۃ کو اسی طرح عجوب کر  
 دے بھیسے کہ مجوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینۃ کی فضار صحبت نخش بنا دے اور اس کے  
 صاف اور مدد نعلے کے پیمانوں میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے تحفہ پہنچا دے۔ اللہ  
 نے آپ ﷺ کی دعا سن لی اور حالات بدلتے گئے۔

یہاں تک حیاتِ طیبہ کی ایک قسم اور اسلامی دعوت کا ایک دور (یعنی کمی دور) پورا ہو جاتا ہے۔

## مدنی زندگی

مدنی عہد کو تین مرحلوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ پہلا مرحلہ وہ جس میں فتنے اور اضطرابات برپا کئے گئے اندر سے رکاوٹیں کھڑی گئیں اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفویہ ہستی سے مٹانے کے لیے چڑھائیاں کیں۔ یہ محدث صلح حُدُبُّ يَسِيْهُ ذِي قَعْدَةِ سَعْدَةٍ پر ختم ہو جاتا ہے۔
- ۲۔ دوسرا مرحلہ وہ جس میں بُت پرست قیادت کے ماتحت صلح ہوئی۔ یہ فتح مکہ رمضان سعیدہ پر منتهی ہوتا ہے۔ یہی مرحلہ شامانِ عالم کو دعوت دین پیش کرنے کا بھی مرحلہ ہے۔
- ۳۔ تیسرا مرحلہ وہ جس میں خلقت اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئی۔ یہی مرحلہ مدینہ میں قوموں اور قبیلوں کے وفاد کی آمد کا بھی مرحلہ ہے۔ یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اخیر یعنی ربیع الاول سعیدہ پر میطھے ہے۔

## ہجرت کے وقت مدینہ کے حالاں

ہجرت کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ فتنے اور تمیز کا نشانہ بننے سے بنجات حاصل کر لی جائے بلکہ اس میں یہ فہرست بھی شامل تھا کہ ایک پُرانی علاقے کے اندر ایک نئے معاشرے کی تشکیل میں تعاون کیا جائے۔ اسی یہے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض قرار پایا تھا کہ اس وطن جدید کی تعمیر میں حصہ لے اور اس کی پختگی، خانہ خانہ اور رفتہ شان میں اپنی کوشش صرف کرے۔

یہ بات تو قطعی طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی اس معاشرے کی تشکیل کے امام، قائد اور رہنماء تھے اور کسی زرع کے بغیر بالے معاملات کی باگ ڈور آپ ﷺ ہی کے ہاتھیں تھی۔

مدینے میں رسول اللہ ﷺ کو تین طرح کی قوموں سے سابقہ درپیش تھا جن میں سے ہر ایک کے حالات دوسرے باکل جدائی نہ تھے اور ہر ایک قوم کے تعلق سے کچھ خصوصی مسائل تھے جو دوسری قوموں کے مسائل سے مختلف تھے۔ یہ قیوں اقوام حسب ذیل تھیں:

- ۱۔ آپ ﷺ کے پابند اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی منتخب اور مقاز جماعت۔
- ۲۔ مدینے کے قدیم اور اصلی قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین، جوابت نک ایمان نہیں لائے تھے۔

۳۔ سیود

راالف، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق سے آپ ﷺ کو جن مسائل کا سامنا تھا ان کی توضیح یہ ہے کہ ان کے یہے مدینے کے حالات کئے کے حالات سے مختلف طور پر مختلف تھے۔ کئے تین اگرچہ ان کا کلمہ ایک تھا اور ان کے مقاصد بھی ایک تھے مگر وہ خود مختلف گھروں میں بھروسے ہوتے تھے۔ اور مجبور و مفہور اور ذیل و کمزور تھے۔ ان کے مان虎 میں کسی طرح کا کوئی اختیار نہ تھا۔ سارے اختیارات دشمنان دین کے مان虎وں میں تھے اور دنیا کا کوئی بھی انسانی معاشرہ جن اجوار اور لوازمات سے قائم ہوتا ہے مگر کے مسلمانوں کے پاس وہ اجوار سرے سے تھے ہی نہیں کہ ان کی بُنیا و پُرسی نئے اسلامی معاشرے کی تشکیل کر سکیں۔ اس یہے ہم دیکھتے ہیں کہ مگر سورتوں میں صرف اسلامی مبادیات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور صرف یہے احکامات نازل کئے گئے ہیں جن پر ہر آدمی نہما عمل کر سکتا ہے۔ اس کے

علاوہ نیکی بھلائی اور مکار میں اخلاق کی ترغیب دی گئی ہے اور رذیل و ذمیل کاموں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس کے برخلاف مدینے میں مسلمانوں کی زیماں کا پہلو ہی دن سے خود ان کے اپنے با赫میں تھی۔ ان پر کسی دوسرے کا تسلط نہ تھا اس لیے اب وقت آگیا تھا کہ مسلمان تہذیب و عمرانیات، معاشریات و اقتصادیات، سیاست و حکومت اور صلح و جنگ کے مسائل کا سامنا کریں اور ان کے لیے حلال و حرام اور عبادات و اخلاق وغیرہ مسائل زندگی کی بھروسہ تصنیع کی جائے۔

وقت آگیا تھا کہ مسلمان ایک نیا معاشرہ یعنی اسلامی معاشرہ تشکیل کریں جو زندگی کے تمام مظلوم ہیں جاہلی معاشرے سے مختلف اور عالم انسانی کے اندر موجود کسی بھی دوسرے معاشرے سے ممتاز ہو اور اس دعوتِ اسلامی کا نمائندہ ہویں کی راہ میں مسلمانوں نے تیرہ سال تک طرح طرح گلصیتیں اور مشقیں برداشت کی تھیں۔

ظاہر ہے اس طرح کے کسی معاشرے کی تشکیل ایک دن، ایک ہیمنہ یا ایک سال میں نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لیے لاکٹ طویل مدت درکار ہوتی ہے تاکہ اس میں آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ احکام دار کئے جائیں۔ اور قانون سازی کا کام مشق و تربیت اور عمل نفاذ کے ساتھ ساتھ مکمل کیا جائے۔ اب جہاں تک احکام و قوانین صادر اور فراہم کرنے کا محاصلہ ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کا کفیل تھا اور جہاں تک ان احکام کے نفاذ اور مسلمانوں کی تربیت و رہنمائی کا محاصلہ ہے تو اس پر رسول اللہ ﷺ مأمور تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

**هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَّةِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتَلَوَّ عَلَيْهِمْ أَيْتِهِ وَمُنِكِّهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (۴۱:۶۲)**

”دی ہے جس نے اُبیوں میں خود انہیں کے اندر سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک و صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور یہ لوگ یقیناً پہلے کھل گرا ہی میں تھے۔“

ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ آپ ﷺ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے اور جو حکم صادر ہوتا اس سے اپنے آپ کو آزادت کر کے خوشی محسوس کرتے جیسا کہ ارشاد ہے:

**.. وَإِذَا تُلِيهَا عَلَيْهِمْ أَيْتُهُمْ زَادَ تَهْمُمْ رَأْيَمَا نَأَ .. (۴۱:۸)**

جب ان پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں۔

چونکہ ان سارے مسائل کی تفصیل ہمارے موضوع میں داخل نہیں اس لیے ہم اس پر بقدر ضرورت گفتگو کریں گے۔

بہر حال یہی سب عظیم مسئلہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے تعلق سے درپیش تھا اور بڑے پیمانے پر یہی دعوتِ اسلامیہ اور رسالتِ محمدیہ کا مقصود بھی تھا۔ لیکن یہ کوئی ہنگامی مسئلہ نہ تھا بلکہ متعلق اور دائمی تھا۔ البتہ اس کے علاوہ کچھ دسرے مسائل بھی تھے جو فوری توجہ کے طالب تھے۔ جن کی مختصر کیفیت یہ ہے،

مسلمانوں کی جماعت میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک دو جو خود اپنی زمین، اپنے مکان اور اپنے اموال کے اندر رہ رہے تھے اور اس بارے میں ان کو اس سے زیادہ فکر نہ تھی جتنی کسی آدمی کو اپنے اہل و عیال میں امن و سکون کے ساتھ رہتے ہوئے کرنی پڑتی ہے۔ یہ انصار کا گروہ تھا اور ان میں پشتہ اپشت سے باہم بڑی مستحکم عداوتوں اور نفرتیں چلی آرہی تھیں۔ ان کے پہلو بہپو دوسرا گروہ جہاں جریں کا تھا جو ان ساری سہولتوں سے خود مرتکب اور لٹ پٹ کر کسی نہ کسی طرح تن یہ تقدیرِ مدینہ پہنچ گیا تھا۔ ان کے پاس نہ تو رہنے کے لیے کوئی شکرانہ تھا نہ پیٹ پالنے کے لیے کوئی کام۔ اور نہ سرے کے کسی قسم کا کوئی مال جیس پر ان کی میشست کا ڈھانچہ کھڑا ہو سکے، پھر ان پناہ گیر جہاں جریں کی تعداد کوئی محدود بھی نہ تھی اور ان میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ کیونکہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے وہ ہجرت کر کے مدینہ آجائے؛ اور معلوم ہے کہ مدینے میں نہ کوئی بڑی دولت تھی نہ آمدی کے ذرائع و وسائل پہنچنے میں کا اقتصادی توازن بگڑ گیا اور اسی تجھی ترشی میں اسلام و نہن طاقتوں نے بھی مدینے کا تقریباً اقتصادی بازار کاٹ کر دیا جس سے درآمدات بند ہو گئیں اور حالات انتہائی سُلگیں ہو گئے۔

(ب) دوسری قوم ہیمنی مدینے کے اصل مشرک باشدوں — کا حال یہ تھا کہ انہیں مسلمانوں پر کوئی بالادستی حاصل نہ تھی۔ کچھ مشرکین شک و شہری میں مستلا تھے اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں تردد محسوس کر رہے تھے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں کوئی عداوت اور داؤ گھات نہیں رکھ رہے تھے۔ اس طرح کے لوگ تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمان ہو گئے اور خالص اور پکنے مسلمان ہوتے۔

اس کے بخلاف کچھ مشرکین ایسے تھے جو اپنے یعنی میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سخت کیا وہ عداوت چھپائے ہوئے تھے لیکن انہیں مدد مقابل آنے کی جرأت نہ تھی بلکہ حالات کے پیش نظر آپ ﷺ سے محبت و خلوص کے اٹھا پر پر مجبور تھے۔ ان میں سرفہرست عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس کو جنگ بیانات کے بعد اپنا سرپرہ بنلنے پر اوس و خروج نے اتفاق کر دیا تھا۔ حالانکہ اس سے قبل دونوں فرانسیسی کی سربراہی پر متفق نہیں ہوئے تھے لیکن اب اس کے یہ مونگوں کا تاج تیار کیا جا رہا تھا کہ اس کے سرپر تاج شاہی رکھ کر اس کی باقاعدہ بادشاہت کا اعلان کر دیا جائے، یعنی یہ شخص مدینے کا بادشاہ ہونے ہی والاتھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کی آمد آمد ہو گئی اور لوگوں کا رُخ اس کے بجائے آپ ﷺ کی طرف ہو گیا اس لیے اسے احساس تھا کہ آپ ہی نے اس کی بادشاہت چھینی ہے، لہذا وہ اپنے نہای خانہ دل میں آپ کے خلاف سخت عداوت چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے باوجود جب اس نے جنگ بدر کے بعد دیکھا کہ حالات اس کے موافق نہیں ہیں اور وہ شرک پر قائم رہ کر اب دنیاوی فوائد سے بھی محروم ہوا چاہتا ہے تو اس نے بظاہر قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا، لیکن وہ اب بھی درپرده کافر ہی تھا۔ اسی لیے جب بھی اسے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کسی شرارت کا موقع ملتا وہ ہرگز نہ چوکتا۔ اس کے ساتھی عموماً وہ رُؤسائے تھے جو اس کی بادشاہت کے زیرِ سایہ بڑے بڑے مناصب کے حصول کی توجیہ باندھے بیٹھتے تھے گرائب نہیں اس سے محروم ہو جاتا پڑا تھا۔ یہ لوگ اس شخص کے شرکیہ کا رہتے اور اس کے مصوبوں کی تکمیل میں اس کی مدد کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے بسا اوقات نوجوانوں اور سادہ میں مسلمانوں کو بھی اپنی چاہکدستی سے اپنا آکر کاربنا لیتے تھے۔

(رج) تیسرا قوم یہود تھی۔— جیسا کہ گذر چکا ہے۔ یہ لوگ اشوری اور رومی ظلم و جبر سے بھاگ کر جماں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ یہ وہ حقیقت بہرائی تھے لیکن جماں میں پناہ گزیں ہونے کے بعد ان کی وضاحت قطع، زبان اور تہذیب وغیرہ بالکل عربی رہا۔ میں زندگی کی تھی یہاں تک کہ ان کے قبیلوں اور افراد کے نام بھی عربی ہو گئے تھے اور ان کے اور عربوں کے آپس میں شادی بیانہ کے رشتے بھی قائم ہو گئے تھے لیکن ان سب کے باوجود ان کی نسلی عصیت برقرار تھی اور وہ عربوں میں مغمدنہ ہجتے تھے بلکہ اپنی اسرائیلی۔— یہودی۔— قمیت پر فخر کرتے تھے اور عربوں کو انتہائی حریر سمجھتے تھے۔ حقیقی کہ انہیں اُتی کرتے تھے جس کا مطلب ان کے زویک یہ تھا: بدھو، وحشی، رذیل، اپسماںدہ اور اچھو۔

ان کا عقیدہ تھا کہ عربوں کا مال ان کے لیے مباح ہے، جیسے چاہیں کھائیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے،

**.. قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمَّةِ يَنْهَا سَبِيلٌ ۚ (۲۱: ۴۵)**

”انہوں نے کہا ہم پر اُمیوں کے معاملے میں کوئی راہ نہیں ۔“

یعنی اُمیوں کا مال کھانے میں ہماری کوئی پکر نہیں۔ ان یہودیوں میں اپنے دین کی اشاعت کے لیے کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی تھی۔ لے دے کر ان کے پاس دین کی جو پونجی رہ گئی تھی وہ تھی فال گیری، جادو اور بھاڑ پھونک وغیرہ۔ انہیں چیزوں کی بدولت وہ اپنے آپ کو صاحبِ علم وفضل اور روحانی قائد و پیشوائ سمجھتے تھے۔

یہودیوں کو دولت کمانے کے فنون میں بڑی ہمارت تھی۔ غلتے، کھجور، شراب، اور کپڑے کی تجارت انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ غلتے، کپڑے اور شراب درآمد کرتے تھے اور کھجور برآمد کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے مختلف کام تھے جن میں وہ سرگرم رہتے تھے۔ وہ اپنے اموال تجارت میں عربوں سے دو گن تین گناہ فیلٹتے تھے اور اسی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ وہ سُودخوار بھی تھے۔ اس لیے وہ عرب شیوخ اور سداروں کو سُودی قرض کے طور پر بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے جنہیں یہ سدار حصولِ شہرت کے لیے اپنی مدح سرانی کرنے والے شرار وغیرہ پر بالکل فضول اور بے دریخ خرچ کر دیتے تھے۔ ادھر یہود ان رقموں کے عوض ان سداروں سے ان کی زمینیں کھینچیاں اور باغات وغیرہ گرو رکھوایتے تھے اور چند سال گزرتے گذرتے ان کے مالک بن بیٹھتے تھے۔

یہ لوگ ویسے کاریوں، سازشوں اور جنگ و فساد کی آگ بھڑکانے میں بھی بڑے ماہر تھے۔ ایسی باریکی سے ہمسایہ قبائل میں دشمنی کے نیچ بوتے اور ایک کو دوسرا کے خلاف بھڑکاتے کہ ان قبائل کو احساس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ان قبائل میں یہ یہ جنگ بہ پار ہتی اور اگر خدا نخواست جنگ کی یہ آگ سرد پڑتی دکھائی دیتی تو یہود کی خفیہ انگلیاں پھر حرکت میں آ جاتیں اور جنگ پھر بھڑک لختی۔ کمال یہ تھا کہ یہ لوگ قبائل کو لڑا بھڑا کر چپ چاپ کنارے بیٹھ رہتے اور عربوں کی تباہی کا تماش دیکھتے۔ البتہ بھاری بھر کم سُودی قرض دیتے رہتے تاکہ سرمائے کی بھی کے سبب لڑائی بند نہ ہوئے پاٹے اور اس طرح وہ دوہرائی نفع کرتے رہتے۔ ایک طرف پری یہودی جمیعت کو محفوظ رکھتے اور دوسری طرف سُود کا بازار ٹھنڈا نہ پڑنے دیتے بلکہ سُود در سُود کے ذریعے بڑی بڑی دولت کرتے۔

ثیرب میں ان یہود کے تین مشہور قبیلے تھے۔

۱۔ بنو قُنْطَاع۔ یہ غُرُّاج کے علیف تھے اور ان کی آبادی مدینے کے اندر ہی تھی۔

۲۔ بنو نَضِير۔

۳۔ بنو قُرْبَطَه۔ یہ دونوں قبیلے اوس کے علیف تھے اور ان دونوں کی آبادی مدینے کے اطراف میں تھی۔

ایک مدت سے یہی قبائل اوس وغُرُّاج کے درمیان جنگ کے شعلے پھر طکارا ہے تھے اور جنگ بُعاٹ میں اپنے علیفوں کے ساتھ خود بھی شریک ہوتے تھے۔

فطری بات ہے کہ ان یہود سے اس کے سوا کوئی اور موقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ یہ اسلام کو شخص وعدالت کی نظر سے دکھیں کیونکہ ہمیشہ ان کی نسل سے نہ تھے کہ ان کی نسل عصیت کو، جو ان کی نفیات اور ذہنیت کا جزو لاینا فک بنتی ہوئی تھی، سکون ملتا۔ پھر اسلام کی دعوت ایک صالح دعوت تھی جو ٹوٹے دلوں کو جوڑتی تھی۔ شخص وعدالت کی آگ بمحاق تھی تمام معاملات میں امانتداری برتنے اور پاکیزہ اور حلال مال کھانے کی پابندیاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب پُرہب کے قبائل اپس میں جڑ جائیں گے اور ایسی صورت میں لازماً وہ یہود کے پیشوں سے آزاد ہو جائیں گے؛ لہذا ان کی تاجراہ سرگرمی ماندہ رُج جاتے گی اور وہ اس سودی دولت سے خود م ہو جائیں گے جس پر ان کی مالداری کی چکی گردش کر رہی تھی بلکہ یہ بھی اندریشہ تھا کہ کہیں یہ قبائل بیدار ہو کر اپنے حساب میں وہ سودی اموال بھی داخل نہ کر لیں جنہیں یہود نے ان سے بلا عوض حاصل کیا تھا اور اس طرح وہ ان زمینوں اور بیانیات کو داپس نہ لے لیں جنہیں سود کے ضمن میں یہودیوں نے ہتھیا یا لیا تھا۔

جب سے یہود کو معلوم ہوا تھا کہ اسلامی دعوت پُرہب میں اپنی جگہ بنانا چاہتی ہے تب ہی سے انہوں نے ان ساری یاتوں کو اپنے حساب میں داخل کر کھا تھا۔ اسی لیے پُرہب میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کے وقت ہی سے یہود کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عدالت ہو گئی تھی؛ اگرچہ وہ اُس کے مظاہر سے کی جسارت خاصی مدت بعد کر سکے۔ اس کیفیت کا بہت صاف صاف پت ابن اسحاق کے بیان کے ہوئے ایک واقعہ سے ملتا ہے۔

ان کا ارشاد ہے کہ مجھے اُمّة الْمُؤْمِنِين حضرت صَفَّيَّة بَنْتِ جُبَيْرِ بْنِ اَخْطَبٍ رضي الله عنهمہا سے یہ روایت ملی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہیں اپنے والد اور چچا ابی یا سرک نگاہ میں اپنے والد کی سب سے چھٹی اولاد تھی۔ میں چچا اور والد سے جب کہ بی ان کی کسی بھی اولاد کے ساتھ علمی تودہ اس کے بخاست مجھے ہی اٹھاتے۔

جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قبایل میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں نزول فرمائے تو میرے والد جعیی بن اخطب اور میرے چھپا ابو یاس راپ ﷺ کی خدمت میں صبح ترکے حاضر ہوتے اور غزوہ بیہق کے وقت واپس آئے۔ بالکل تھکے ماندے ہگتے پڑتے لڑکھڑاتی چال چلتے ہوئے۔ میں نے حسیب مہول چھپا کر ان کی طرف دوڑ لگائی، لیکن انہیں اس قدر غم تھا کہ سجدادونوں میں سے کسی نے بھی میری طرف التفات نہ کیا اور میں نے اپنے چھپا کو سنا وہ میرے والد جعیی بن اخطب سے کہہ رہے تھے۔

کیا یہ وہی ہے؟

انہوں نے کہا، ہاں! خدا کی قسم۔

چھانے کہا، آپ انھیں ٹھیک ٹھیک پہچان رہے ہیں؟  
والد نے کہا، ہاں!

چھانے کہا، تواب آپ کے دل میں ان کے متعلق کیا ارادے ہیں؟  
والد نے کہا، عدالت — خدا کی قسم — جب تک زندہ رہوں گا۔

اسی کی شہادت صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ملتی ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ موصوف ایک نہایت بلند پایہ یہودی علم تھے۔ آپ کو جب بنو الجار میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف اوری کی خبر ملی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں بعجلت تمام حاضر ہوتے اور چند سوالات پیش کئے جنہیں صرف نبی ہی جانتا ہے اور جب نبی ﷺ کی طرف سے ان کے جوابات سے تو وہیں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ سے کہا کہ یہود ایک بہتان باز قوم ہے۔ اگر انہیں اس سے قبل کہاں پہنچ دیا فرمائیں، میرے اسلام لانے کا پتا لگ گیا تو وہ آپ کے پاس مجھ پہ坦ان زاشیں گے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلا بھیجا۔ وہ ملتے۔ اور ادھر عبد اللہ بن سلام گھر کے اندر رچپ گئے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبد اللہ بن سلام تمہارے اندر کیسے آدمی ہیں؟۔ انہوں نے کہا: "ہمارے سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ ہمارے سب سے اپنے آدمی ہیں اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں۔" ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے سردار

ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے سب سے اچھے آدمی ہیں اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں، اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل آدمی کے بیٹے ہیں — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر عبد اللہ مسلمان ہو جائیں تو؟ یہود نے دو یا تین بار کہا، اللہ ان کو اس سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ برآمد ہوتے اور فرمایا اشهد ان لا اله الا اللہ و اشهد ان محمددا رسول اللہ ریس گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اتنا سننا تھا کہ یہود بول پڑے: شَرُّ نَا وَابْنُ شَرِّنَا۔ ”یہ ہمارا سب سے بُرُّ آدمی ہے اور سب سے بُرے آدمی کا بیٹا ہے۔“ اور (راسی وقت) ان کی برائیاں شروع کر دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے جماعت یہود اللہ سے ڈرو۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم لوگ جانتے ہو کہ آپ ﷺ کے رسول ہیں اور آپ حق لے کر تشریف لاتے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔“

یہ پہلا تجربہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو یہود کے متعلق حاصل ہوا۔ اور مدینے میں داخلے کے پہلے ہی دن حاصل ہوا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر کیا گیا یہ مدینے کے داخلی حالات سے متعلق تھا۔ بیرون مدنیہ مسلمانوں کے سب سے کڑے ڈمن فریش تھے اور تیرہ سال تک جب کہ مسلمان ان کے زیر دست تھے، دشمن چنانے، دھمکی دینے اور تنگ کرنے کے تمام ستمکھیوں سے استعمال کر چکے تھے۔ طرح طرح کی سختیاں اور مظالم کر چکے تھے منظم اور وسیع پروگریم کے اور نہایت صبر آزمانی فیاقی عربی استعمال میں لا پچکے تھے۔ پھر جب مسلمانوں نے مدنیہ پر ہجرت کی تو فریش نے ان کی زمینیں، مکانات اور مال و دولت سب کچھ ضبط کر لیا اور مسلمانوں اور ان کے اہل و عیال کے دریان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے؛ بلکہ جس کو پاسکے قید کر کے طرح طرح کی اذیتیں دیں، پھر اسی پرسیں نہ کیا بلکہ سریاہ دعوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے اور آپ ﷺ کی دعوت کو یعنی وبنی سے اکھاڑنے کے

یہ خوفناک سازشیں کیس اور اسے روپہ عمل لانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں یا یہ سب جب مسلمان کسی طرح بچا کر کوئی پانچ سو کیلومیٹر دور مدینہ کی سر زمین پر جا پہنچے تو قریش نے اپنی ساکھ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گھناؤ ناپاسی کردار انعام دیا۔ یعنی یہ چونکہ حرم کے باشدے اور بیت اللہ کے پڑوسی تھے اور اس کی وجہ سے انہیں اہل عرب کے درمیان فرنی قیادت اور دُنیاوی ریاست کا منصب حاصل تھا اس لیے انہوں نے جزیرۃ العرب کے دوسرے شرکمیں کو بھڑکا اور در غلام کر مدینے کا تقریباً محل بائیکاٹ کر دیا جس کی وجہ سے مدینہ کی ورآمدات نہایت محصر رہ گئیں جب کہ دہال ہباجرین پناہ گیروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ حقیقت کئے کے ان سرکشوں اور مسلمانوں کے اس نئے وطن کے درمیان حالت جنگ قائم ہو چکی تھی اور یہ نہایت احتمانہ بات ہے کہ اس جھگڑے کا الام مسلمانوں کے سرڈا لا جاتے۔

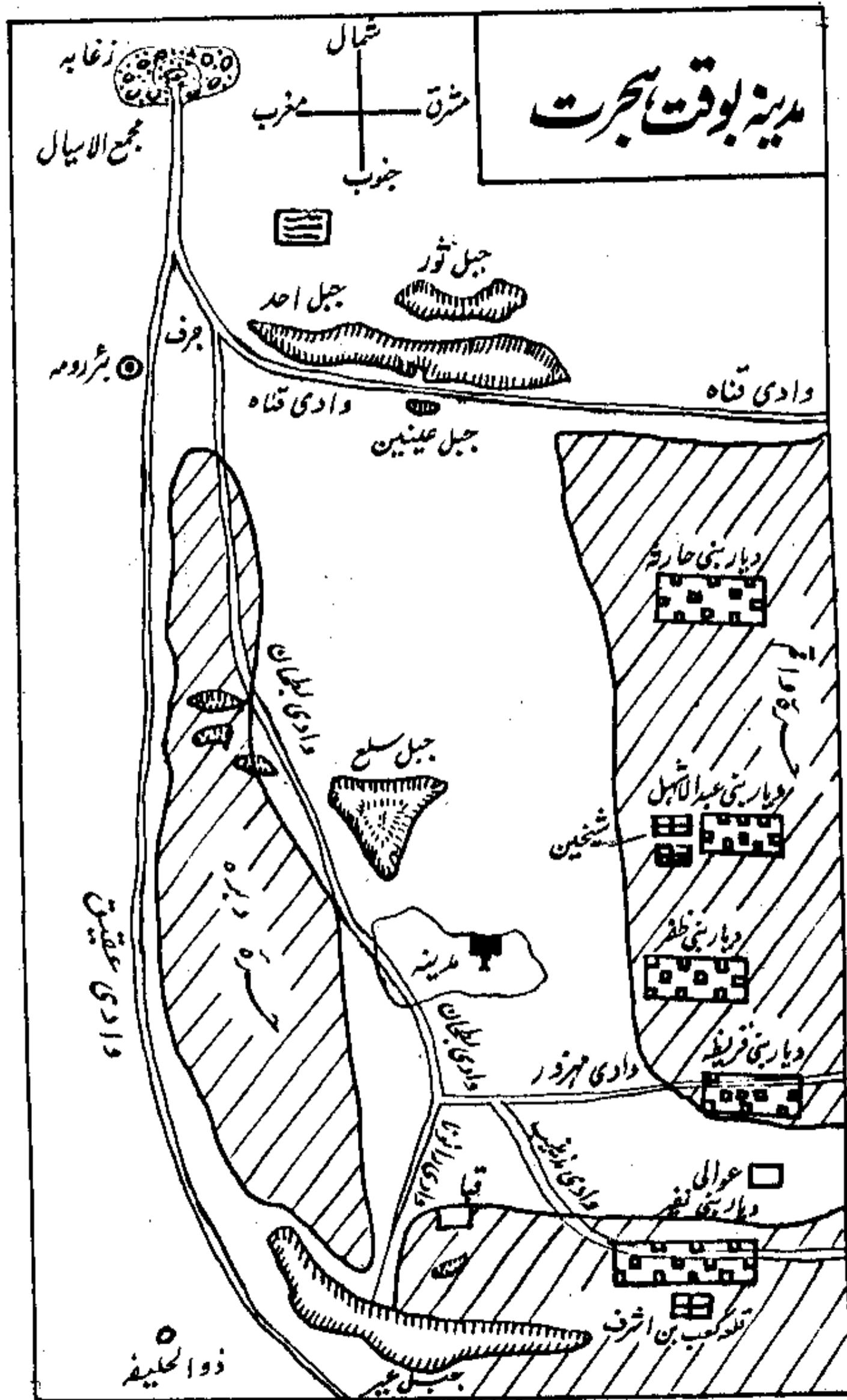
مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ جس طرح ان کے اموال ضبط کئے گئے تھے اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کے اموال ضبط کریں جس طرح انہیں تباہی گیا تھا اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کو تباہی، اور جس طرح مسلمانوں کی زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی گئی تھیں اسی طرح مسلمان بھی ان سرکشوں کی زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کریں اور ان سرکشوں کو جیسے کوئی دلائل دیں تاکہ انہیں مسلمانوں کو تباہ کرنے اور بخوبی سے اکھڑنے کا موقع نہ ملے۔

یہ سنتے وہ قضا یا اور مسائل جن سے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کے بعد بیکھیت رسول وہادی اور امام و فائدہ اس طور پر پیش تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مسائل کے تین مدینہ میں پہنچا کردار اور فائدہ رول ادا کیا اور جو قوم زمی و محنت یا سختی و درشتی جس سلوک کی سنت تھی اس کے ساتھ وہی سلوک کیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کر رحمت و محنت کا پہلو سنتی اور درشتی پر غالب تھا، یہاں تک کہ چند برسوں میں زمام کار اسلام اور اہل اسلام کے ہاتھ آگئی۔ اگلے صفحات میں انہی باتوں کی تفصیلات بہریہ قاریین کی جائیں گی۔



# مکانیہ بوقت سحرت



## نئے معاشرے کی تشكیل

ہم بیان کرچکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں بنو النجار کے یہاں جمعہ ۱۰ صبح الاول  
سالہ مطابق ۱۴ ربیعہ کو حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے نزول فرمایا  
تھا اور اسی وقت فرمایا تھا کہ ان شاہزادیوں میں نزل ہوگی۔ پھر آپ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ  
کے گھر منتقل ہو گئے تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیر | اس کے بعد نبی ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر  
شروع کی اور اس کے لیے وہی جگہ منتخب کی جہاں آپ ﷺ کی اونٹی بیٹھی تھی۔ اس زمین کے مالک دو قیمہ پیچے تھے۔ آپ ﷺ نے اُن سے یہ زمین  
قیمتاً خریدی اور بغیر نہیں مسجد کی تعمیر میں شرکیت ہو گئے۔ آپ اینٹ اور پتھر ڈھوتے تھے اور  
ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے،

اللَّهُمَّ لَا أَعِيشَ إِلَّا عِيشَ الْأُخْرَةِ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ  
لَهُ اللَّهُ زَنْدَگَیٌ تو سَآغْرِتُ کی زندگی ہے، پس انصار و مهاجرین کو بخش دے۔

یہ بھی فرماتے سے

هذا الحمال لا حمال خير هذا ابئر رَبِّنَا وَأَطْهَرْ  
”یہ بوجھ خیر کا بوجھ نہیں ہے۔ یہ ہمارے پورا دگار کی قسم زیادہ نیک اور پاکیزہ ہے“  
آپ کے اس طرزِ عمل سے صاحبِ کرام کے جوش و خروش اور سرگرمی میں بڑا اضافہ ہو جاتا تھا  
چنانچہ صاحبِ کرام کہتے تھے،

لَيْنَ قَعَدْنَا وَالثَّبِيْثُ يَعْمَلُ لَذَّا وَمِنَ الْعَمَلِ الْمُضَلَّ

”اگر ہم بیٹھے رہیں اور بیٹھے کام کریں تو ہمارا یہ کام مگر اسی کام ہو گا۔“  
اس زمین میں مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ کچھ ویرانہ بھی تھا۔ کھجور اور غُفران کے چند درخت  
بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی قبریں اکھڑا دیں، ویرانہ برابر کر لادیا، اور کھجوروں  
اور درختوں کو کاث کر قبیلے کی جانب لگا دیا۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا

دروازے کے بازو کے دونوں پارے پتھر کے بنائے گئے۔ دیواریں کچی اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوادیے گئے اور کھجور کے تنوں کے کھبے بنادیے گئے۔ زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی لکنکریاں (چھریاں) بچھادی گئیں۔ تین دروازے لگائے گئے۔ قبیل کی دیوار سے پھیل دیوار تک ایک سو ہاتھ لمبائی تھی۔ چوڑائی بھی اتنی یا اس سے کچھ کم تھی۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ گہری تھی۔

آپ ﷺ نے مسجد کے بازو میں چند مکانات بھی تعمیر کئے جن کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں اور حصیں کھجور کے تنوں کی کڑیاں دے کر کھجور کی شاخ اور پتوں سے بنائی گئی تھیں یہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے جھرے تھے۔ ان جھروں کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد آپ ﷺ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے یہیں منتقل ہو گئے۔ مسجد محض اداۓ نماز ہی کے لیے نہ تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان اسلامی تعلیماً و ہدایات کا درس حاصل کرتے تھے اور ایک مختلط تھی جس میں مذوق جاہل کش کش و نفرت اور بابیہ مذاہیوں سے دو چار رہنے والے قبائل کے افراد اب میل محبت سے مل جل رہے تھے۔ نیز یہ ایک مرکز تھا جہاں سے اس شعبی سی ریاست کا سارا نظام چلا یا جاتا تھا اور مختلف قسم کی ہمیں بھی جاتی تھیں علاوہ ازین اس کی حیثیت ایک پارلیمنٹ کی بھی تھی جس میں مجلس شوریٰ اور مجلس انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔

ان سب کے ساتھ ساتھ یہ مسجد ہی ان فقراء رہا جریں کی ایک خاصی بڑی تعداد کا مکن تھی جن کا وہاں پر نہ کوئی مکان تھا نہ مال اور نہ اہل و عیال۔

پھر اول ہجرت ہی میں اذان بھی شروع ہوئی۔ یہ ایک لاہوتی نزد تھا جو روزانہ پانچ بار اُفیق میں گونجتا تھا اور جس سے پورا عالم وجود راز اٹھتا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کے خواب کا واقعہ معروف ہے۔ (تفصیل جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد اور صحیح ابن حیزم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔)

**مسلمانوں میں بھائی چارگی**

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرمایا کہ بابی اجتماع اور میل و محبت کے ایک مرکز کو

وجود بخشنا اسی طرح آپ ﷺ نے تاریخ انسانی کا ایک اور نہایت تابناک کا زمامر انجم دیا جسے مهاجرین و انصار کے درمیان مواغات اور بھائی چارے کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ ابن قیم لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت اس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مهاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ مگر نوٹے آدمی تھے، آدھے مهاجرین اور آدھے انصار بھائی چارے کی بنیاد پر تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غنوار ہوں گے اور موت کے بعد فسی قرابتداروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ دراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا۔

پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمُ أَوْلَى بِبَعْضٍ .. (۶:۳۲)

”فسی قرابدار ہے دوسرے کے نیادہ حقدار ہیں“ ریعنی دراثت میں

تو انصار و مهاجرین میں باہمی توارث کا حکم ختم کر دیا گیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اور بھائی چارہ کرایا تھا جو خود باہم مهاجرین کے درمیان تھا لیکن اپنی بات سی ثابت ہے۔ یوں بھی مهاجرین اپنی باہمی اسلامی اخوت، وطنی اخوت اور رشتہ و قرابتداری کی احolut کی بنا پر آپس میں اب مزید کسی بھائی چارے کے محتاج نہ تھے بلکہ مهاجرین اور انصار کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔

اس بھائی چارے کا مقصود۔ جیسا کہ محمد غزالی نے لکھا ہے۔ یہ تھا کہ جاہلی عصیتیں تحلیل ہو جائیں۔ حمیت و غیرت جو کچھ ہو وہ اسلام کے لیے ہو۔ نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں۔ بلندی و پتی کا معیار انسانیت و تقویٰ کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بھائی چارے کو محض کھوکھے الفاظ کا جامنہ نہیں پہنچایا تھا بلکہ اسے ایک ایسا نامذکور عمل دیا تھا جو خون اور مال سے مربوط تھا۔ یہ خالی خولی مسلمی اور مبارکباد نہ تھی کہ زبان پر روانی کے ساتھ جاری رہے مگر متوجه کچھ نہ ہو بلکہ اس بھائی چارے کے ساتھ ایشار و غلزاری اور مُؤاَسَة کے جذبات بھی مخلوط تھے اور اسی لیے اس نے ملٹے کو بڑے نادر اور تباnak کا زامنہ سے پُر کر دیا تھا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں مردی ہے کہ مهاجرین جب مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ

نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعید بن زینؓ کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ اس کے بعد حضرت سعید نے حضرت عبد الرحمنؓ سے کہا ”انصار میں میں سب سے زیادہ مال دار ہوں آپ میرا مال دو حصوں میں باشک کر (آدھا لے لیں) اور میری دو بیویاں میں۔ آپ دیکھ لیں جو زیادہ پسند ہو مجھے بتا دیں میں اُسے طلاق دے دوں اور عدت گذرنے کے بعد آپ اس سے شادی کر لیں“ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے آپ لوگوں کا بازار کہاں ہے؟ لوگوں نے انہیں بنو قینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھنی تھے۔ اس کے بعد وہ روزانہ جاتے رہے۔ پھر ایک دن آئے تو ان پر پزروی کا اثر تھا۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عورت کو میر کتنا دیا ہے؟ بولے ایک نواہ (گھنی) کے ہموزن (یعنی کوئی سوات لم) موتا۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے کہ انض ارنے نبی ﷺ سے عرض کیا، آپ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائیوں کے درمیان ہمارے کمبوڈ کے باغات تقسیم فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں انصار نے کہا تب آپ لوگ یعنی مجاہدین ہمارا کام کر دیا کریں اور ہم چل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم نے بات سنی اور مانی۔<sup>۵</sup>

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انصار نے کس طرح بڑھ چڑھ کر اپنے ہباجر جائیوں کا اعزاز و اکرام کیا تھا اور کس قدر محبت، خلوص، ایثار اور قربانی سے کام لیا تھا اور ہباجرین ان کی اس کرم و نوازش کی کتنی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان سے صرف اتنا ہی حاصل کیا جس سے وہ اپنی ٹوٹی ہوئی میہشت کی کمریدھی کر سکتے تھے۔

اور حق یہ ہے کہ یہ بھائی چارہ ایک نادر حکمت، عجماءہ بیاست اور مسلمانوں کو درپیش یہت سارے مسائل کا ایک بہترین حل تھا۔

**اسلامی تعاون کا پیمانہ** [مذکورہ بھائی چارے کی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد و پیمانہ کرایا جس کے ذریعے ساری جاہلی کشش

۱۔ صحیح بخاری: باب اغارا شبی ﷺ بین المهاجرین والانصار ۳/۵۵  
۲۔ ايضاً باب اذا قال اكفتني مؤنة النخل ۱/۳۱۲

اور قبائل کشمکش کی بنسیا دعوادی اور دور جاہلیت کے رسم و رواج کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ فیل میں اس پیمان کو اس کی دفعات سیمیت مختصر اپیش کیا جا رہا ہے۔

یہ تحریر ہے محمد بنی ﷺ کی جانب سے قریشی، یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے مومنین اور مسلمانوں کے درمیان کہ:

- ۱۔ یہ سب اپنے اسوا انسانوں سے الگ ایک امت ہیں۔

- ۲۔ ہباجرین قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور مومنین کے درمیان معروف اور — انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کافدیہ دیں گے اور انصار کے تمام قبیلے اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور اہل ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کافدیہ ادا کرے گا۔

- ۳۔ اور اہل ایمان اپنے درمیان کسی بکیس کو فدیریہ یا دیست کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق عظام و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

- ۴۔ اور سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا یا اہل ایمان کے درمیان ظلم اور گناہ اور زیادتی اور فساد کی راہ کا جو یا ہو گا۔

- ۵۔ اور یہ کہ ان سب کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

- ۶۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلتے قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

- ۷۔ اور اللہ کا ذمہ (عہد) ایک ہو گا، ایک مسحی آدمی کا دیا ہو گا ذمہ بھی مسلمانوں پر لاگو ہو گا۔

- ۸۔ جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں، ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

- ۹۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہو گی۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا بلکہ سب کے سب برابری اور صدیکی بیان پر کوئی عہد و پیمان کریں گے۔

- ۱۰۔ مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی نہ سبیل اللہ پہنچائے گا۔

- ۱۱۔ کوئی مشرک قریش کی کسی جان یا مال کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی مومن کے آگے اس

کی خفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکتا ہے۔

۱۲۔ جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہوگا، اس سے قصاص یا جائے گا۔

سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

۱۳۔ اور یہ کہ سارے مومنین اس کے خلاف ہوں گے۔ ان کے لیے اس کے سوا کچھ حلال نہ ہوگا کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

۱۴۔ کسی مومن کے لیے حلال نہ ہوگا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے (یا بدعتنی) کی مدد کرے اور اسے پناہ دے، اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا، اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا اور اس کا فرض و نقل کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۵۔ تمہارے درمیان جو بھی اختلاف رُدنا ہوگا اسے اللہ عز وجل اور محمد ﷺ کی طرف پہنچایا جائے گا۔

**معاشرے پر معنویات کا اثر** | اس حکمت بالغہ اور اس دُور انہی سے رسول اللہ ﷺ نے ایک نئے معاشرے کی بنیادیں امور کیں لیکن معاشرے کا ظاہری رُخ درحقیقت ان معنوی کمالات کا پڑھتا تھا جس سے نبی ﷺ کی محبت و ہمیشی کی بدولت یہ بزرگ ہستیاں بہرہ ور ہو چکی تھیں۔ نبی ﷺ ان کی تعلیم و تربیت، تذکیرہ نفس اور مکارم اخلاق کی تغییر میں سلسلہ کوشش رہتے تھے اور انہیں محبت و بھائی چارگی، مجد و شرف اور عبادت و اطاعت کے آداب برابر سکھاتے اور بتاتے رہتے تھے۔

ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ (رعیتی اسلام) میں کون اعلیٰ بہتر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: "تم کھانا کھلاؤ اور شناسا اور غیر شناسا بھی کو سلام کرو۔" کے

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کا پھرہ مبارک دیکھا تو اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا پھرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے پہلی بات جو ارشاد فرمائی

( وہ یہ تھی : اے لوگو ! سلام پھیلاؤ ، کھانا کھلاؤ ہصد رحمی کرو ، اور رات میں جب لوگ سورہ ہے ہوں  
نماز پڑھو۔ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے ۔ ) ۷

آپ ﷺ فرماتے تھے : " وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو گا جس کا پڑوسی اس کی  
شرارتوں اور تباہ کاریوں سے مامون و محفوظ نہ رہے ۔ " ۸  
اور فرماتے تھے : " مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور باتخانے سے مسلمان محفوظ نہیں ہے اور فرماتے تھے :  
" تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو  
خدا اپنے لیے پسند کرتا ہے ۔ " ۹

اور فرماتے تھے : سارے مومنین ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھیں تخلیف ہو تو  
سارے جسم کو تخلیف محسوس ہوتی ہے اور اگر سر میں تخلیف ہو تو سارے جسم کو تخلیف محسوس  
ہوتی ہے ۔ ۱۰

( اور فرماتے : " مومن ، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو  
قوت پہنچاتا ہے ۔ " ۱۱ )

اور فرماتے : " آپس میں بعض نہ رکھو ، باہم حسد نہ کرو ، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور اللہ  
کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے  
اُپر پھوڑے رہے ۔ " ۱۲

اور فرماتے : " مسلمان کا بھائی ہے ، ناس پر ظلم کرے اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرے ،  
اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت رباری ( میں کوشان ہو گا اللہ اس کی حاجت رباری ) میں ہو گا ；  
اور جو شخص کسی مسلمان سے کوئی غم اور دُکھ دُور کرے گا اللہ اس شخص سے روز قیامت کے دھکوں  
میں سے کوئی دُکھ دُور کرے گا ； اور جو شخص کسی مسلمان کی پرده پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن  
اُس کی پرده پوشی کرے گا ۔ " ۱۳

اور فرماتے : " تم لوگ زمین والوں پر مہربانی کرو تم پر آسمان والا مہربانی کرے گا ۔ " ۱۴

۷۔ ترمذی - ابن ماجہ ، دارالیہ مشکوہ ۱/۱۶۸

۸۔ صحیح مسلم ، مشکوہ ۲/۲۲۲ - شاٹا صحیح بخاری ۱/۶

۹۔ متفق علیہ ، مشکوہ ۲/۲۲۲ - صحیح بخاری ۲/۸۹۰

۱۰۔ متفق علیہ مشکوہ ۲/۲۲۲ - شاٹا سنن ابو داؤد ۲/۳۲۵

۱۱۔ جامع ترمذی ۲/۱۲

اور فرماتے ہو، شخص مون نہیں جو خود پیٹ بھر کھا لے اور اس کے بازو میں رہنے والا پڑو سی بھوکار ہے۔<sup>۱۷</sup> کہا اور فرماتے ہو، مسلمان سے گالی گلوج کرنا فتنہ ہے اور اس سے مارکاٹ کرنا کفر ہے۔<sup>۱۸</sup> اسی طرح آپ ﷺ راستے تسلیم وہ چیز ہٹانے کو صدقہ قرار دیتے تھے اور اسے ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ شمار کرتے تھے۔<sup>۱۹</sup> بلکہ نیز آپ ﷺ صدقے اور خیرات کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے ایسے ایسے فضائل بیان فرماتے تھے کہ اس کی طرف دل خود بخود کھینچتے پہلے جائیں، چنانچہ آپ فرماتے کہ صدقہ گناہوں کو ایسے ہی بجا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجا تاہے۔<sup>۲۰</sup>

اور آپ ﷺ فرماتے کہ جو مسلمان کسی نگنے مسلمان کو کپڑا پہنادے اللہ اُسے جنت کا سبز پاس پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانے اللہ اُسے جنت کے پھل کھلاتے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلاوے اللہ اُسے جنت کی ہنگامی ہوئی شراب طہور پلاتے گا۔<sup>۲۱</sup>

آپ ﷺ فرماتے ہو، آگ سے پھو اگرچہ کھور کا ایک ملکہ ہی صدقہ کر کے، اور اگر وہ بھی نہ پاؤ تو پاکیزہ بول ہی کے ذریعے۔<sup>۲۲</sup> اور اسی کے پہلو پہلو دوسری طرف آپ مانگنے سے پہنیز کی بھی بہت زیادہ تاکید فرماتے صبر و قاعصت کی فضیلتیں سناتے اور سوال کرنے کو سائیں کے چہرے کے لیے نوح، خراش اور زخم قرار دیتے۔<sup>۲۳</sup> البتہ اس سے اس شخص کو مستثنی قرار دیا جو حد درج مجبور ہو کر سوال کرے۔

اسی طرح آپ ﷺ یہ بھی بیان فرماتے کہ کن عبادات کے کیا فضائل ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا کیا اجر و ثواب ہے؟ پھر آپ پر آسمان سے جو دعیٰ آتی آپ اس سے مسلمانوں کو بڑی پیشی کے ساتھ ربوط رکھتے۔ آپ ﷺ وہ دعیٰ مسلمانوں کو پڑھ کر سناتے اور

<sup>۱۷</sup> شب الایمان للصہقی مشکوٰۃ ۲/۲۷۸ مطہری۔

<sup>۱۸</sup> اس مضمون کی حدیث صحیحین میں مردی ہے مشکوٰۃ ۱/۱۲، ۱۲/۱۴۴

<sup>۱۹</sup> احمد، ترمذی، ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ ۱/۱۲

<sup>۲۰</sup> سنابی داود، جامی ترمذی۔ مشکوٰۃ ۱/۱۶۹ مطہری۔

<sup>۲۱</sup> دیکھئے ابو داؤد، ترمذی۔ نسائی، ابن ماجہ، داری۔ مشکوٰۃ ۱/۱۴۳

مسلمان آپ کو پڑھ کر نہ تاکہ اس عمل سے ان کے اندر فہم و تدبر کے علاوہ دعوت کے حقوق اور پیغمبرانہ فتنے والیں کا شکور بھی بیدار ہو۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی اخلاقیات بلطف کیں، ان کی خداود صلاحیتوں کو عروج بنتا اور انہیں بلند ترین اقدار و کردار کا ماک بنا یا، یہاں تک کہ وہ انسانی تاریخ میں ابھیاں کے بعد فضل و کمال کی سب سے بلند چونی کا نمونہ ہن گئے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسی شخص کو طریقہ اختیار کرنا ہو وہ گذرے ہوئے لوگوں کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ زندہ کے بارے میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھی تھے۔ اس امت میں سب سے افضل، سب سے نیک دل، سب سے گھرے علم کے ماک اور سب سے زیادہ بے تکلف۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب کیا، لہذا ان کا فضل پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیرادی کرو اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق اور سیرت سے تسلک کرو کیونکہ وہ لوگ ہدایت کے صراطِ مستقیم پر تھے۔

پھر ہمارے پیغمبر نبی عظیم ﷺ خود بھی ایسی معنوی اور ظاہری خوبیوں کی لالات، خداود صلاحیتوں، مجد و فضائل، مکاروں اخلاق اور محاسن اعمال سے متصف تھے کہ دل خود بخود آپ کی جانب کھینچے جاتے تھے اور جانیں قربان ہوا چاہتی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زبان سے جو ہی کوئی کلمہ صادر ہوتا صحابہ کرام اس کی بجا آوری کے لیے دوڑ پڑتے اور ہدایت و رہنمائی کی جوبات آپ ارشاد فرمادیتے اسے حرزِ جان بنانے کے لیے گردیاں ایک دوسرے سے ہٹ گئے نکلنے کی بازی لگ جاتی۔

اس طرح کی کوششوں کی بدولت نبی ﷺ مدینے کے اندر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتے ہیں کامیاب ہو گئے جو تاریخ کا سب سے زیادہ باکمال اور شرف سے بھر پور معاشرہ تھا اور اس معاشرے کے مسائل کا ایسا خوشگوار حل نکالا کہ انسانیت نے ایک طویل عرصے تک زمانے کی چکی میں پس کر اور اتحاد تاریکیوں میں ماتھ پاؤں مار کر تھک جانے کے بعد پہلی بار چین کا ناس پیدا۔ اس نے معاشرے کے عناصر ایسی بلند و بالا تعلیمات کے ذریعے مکمل ہوتے جس نے پوری پارادی کے ساتھ زمانے کے ہر جگہ کا مقابہ کر کے اس کا اُخ پھیر دیا اور تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

## یہود کے ساتھ معاہدہ

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کر لیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ورہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ ایک وفاqi وحدت میں منظم ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے روا داری اور کشادہ ولی کے ایسے قوانین سنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلوپندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں مدینے کے سب سے قریب ترین پڑوسی یہود تھے۔ یہ لوگ اگرچہ درپرداز مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن انہوں نے اب تک کسی محاذ آرائی اور جھگڑے کا انہیاں نہیں کیا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ منعقد کیا جس میں انہیں دین و مذہب اور جان و مال کی مطلق آزادی دی گئی تھی اور جلاوطنی، ضبطی، جائدادیا جھگڑے کی سیاست کا کوئی رُخ اختیار نہیں کیا گیا تھا۔

یہ معاہدہ اسی معاہدے کے ضمن میں ہوا تھا جو خود مسلمانوں کے درمیان باہم طے پایا تھا اور اس کا ذکر قریب ہی گذر چکا ہے۔ آگے اس معاہدے کی اہم و فعات پیش کی جا رہی ہیں۔

**معاہدے کی وفات** ۱۔ بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی انت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر خود ان کا بھی یہی حق ہو گا، اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی۔ اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

- ۲۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔
- ۳۔ اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فرقے سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس

میں تعاون کریں گے۔

۳۔ اور اس معاهدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیرخواہی، خیراندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۴۔ کوئی آدمی اپنے صلیف کی وجہ سے جرم نہ شہرے گا۔

۵۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۶۔ جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خروج برداشت کریں گے۔

۷۔ اس معاهدے کے ساتھ شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور گشت و خون حرام ہو گا۔

۸۔ اس معاهدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جنگ کا اپیدا ہو جائے جس میں فاد کا اندریشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ عز وجل اور محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

۹۔ قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۰۔ جو کوئی شرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لیے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فرقہ اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

۱۱۔ یہ معاهدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑنہ بننے کا بھی اس معاهدے کے طے ہو جانے سے مدینہ اور اس کے اطراف ایک وفاقی حکومت بن گئے جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھا۔ اور جس میں کلمہ نافذہ اور غالب حکمران مسلمانوں کی تھی؛ اور اس طرح مدینہ واقعۃ اسلام کا دارالحکومت بن گیا۔

امن وسلامتی کے دائرے کو منید و سست دینے کے لیے نبی ﷺ نے آئندہ دوسرے قبائل سے بھی حالات کے مطابق اسی طرح کے معاهدے کئے، جن میں سے بعض بعض کا ذکر آگے پل کر آتے گا۔



# مُسْلِحَ كَشَش

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی خلاف قریش کی فتنہ خیزیاں اور عبد اللہ بن ابی قحافیہ نے مرد پیام پچھے صفات میں بتایا جا چکا ہے کہ کفار رکھنے مسلمانوں پر کیے کیے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے تھے اور جب مسلمانوں نے ہجرت شروع کی تو ان کے خلاف کیسی کیسی کارروائیاں کی تھیں جن کی بناء پر وہ مستحق ہو چکے تھے کہ ان کے اموال ضبط کر لیے جائیں اور ان پر بزن بول دیا جائے گرا ب بھی ان کی حققت کا سلسلہ بند نہ ہوا اور وہ اپنی ستم رانیوں سے باز نہ آتے بلکہ یہ دیکھ کر ان کا جو شیع غصب اور بھڑک اٹھا کر مسلمان ان کی گرفت سے چھوٹ نکلے ہیں اور انہیں میتے میں ایک پُرانی جائے قرار مل گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عبد اللہ بن ابی قحافیہ کو۔ جو ابھی تک حکم علا مشرق تھا۔ اس کی اس حیثیت کی بناء پر ایک دیگر امیر خط لکھا کہ وہ انصار کا سردار ہے۔ کیونکہ انصار اس کی سربراہی پرستقی ہو چکے تھے اور اگر اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری نہ ہوتی تو اس کو اپنا بادشاہ بھی بنایے جائے ہوتے۔ مشرکین نے اپنے اس خط میں عبد اللہ بن ابی قحافیہ اور اس کے مشرک رفقاء کو مخاطب کرتے ہوتے دو لوگ لفظوں میں لکھا: ”آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے“ اس لیے ہم اللہ کی قسم کعا کر کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجئے یا اسے نکال دیجئے یا پھر ہم اپنی پوری جمیعت کے ساتھ آپ لوگوں پر پورش کر کے آپ کے سارے مردانِ جنگی کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر دیں گے۔“ لے اس خط کے پہنچتے ہی عبد اللہ بن ابی قحافیہ کے اپنے ان مشرک بھائیوں کے حکم کی تعییں کے لیے اٹھ پڑا اس سے کہ وہ پہلے ہی سے نبی ﷺ کے خلاف رنج اور کیزیں لیے بیٹھا تھا کیونکہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ ہی نے اس سے بادشاہیت چھینی ہے چنانچہ

جب یہ خط عبد اللہ بن ابی شہبہ اور اس کے بھت پرست رُفقا رکو موصول ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے جمع ہو گئے جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "قریش کی دھمکی تم لوگوں پر بہت گہرا اثر کر گئی ہے تم خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچا دینا چاہتے ہو قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے خود ہی لٹاپا چاہتے ہو؟" نبی ﷺ کی یہ بات سن کر لوگ بکھر گئے تھے۔ اس وقت تو عبد اللہ بن ابی شہبہ کے ارادے سے باز آگیا کیونکہ اس کے ساتھی ذہیدہ پڑ گئے تھے یا بات ان کی سمجھی میں آگئی تھی لیکن حقیقت میں قریش کے ساتھ اس کے روابط در پردہ قائم رہے کیونکہ مسلمان اور مشرکین کے درمیان شر و فساد کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہ دیتا چاہتا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی یہود کو بھی ساتھ رکھا تھا تاکہ اس معاملے میں ان سے بھی مدد حاصل کرے، لیکن وہ تو نبی ﷺ کی حکمت تھی جو رہ رہ کر شر و فساد کی بھڑکنے والی آگ کو بمحاباد یا کرتی تھی تھے۔

## مُسْلِمَانُوں پر مسجدِ حرام کا دروازہ بند کئے جانے کا اعلان

اس کے بعد  
حضرت سعد

بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے لگتے گئے اور امیة بن خلف کے ہمہان ہوئے۔ انہوں نے امیة سے کہا: "میرے لیے کوئی خلوت کا وقت دیکھوڑا میں بیت اللہ کا طواف کر لوں۔" امیة دوپہر کے قریب انہیں لے کر نکلا تو ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے رامیہ کو مخاطب کر کے کہا، "ابو صفوان تمہارے ساتھی یہ کون ہے؟" امیة نے کہا، "یہ سعد ہیں۔" ابو جہل نے سعد کو مخاطب کر کے کہا: "اچھا! میں دیکھوڑا ہوں کہ تم بڑے امن و اطمینان سے طواف کر رہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور یہ زعم رکھتے ہو کہ ان کی نصرت و اعانت بھی کرو گے۔" سنو! خدا کی قسم اگر تم ابو صفوan کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پہنچ کر رہ جا سکتے تھے۔" اس پر حضرت سعد نے باواز بلند کہا: "سن! خدا کی قسم اگر تو نے مجھ کو اس سے روکا تو میں تجھے ایسی چیز سے روک دوں گا جو تجھ پر اس سے بھی زیادہ گراں ہوگی؟" (یعنی اہل مدینہ کے پاس سے گذرنے والا تیرا (تجارتی) راستہ۔)

**مہاجرین کو قریش کی دھمکی** پھر قریش نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا، تم مغزور نہ ہونا کہ کہ کے صاف نبی کر نکل آئے، ہم ثیرب ہی پہنچ کر تھار استیا اس کر دیتے ہیں۔ ۵

اور یہ محض دھمکی نہ تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کو اتنے موکد طریقے پر قریش کی چالوں اور بُرے ارادوں کا علم ہو گیا تھا کہ آپ یا تو جاگ کر رات گزارتے تھے یا صاحبوہ کرام کے پہرے میں سوتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے کہ مدینہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ فرمایا: کاش آج رات میرے صحابہ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ ہمیں ہتھیار کی جھنکار مٹتی پڑی۔ آپ نے فرمایا: کون ہے؟ جواب آیا: سعد بن ابی وفا۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ بولے: "میرے دل میں آپ کے متعلق خطرے کا اندریشہ ہوا تو میں آپ کے یہاں پہرہ دینے آگیا۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دُعادی۔ پھر سو گئے۔ ۶

یہ بھی یاد رہے کہ پہرے کا یہ انتظام بعض راتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ مسلسل اور دامی تھا؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مردی ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کے پیسے پہرہ دیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوتی: وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ راللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔) تب رسول اللہ ﷺ نے قبے سے سرنکالا اور فرمایا: لوگوں اپس جاؤ ایسا عز وجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ ۷

پھر یہ خطرہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ سارے ہی مسلمانوں کو لاحق تھا؛ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء مدینہ تشریف لائے، اور انصار نے انہیں اپنے یہاں پناہ دی تو سارے عرب ان کے خلاف متعدد ہو گی۔ چنانچہ یہ لوگ نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے۔

**جنگ کی اجازت** ان پُرخطر حالات میں جو مدینہ میں مسلمانوں کے وجود کے لیے چیز بنتے ہوتے تھے اور جن سے عیاں تھا کہ قریش کسی

طرح ہوش کے ناخن یعنی اور اپنے تزدے سے باز آنے کے لیے تیار نہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت فرمادی؛ لیکن اسے فرض قرار نہیں دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد نماذل ہوا وہ یہ تھا:

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ (۳۹:۱۲)

”جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی گئی کیونکہ وہ

منظوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔“

پھر اس آیت کے ضمن میں مزید چند آیتیں نماذل ہجوبیں جن میں بتایا گیا کہ یہ اجازت مخصوص جنگ برائے جنگ کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود باطل کے خاتمے اور اللہ کے شعائر کا قیام ہے۔ چنانچہ آگے چل کر ارشاد ہوا:

الَّذِينَ إِنْ مَكَثُوهُ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَتَوْا الزَّكُوَةَ وَأَمْرُوا  
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ ۝ (۳۱:۲۲)

”جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار سونپ دیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے بخلافی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے روکیں گے۔“

صحیح بات جسے قبول کرنے کے سوا چارہ کا رہنا یہی ہے کہ یہ اجازت بحیرت کے بعد مدینے میں نماذل ہوئی تھی اُنکے میں نماذل نہیں ہوئی تھی۔ ابتدۂ وقت زوال کا قطعی تعین مشکل ہے۔

جنگ کی اجازت تو نماذل ہو گئی لیکن جن حالات میں نماذل ہوں وہ چونکہ مخصوص قریش کی قوت اور تزدہ کا نتیجہ تھے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان اپنے سلطنت کا دارہ قریش کی اس تجارتی شاہراہ تک پہنچا لادیں جو کسے شام تک آتی جاتی ہے؛ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سلطنت کے اس پہنچا لاد کے لیے دو منصوبے اختیار کئے۔

(۱) ایک، جو قبائل اس شاہراہ کے اردوگر دیا اس شاہراہ سے مدینے تک کے درمیانی علاقے میں آباد تھے ان کے ساتھ حلف (دوستی و تعاون) اور جنگ نہ کرنے کا معاهدہ۔

(۲) دوسرا منصوبہ، اس شاہراہ پر گشتی دستے بھیجننا۔

پہلے منصوبے کے ضمن میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ پچھلے صفحات میں یہود کے ساتھ کئے گئے

جس معاهدے کی تفصیل گذرچکی ہے، آپ نے عسکری مہم شروع کرنے سے پہلے اسی طرح کی دوستی و تعاون اور عدم جنگ کا ایک معاهدہ قبید ہجہینہ کے ساتھ بھی کیا۔ ان کی آبادی مدینے سے تین مرحلے پر ۵۰ میل کے فاصلے پر — واقع تھی۔ اس کے علاوہ طلایہ گردی کے دوران بھی آپ نے متعدد معاهدے کئے جن کا ذکر آئندہ آتے گا۔ دوسرا منصوبہ سرایا اور غزوات سے تعلق رکھتا ہے جس کی تفصیلات اپنی اپنی

جگہ آتی رہیں گی۔

**سرایا اور غزوات** جنگ کی اجازت نازل ہونے کے بعد ان دونوں منصوبوں کے نفاذ کے لیے مسلمانوں کی عسکری ہمتاں کا سلسلہ عمل شروع ہو گیا۔ طلایہ گردی کی شکل میں فوجی دستے گشت کرنے لگے۔ اس کا مقصد وہی تھا جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مدینے کے گرد و پیش کے راستوں پر عموماً اور کئے کے راستے پر خصوصاً نظر رکھی جائے اور اس کے احوال کا پتا لگایا جاتا رہے اور ساتھ ہی ان راستوں پر واقع قبائل سے معاهدے کئے جائیں اور بیرون کے مشرکین و یہود اور آس پاس کے بدوؤں کو یہ احساس دلایا جائے کہ مسلمان طاقتور ہیں اور اب انہیں اپنی پرانی کمزوری سے نجات مل چکی ہے۔ نیز قریش کو ان کے بیجا طیش اور نہروں کے خطرناک نتیجے سے ڈرایا جائے تاکہ جس حماقت کی دلدل میں وہ اب تک دھستے چلے جا رہے ہیں اس سے نکل کر ہوش کے ناخن لیں اور اپنے اقتصاد اور ابادی میں دیکھ کر صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کے خاتمے کے جو عزم رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جور کا ویں کھڑی کر رہے ہیں اور کئے کے کمزور مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھارہ ہے ہیں ان سب سے بازاً آجائیں اور مسلمان جزیرۃ العرب میں اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آزاد ہو جائیں۔

ان سرایا اور غزوات کے مختصر احوال ذیل میں درج ہیں۔

## (۱) سریہ سیف البحر ۹ - رمضان ۱۴۰۷ھ مطابق مارچ ۱۹۸۷ء

۹۔ اہل سریہ کی صطلاح میں غزوہ اس فوجی نہم کو کہتے ہیں جس میں نبی ﷺ نفسِ نفیس تشریف لے گئے ہوں خواہ جنگ ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اور سریہ وہ فوجی ہمہ چیزوں آپ خود تشریف نہ لے گئے ہوں۔ سرایا اسی سریہ کی جمع ہے۔

۹۔ سیف البحر، س کو زیر پڑھیں گے۔ معنی ساحل سمندر۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو اس سریہ کا امیر بنایا اور تیس ہبھا جرین کو ان کے زیر کمان شام سے آنے والے ایک قریشی قافلے کا پتا لگانے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ مسلمان عیض نے کے اطراف میں ساحل سمندر کے پاس پہنچے تو قافلے کا سامنا ہو گیا اور فریقین جنگ کے لیے صفائی کرنے کے لیے قبیلہ چہنینہ کے سردار مجدد بن عمر نے جوف فریقین کا حلیف تھا، دوڑھوپ کر کے جنگ نہ ہونے دی۔

حضرت حمزہ کا یہ جھنٹہ اپہلا جھنٹہ اتحاد جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے درست مبارک سے بازداھا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور اس کے علمبردار حضرت ابو مرثد کنڑی حسین غنوی رضی اللہ عنہ تھے۔

#### (۲) سَرِيرَيْهُ رَايْغٌ - شوال سالہ ۱۴۲۳ھ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارث بن المطلب کو ہبھا جرین کے ساتھ سواروں کا رسالہ دے کر روانہ فرمایا۔ رایغ کی وادی میں ابو سفیان سے سامنا ہوا۔ اس کے ساتھ دو سو آدمی تھے۔ فریقین نے ایک دمرے پر تبر چلائے لیکن اس سے آگے کوئی جنگ نہ ہوتی۔

اس سریہ میں بھی لشکر کے دو آدمی مسلمانوں سے آئے۔ ایک حضرت مقداد بن عمرو الہبی اور دوسرے غثیرہ بن غزوان المازنی رضی اللہ عنہما۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور کفار کے ساتھ نکلے ہی اس مقصد سے تھے کہ اس طرح مسلمانوں سے جا بیس گے۔

حضرت ابو عبیدہ کا علم سفید تھا اور علمبردار حضرت مسٹح بن امامہ بن مطلب بن عبد مناف تھے۔

#### (۳) سَرِيرَيْهُ خَرَارٌ - ذی قعده سالہ ۱۴۲۳ھ

رسول اللہ ﷺ نے اس سریہ کا امیر حضرت سعد بن ابی وقاص کو مقرر فرمایا اور انہیں سبیس آدمیوں کی کمان دے کر قریش کے ایک قافلے کا پتا لگانے کے لیے روانہ فرمایا اور نہ عیض۔ کو زیر پوچھیں گے۔ بھرا ہجر کے اطراف میں پہنچنے اور مردودہ کے درمیان ایک مقام ہے۔

لے خاراء خ پر زبرادر پر تشدید، جھنٹہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

یہ تاکید فرمادی کہ خزار سے آگئے نہ بڑھیں۔ یہ لوگ پیدل روانہ ہوئے۔ رات کو سفر کرتے اور دن میں پچھے رہتے تھے۔ پانچویں روز صبح خزار پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ ایک دن پہنچا چکا ہے۔ اس سریبے کا علم سفید تھا اور علمبردار حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔

### رہ) غزوہ ابواء یا وَوَانٌ صفر ۲۳

اس ہم میں ستر مہاجرین کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ نفیں تشریف لے گئے تھے اور مدینے میں حضرت سعد بن عبادہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمادیا تھا۔ ہم کا مقصد قریش کے ایک قافلے کی راہ روکنا تھا۔ آپ وَوَان تک پہنچے لیکن کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔

اسی غزوہ میں آپ نے بنو ضمہ کے سردار وقت، عمرو بن مخثی الصمری سے علیخانہ معاهدہ کیا، معاهدے کی عبارت یہ تھی

”یہ بنو ضمہ کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنے جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں گے اور جو ان پر یورش کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جاتے گی؛ الا یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ (یہ معاهدہ اس وقت تک کہ لیے ہے جب تک سندھ رُن کو تذکرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے) اور جب نبی ﷺ اپنی مدد کے لیے انہیں آواز دیں گے تو انہیں آنا ہوگا۔“<sup>۱۳</sup>

یہ پہلی فوجی ہم تھی جس میں رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود تشریف لے گئے تھے اور پندرہ دن مدینے سے باہر گذا کر واپس آئے۔ اس ہم کے پرچم کا رنگ سفید تھا اور حضرت محمد رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔

### رہ) غزوہ بواطہ ربيع الاول ۲۴ ستمبر ۲۳

اس ہم میں رسول اللہ ﷺ دو صحابہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے مقصود قریش کا ایک قافلہ تھا جس میں امیر بن خلف سمیت قریش کے ایک سو آدمی اور ڈھائی ہزار ادنٹ تھے۔ آپ رضوی کے اطراف میں مقام بواطہ تک تشریف لے گئے لیکن کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔

<sup>۱۲</sup> وَوَان، و پر زبرد۔ در تشدید، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ یہ رابطہ سے مدینہ جاتے ہوئے ۲۹ میل کے فاصلے پر پڑتا ہے۔ ابواء وَوَان کے قریب ہی ایک دوسرے مقام کا نام ہے۔  
<sup>۱۳</sup> المواہب اللدینیہ ۱/۵، مع شرح زرقان

اس غزوہ کے دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینے کا امیر بنایا گیا تھا۔ پر جم سعید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

### ر۶) غزوہ سفوان - ربيع الاول ۲۳ھ، ستمبر ۶۲۳ء

اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ کرز بن جابر فہری نے مشرکین کی ایک مختصر سی فوج کے ساتھ مدینے کی چڑاگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مولیشی لوٹ لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر صحابہ کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں واقع وادی سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کرز اور اس کے ساتھیوں کو نہ پاسکے اور کسی مکراوہ کے بغیر واپس آگئے۔ اس غزوہ کو بعض لوگ غزوہ بدر اول بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ کے دوران مدینے کی امارت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی۔ علّم سعید تھا اور علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

### ر۷) غزوہ ذی الحجه - جادی الاول و جمادی الآخرہ ۲۴ھ نومبر، ستمبر ۶۲۴ء

اس نہم میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ڈیڑھ یا دو سو ہزار جن تھے لیکن آپ نے کسی کو روانگی پر مجبور نہیں کیا تھا۔ سواری کے لیے صرف تیس اونٹ تھے۔ اس لیے لوگ باری باری سوار ہوتے تھے یعنی قریش کا ایک فائدہ تھا جو مک شام چارہ تھا اور معلوم ہوا تھا کہ یہ کتنے سے چل چکا ہے۔ اس قافلے میں قریش کا خاص اہل تھا۔ آپ اس کی طلب میں ذی الحجه تک پہنچے لیکن آپ کے پہنچنے سے کئی دن پہلے ہی فائدہ باچا تھا۔ یہ وہی فائدہ ہے جسے شام سے واپسی پر نبی ﷺ نے گرفتار کرنا چاہا تو یہ قافلہ تو نکھ نکلا لیکن جنگ پر بیٹھی آگئی۔ اس نہم پر ابن اسحاق کے بقول رسول اللہ ﷺ جادی الاول کے ادعا میں روائہ ہوتے ہیں اور جمادی الآخرہ میں واپس آتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس غزوے کے ہدینے کی تعمیں میں اہل ریس کا اختلاف ہے۔

اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے بنو مذحج اور ان کے خلیف بنو خمڑہ سے عدم جنگ

(باقیہ نہ گوشہ سفر) کوہستان جہیزیہ کے سلسلے کے دو پہاڑ میں جو درحقیقت ایک ہی پہاڑ کی دو شاخیں ہیں یہ بکھر سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل ہے اور مدینے سے ۲۸ میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۵) عشیرہ - اس کو پیش اور شش کو زبر۔ عشیرہ اور عشیرہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ ٹوٹے کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔

کا معاہدہ کیا۔

ایام سفر میں مدینہ کی سربراہی کا کام حضرت ابوسلمہ بن عبداللہ بن حمزہ وی رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ اس دفعہ بھی پرچم سفید تھا اور علمبرداری حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فمار ہے تھے۔

(۸) سَهْرِ بَيْعَةِ نَخْلَهُ - رَجَبٌ ۲۴ - جنوری ۶۲۷ھ

اس ہجم پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حمّش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بارہ چہاڑیں کا ایک دستہ روائی فرمایا۔ ہر دو دنوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری دونوں سوار ہوتے تھے۔ دستے کے امیر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک تحریر لکھ کر دی تھی اور ہدایت فرمائی تھی کہ دو دن سفر کر لینے کے بعد ہی اسے دیکھیں گے چنانچہ دونوں کے بعد حضرت عبداللہ نے تحریر لکھی تو اس میں یہ درج تھا: "جب تم میری یہ تحریر دیکھو تو آگے بڑھنے جاویہاں تک کہ لگہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں اُزتو اور وہاں قریش کے ایک قافلے کی گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے اس کی بخروں کا پتا لگاؤ۔" انہوں نے سمع و طاعت کہا اور اپنے رُفتار کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا، جسے شہادت محبوب ہو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور جسے موت ناگوار ہو وہ واپس چلا جائے۔ باقی رہا میں! تو میں بہرحال آگے جاؤں گا۔ اس پر سارے ہی رُفتار اُٹھ کھڑے ہوئے اور منزل مقصود کے لیے چل پڑے۔ البتہ راستے میں سعد بن ابی وفا ص اور عتبہ بن عزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ غائب ہو گیا جس پر یہ دونوں بزرگ باری باری سفر کر رہے تھے۔ اس لیے یہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہ بن حمّش نے طویل مسافت طے کر کے نخلہ میں نزول فرمایا۔ وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گذرا جو کشمکش، چھڑے اور سامان تجارت لیے ہوئے تھا۔ قافلے میں عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نواف اور عمر بن حضری اور حیکم بن کیسان مولیٰ امیر ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ آخر کیا کریں۔ آج حرام ہمینے رجب کا آخری دن ہے اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو اس حرام ہمینے کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اور رات بھر ک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کی بھی راتے ہوئی کہ حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک شخص نے عمر بن حضری کو تیر مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی لوگوں نے عثمان اور حیکم کو گرفتار کر لیا؛ البتہ توفیق بھاگ نکلا۔ اس کے بعد یہ لوگ دونوں قیدیوں اور سامان قافلہ کو لیے ہوئے مدینہ پہنچے۔ انہوں نے مال

غیمت سے جو بھی نکال لیا تھا اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا جو مقتول اور پہلے قیدی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حرکت پر بازپُس کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرام ہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؛ اور سامان قافله اور قیدیوں کے ساتھ میں کسی بھی طرح کے تصرف سے بچا رکھ لیا۔

ادھراس حادثے سے مشرکین کو اس پروپیگنڈے کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے اللہ کے حرام کئے ہوئے ہیں کو حلال کر لیا؛ چنانچہ بڑی چیز میگویاں ہوتیں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھوئی اور بتلایا کہ مشرکین جو کچھ کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کی حرکت بدرجہ زیادہ بڑا جرم ہے؛ ارشاد ہوا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قَتَالٌ فِيهِ ۝ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَيْرٌ وَ صَدٌ  
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَ كُفُرٌ بِهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ إِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرٌ  
عِنْدَ اللَّهِ وَ الْفِتْنَةُ أَكْبَرٌ مِنَ القَتْلِ ۝ (۲۱۲:۲۱)

”لوگ تم سے حرام ہینے میں قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو دہان سے نکالنا یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بڑا کہہ ہے“ اس وحی نے صراحت کر دی کہ لڑنے والے مسلمانوں کی سیرت کے بارے میں مشرکین نے جو شور برپا کر رکھا ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ قریش اسلام کے خلاف لڑائی میں اور مسلمانوں ظلم قوم رانی میں ساری ہی حرمتیں پامال کر چکے ہیں۔ کیا جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا مال چھینا گیا اور پیغمبر کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گی تو یہ داقعہ شہر حرام (رمکہ) سے باہر کہیں اور کا تھا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اب ان حرمتات کا تقدیس اچانک پلٹ آیا اور ان کا چاک کرنا باعثِ نگ و عار ہو گیا۔ یقیناً مشرکین نے پروپیگنڈے کا جو طوفان برپا کر رکھا ہے وہ کھلی ہوئی بے جیانی اور صریح بے شرمی پر مبنی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا اور مقتول کے

---

”اہل بیسر کا بیان یہی ہے مگر اس میں پوچیدگی یہ ہے کہ جو نکلنے کا حکم جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوا تھا اور اس کے سبب زوال کی جو تفصیلات کتب تفاسیر میں بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے تک مسلمان جو میں کے حکم سے ناہوش نہ تھے۔“

اویار کو اس کا خون بہا ادا کیا جائے

یہ ہیں جنگ بدر سے پہلے کے سریلے اور عزادارے۔ ان میں سے کسی میں بھی لُٹ مار اور قتل و غارت گری کی نوبت نہیں آئی جب تک کہ مشرکین نے کرز بن جابر فہری کی قیادت میں ایسا نہیں کیا، اس سیلے اس کی ابتداء بھی مشرکین ہی کی جانب سے ہوئی جب کہ اس سے پہلے بھی وہ طرح کی ستم رانیوں کا انتکاب کر چکے تھے۔

ادھر تیریہ عبداللہ بن جحش کے داقعات کے بعد مشرکین کا خوف حقیقت بن گیا اور ان کے سامنے ایک واقعی خطرہ مجسم ہو کر آگیا۔ انہیں جس پھنسے میں پھنسنے کا اندیشہ تھا اس میں اب وہ واقعی پھنس چکے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ مدینے کی قیادت انتہائی بیدار مفرم ہے اور ان کی ایک ایک تجارتی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہے۔ مسلمان چاہیں تو تین سو میل کا راستہ کر کے ان کے علاقے کے اندر انہیں مار کاٹ سکتے ہیں، قید کر سکتے ہیں، مال لُٹ سکتے ہیں اور ان سب کے بعد صیحہ سالم واپس بھی جاسکتے ہیں۔ مشرکین کی سمجھیں آگیا کہ ان کی شامی تجارت اب مستقل خطرے کی زدیں ہے لیکن ان سب کے باوجود وہاپنی حاقدت سے باز آنے اور جہیزیہ اور بوضو کی طرح صلح و صفائی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے جذبہ غیظ و غضب اور جوش بغرض خداوت میں کچھ اور آگے بڑھ گئے اور ان کے صنادید و اکابر نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے گروں میں گھس کر ان کا صفائیا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ یہی طیش تھا جو انہیں میدان بدر تک لے آیا۔

باقی رہے مسلمان تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالعزیز بن جحش رضیٰ کے تیریہ کے بعد شبان شہر میں ان پر جنگ فرض قرار دے دی اور اس سلسلے میں کئی واضح آیات نازل فرمائیں:

ارشاد ہوا:

**وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۖ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ**

شیعہ ان سرایا اور عزادارات کی تفصیل کتب فیل سے لی گئی ہے۔ زاد المعاド ۲/۸۳-۸۵ ابہ شام ۱/۵۹۱-۶۰۵۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۱۴، ۱۱۵، ۲/۱۱۶، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹۔ ان مآخذ میں ان سرایا اور عزادارات کی ترتیب اور ان میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ہم نے علامہ ابن قیم اور علامہ منصور پوری کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔

الْمُعْتَدِلِينَ ○ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقْتُلُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرِجُوكُمْ  
وَالْفِسْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ○ وَلَا قَتْلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوكُمْ فِيهِ  
فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ مَذْلِكَ جَزَاءُ الْكُفَّارِ ○ فَإِنْ اتَّهَمُوا فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ○  
وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا يَكُونَ فِسْنَةٌ ○ وَيَكُونُ الدِّينُ لِلَّهِ ○ فَإِنْ اتَّهَمُوا فَلَا عُدُولَانَ إِلَّا  
عَلَى الظَّلِيلِينَ ○

(۱۹۰۱-۱۹۳۲)

”اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جنم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو۔  
یقیناً اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پند نہیں کرتا اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے  
انہوں نے تھیں نکلا ہے وہاں سے تم بھی انہیں نکال دو اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔  
اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے مسجد حرام میں قاتل کریں۔ پس اگر  
اگر وہ (وہاں) قتال کریں تو تم روہاں بھی، انہیں قتل کرو۔ کافروں کی جزا ایسی ہی ہے۔ پس اگر  
وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ عغفور رحیم ہے۔ اور ان سے رضاۓ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ ہے  
اور دین اللہ کے لیے ہو جاتے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو کوئی متعہدی نہیں ہے مگر طالبوں ہی پر۔“  
اس کے بعد ہی بعد دوسری نوع کی آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا طریقہ بتایا گیا  
ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے اور بعض احکامات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَإِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرِبُ الرِّقَابَ حَتَّى إِذَا أَخْتَمْتُهُمْ فَشُدُّوا  
الْوَثَاقَ لَا فَيَمَا مَنَّا بَعْدُ وَإِمَّا فَدَأَهُ حَتَّى تَضَعَ الْحُرْبُ أَوْ زَارَهَا هَذِهِ ذَلِكُ وَلَوْيَشَاءُ  
اللَّهُ لَا يَنْصَرُ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لَيَسْبُلُوا بَعْضَكُمْ بِعَضًا وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَلَنْ يُضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيهِمْ وَنُصْلِحُ بَالَّهُمْ ○ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا  
لَهُمْ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الَّذِينَ يَنْصُرُونَ كُوْرُ وَيُشَتَّتُ أَقْدَامُكُمْ ○ (۲۴:۲۴)

”پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے مگراو تو گردنیں ما رو یہاں تک کہ جب انہیں  
اچھی طرح کچل لو تو جکڑ کر باندھو۔ اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیرے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے  
ستھیار رکھ دے۔ یہ ہے (تمہارا کام) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے استغام لے یا تیکن  
روہ چاہتا ہے کہ) تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل  
کئے جائیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز رائیگاں نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کا

حال درست کرے گا اور ان کو جئٹ میں داخل کرے گا جس سے ان کو واقف کراچکا ہے۔ اے اب ایمان! اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو اس اللہ تھاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نذمت فرمائی جن کے دل جنگ کا حکم سن کر کانپنے اور وھڑکنے لگے تھے۔ فرمایا:

فِإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةُ الْحُكْمَةِ وَذُكِّرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ  
حَرَجٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرًا مُغَشِّيًّا عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط (۲۰:۳۴)

”وجب کوئی حکم سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہوئی“

حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی فرضیت و تغیب اور اس کی تیاری کا حکم حالات کے تقاضے کے عین مطابق تھا حتیٰ کہ اگر حالات پر گہری نظر کھنے والا کوئی کمانڈر ہوتا تو وہ بھی اپنی فوج کو ہر طرح کے ہنگامی حالات کا فوری مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا۔ لہذا وہ پروردگار برتر یوں نہ ایسا حکم دیتا جو ہر کھلی اور ڈھکی بات سے واقف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات حق و باطل کے درمیان ایک خوزیز اور فیصلہ کن مرکے کا تقاضا کر رہے تھے؛ خصوصاً سریریہ عبد اللہ بن محبشؓ کے بعد جو کہ مشرکین کی غیرت و محبت پر ایک شگین ضرب تھی اور جس نے انہیں کپاپ سینخ بنار کھا تھا۔

احکام جنگ کی آیات کے سیاق و سبق سے اندازہ ہوتا تھا کہ خوزیز مرکے کا وقت قریب ہی ہے اور اس میں آخری فتح و نصرت مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگی۔ آپ اس بات پر نظر ڈالتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جہاں سے مشرکین نے تہیں نکالا ہے اب تم بھی وہاں سے انہیں نکال دو۔ پھر کس طرح اس نے قیدیوں کے باندھنے اور مخالفین کو کھل کر سسلہ جنگ کو خاتمے تک پہنچانے کی ہدایت دی ہے جو ایک غالب اور فاتح فوج سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ آخری غلبہ مسلمانوں ہی کو نصیب ہو گا۔ لیکن یہ بات پر دوں اور اشادر میں بتائی گئی تاکہ جو شخص چہاد فی سبیل اللہ کے لیے حصہ گر مجوشی رکھتا ہے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر سکے۔ پھر ان ہی دنوں۔ شعبان ۲۲ھ فروری ۱۷۸۲ء میں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قبلہ

O

بیت المقدس کے بھروسے خانہ کو بنایا جائے اور نماز میں اسی طرف رخ پھرایا جائے مگر کافی نہ ہو اکرم کو درود اور منافت پہنچو جو مسلمانوں کی صفائح میں نہیں اضافہ کرو اور اپنے دشمنوں کے بھروسے خانہ کو سامنے آگئے اور مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر اپنی اصل حالت پر و پس پہنچ گئے اور اس طرح مسلمانوں کی صفائح میں بہت سے غذاء روں اور خانات کو شوال سے پاک ہوئیں۔

تجویل قبده میں اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ تھا کہ اب ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے جو اس قبیلہ پر مسلمانوں کے قبضے سے بچتے ختم نہ ہو گا بلکہ کہونے والے بڑی محیب بادت ہو گی کہ کسی قوم کا قبضہ اس کے دشمنوں کے قبضے میں ہو اور اگر ہے تو کچھ ضروری ہے کہ کسی نہ کسی دن اُسے آزاد کرایا جائے۔

ان احکام اور اشاروں کے بعد مسلمانوں کی تشاٹ میں مزید اضافہ ہو گی اور ان کے بھروسے خانہ کے جذبات اور شکن نے پھر کم ہو گی اور زندگی اور بڑھکی۔

# غزوہ پر کبھی

اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ

**غزوے کا سبب** | غزوہ عشیرہ کے ذکر میں ہم بتا سکتے ہیں کہ قریش کا ایک قافلہ تھا۔ یہی قافلہ جب شام سے پڑ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو نبی ﷺ کی گرفت سے بچ نکلا اور سعید بن زید کو اس کے حالات کا پتا لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ دونوں صحابی مقام حوراء تک تشریف لے گئے اور وہیں ٹھہرے رہے۔ جب ابوسفیان قافلہ لے کر دہل سے گزر ا تو یہ نہایت تیز رفتاری سے مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ اس قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی؛ یعنی ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم سچاپس ہزار دینار (دو سو سارٹھے باستھ کیلو سونے) کی مالیت کا ساز و سامان بار کیا ہوا تھا۔ دراں حايكہ اس کی حفاظت کے لیے صرف چاہیس آدمی تھے۔

اہل مدینہ کے لیے یہ بڑا زیرین موقع تھا جبکہ اہل مکہ کے لیے اس مال فراہم سے خودی بڑی نژادیت فوجی، سیاسی اور اقتصادی مارکی حیثیت کھلتی تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے اس کیلئے مکمل پڑو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بطور غنیمت تھا رے حوالے کر دے۔

لیکن آپ نے کسی پر روانگی ضروری نہیں قرار دی بلکہ اسے محض لوگوں کی رغبت پر چھوڑ دیا کیونکہ اس اعلان کے وقت یہ موقع نہیں تھی کہ قافلے کے بجائے اشکر قریش کے ساتھ میدان پر میں ایک نہایت پُر زور ٹکر ہو جائے گی اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ کرام مدینے ہی میں رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ سفر آپ کی گذشتہ عام فوجی ہجات سے مختلف نہ ہو گا اور اسی لیے اس غزوے میں شرکت نہیں دالوں سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

**اسلامی اشکر کی تعداد اور مکان کی تقسیم** | رسول اللہ ﷺ روایتی کے لیے تیار ہوئے تو آپ کے ہمراہ کچھ

اوپر تین سو افراد تھے۔ (العنی ۳۱۳ یا ۳۱۴ یا ۳۱۵) جن میں سے ۸۲ یا ۸۳ یا ۸۶ ہبھا جس تھے اور بقیہ النصاری۔ پھر النصاری میں سے ۶۱ قبیلہ اُوس سے تھے اور ۷۷ قبیلہ خُزُج سے۔ اس شکر نے غزوے کا نہ کوئی خاص اہتمام کیا تھا نہ مکمل تیاری۔ چنانچہ پورے شکر میں صرف دو گھوڑے تھے (ایک حضرت زُبیر بن عوام کا اور دوسرا حضرت مقداد بن اسود کندی کا) اور ستر اونٹ، جن میں سے ہر اونٹ پر دو یا تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ رسول اللہ ﷺ، حضرت علیؓ اور حضرت مرشد بن ابی مرشد غنوی کے حصے میں آیا تھا جن پر تینوں حضرات باری باری سوار ہوتے تھے۔

مدینہ کا انتظام اور نماز کی امامت پہلے پہل حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ لیکن جب نبی ﷺ مقامِ رَوْحَاءِ تَكَبَّر پہنچے تو اپنے نے حضرت ابو بابا بر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا منظم نبا کرو اپس بیچج دیا۔ شکر کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ ایک جیش ہبھا جریں کا بنایا گیا اور ایک انصار کا۔ ہبھا جریں کا علم حضرت علیؓ بن ابی طالب کو دیا گیا اور انصار کا علم حضرت شعبہ بن معاذ کو اور جزل کمان کا پرچم جس کا رنگ سفید تھا حضرت مصعب بن عمیر عقبہ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ نیمنہ کے افسر حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مقرر کئے گئے اور زیبرہ کے افسر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ۔ اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، پورے شکر میں صرف یہی دونوں بزرگ شہروں کے تھے۔ ساقہ کی کمان حضرت قیس بن ابی صعْصَعَہ کے حوالے کی گئی اور سپہ سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے جزل کمان رسول اللہ ﷺ نے خود سنبھالی۔

**بدر کی جانب اسلامی شکر کی روائی**

رسول اللہ ﷺ اس نامکمل شکر کو بدر کی جانب اسلامی شکر کی روائی لے کر روانہ ہوئے تو مدینے کے دنے سے نکل کر کمک جانے والی شاہراہ عام پر چلتے ہوئے بُرْزَ رَوْحَاءِ تَكَبَّر تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے آگئے ہڑھے تو کئے کاراسنہ باہمیں جانب چھوڑ دیا اور داہمے جانب کترکر چلتے ہوئے نازیپہنچے رہنگل مقصود بدر تھی) پھر نازیہ کے ایک گوشے سے گزر کر واوی رہقان پارکی۔ یہ نازیہ اور درہ صفار کے درمیان ایک واوی ہے۔ اس واوی کے بعد درہ صفار سے گزرے۔ پھر درہ اُزکر واوی صفار کے قریب جا پہنچے اور وہاں سے قبیلہ چُبَّیْنَہ کے دو آدمیوں یعنی بیس بن عمر اور عدی بن ابی الزغمبار کو قافیے کے حالات کا پتا لگانے کے لیے بدر روانہ فریبا۔

## کئے میں خطرے کا اعلان | دوسری طرف قافلے کی صورت حال یہ تھی کہ ابوسفیان

تحاکر کئے کا راستہ خطروں سے پڑھے، اس یہے وہ حالات کا سلسل پتا لگاتا رہتا تھا اور جن قافلوں سے ملاقات ہوتی تھی ان سے کیفیت دریافت کرتا رہتا تھا؛ چنانچہ اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ نے صحابہ کرام کو قافلے پر جملے کی دعوت دے دی ہے کہناً اس نے فوراً **ضمّضمٰ بن عمرٰ وغفاری** کو اجرت دے کر کئے بھیجا کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے قریش میں نفیرِ عام کی صدالگائے۔ **ضمّضمٰ** نہایت تیز رفتاری سے کہ آیا اور عرب دستور کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چپڑی، کباوه اللہ، گرتا پھاڑا اور وادیٰ مکہ میں اسی اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی: "اے جماعت قریش! قافلہ۔۔۔۔۔ قافلہ۔۔۔۔۔ تمہارا مال جوابیخان کے ہمراہ ہے اس پر محمد اور اس کے ساتھی دھاوا بولنے جا رہے ہیں۔ پھر یقین نہیں کہ تم اُسے پاسکو گے۔ مدد۔۔۔۔۔ مدد۔۔۔۔۔"

## جنگ کے لیے اہل مکہ کی تیاری | یہ آواز سن کر لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔

بمحضہ ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابن حضری کے قافلے جیسا ہے؟ جی نہیں ماہر گز نہیں۔ خدا کی قسم انہیں پتال پل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ سارے کئے میں دو ہی طرح کے لوگ تھے یا تو آدمی خود جنگ کے لیے نکل رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا اور اس طرح گویا بھی نکل پڑے۔ خصوصاً معززین مکہ میں سے کوئی بھی چیخپے نہ رہا۔ صرف ابوہب نے اپنی جگہ اپنے ایک قرضدار کو بھیجا۔ گرد و پیش کے قبائل عرب کو بھی قریش نے بھرتی کیا اور خود قریشی قبائل میں سے سوائے بنو عدی کے کوئی بھی چیخپے نہ رہا؛ البتہ بنو عدی کے کسی بھی آدمی نے اس جنگ میں شرکت نہ کی۔

## ملکی شکر کی تعداد | ابتداء میں کی شکر کی تعداد تیرہ سو تھی جن کے پاس ایک سو گھوڑے اور چھ سو زر ہیں تھیں۔ اونٹ کثرت سے تھے جن کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ شکر کا پسالا را بوجہل بن ہشام تھا۔ قریش کے نو معزز آدمی اس کی رسید کے ذمے دار تھے۔ ایک دن تو اور ایک دن دس اونٹ فرع کئے جاتے تھے۔

**قبائل بنو بکر کا مسئلہ** | جب کی شکر دو انگی کے لیے تیار ہو گی تو قریش کو یاد آیا کہ قبائل بنو بکر سے ان کی دشمنی اور جنگ چل رہی ہے اس لیے اپنی خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ قبائل پیچھے سے حملہ نہ کر دیں اور اس طرح وہ دشمنوں کے بیچ میں گھر جائیں۔ قریب تھا کہ یہ خیال قریش کو ان کے ارادہ جنگ سے روک دے، لیکن عین اسی وقت ابلیس لعین بنو کنانہ کے سردار سراقتہ بن مالک بن جعشنم مدحی کی شکل میں نمودار ہوا اور بولا: "میں بھی تمہارا رفیق کا رہوں اور اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ بنو کنانہ تمہارے پیچھے کوئی ناگوار کام نہ کریں گے۔"

**جدیش مکہ کی روانگی** | اس ضمانت کے بعد اہل مکہ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: "إِذَا تَرَأَتْ هُوَتَّهُ، فَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ مِنْ حَاجَةٍ" کا ارشاد ہے: اپنی دھارا اور ہتھیار لے کر، اللہ سے خارکھاتے ہوتے اور اس کے رسول سے خارکھاتے ہوتے، جوش انتقام سے چور اور جذریہ جمیلت و غضب سے محروم۔ اس پر کچھ چاہئے ہوتے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے اہل مکہ کے قافلوں پر آنکھ اٹھانے کی جرأت کیسے کی؟ بہر حال یہ لوگ نہایت تیز رفتاری سے شمال کے رُخ پر بدرا کی جانب پلے جا رہے تھے کہ وادی عُسفان اور قُدُید سے گذر کر ححفہ پہنچے تو ابوسفیان کا ایک نیا پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ آپ لوگ اپنے قافلے، اپنے آدمیوں اور اپنے اموال کی حفاظت کی غرض سے نکلے ہیں اور چونکہ اللہ نے ان سب کو بچا لیا ہے لہذا اب واپس چلے جائیں۔

**فافلہ نچ زکلا** | ابوسفیان کے بیچ نکلنے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ شام سے کاروانی شاہراہ پر چلا تو آر رہا تھا لیکن مسلسل چوکن اور بیدار تھا۔ اس نے اپنی فراہمی اطلاعات کی کوششیں بھی دوچند کر کی تھیں۔ جب وہ بدرا کے قریب پہنچا تو خود قافلے سے آگے جا کر مجدد بن عمرو سے ملاقات کی اور اس سے شکر مدینہ کی بابت دریافت کیا۔ مجددی نے کہا ہے کہ میں نے کوئی خلاف معمول آدمی تو نہیں دیکھا۔ البتہ دوسوار دیکھے جنہوں نے میں کے پاس اپنے جانور بٹھاتے۔ پھر اپنے مشکرے میں پانی بھر کر چلے گئے۔ ابوسفیان پک کر دہاں پہنچا اور

ان کے اوپنٹ کی میگنیاں اُٹھا کر توڑیں تو اس میں کھجور کی گھٹلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! یہ شرب کا چارہ ہے۔ اس کے بعد وہ تیزی سے قافلے کی طرف پلٹا اور اُسے مغرب کی طرف موڑ کر اس کا رُخ ساحل کی طرف کر دیا اور بدر سے گزرنے والی کارروائی شاہراہ کو ہاتھ ملا تھا چھوڑ دیا۔ اس طرح قافلے کو مدینی شکر کے قبضے میں جانے سے بچایا اور فوراً ہی کمی شکر کو اپنے نجی نخلتے کی اطلاع دیتے ہوئے اُسے واپس جانے کا پیغام دیا جو اسے بحثہ میں موصول ہوا۔

### مکی شکر کا ارادہ والی اور بامی ممحوظ

یہ پیغام سن کر کمی شکر نے چاہا کہ واپس چلا جائے لیکن قریش کا طاغوت اکبر ابو جہل کھڑا ہو گیا اور نہایت کبر و غذر سے بولا، خدا کی قسم ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ بد رجاء کروہاں تین روز قیام کریں گے اور اس دوناں اوپنٹ فتح کریں گے۔ لوگوں کو کھانا کھلائیں گے اور شراب پلا میں سچے نہ ڈیاں ہمارے یہے گانتے گا میں کی آور سارا عرب ہمارا اور ہمارے سفر و اجتماع کا حال ٹھنڈا ہے گا اور اس طرح ہمیشہ کے یہے ان پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ لیکن ابو جہل کے علی الرغم اخنس بن شریعت نے یہی مشورہ دیا کہ واپس چلے چلو مگر لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اس سیلے دہنو زہرہ کے لوگوں کو ساختھے کر واپس ہو گیا کیونکہ دہنو زہرہ کا علیفہ اور اس شکر میں ان کا سردار تھا۔ دہنو زہرہ کی کل تعداد کوئی تین سو تھی۔ ان کا کوئی بھی آدمی جنگیدر میں حاضر نہ ہوا۔ بعد میں دہنو زہرہ اخنس بن شریعت کی راستے پر صدر رجہ شاداں و فرحاں تھے اور ان کے اندر اس کی تعظیم و اطاعت ہمیشہ برقرار رہی۔

دہنو زہرہ کے علاوہ بنو هاشم نے بھی چاہا کہ واپس چلے جائیں لیکن ابو جہل نے ڈی سختی کی اور کہا کہ جب تک ہم واپس نہ ہوں یہ گروہ ہم سے الگ نہ ہونے پاتے۔

غرض شکر نے اپنا سفر جاری رکھا۔ دہنو زہرہ کی والی اس کے بعد اب اس کی تعداد ایک ہزار رہ گئی تھی اور اس کا رُخ بد رکی جانب تھا۔ بد رکے قریب پہنچ کر اس نے ایک ٹیکے کے پیچھے ڈاؤ ڈالا۔ یہ ٹیکے وادی بد رکے حدود پر جزوی دہانے کے پاس واقع ہے۔

### اسلامی شکر کے یہے حالات کی نزاکت

ادھرم دینے کے ذریعہ اطلاعات  
نے رسول اللہ ﷺ کو جیکر

ابھی آپ راستے ہی میں تھے اور وادی ذفران سے گزر رہے تھے قافلے اور شکر دنوں کے متعلق اطلاعات فراہم کیں۔ آپ نے ان اطلاعات کا گھرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کر لیا کہ اب ایک خوزیرہ مکراو کا وقت آگیا ہے اور ایک ایسا اقدام ناگزیر ہے جو شجاعت و بسالت اور جرأت و جسارت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہ بات قطعی تھی کہ اگر مکن شکر کو اس علاقے میں یوں ہی دندناتا ہو تو اپنے دیا چاتا تو اس سے قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی قوت پہنچ جاتی اور ان کی بیاسی بالادستی کا دارہ دُور تک تھیل جاتا۔ مسلمانوں کی آواز دب کر گزدہ ہو جاتی اور اس کے بعد اسلامی دعوت کو ایک بے روح ڈھانچہ سمجھ کر اس علاقے کا ہر کس دنکس، جو اپنے سینے میں اسلام کے خلاف کینہ و عداوت رکھتا تھا شر پر آمادہ ہو جاتا۔

پھر ان سب باتوں کے علاوہ آخر اس کی کیا ضمانت تھی کہ مکن شکر مدینے کی جانب پیشیدی نہیں کرے گا اور اس معروکہ کو مدینہ کی چہار دیواری تک منتقل کر کے مسلمانوں کو ان کے گھروں میں گھس کرتباہ کرنے کی جرأت اور کوشش نہیں کرے گا؟ جیساں! اگر مکن شکر کی جانب سے ذرا بھی گزید کیا جاتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو مسلمانوں کی یہیت و شہرت پر تو یہ حال اس کا نہایت بُرَا اثر پڑتا۔

### مجلس شوریٰ کا اجتماع

حالات کی اس اچانک اور پُر خطر تبدیلی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلیٰ فوجی مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں دریش صورت حال کا تذکرہ فرمایا اور کم مذدوں اور عام فوجیوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ اس موقع پر ایک گروہ خوزیرہ مکراو کا نام من کر کا شپ اٹھا اور اس کا دل رز نے اور دھڑکنے لگا۔ اسی گروہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ إِلَى الْحَقِّ وَإِنَّ قَرِيبًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُلُّهُوْنَ<sup>۱۸۵</sup>  
يُحَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَانَمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يُنْظَرُونَ○

”جیسا کہ تجھے تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور مومین کا ایک گروہ ناگوار سمجھ رہا تھا۔ وہ تجھے سے حق کے بارے میں اس کے واضح ہو چکے کے بعد جھگڑہ ہے تھے گروہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔“

لیکن جہاں تک قائدین شکر کا تعلق ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور نہایت

اچھی بات کہی۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بھی نہایت غمہ بات کہی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے: اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو جوراہ دکھلائی ہے اس پر رواں دواں رہئے۔ سہم آپ کے ساتھی ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ،

..فَإِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَّا قَعِدُونَ ۝ (۲۸: ۵)

”تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم ہیں بیٹھے ہیں۔“

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کے پروردگار چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم کو بڑک غناد تک لے چلیں تو ہم راستے والوں سے راستے بھرتے آپ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے:

رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کلمہ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔

یہ تینوں کمانڈر ہماجرین سے تھے جن کی تعداد شکر میں کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی راستے معلوم کریں کیونکہ وہی شکر میں اکثریت رکھتے تھے اور میر کے کا اصل بوجھہ انہی کے شانوں پر پڑنے والا تھا۔ درآں حالیکہ بیعت عقبہ کی روز سے ان پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کریں اس لیے آپ نے مذکورہ تینوں حضرات کی باتیں سُننے کے بعد پھر فرمایا: ”لوگو! مجھے مشورہ دو۔“ مقصود انصار تھے اور یہ بات انصار کے کمانڈر اور علمبردار حضرت سعد بن معاذ نے بجانپ لی، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں! انہوں نے کہا: ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آتے ہیں سب حق ہے اور اس پر ہم نے آپ کو اپنی سمع و طاعت کا عہد و میثاق دیا ہے؛ لہذا اے اللہ کے رسول! آپ کا جوارا وہ ہے اس کے لیے پیش قدمی فرمائیے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں گوڈنا چاہیں تو ہم اسیں بھی آپ کے ساتھ کو د پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی سچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی چکچا ہست نہیں کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔

ہم جنگ میں پامرو اور لٹنے میں جوانمرد ہیں اور ملکن ہے اللہ آپ کو ہمارا وہ جو ہر دھن لاتے جس سے آپ کی آنکھیں طھنڈی ہو جائیں۔ پس آپ ہمیں ہمراہ لے کر چلیں۔ اللہ برکت دے۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ غاباً آپ کو اندیشہ ہے کہ انصار اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کی مدحض اپنے دیار میں کریں اس لیے میں انصار کی طرف سے بول رہا ہوں اور ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں عرض ہے کہ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں، جس سے چاہیں تعلق استوار کریں اور جس سے چاہیں تعلق کاٹ لیں۔ ہمارے مال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں دے دیں، لہو جو آپ لے لیں گے وہ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہو گا جسے آپ چھپوڑ دیں گے۔ اور اس معاملے میں آپ کا جو بھی فیصلہ ہو گا ہمارا فیصلہ بہر حال اس کے تابع ہو گا۔ خدا کی قسم اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے بُرکِ غناد تک جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں لے کر اس سمندر میں کوڈنا چاہیں تو ہم اس میں بھی کوڈ جائیں گے۔

حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی ہر دوڑگی۔ آپ پر نشاط طاری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔“

**اسلامی شکر کا بقیہ سفر** | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ذفران سے آگے جاتا ہے دیت نامی ایک آبادی میں اُترے اور حناف نامی پہاڑ نما تودے کو داہیں ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کے بعد بدر کے قریب نزول فرمایا۔

**چاسوسی کا اقدام** | یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفیق غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور خود فراہمی اطلاعات کے لیے نکل پڑے۔ ابھی دوسری سے مکی شکر کے کیمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا عرب مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے قریش اور محمدؐ واصحابؐ محمدؐ کا حال دریافت کیا۔ دونوں لشکروں کے متعلق پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی شخصیت پر پردہ پڑا رہے۔ یہیں پڑھے نے کہا: جب تک تم لوگ یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہارا تعلق کس قوم سے ہے میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب تم ہمیں بتا دو گے تو ہم بھی تمہیں بتا دیں گے۔ اس نے کہا: اچھا تو یہ اس کے بدلتے ہے؟ آپ نے فرمایا، مال! اس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد اور ان کے ساتھی فلاں روز نکلے ہیں۔ اگر مجھے بتانے والے نے صحیح بتایا ہے تو آج وہ لوگ فلاں جگہ ہوں گے۔ اور ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس وقت مدینے کا شکر تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے قریش فلاں دن نکلے ہیں۔ اگر مجھے خبر دینے والے نے صحیح خبر دی ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے۔ اور ٹھیک اس جگہ کا نام یا جہاں اس وقت کے کا شکر تھا۔

جب پڑھا اپنی بات کہہ چکا تو بولا: اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم دونوں کس سے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم لوگ پانی سے ہیں اور یہ کہہ کر واپس چل پڑے۔ پڑھا بکتر رہا: پانی سے ہیں؟ کیا؟ کیا عراق کے پانی سے ہیں؟

**لشکرِ مکہ کے پارے میں اہم معلومات کا حصول**

اسی روز شام کو آپ نے دشمن کے حالات کا پتا لگانے کے لیے

نتے سرے سے ایک جاسوسی دستہ روانہ فرمایا۔ اس کا روائی کے لیے ہباجن کے تین قائد علی بن ابی طالب، زیر بن عوام اور سعد بن ابی وفا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ کرام کی ایک جماعت کے ہمراہ روانہ ہوتے۔ یہ لوگ یہدھے بدر کے چشمے پر پہنچے۔ وہاں دو غلام کی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ نے ان دونوں سے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے کہا، ہم قریش کے سنتے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی بھرنے کے لیے بھیجا ہے۔ قوم کو یہ جواب پسند نہ آیا۔ انہیں توقع تھی کہ یہ دونوں ابوسفیان کے آدمی ہوں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں اب بھی پچھلے کھجی آرزو رہ گئی تھی کہ قافیہ پر غلبہ حاصل ہو۔ چنانچہ صحابہ نے ان دونوں کی ذرا سخت پیش کر دی۔ اور انہوں نے مجبور ہو کر کہہ دیا کہ مال ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس کے بعد مارنے والوں نے با تھہ روک لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو ناراضی سے فرمایا، جب ان دونوں نے صحیح بات بتائی تو آپ لوگوں نے پیش کر دی اور جب بھوٹ کہا تو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم ان دونوں نے صحیح کہا تھا کہ یہ قریش کے آدمی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ان دونوں علاموں سے فرمایا، اچھا! اب مجھے قریش کے متعلق بتاؤ۔ انہوں نے کہا: یہ ٹیکہ جو وادی کے آخری دہانے پر دکھائی دے رہا ہے قریش اسی کے پیچھے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا، لوگ کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، بہت ہیں۔ آپ نے پوچھا، تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا، ہمیں معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا، روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا، ایک دن تو ایک دن دس۔ آپ نے فرمایا، تب تو لوگوں کی تعداد تو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپ نے پوچھا، ان کے اندر معززین قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے کہا، ربیعہ کے دونوں صاحبزادے غتبہ اور شیبہ اور ابوالحسنی بن ہشام، حکیم بن حرام، نوَفْلُ بْنُ خُوَيْلَد، حارث بْنُ عَامِر، طُعَيْمَهُ بْنُ عَدِيٍّ، نَضْرَ بْنُ حَارِثَ، زَمْعَهُ بْنُ اسْوَدَ، ابُو جَلَلَ بْنَ ہشام، اُمَيَّهُ بْنُ خَلْفٍ اور مزید کچھ لوگوں کے نام گنوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کہنے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے پاس لا کر ڈال دیا ہے۔

### **بaranِ رحمت کا نزول**

الشَّعْرَةِ وَجْلَ نَے اسی رات ایک بارش نازل فرمائی جو مشرکین لیکن مسلمانوں پر چوار بن کر بر سی اور انہیں پاک کر دیا، شیطان کی گندگی (بندی) دور کر دی۔ اور زمین کو ہوا کر دیا۔ اس کی وجہ سے ریت میں سختی آگئی اور قدم ٹکنے کے لائق ہو گئے قیام خوشگوار ہو گیا اور دل منبوط ہو گئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے شکر کی سبقت

مشرکین سے پہلے بدر کے چشمے پر پہنچ جاتیں اور اس پر مشرکین کو مسلط نہ ہونے دیں چنانچہ عشرہ کے وقت آپ نے بدر کے قریب ترین چشمے پر نزول فرمایا۔ اس موقع پر حضرت جابر بن منذر نے ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس مقام پر آپ اللہ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں کہ ہمارے لیے اس سے آگے پیچے ہٹنے کی گنجائش نہیں یا آپ نے اسے محض ایک جعلی حکمت عملی کے طور پر اختیار فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ محض جعلی حکمت عملی کے طور پر ہے۔ انہوں نے کہا: یہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپ آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے سب سے قریب جو چشمہ ہو اس پر پڑا ڈالیں۔ پھر ہم بقیہ چشمے پاٹ دیں گے اور اپنے چشمے پر حض بنا کر پانی بھر لیں گے، اس کے بعد ہم قریش سے جنگ کریں گے تو ہم پانی پیتے رہیں گے اور

اہمیں پانی نہ ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت ٹھیک مشورہ دیا۔ اس کے بعد آپ شکر سمت اُٹھے اور کوئی آدمی رات گئے دشمن کے سب سے قریب ترین حضمر پر پہنچ کر پڑا وڈاں دیا۔ پھر صحابہ کرام نے حوض بنایا اور یا تو تمام حشموں کو بند کر دیا۔

### مرکزِ قیادت

یہ تجویزِ میش کی کہ کیوں نہ مسلمان آپ کے لیے ایک مرکزِ قیادت تعییر کر دیں تاکہ خدا نخواست فتح کے بجائے شکست سے دو چار ہونا پڑ جائے یا کسی اور ہنگامی حالت سے سابقہ پیش آجائے تو اس کے لیے ہم پہلے ہی سے مستعد رہیں؛ چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

”اے اللہ کے نبی! ایکوں نہ ہم آپ کے لیے ایک چھپر تعییر کر دیں جس میں آپ تشریف کھینچے اور ہم آپ کے پاس آپ کی سواریاں بھی ہمیار کھیں گے۔ اس کے بعد اپنے دشمن سے مکر لیں گے۔ اگر اللہ نے ہمیں عزت بخشی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو یہ وہ چیز ہوگی جو ہمیں پسند ہے! اور اگر دوسری صورت پیش آگئی تو آپ سوار ہو کر ہماری قوم کے ان لوگوں کے پاس جا رہیں گے جو پچھے رہ گئے ہیں۔ درحقیقت آپ کے پیچھے اے اللہ کے نبی! ہا ایسے لوگ رہ گئے ہیں کہ ہم آپ کی محبت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ اگر انہیں یہ اندازہ ہوتا کہ آپ جنگ سے دو چار ہوں گے تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ اللہ ان کے ذریعے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ آپ کے خیر خواہ ہوں گے اور آپ کے ہمراہ جہاد کریں گے۔“

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے دعا خیر کی؛ اور مسلمانوں نے میدانِ جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیکے پر چھپر بنایا جہاں سے پورا میدانِ جنگ دکھائی پڑتا تھا۔ پھر آپ کے اس مرکزِ قیادت کی نگرانی کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کا ایک دستہ منتخب کر دیا گیا۔

### لشکر کی ترتیب اور شبِ گزاری

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی تھی اور میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے جا رہے تھے کہ یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے ان شاہزادوں، اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے؛ ان شاہزادوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے

وہیں ایک درخت کی جڑ کے پاس رات گزاری اور مسلمانوں نے بھی پر سکون نفس اور تاباک اُنچ کے ساتھ رات گزاری۔ ان کے دل اعتماد سے پُر تھے اور انہوں نے راحت و سکون سے اپنا حصہ حاصل کیا۔ انہیں یہ توقع تھی کہ صبح اپنی آنکھوں سے اپنے رب کی بشارتیں دیکھیں گے۔

إذ يغشىكم النعاص أمنة قنة وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم كعبه  
ويذهب عنكم رجز الشيطان وليربط على قلوبكم ويحيي به القدام (١٢:٨)

”جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوف کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسان سے پان بر سار رہا تھا تاکہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جمادے،“

یہ رات جسمہ، ا رمضان شہ کی رات تھی اور آپ اس ہیئت کی ۸ یا ۱۲ تاریخ کو مدینے سے روشنہ ہوئے تھے۔

## میدانِ جنگ میں مکی لشکر کی آمد اور ان کا پاہمی اختلاف

دوسری طرف قریش نے وادی کے دہانے کے باہر اپنے کمپ میں رات گزاری اور صبح اپنے تمام دستوں سمیت ٹیکے سے اُتکر کر بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی جانب بڑھا۔ آپ نے فرمایا، انہیں چھوڑ دو۔ مگر ان میں سے جس نے بھی پانی پیا وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ صرف حکیم بن حرام باقی بچا جو بعد میں مسلمان ہوا اور بہت اچھا مسلمان ہوا۔ اس کا دستور تھا کہ جب بہت پختہ قسم کھانی ہوتی تو کہتا لاؤ اَوَالَّذِي نَجَاتِي مِنْ يَوْمٍ بَدِيرٍ قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے بدر کے دن سے نجات دی؟

بہر حال جب قریش مطہر ہو چکے تو انہوں نے مدینی لشکر کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے عمر بن وہب صحیح کو روانہ کیا۔ عمر نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کا چکر لگایا۔ پھر واپس جا کر بولا: ”کچھ کم یا کچھ زیادہ تین سو آدمی ہیں، لیکن ذرا لٹھرو۔ میں دیکھ لوں ان کی کوئی کمیں گاہ یا لکھ تو نہیں؟“ اس کے بعد وہ وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہوا دُور تک نکل گیا لیکن اُسے کچھ دکھاتی نہ پڑا، چنانچہ اُس نے واپس جا کر کہا: ”میں نے کچھ پایا یا تو نہیں لیکن اے قریش کے لوگو! میں نے بلا میں دیکھی ہیں جو موت کو لا دے ہوتے ہیں۔ یہ رہب کے اوپر اپنے اوپر خالص موت سوار کئے

ہوتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی ساری حفاظت اور بجا و مائن خود ان کی تواریخ ہیں۔ کوئی اور چیز نہیں۔ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کا کوئی آدمی تمہارے آدمی کو قتل کے بغیر قتل نہ ہو گا، اور اگر تمہارے غاص فراد کو انہوں نے ماریا تو اس کے بعد جینے کا مزہ ہی کیا ہے! اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ سمجھو لو۔“

اس موقع پر ابو جہل کے خلاف۔ جو مرک آرائی پر تلا ہوا تھا۔ ایک اور جگڑا آٹھ کھڑا ہوا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ جنگ کے بغیر مکہ واپس جائیں۔ چنانچہ حکیم بن حرام نے لوگوں کے درمیان دوڑھوپ شروع کر دی۔ وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور بولا: ابوالولید! آپ قریش کے بڑے آدمی اور واجب الاطاعت سردار ہیں؛ پھر آپ کیوں نہ ایک اچھا کام کر جائیں جس کے سبب آپ کا ذکر ہمیشہ بخلافی سے ہوتا رہے؟ عتبہ نے کہا: حکیم وہ کون سا کام ہے؟ اس نے کہا: آپ، لوگوں کو واپس لے جائیں اور اپنے علیف عمر و بن حضرمی کا معاملہ۔ جو سریہ نخلہ میں مارا گیا تھا — اپنے ذمے لے لیں۔ عتبہ نے کہا: مجھے منظور ہے۔ تم میری طرف سے اس کی ضمانت لو۔ وہ میرا علیف ہے کیس اس کی دستیت کا بھی ذمے دار ہوں اور اس کا جو مال ضاتح ہو اس کا بھی۔“ اس کے بعد عتبہ نے حکیم بن حرام سے کہا: تم حنظیپہ کے پوتے کے پاس جاؤ کیونکہ لوگوں کے معاملات کو بگارنے اور بھڑکانے کے سلسلے میں مجھے اس کے علاوہ کسی اور سے کوئی اندیشہ نہیں۔ حنظیپہ کے پوتے سے مراد ابو جہل ہے۔ حنظیپہ اس کی ماں تھی۔

اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے کھڑے ہو کر تقریبی کی اور کہا: قریش کے لوگوں اتم لوگ محمد اور ان کے ساتھیوں سے روک کر کوئی کارنا مابنجام نہ دو گے۔ خدا کی قسم اگر تم نے انہیں ماریا تو صرف ایسے ہی چہرے دکھائی پڑیں گے جنہیں دیکھنا پسند نہ ہو گا، کیونکہ آدمی نے اپنے چہرے بھائی کو یا خالد (رض) اور سارے عرب سے کنارہ کش ہو رہا۔ اگر عرب نے انہیں ماریا تو یہ وہی چیز ہو گی جسے تم چاہتے ہو؛ اور اگر دوسری صورت میں آئی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اس حالت میں پائیں گے کہ تم نے جو سلوک ان سے کرتا چاہا تھا اسے کیا نہ تھا۔“

ادھر حکیم بن حرام ابو جہل کے پاس پہنچا تو ابو جہل اپنی زرہ درست کر رہا تھا۔ حکیم نے کہا کہ اے ابو الحکیم! مجھے عتبہ نے تمہارے پاس یہ اور یہ سیغام دے کر بھیجا ہے۔ ابو جہل نے کہا: خدا

کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر عتبہ کا سینہ سوچ آیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بخدا ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ عتبہ نے جو کچھ کہا ہے محض اسلیے کہا ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو اونٹ خور سمجھتا ہے اور خود عتبہ کا بیٹا بھی انہیں کے درمیان ہے اس لیے وہ تمہیں ان سے ڈراتا ہے۔

— عتبہ کے صاحبزادے ابو حذیفہ قدیم الاسلام تھے اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لاپچکے تھے۔

— عتبہ کو جب پتا چلا کہ ابو جہل کہتا ہے ”خدا کی قسم عتبہ کا سینہ سوچ آیا ہے“ تو بولا: اس مرن پر خوشبو لگا کر بزرگی کا منظا ہرہ کرنے والے کو یہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس کا سینہ سوچ آیا ہے، میرا یا اس کا؟ ادھراً ابو جہل نے اس خوف سے کہ کہیں یہ معارضہ طاقتور نہ ہو جاتے، اس گفتگو کے بعد جھٹ عامر بن حضری کو — جو سرہ عبد اللہ بن جحش کے مقتول عمر و حضری کا بھائی تھا — بلا بھیجا اور کہا کہ یہ تھارا حدیث — عتبہ — چاہتا ہے کہ لوگوں کو واپس لے جاتے حالانکہ تم اپنا انتقام اپنی آنکھ سے دیکھ پکھے ہو، ہذا اٹھو! اور اپنی مظلومیت اور اپنے بھائی کے قتل کی دہائی دو۔ اس پر عامر اٹھا اور سرین سے کپڑا اٹھا کوچھنا۔ واعمرہ واعمرہ ملتے عمرو، ہاتے عمرو۔ اس پر قوم گرم ہو گئی۔ ان کا معاملہ سنگین اور ان کا ارادہ جنگ پختہ ہو گیا اور عتبہ نے جس سوچ بوجھ کی دعوت دی تھی وہ رایہ کھاں گئی۔ اس طرح ہوش پر جوش غالب آگیا اور یہ معارضہ بھی بے نتیجہ رہا۔

### دونوں شکر سے منے سامنے

بہر حال جب مشرکین کا شکر نمودار ہوا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غدر و تکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہوئے آگئے ہیں۔ اے اللہ تیری مدد... جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ آج آج انہیں اپنیٹھ کر کر کہ دے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ربعہ کو اس کے ایک سرخ اونٹ پر دیکھ کر فرمایا: اگر قوم میں سے کسی کے پاس نہیں تو سرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر لوگوں نے اس کی بات مان لی تو صیح راہ پائیں گے۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی صفائی درست فرمائیں صفت کی درستگی کے

دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے ذریعے آپ صفتیدھی فمارہے تھے کہ سواد بن غزیہ کے پیٹ پر، جو صفت سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے، تیر کا دباو والے ہوئے فرمایا، سواد برابر ہو جاؤ۔ سواد نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تکلیف پہنچا دی بدلم دیجئے۔ آپ نے اپنا پیٹ کھول دیا اور فرمایا، بدلم لے لو۔ سواد آپ سے چھٹ گئے اور آپ کے پیٹ کا بوسرہ لینے لگے۔ آپ نے فرمایا، دوسرا اس حرکت پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! جو کچھ درست ہے آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ایسے موقع پر آپ سے آخری معاملہ یہ ہو کہ میری جلد آپ کی جلد سے چھو جائے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا خیر فرمائی۔

پھر جب صفیں درست کی جا چکیں تو آپ نے لشکر کو ہدایت فرمائی کہ جب تک لے آپ کے آخری احکام موصول نہ ہو جائیں جنگ شروع نہ کرے۔ اس کے بعد طریقہ جنگ کے بالے میں ایک خصوصی رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب مشرکین جمگھٹ کر کے تمہارے قریب جائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیر بچانے کی کوشش کرنا تک دیعنی پہنچے ہی سے فضول تیراندازی کر کے تیروں کو ضائع نہ کرنا۔) اور جب تک وہ تم پر بچانہ جائیں تو اور نہ کھینچنا سمجھے اس کے بعد خاص آپ اور ابو بکر رضی اللہ عنہم پھر کی طرف واپس گئے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم اپنا مگر ان دستے کے چھپر کے دروازے پر تعینات ہو گئے۔

دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابو جہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا، اے اللہ! ہم میں سے جو فرقیہ قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے اُسے تو آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فرقیہ تیرے زدیک زیادہ محظوظ اور زیادہ پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرمائے۔ بعد میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنَّمَا تَنْهَاكُونَ فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا  
نَعُوذُ وَلَنْ تُغْنِيَنَا كُلُّ شَيْءًا وَلَوْ كَثُرَتْ لَا وَاللهُ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۹:۸)

”اگر تم فیصلہ چاہتے تو تمہارے پاس فیصلہ آگی، اور اگر تم بازاً آجائے تو یہی تمہارے لیے

بہتر ہے، لیکن اگر تم را پنی اس حرکت کی طرف) پٹوگے تو ہم بھی تمہاری سزا کی طرف) پشیں گے اور تمہاری جماعت اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آسکے گ۔ را اور یا در کھو کر اللہ مولین کے ساتھ ہے۔“

### **نقطہ صفر اور مرکے کا پہلا اینڈھن**

اس مرکے کا پہلا اینڈھن اسود بن عبد الاسد مخدومی تھا۔ یہ شخص بڑا اڑیل اور بدقیق تھا۔ یہ کہتے ہوئے میدان میں نکلا کہ میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ان کے حوض کا پانی پی کر ہوں گا، ورنہ اسے ڈھا دوں گا یا اس کے لیے جان دے دوں گا۔ جب یہ اُدھر سے نکلا تو اُدھر سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب برآمد ہوتے۔ دونوں میں حوض سے پرسے ہی مذہبی ہوتی۔ حضرت حمزہ نے ایسی تکوار ماری کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ کر اڑا گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اسکے پاؤں سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا جس کا رُخ اس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ گھستوں کے بل گھست کر حوض کی طرف بڑھا اور اس میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا تاکہ اپنی قسم پوری کرے کہ اتنے میں حضرت حمزہ نے دوسری ضرب لگائی اور وہ حوض کے اندر ہی ڈھیر ہو گیا۔

### **مبادرت**

پہاں مرکے کا پہلا قتل تھا اور اس سے جنگ کی آگ بھڑک آئی۔ چنانچہ اس کے بعد قریش کے تین بہترین شہسوار نکلے جو سب کے سب ایک ہی خاندان کے تھے۔ ایک عتبہ اور دوسرا اس کا بھائی شیبہ جودوں ربیع کے بیٹے تھے اور تیسرا ولید جو عتبہ کا بیٹا تھا۔ انہوں نے اپنی صفت سے الگ ہوتے ہی دعوت مبارزت دی۔ مقابلے کے لیے انصار کے تین جوان نکلے۔ ایک عوف، دوسرا معوذ۔ یہ دونوں حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں کا نام عفرا تھا۔ تیرے عبد اللہ بن رواحہ۔ قریشیوں نے کہا، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا، انصار کی ایک جماعت ہیں۔ قریشیوں نے کہا، آپ لوگ شریف تر مقابلی ہیں لیکن ہمیں آپ سے سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے چھیرے بھائیوں کو چاہتے ہیں۔ پھر ان کے منادی نے آواز لگائی: محمد...! ہمارے پاس ہماری قوم کے ہمسروں کو بھیجو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عبدہ بن حارث! اٹھو۔ حمزہ! اٹھئے۔ علی! اٹھو۔ جب یہ لوگ اٹھئے اور قریشیوں کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ قریشیوں

نے کہا وہاں آپ لوگ شریف مرتقاویل ہیں۔ اس کے بعد میر کہ آرائی ہوئی۔ حضرت عبیدہ نے جو سب سے مفتر تھے۔ عقبہ بن ریحہ سے مقابلہ کیا۔ حضرت حمزہ نے شیبہ سے اور حضرت علیؓ نے ولید سے حضرت حمزہ اور حضرت علیؓ نے تو اپنے اپنے مقابلہ کو جھٹ مار دیا۔ لیکن حضرت عبیدہ اور ان کے مرتقاویل کے درمیان ایک ایک دار کا تبادلہ ہوا اور دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو گھرا ذخیر لگایا۔ اتنے میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہ اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر آگئے ہو آتے ہی عقبہ پر ٹوٹ پڑے، اس کا کام تمام کیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا لاتے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا اور آواز بند ہو گئی تھی جو سلسل بند ہی رہی۔ یہاں تک کہ جنگ کے چوتھے یا پانچویں دن جب مسلمان مدینہ والپس ہوتے ہوئے دادی صفراء سے گزر رہے تھے ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قسم کا کافر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی۔

هذِنَّ خَصْمِنَ اخْتَصَمُوا فِي رَتْهِمْ (۱۹۰۲۴)

”یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا ہے“

**عامہ بحوم** اس مبارزت کا انعام مشرکین کے لیے ایک بُرا آغاز تھا۔ وہ ایک ہی جنگ میں اپنے تین بہترین شہ سواروں اور کمانڈروں سے باخدا دھو بیٹھے تھے ایسے انہوں نے غیظ و غضب سے بے قابو ہو کر ایک آدمی کی طرح یکبارگی حملہ کر دیا۔

دوسری طرف مسلمان اپنے رب سے نصرت اور مدد کی دعا کرنے اور اس کے حصہ اخلاق و تصریع اپنانے کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر بچے اور دفاعی موقف اختیار کے مشرکین کے تباہ توڑھوں کو روک رہے تھے اور انہیں خاصاً نقصان پہنچا رہے تھے۔ زبان پر أحد احمد کا کلمہ تھا۔

**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا** ادھر رسول اللہ ﷺ صفیں درست کر کے نصرت و مدد کا وعدہ پورا کرنے کی دعا مانگتے گے۔ آپ کی دعا یہ تھی،

اللَّهُمَّ أَنْهِنِي مَا وَعَدْتَنِي ، اللَّهُمَّ أَنْشُدْكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ۔ >

”اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرمادے۔ اے اللہ! میں تجھے

سے تیرا عہد اور تیرتے وعدے کا سوال کر رہا ہوں۔“

پھر جب گھسان کی جنگ شروع ہو گئی، نہایت زور کا رن پڑا اور لڑائی شباب پر آگئی تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ إِنْ تَهْلِكُ هَذِهِ الْعَصَابَةَ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدُ ، اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ يُعْبَدُ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا ۔

”اے اللہ! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گی تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے۔“

آپ نے خوب تضرع کے ساتھ دعا کی یہاں تک کہ دونوں کندھوں سے چادر گر گئی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض پرداز ہوئے: ”اے اللہ کے رسول! ایں فرمائیے! آپ نے اپنے رب سے بڑے الحاح کے ساتھ دعا فرمائی۔ ادھر اللہ نے فرشتوں کو وحی کی کہ: ← ..إِنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّطُوا الَّذِينَ أَمْنُوا سَأُلْقِيُّ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبُ .. (۱۲:۸)

”میں تھارے ساتھ ہوں؛ تم اہل ایمان کے قدم جاؤ، میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا؛“

اور رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی بھی کہ:

..أَتِيَ مُمِدُّكُمْ بِالْفِيْرَقِ مِنَ الْمَلَكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ (۱۹:۸)

”میں ایک ہزار فرشتوں سے تھاری مدد کروں گا جو آگے چیچے آئیں گے۔“

**فرشتوں کا نزول** | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک چھپکی آتی۔ پھر آپ نے سراٹھیا اور فرمایا: ”ابو بکر خوش ہو جاؤ، یہ جبریل ہیں، گرد و غبار میں آئے ہوئے۔“ ابن اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ابو بکر خوش ہو جاؤ، تھارے پاس اللہ کی مدد آگئی۔“ یہ جبریل علیہ السلام میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اور اس کے آگے آگے چلتے ہوئے آرہے ہیں اور گرد و غبار میں آئے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ چھپکے دروازے سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے زرد پہن رکھی تھی۔ آپ پر جوش طور پر آگے بڑھ رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

سَيِّفَهُزْمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ○ (۳۵:۵۲)

”عَنْ قَرِيبٍ يَرْجُحُهُ شَكْتُ كَمَا جَاءَتِ الْجَمَاعَةُ أَوْ پَیْشُد پھیر کر بجا گے گا“

اس کے بعد آپ نے ایک مسٹھی لفڑی میں اور قریش کی طرف رُخ کر کے فرمایا،  
شَاهَتِ الْوُجُودُ۔ پھرے بگڑ جائیں۔ اور ساتھ ہی میں ان کے چہروں کی طرف پھینک دی۔  
پھر مشرکین میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنے اور مذہ میں اس ایک مسٹھی  
میں سے کچھ نہ کچھ لیا نہ ہو۔ اسی کی بابت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا رَأَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَأَىٰ (۱۴:۸)

”جب آپ نے پھینکا تو درحقیقت آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا“

جوابی حملہ | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جوابی حملہ کا حکم اور جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: شُدْوا۔ پڑھ دوڑو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے ان سے جو آدمی بھی ڈٹ کر، ثواب سمجھ کر، آگے بڑھ کر اور پیچے نہ ہٹ کر لڑے گا اور مارا جائے گا اللہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔

آپ نے قتال پر ابھارتے ہوئے یہ بھی فرمایا، اس جنت کی طرف انہوں کی پہنائیاں آسمانوں اور زمین کے برابر ہیں۔ رآپ کی یہ بات سن کر عمر بن حام نے کہا، بہت خوب بہت خوب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم بہت خوب، بہت خوب، کیوں کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں، خدا کی قسم اے اللہ کے رسول، اکوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ مجھے توقع ہے کہ میں بھی اسی جنت والوں میں سے ہوں گا۔ آپ نے فرمایا تم بھی اسی جنت والوں میں سے ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے تو شہدان سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر بولے، اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں لکھا لوں تو یہ تو لمبی زندگی ہو جائے گی چنانچہ ان کے پاس جو کھجوریں تھیں انہیں پھینک دیا۔ پھر مشرکین سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تھے

اسی طرح مشہور خاتون عُفَّراء کے صاحبزادے عوف بن حارث نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! پروردگار اپنے بندے کی کس بات سے رخوش ہو کر مسکراتا ہے۔ آپ نے فرمایا، ”اس بات سے کہ بندہ حال جسم ربغیر خناطلتی مہتھیا رہنے، اپنا ہاتھ دشمن کے اندر ڈبو دے۔“ یہ سُن کر عوف نے اپنے بدن سے زرہ اتار پھینکی اور تنوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے

لطتے شہید ہو گئے۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے جوابی حکم صادر فرمایا، مذہن کے مخلوقوں کی تیزی جا پھلی تھی اور ان کا جوش و خروش سرد پڑ رہا تھا۔ اس لیے یہ باحکم منصوبہ مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط کرنے میں بہت موثر ثابت ہوا، کیونکہ صحابہ کرام کو جب حملہ آور ہونے کا حکم ملا اور ابھی ان کا جوشِ جہاد شباب پر تھا۔ تو انہوں نے نہایت سخت تند اور صفائیاں کی حملہ کیا۔ وہ صفوں کی صفیں درہم برہم کرتے اور گردیں کامٹتے آگے بڑھے۔ ان کے جوش و خروش میں یہ دیکھ کر مزید تیزی آگئی کہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفس زدہ پہنچتے تیز تیز چلتے تشریف لائیں اور پورے یقین و صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ”عقریب یہ جتنہ شکست کی جائے گا، اور پیچھے پھیر کر بجائے گا۔“ اس لیے مسلمانوں نے نہایت پُر جوش و پُر خروش رُطائی رُدی اور فرشتوں نے بھی ان کی مدد فرمائی۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت میں حضرت علکر مہم سے مردی ہے کہ اس دن آدمی کا سرکٹ کر گرتا اور یہ پتا نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتا نہ چلتا کہ اسے کس نے کامٹا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک شرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس شرک کے اوپر کوڑے کی مار پڑنے کی آواز آئی اور ایک شہسوار کی آواز سنائی پڑی جو کہہ رہا تھا کہ جیزو م! آگے بڑھ۔ مسلمان نے شرک کو اپنے آگے دیکھا کہ وہ چوت گرایا، پیک کر دیکھا تو اس کی ناک پر چوت کا نشان تھا، چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے کوڑے سے مارا گیا ہو اور یہ سب کا سب ہرا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری مسلمان نے آگر رسول اللہ ﷺ سے یہ ماجرا بیان کیا تو اس نے فرمایا: ”تم سچ کہتے ہو یہ تیرے آسمان کی مدد تھی۔“

ابوداؤ دمازنی کہتے ہیں کہ میں ایک شرک کو مارنے کے لیے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے پہنچے ہی کٹ کر گر گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے بجانے کسی اور نے قتل کیا ہے۔

ایک انصاری حضرت عباس بن عبدالمطلب کو قید کر کے لاپا تو حضرت عباس رضی کہتے لگے: ”والله! مجھے اس نے قید نہیں کیا ہے؛ مجھے تو ایک بے بال کے سروالے آدمی نے قید کیا ہے جو نہایت خربو تھا اور ایک چیلگرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب میں اسے لوگوں میں دیکھ نہیں رہا ہوں۔“ انصاری

نے کہا، اے اللہ کے رسول! انہیں میں نے قید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، خاموش رہو۔ اللہ نے ایک بزرگ فرشتے سے تمہاری مدد فرمائی ہے۔

**میدان سے ابلیس کا فرار** | جیسا کہ ہم تباچکے ہیں ابليس لعین، سراقد بن مالک بن چدا نہیں ہوا تھا؛ لیکن جب اس نے مشرکین کے خلاف فرشتوں کی کارروائیاں دیکھیں تو اُنھیں پاؤں پٹٹ کر بھاگنے لگا، مگر حارث بن ہشام نے اسے پکڑ دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ واقعی سراقد ہی ہے، لیکن ابلیس نے حارث کے سینے پر ایسا گھونسamar کر دے گر گیا اور ابلیس نکل بھاگا۔ مشرکین کہنے لگے، سراقد کہاں جا رہے ہو؟ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہمارے مددگار ہو ہم سے جدا نہ ہو گے؟ اس نے کہا، میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ اور اللہ بڑی سخت سزا دالا ہے۔ اس کے بعد بھاگ کر سمندر میں جا رہا۔

**شکستِ فاش** | تھوڑی دیر بعد مشرکین کے شکر میں ناکامی اور اضطراب کے آثار نوادر ہو گئے۔ ان کی صفتیں مسلمانوں کے سخت اور تاریخِ قوڑِ حملوں سے درہم برہم ہونے لگیں اور مرکہ اپنے انعام کے قریب جا پہنچا۔ پھر مشرکین کے جنہے بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے بیٹھے اور ان میں بھگڑڑیج گئی۔ مسلمانوں نے مارتے کا شتے اور پکڑتے بازدھتے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ ان کو بھرپور شکست ہو گئی۔

**ابو جہل کی اکڑ** | لیکن طاغوتِ اکبر ابو جہل نے جب اپنی صفوں میں اضطراب کی ابتداء علامتیں دیکھیں تو چاہا کہ اس سیلاپ کے سامنے ڈٹ جاتے پھانپھے وہ اپنے شکر کو للاکارتا ہو اکڑ اور تکبر کے ساتھ کہتا جا رہا تھا کہ سراقد کی کنارہ کشی سے تمہیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ پہلے سے سازباز کر رکھی تھی۔ تم پر عقابہ، رشیبہ اور ولید کے قتل کا ہول بھی سوار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ان لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ لات و عزّت کی قسم! ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ انہیں رسیوں میں جکڑ لیں۔ دیکھو! تمہارا کوئی آدمی ان کے کسی آدمی کو قتل نہ کرے بلکہ انہیں پکڑو اور گرفتار کرو۔ تاکہ ہم ان کی بڑی حرکت کا انہیں مزہ چکھا نہیں۔

لیکن اسے اس غزوہ کی عقیقت کا بہت جلد پتا لگ گیا۔ کیونکہ چند ہی لمحے بعد مسلمانوں کے

جوابی حملہ کی شدیدی کے سامنے مشرکین کی صفتیں پھٹنا شروع ہو گئیں؛ البتہ ابو جہل اب بھی اپنے گرد مشرکین کا ایک غول لئے جما ہوا تھا۔ اس غول نے ابو جہل کے چاروں طرف تواروں کی باڑھ اور نیزدیں کا جنگل قائم کر رکھا تھا؛ لیکن اسلامی ہجوم کی آندھی نے اس باڑھ کو بھیر دیا اور اس جنگل کو بھی اکھیڑا دیا۔ اس کے بعد یہ طاغوتِ اکبر دکھانی پڑا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر چکر کاٹ رہا ہے۔ ادھر اس کی موت دو انصاری جوانوں کے ہاتھوں اس کا خون چوتنے کی منتظر تھی۔

**ابو جہل کا قتل** | حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں جنگ بدرا کے روز صف کے اندر تھا کہ اچانک مردا توکی دیکھتا ہوں کہ دائیں ہائیں دو نو عمر جوان ہیں۔ گویا ان کی موجودگی سے میں حیران ہو گیا کہ اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چھپا کر مجھ سے کہا "چچا جان! مجھے ابو جہل کو دکھلا دیجئے۔" میں نے کہا "بھتیجے تم اسے کیا کرو گے؟" اس نے کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے۔" اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں نے اس کو دکھلیا تو میرا دجدو اس کے وجود سے الگ نہ ہو گا یہاں تک کہ ہم میں کی موت پہلے لکھی ہے وہ مر جائے۔" وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے شخص نے مجھے اشارے سے متوجہ کر کے یہی بات کہی۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے چند ہی لمحوں بعد دیکھا کہ ابو جہل لوگوں کے درمیان چکر کاٹ رہا ہے۔ میں نے کہا: "ارے دیکھتے نہیں! یہ رہا تم دونوں کا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔" ان کا بیان ہے کہ یہ سُنتہ ہی وہ دونوں اپنی تواریں یہے جھپٹ پڑے اور اسے مار کر قتل کر دیا۔ پھر پیٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کس نے قتل کیا ہے؟" دونوں نے کہا: "میں نے قتل کیا ہے۔" آپ نے فرمایا، اپنی اپنی تواریں پوچھ پکھے ہو؛ بولے نہیں۔ آپ نے دونوں کی تواریں دکھیں اور فرمایا: "تم دونوں نے قتل کیا ہے۔" البتہ ابو جہل کا سامان معاذ بن عمر و بن جحود کو دیا۔ دونوں حملہ اوروں کا نام معاذ بن عمر و بن جحود کو عذر فراہم ہے۔

۲۷۔ مسیح بخاری ۱/۱، ۴۲۴/۲، ۵۶۸/۲ مشفوٰۃ ۳۵۲/۲۔ بعض دوسری روایات میں دوناں مسعود بن عفراء بتایا گیا ہے۔ رابن بشام ۶۳۵/۱) نیز ابو جہل کا سامان صرف ایک ہی آدمی کو اس یہے دیا گیا کہ بعد میں حضرت معاذ (مسعود) یعنی عفراء اسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ البتہ ابو جہل کی تواریخ حضرت عبداللہ بن مسعود کو دی گئی کیونکہ ان ہی نے اس (ابو جہل) کا سترن سے جدا کیا تھا۔ ردیکھنے سمن اب داود باب من اجاز علی جرجیخ الخ ۲/۲، ۳

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموج نے بتلایا کہ میں نے مشرکین کو سناوہ ابو جہل کے بارے میں جو گھنے و ختوں جیسی — نیزوں اور تلواروں کی — باڑھ میں تھا کہ رہے تھے ابو الحکم تک کسی کی رسائی نہ ہو۔ معاذ بن عمرو کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو اسے اپنے شانے پر لے لیا اور اس کی سمت جما رہا۔ جب گنجائش میں تو میں نے حملہ کر دیا اور ایسی ضرب لگائی کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے آڑ گی۔ واللہ جس وقت یہ پاؤں آڑا ہے تو میں اس کی تشبیہ صرف اس گھٹھل سے دے سکتا ہوں جو رسول کی مارپڑنے پر جھٹک کر آڑ جائے۔ ان کا بیان ہے کہ ادھر میں نے ابو جہل کو مارا اور ادھر اس کے بیٹے عکر مد نے میرے کندھے پر تکوار چلانی جس سے میرا ہاتھ کٹ کر میرے بازو کے چھڑے سے لٹک گیا اور لڑائی میں محل ہونے لگا۔ میں اسے اپنے ساتھ گھیٹتے ہوئے سارا دن لڑا، لیکن جب وہ مجھے اذیت پہنچانے لگا تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور اُسے زور سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ اس کے بعد ابو جہل کے پاس مُعُود بن عُفرا اپنے پہنچے۔ وہ زخمی تھا۔ انہوں نے اُسے ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ صرف سانس آتی جاتی رہی۔ اس کے بعد مُعُود بن عُفرا خود بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

جب معرکہ ختم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو دیکھے کہ ابو جہل کا انعام کیا ہوا؟" اس پر صحابہ کرام اس کی تلاش میں بکھر گئے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس حالت میں پایا کہ ابھی سانس آجاتی تھی۔ انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور سر کاٹنے کے لیے دارجی پکڑی اور فرمایا: "اوے اللہ کے دشمن! آخر اللہ نے تجھے رسول کیا نا؟ اس نے کہا: "مجھے کاہے کو رسول کیا؟ کیا جس شخص کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے اس سے بھی بلند پایہ کوئی آدمی ہے؟" یا جس کو تم لوگوں نے قتل کیا اس سے بھی اور پر کوئی آدمی ہے؟ پھر بولا: "کاش! مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا؟" اس کے بعد کہنے لگا: "مجھے بتاؤ! آج فتح کس کی ہوئی؟" حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول کی۔" اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود سے — جو اس کی گردن پر پاؤں رکھ کچکے تھے — کہنے لگا: "اوے بکری! کے پڑا اسے! تو بڑی اونچی اور مشکل جگہ پر چڑھی۔ واضح رہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے میں بکریاں چڑایا کرتے تھے۔

اس گفتگو کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسالم علیکم کی خدمت میں لا کر حاضر کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ ایہ رہا اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر۔ آپ نے تین بار فرمایا: واقعی۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی محبود نہیں۔ اس کے بعد فرمایا،  
 اللہ اکبر، الحمد لله الذی صدق وعده ونصر عبده وهم آخِرَاب وحْدَة۔

”اللہ اکبر، تمام حمد اللہ کیلئے ہے جس نے اپنا وعدہ بیج کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دی۔“

پھر فرمایا، چلو مجھے اس کی لاش دکھاؤ۔ ہم نے آپ کوئے جا کر لاش دکھائی۔ آپ نے فرمایا، یہ اس انت کا فرعون ہے۔

### ایمان کے تابناک نقوش | حضرت عُبَيْدُ بْنُ الْحَامِ اور حضرت عوف بن حارث ابن عفرا، کے ایمان افروز کارناموں کا ذکر پچھے صفحات

میں آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مرکے میں قدم قدم پر ایسے مناظر میں آئے جن میں عقیدے کی قوت اور اصول کی پختگی نمایاں اور جبوہ گر تھی۔ اس مرکے میں باپ اور بیٹی میں بھائی اور بھائی میں صفت آرائی ہوئی۔ اصولوں کے اختلاف پر تکواریں بے نیام ہوتیں اور مظلوم و مقهور نے ظالم و قاہر سے ٹکرائے غصے کی آگ بھائی۔

۱۔ ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حجاج کرام سے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ زبردستی میدان جنگ میں لاتے گئے ہیں۔ انھیں ہماری جنگ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لہذا بنو ہاشم کا کوئی آدمی کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ اور ابوالحنتری بن ہشام کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ اور عباس بن عبدالمطلب کسی کی زد میں آجائے تو وہ بھی انھیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ بالجبر لاتے گئے ہیں۔ اس پر عتبہ کے صاحبزادے حضرت ابوحدیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم اپنے باپ بیٹوں، بھائیوں اور کنبے قبیلے کے لوگوں کو قتل کریں گے اور عباس کو چھوڑ دیں گے خدا کی قسم! اگر اس سے میری مذہبی طہر ہو گئی تو میں تو اسے تلوار کی لگام پہنادوں گا۔ یہ خبر رسول اللہ ﷺ کے چپا کے پھرے پر تکواری جاتے گی؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ اسے چھوڑ دیتے ہیں تلوار سے اس

شخص کی گردن اُڑا دوں کیونکہ بخدا یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔

بعد میں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، اس دن میں نے جوبات کہہ دی تھی اس کی وجہ سے میں مطعن نہیں ہوں۔ برابر خوف لگا رہتا ہے۔ صرف یہی صورت ہے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ اور بالآخر وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہو ہی گئے۔

۲۔ ابو البختی کو قتل کرنے سے اس یہے منع کیا گی تھا کہ کے میں یہ شخص سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی سے اپنا ہاتھ روکے ہوتے تھا۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاتا تھا اور نہ اس کی طرف سے کوئی ناگوار بات سننے میں آتی تھی، اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے بنی هاشم اور بنی مطلب کے بائیکاٹ کا صحیفہ چاک کیا تھا۔

لیکن ان سب کے باوجود ابو البختی قتل کر دیا گیا۔ ہوا یہ کہ حضرت مجدد بن زیاد بلوی سے اس کی ڈبھیر ہو گئی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ لڑا ہے تھے۔ حضرت مجدد نے کہا، ابو البختی! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آپ کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ اس نے کہا، اور میرا ساتھی؟ حضرت مجدد نے کہا، نہیں، بخدا ہم آپ کے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس نے کہا، خدا کی قسم تب میں اور وہ دونوں مریں گے۔ اس کے بعد دونوں نے لاانہ شروع کر دی۔ مجدد نے مجبوراً اسے بھی قتل کر دیا۔

۳۔ کئے کے اندر جاہلیت کے زمانے سے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور امیة بن خلف میں باہم دوستی تھی۔ جنگ بدرا کے روز امیہ اپنے لڑکے علی کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھ کا ہاتھ پکڑ کر اتنے میں ادھر سے حضرت عبد الرحمن بن عوف کا گذر ہوا۔ وہ دشمن سے کچھ زار ہیں چھپیں کر لادھے لیے جا رہے تھے۔ امیة نے انہیں دیکھ کر کہا، کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہاری ان زر ہوں سے بہتر ہوں۔ آج جیسا منظر تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ کیا تمہیں دودھ کی حاجت نہیں؟

مطلوب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا میں اُسے فریبے میں خوب دو دھیل او مٹنیاں دوں گا۔ یہ سن کر عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تو ہیں پھینک دیں اور دونوں کو گرفتار کر کے آگے بڑھے۔ حضرت عبد الرحمن نے کہتے ہیں کہ میں امیة اور اس کے بیٹے کے درمیان پل رہا تھا کہ امیة نے پوچھا، آپ لوگوں میں وہ کونسا آدمی تھا جو اپنے سینے پر شترمرغ کا پر لگائے ہوتے تھا؟ میں نے کہا، وہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب تھے۔ امیة نے کہا، یہی شخص ہے جس نے ہمارے اندر تباہی

چار کھی تھی۔

حضرت عبد الرحمنؓ کہتے ہیں کہ واللہ میں ان دونوں کو لیے جا رہا تھا کہ اچانک حضرت بلاںؓ نے امیرہ کو میرے ساتھ دیکھ دیا۔ یاد رہے کہ امیرہ حضرت بلاںؓ کو کتنے میں ستایا کرتا تھا۔ حضرت بلاںؓ نے کہا، اد ہو اکفار کا عزیز، امیرہ بن خلف! اب یا تو میں بچوں گایا یہ نپچے گا۔ میں نے کہا، اسے بلاںؓ! یہ میرا قیدی ہے۔ انہوں نے کہا، اب یا تو میں رہوں گایا یہ رہے گا۔ پھر نہایت بند آواز سے پکارا: "اسے اللہ کے انصار دا یہ رہا اکفار کا عزیز امیرہ بن خلف، اب یا تو میں رہوں گایا یہ رہے گا۔" حضرت عبد الرحمنؓ کہتے ہیں کہ اتنے میں لوگوں نے ہمیں لفگن کی طرح گھیرے میں لے یا۔ میں ان کا بچاؤ کر رہا تھا مگر ایک آدمی نے تواریخ سوت کر اس کے بیٹے کے پاؤں پر ضرب لگائی اور وہ تیورا کر گز گیا۔ اُدھر امیرہ نے اتنے زور کی جیخ ماری کہ میں نے ولیسی جیخ کبھی سُنی ہی نہ تھی۔ میں نے کہا نکل بجا گو۔ مگر آج بجا گئے کی گنجائش نہیں، خدا کی قسم! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ حضرت عبد الرحمنؓ کا بیان ہے کہ لوگوں نے اپنی تواروں سے ان دونوں کو کاٹ کر ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عبد الرحمنؓ کہا کرتے تھے: "اللہ بلاںؓ پر رحم کرے میری نور میں سمجھی گئیں اور میرے قیدی کے بارے میں مجھے تڑپا بھی دیا۔"

زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف نے امیرہ بن خلف سے کہا کہ گھٹنوں کے بیل بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا اور حضرت عبد الرحمنؓ نے اپنے آپ کر اس کے اوپر ڈال دیا۔ لیکن لوگوں نے نیچے سے توار مار کر امیرہ کو قتل کر دیا۔ بعض تواروں سے حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف کا پاؤں بھی زخمی ہو گیا۔

۴۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ما موں عاص بن ہشام بن منیروہ کو قتل کیا۔

۵۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد الرحمن کو۔ جو اس وقت مشرکین کے

ہمراہ تھے۔ پکار کر کہا، او خبیث! میرا مال کہاں ہے؟ عبد الرحمن نے کہا:

لمریق غیر شکہ ویعوب و صادم یقتتل ضلال الشیب

ہتھیار، تیز روگھوڑے اور اس توار کے سوا کچھ باقی نہیں جو بڑھا پے کی مگر ابھی کاغذ تھہ کرتی ہے۔

۶۔ جس وقت مسلمانوں نے مشرکین کی گرفتاری شروع کی رسول اللہ ﷺ چھپر میں تشریف فرا تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ توار حائل کئے دروازے پر پہنچ دے رہے تھے۔ رسول اللہ

صلوٰتُ اللہِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ نے دیکھا کہ حضرت سعیدؓ کے چہرے پر لوگوں کی اس حرکت کا ناگوار اثر پڑ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اے سعد! بخدا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم کو مسلمانوں کا یہ کام ناگوار ہے۔" انہوں نے کہا: "جی ہاں! اخدا کی قسم اے اللہ کے رسول! یہ اہل شرک کے ساتھ پہلا مرکز ہے جس کا موقع اللہ نے میں فراہم کیا ہے۔ اس لیے اہل شرک کو باقی چھوڑنے کے بجائے مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ انہیں خوب قتل کیا جائے اور اچھی طرح کچل دیا جائے۔"

۷۔ اس جنگ میں حضرت عکاشہ بن محسن اسدی رضی اللہ عنہ کی تواریخ ٹوٹ گئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں کوڑی کا ایک پیشہ تھا دیا اور فرمایا عکاشہ! اسی سے لڑائی کرو۔ عکاشہ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہے کہ ہلاکت اتوہ ایک لمبی، مضبوط اور چمچم کرتی ہوئی سفید تواریخ میں تبدیل ہو گیا۔ پھر انہوں نے اسی سے لڑائی کی یہاں تک کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اس تواریخ کا نام عون۔ یعنی مدد۔ رکھا گیا تھا۔ یہ تواریخ مستقلًا حضرت عکاشہؓ کے پاس رہی اور وہ اسی کو لڑائیوں میں استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ دور صدیقی میں مرتدین کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس وقت بھی یہ تواریخ اُن کے پاس ہی تھی۔

۸۔ خاتمة جنگ کے بعد حضرت مصعب بن عزیزؓ عبد ری رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابو عزیز بن عزیزؓ عبد ری کے پاس سے گزرے۔ ابو عزیز نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی تھی اور اس وقت ایک انصاری صحابی اس کا با تھا باندھ رہے تھے۔ حضرت مصعبؓ نے اس انصاری سے کہا: "اس شخص کے ذریعے اپنے با تھا مضمبوط کرنا، اس کی مال بڑی مالدار ہے۔ وہ غالباً تمہیں اچھا فریہ دے گی۔" اس پر ابو عزیز نے اپنے بھائی مصعبؓ سے کہا: کیا میرے بارے میں تمہاری یہی وصیت ہے؟ حضرت مصعبؓ نے فرمایا۔ رہاں! تمہارے بجائے یہ۔ انصاری۔ میرا بھائی ہے۔

۹۔ جب مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور عتبہ بن ربيعة کو کنویں کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے صاحبزادے حضرت ابو حذیفہؓ کے چہرے پر نظر ڈالی۔ بدیکھا تو غمزدہ تھے، پھر وہ بدلا ہو گا تھا۔ آپ نے فرمایا: "ابو حذیفہ! غالباً اپنے والد کے سلسلے میں تمہارے دل کے اندر کچھ احساسات ہیں؟" انہوں نے کہا: "نہیں و اللہ یار رسول اللہ!"

میرے اندر اپنے باپ کے بارے میں اور ان کے قتل کے بارے میں ذرا بھی لزش نہیں؛ البتہ میں اپنے باپ کے متعلق جانتا تھا کہ ان میں سوجہ بوجہ ہے۔ دوراندیشی اور فضل و کمال ہے اس لیے میں آس لگائے بلیحہا تھا کہ یہ خوبیاں انہیں اسلام تک پہنچا دیں گی؛ لیکن اب ان کا انعام دیکھ کر اور اپنی توقع کے خلاف کفر پر ان کا خاتمہ دیکھ کر مجھے افسوس ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ان سے بھلی بات کہی۔

**فریقین کے مقتولین** | یہ صرکر، مشرکین کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتحِ میان پختم ہوا اور اس میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ ہماری میں سے اور آٹھ انصار میں سے ہی لیکن مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید کے گئے جو عموماً قائد، سردار اور بڑے بڑے سربرا آورده حضرات تھے۔

خاتمہ جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مقتولین کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا "تم لوگ اپنے نبی کے لیے کتنا برآکنہ اور قبیلہ تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ اوروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑا جبکہ اوروں نے میری تائید کی۔ تم نے مجھے مکالا جبکہ اوروں نے مجھے پناہ دی۔" اس کے بعد آپ نے حکم دیا اور انہیں گھبیٹ کر بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیب۔

حضرت ابو طلحہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے حکم سے بدر کے روز قریش کے چوبیس بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے خبیث کنویں میں پھینک دی گئیں۔ آپ کا دستور تھا کہ آپ جب کسی قوم پر فتحیاب ہوتے تو تین دن میدانِ جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن آیا تو آپ کے حسبِ الحکم آپ کی سواری پر کجاوہ کی گیا۔ اس کے بعد آپ پریل چلنے اور پیچھے پیچھے صحابہ کرام بھی چلنے یہاں تک کہ آپ کنویں کی یار پر کھڑے ہو گئے۔ پھر انہیں ان کا اور ان کے باپ کا نام لے لے کر پکارنا مشروع کیا۔ اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش آتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے بحق پایا تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے برقی پایا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کی؛ یا رسول اللہؐ آپ ایسے جسموں سے کیا یا تمیں کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں؟ نبی ﷺ

نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔ اللہ

**مکے میں شکست کی خبر** | مشرکین نے میدان بدر سے غیر منظم شکل میں بھاگتے ہوئے تتر بتر ہو کر گھبراہٹ کے عالم میں سکتے کارخ کیا۔ شرم و ندامت کے بعد ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح لکھتے ہیں داخل ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جو شخص قریش کی شکست کی خبر لے کر لکھتے وارد ہوا وہ حیسمان بن عبد اللہ خڑاعی تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ چیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: عقبہ بن ربعیہ، شیبہ بن ربعیہ، ابو الحکم بن ہشام، امیة بن خلف۔ اور مزید کچھ سرد اروں کا نام لیتے ہوئے۔ یہ سب قتل کر دیتے گئے۔ جب اس نے مقتولین کی فہرست میں اشراط قریش کو گانا شروع کیا تو صفوان بن امیة نے جو حلیم میں بیٹھا تھا کہ، خدا کی قسم! اگر یہ ہوش میں ہے تو اس سے میرے متعلق پوچھو۔ لوگوں نے پوچھا صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟ اس نے کہا، وہ تو وہ دیکھو! حلیم میں بیٹھا ہوا ہے۔ بحدا اس کے باپ اور اس کے بھائی کو قتل ہوتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ ابو رافع کا بیان ہے کہ میں ان دونوں حضرت عباسؓ کا غلام تھا۔ ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباسؓ مسلمان ہو چکے تھے، امّ الفضل مسلمان ہو چکی تھیں، میں بھی مسلمان ہو چکا تھا؛ البتہ حضرت عباسؓ نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ اور ابوالہب جنگ بدر میں حاضر نہ ہوا تھا۔ جب اسے خبری تواللہ نے اس پر ذلت و رویا ہی طاری کر دی اور ہمیں اپنے اندر قوت و عزت محسوس ہوئی۔ میں کمزور آدمی تھا تیر نیا کرتا تھا اور زخم کے جھرے میں بیٹھا تیر کے دستے چھینتا رہتا تھا۔ واللہ! اس وقت میں جھرے میں بیٹھا اپنے تیر چھیل رہا تھا۔ میرے پاس امّ الفضل بیٹھی ہوئی تھیں اور جو خبر آئی تھی اس سے ہم شاداں و فرحاں تھے کہ اتنے میں ابوالہب اپنے دونوں پاؤں بڑی طرح گھینٹتا ہوا آپس پہنچا اور جھرے کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی۔ الجھی وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ اچانک شور ہوا؛ یہ ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب آگیا۔ ابوالہب نے اس سے کہا، میرے پاس آؤ، میری عمر کی قسم تھا کہ

پاس خبر ہے۔ وہ ابوہب کے پاس بیٹھ گیا۔ لوگ کھڑے تھے۔ ابوہب نے کہا، بھتیجے بتاؤ لوگوں کا کیا حال رہا؟ اس نے کہا، کچھ نہیں۔ بس لوگوں سے ہماری مذہبیت ہوئی اور ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالے کر دیئے۔ وہ ہمیں جیسے چاہتے تھے قتل کرتے تھے اور جیسے چاہتے تھے قید کرتے تھے، اور خدا کی قسم میں اس کے باوجود لوگوں کو ملامت نہیں کر سکتا۔ درحقیقت ہماری مذہبیت کچھ ایسے گورے پہنچنے لوگوں سے ہوتی تھی جو آسمان وزمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ خدا کی قسم نہ وہ کسی چیز کو چھوڑتے تھے اور نہ کوئی چیز ان کے مقابل بکار پاتی تھی۔

ابو رافع کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے خیمے کا نارہ اٹھایا، پھر کہا، وہ خدا کی قسم فرشتے تھے؟ یہ سن کر ابوہب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرے چہرے پر زور دار تھپٹر سید کیا۔ میں اس سے لڑ پڑا لیکن اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر پٹک دیا۔ پھر میرے اوپر گھٹنے کے بل بیٹھ کر مجھے مارنے لگا۔ میں کمزور جو شہرا۔ لیکن اتنے میں اُمّۃ الفضل نے اٹھا کر خیمے کا ایک کھبایا اور اسے ایسی ضرب ماری کہ سر میں بُری طرح چوٹ آگئی اور ساتھ ہی بولیں، اس کا ماکن نہیں ہے اس لیے اسے کمزور سمجھ رکھا ہے؟ ابوہب رسو اہو کراٹھا اور چلا گی۔ اس کے بعد خدا کی قسم صرف سات راتیں گذری تھیں کہ اللہ نے اُسے عدسه رائیک قسم کے طاعون (میں مبتلا کر دیا اور اس کا خاتمہ کرو یا عدسه کی گلٹی کو عرب بہت منہوس سمجھتے تھے، اچنا پچھہ (مرنے کے بعد) اس کے بیٹوں نے بھی اسے یوں ہی چھوڑ دیا اور وہ تین روز تک بے گور و گفن پڑا رہا۔ کوئی اس کے قریب نہ جاتا تھا اور نہ اس کی تدفین کی کوشش کرتا تھا۔ جب اس کے بیٹوں کو خطہ محسوس ہوا کہ اس طرح چھوڑتے پر لوگ انہیں ملامت کریں گے تو ایک گڑھا کھود کر اسی میں لکڑی سے اس کی لاش دھکیل دی اور دُور ہی سے پھر پھینک پھینک کر چھپا دی۔

غرض اس طرح اہل کہہ کو میدان بدر کی شکست فاش کی خبر ملی اور ان کی طبیعت پر اس کے نہایت بُر اثر پڑا حتیٰ کہ انہوں نے مقتولین پر نوحہ کرنے کی ممانعت کر دی تاکہ مسلمانوں کو ان کے غم پر خوش مونے کا موقع نہ ملے۔

اس سلسلے کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں اسود بن عبد المطلب کے تین بیٹے مارے گئے اس لیے وہ ان پر رونا چاہتا تھا۔ وہ انہما آدمی تھا۔ ایک رات اس نے ایک نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی۔ جھٹ اپنے غلام کو بھیجا اور کہا، ذرا، دیکھو! ایک نوحہ کرنے کی اجازت

مل گئی ہے؟ کیا قریش اپنے مقتولین پر رورہے ہیں تاکہ میں بھی۔ اپنے بیٹے — ابو حکیمہ پر روؤں، کیونکہ میرا سینہ جل رہا ہے۔ غلام نے واپس آ کر بتایا کہ یہ عورت تو اپنے ایک گم شدہ اونٹ پر رورہی ہے۔ اسودیہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور بے اختیار کہہ پڑا:

اتبکی ان يضل لها بعير و يمنعها من النوم الشهود  
فلا تبک على بكر ولكن على بدر تفاصرت الجدود  
على بدر سراة بنى هصيص و مخزوم و رهط ابي الوليد  
وابكى ابكيت على عقيل و ما لابي حكيمه من نديد  
ولو لا يوم يدركهم رجال الا قد ساد يعدهم رجال

”کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ غائب ہو گیا؟ اور اس پر بے خوابی نے اس کی نیند حرام کر رکھی ہے؟ تو اونٹ پرنہ رو بلکہ بدر پر روجہاں قسمتیں بچھوٹ گئیں۔ ہاں ہاں! بدر پر رو جہاں بنی هصيص، بنی مخزوم اور ابوالولید کے قبیلے کے سربرا آور دہ افراد ہیں۔ اگر فنا ہی ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جوشیروں کا شیر تھا۔ تو ان لوگوں پر رو اور سب کا نام نہ لے۔ اور ابو حکیمہ کا تو کوئی ہمراہی نہ تھا۔ دیکھو! ان کے بعد ایسے ایسے لوگ سردار ہو گئے کہ اگر بدر کا دن نہ ہوتا تو وہ سردار نہ ہو سکتے تھے۔“

ادھر مسلمانوں کی فتحِ مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ مدینے میں فتح کی خوش خبری نے اہل مدینہ کو جلد از جلد خوشخبری دینے کے لیے دو قاصد روادہ فرمائے۔ ایک حضرت عبد اللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ جنہیں عوالي ریالی مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا اور دوسرا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنہیں زریین مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا۔

اس دوران میہود اور منافقین نے جھوٹ پر پیگنڈے کر کر کے مدینے میں ہجھل بیا کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ یہ خبر بھی اڑا کر کھی تھی کہ نبی ﷺ قتل کر دیتے گئے ہیں، ہچنانچہ جب ایک منافق نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی اونٹتی قصواد پر سوار آتے دیکھا تو بول پڑا ”واقعی محمد ﷺ قتل کر دیتے گئے ہیں۔“ دیکھو ایہ تو انہیں کی اونٹتی ہے۔ ہم اسے

پہنچاتے ہیں، اور یہ نزدیک حاشر ہے، شکست کھا کر بجا گا ہے اور اس قدر متعجب ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے۔ پھر حال جب دونوں فاصلہ پہنچے تو مسلمانوں نے انہیں گھیرا اور ان سے تفصیلات سننے لگے حتیٰ کہ انہیں یقین آگیا کہ مسلمان فتح یا ب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہر طرف مسترت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی اور مدینے کے دروازام تہلیل و تکبیر کے نعروں سے گونج اُٹھے اور جو سر برآورده مسلمان مدینے میں رہ گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کو اس فتح مبین کی مبارک باد دینے کے لیے پدر کے راستے پر نکل پڑے۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس اس وقت جنزو پہنچی جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رُقیہؓ کو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، دفن کر کے قبر پر مٹی برابر کر پکے تھے۔ ان کی تیارداری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے بھی رسول اللہ ﷺ نے مدینے ہی میں چھپوڑ دیا تھا۔

**مال غنیمت کا مسئلہ** | رسول اللہ ﷺ نے معرکہ ختم ہونے کے بعد تین دن پدر میں قیام فرمایا، اور ابھی آپ نے میدان جنگ سے کوچ نہیں فرمایا تھا کہ مال غنیمت کے بارے میں لشکر کے اندر اختلاف پڑ گیا اور جب یہ اختلاف شدت اختیار کر گی تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ آپ کے حولے کوئے صحابہ کرام نے اس حکم کی تعلیم کی اور اس کے بعد اللہ نے وحی کے ذریعے اس علیہ کا حل نازل فرمایا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ مدینے سے نکلے اور پدر میں پہنچے۔ لوگوں سے جنگ ہوتی اور اللہ نے دشمن کو شکست دی۔ پھر ایک گروہ ان کے تعاقب میں لگ گیا اور انہیں کھدوڑنے اور قتل کرنے لگا اور ایک گروہ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑا اور اسے ٹوٹنے اور سیکھنے لگا اور ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے رکھا کہ مبادا دشمن دھوکے سے آپ کو کوئی اذیت پہنچا دے جب رات آئی اور لوگ پلٹ پلٹ کر ایک دوسرے کے پاس پہنچنے تو مال غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا کہ ہم نے اسے جمع کیا ہے لہذا اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں۔ دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا: "تم لوگ ہم سے بڑھ کر اس کے حق دار نہیں کیونکہ اس مال سے دشمن کو بچانا نہیں اور دور رکھنے کا کام ہم نے کیا تھا" اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرمائیں

رہے تھے انہوں نے کہا: ہمیں یہ خطرہ تھا کہ مُشمن آپ کو عقدت میں پا کر کوئی اذیت نہ پہنچا دے اس لیے ہم آپ کی حفاظت میں مشغول رہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

**يَسْتَأْتِونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۖ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ ۗ فَانْتَقُوا اللّٰهُ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْتَكُمْ ۚ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ (۱۱۸)**

”لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے شکن پوچھتے ہیں۔ کہہ دو غنیمت اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ پس اللہ سے ڈرو، اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر واقعی تم لوگ مومن ہو۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس مالِ غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

### **اسلامی شکر مدینے کی راہ میں**

قیدی بھی تھے اور مشرکین سے حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت بھی۔ آپ نے حضرت عبد اللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کی نگرانی سونپی تھی۔ جب آپ وادی صفاراء کے درے سے باہر نکلے تو درے اور نازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑا وڈا لا اور وہیں ٹھوس رپا پھوائ حصہ علیحدہ کر کے باقی مالِ غنیمت مسلمانوں پر برابر برابر تقسیم کر دیا۔

اور وادی صفاراء ہی میں آپ نے حکم صادر فرمایا کہ نظر بن حارث کو قتل کر دیا جائے۔

اس شخص نے جنگ بدر میں مشرکین کا پرجم اٹھا کر کھا تھا اور یہ قریش کے اکابر مجرمین میں سے تھا۔ اسلام دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کی ایزار رسانی میں صدور جہہ بڑھا ہوا تھا۔ آپ کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی گردان مار دی۔

اس کے بعد جب آپ عرق النبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی مُعیظ کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ شخص جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اس کا کچھ ذکر پہنچے گذر چکا ہے یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر نماز کی حالت میں اونٹ کی او جھڈا لی تھی اور اسی شخص نے آپ کی گردان پہنچا دار پیٹ کر آپ کو قتل کرنا چاہا تھا اور اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ بروقت نہ گئے ہوتے تو اس نے راپنی دانست ہیں تو

آپ کا گلا گھونٹ کر مارہی ڈالا تھا۔ جب نبی ﷺ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تو کہنے لگا: اے محمد! اب کوئی کے لیے کون ہے؟ آپ نے فرمایا، آگ ۱۳ اس کے بعد حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے — اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے — اس کی گردان مار دی۔

جنگی نقطہ نظر سے ان دونوں طاعنوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا کیونکہ یہ صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جدید اصطلاح کی روئے جنگی مجرم بھی تھے۔

**تہذیت کے وفود** اس کے بعد جب آپ تمام روحانی پہنچے تو ان مسلمان سربراہوں سے ملاقات ہوتی جو دونوں فاسدوں سے فتح کی بشارت سن کر آپ کا استقبال کرنے اور آپ کو فتح کی مبارک باد پیش کرنے کے لیے مدینے سے نکل پڑے تھے۔ جب انہوں نے مبارک باد پیش کی تو حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ ہمیں کاہے کی مبارک باد دے رہے ہیں ہمارا شکراو تو خدا کی قسم، گنجے سر کے بوڑھوں سے ہوا تھا جو اونٹ بیجے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا، بھتیجے ایسی لوگ سربراہ آور دگانِ قوم تھے۔

اس کے بعد حضرت اسید بن حفیر رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای اللہ کی حمد ہے کہ اس نے آپ کو کامیابی سے ہمکار کیا اور آپ کی آنکھوں کو شکنڈک نہیں۔ بخدا! میں یہ سمجھتے ہوئے بدترے یقینے نہ رہتا کہ آپ کا شکراو دشمن سے ہو گا؛ میں تو سمجھ رہا تھا کہ بس قفلے کا معاملہ ہے، اور اگر میں یہ سمجھتا کہ دشمن سے سابقہ پڑے گا تو میں یقینے نہ رہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سچ کہتے ہو۔

اس کے بعد آپ مدینہ منورہ میں اس طرح منظر و منصور داخل ہوئے کہ شہر اور گرد پیش کے سارے دشمنوں پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اس فتح کے اثر سے مدینے کے بہت سے لوگ حلقة بگوشِ اسلام ہوتے اور اسی موقع پر عبد اللہ بن ابی اوس کے ساتھیوں نے بھی دکھاوے کے لیے اسلام قبول کیا۔

**آپ کی مدینہ تشریف آوری کے ایک دن بعد قیدیوں کی آمد آمد ہوتی۔ آپ نے انہیں**

۱۳ یہ حدیث کتب صحاح میں مردی ہے، مثلاً دیکھئے سن ابی داؤد میں شرح عون المبود ۳/۱۲

صحابہ کرام پر تقسیم فرمادیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ اس وصیت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام خود کھجور کھاتے تھے لیکن قیدیوں کو روٹی پیش کرتے تھے۔ واضح رہے کہ مدینے میں کھجور بے حیثیت چیز تھی اور روٹی خاصی گران قیمت ()

**قیدیوں کا قضیہ** | جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو آپ نے صحابہ کرام سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ چھیرے بھائی اور کٹبے قبیلے کے لوگ ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح جو کچھ ہم لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت کا ذریعہ ہو گا۔ اور یہ بھی متوقع ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے اور وہ ہمارے بازوں جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: ”واللہ میری وہ رائے نہیں ہے جو ابو بکر کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں کو۔ (جو حضرت عمرؓ کا قربی تھا)۔ میرے حوالے کریں اور میں اس کی گردان مار دوں۔ عقیل بن ابی طالب کو علیؑ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردان ماریں اور فلاں کو جو حمزہؓ کا بھائی ہے حمزہؓ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردان مار دیں۔ یہاں تک کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے زم گوشہ نہیں ہے، اور یہ حضرات مشرکین کے صناید و ائمہ اور فامیں ہیں۔“

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بات پنڈ فرمائی اور میری بات پسند نہیں فرمائی۔ چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لینا طے کر لیا۔ اس کے بعد جب اگلا دن آیا تو میں صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ دونوں رو رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے بھی رونے کی وجہ میں تور دیں گا۔ اور اگر نہ مل سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے رو دیں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فديہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو چیز پیش کی گئی ہے۔ اسی کی وجہ سے رو رہا ہوں گے اور آپ نے ایک تیری دخالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا۔“

اور اللہ نے یہ آئیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُشْخَنَ فِي الْأَرْضِ ثُرِيدُونَ  
عَرَضَ الدُّنْيَا هُوَ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ لَوْلَا كِتَابٌ مِنْ  
اللَّهِ سَبَقَ لَمْسَكُرٌ فِيمَا أَخْذَمُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (۶۸/۶۴: ۸)

”کسی نبی کے لیے درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی کرے۔ تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے؛ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے نوشۂ بیعت نہ کر چکا ہوتا تو تم لوگوں نے جو کچھ بیا ہے اس پر تم کو سخت عذاب پکڑ لیتا۔“

اور اللہ کی طرف سے جو نوشۂ بیعت کر چکا تھا وہ یہ تھا۔ فَإِمَّا مَنَّا بَعْدُ وَإِمَّا  
فِدَاءً (۳: ۲۴) یعنی مشرکین کو جنگ میں قید کرنے کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو۔“

چونکہ اس نوشۂ میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے صحابہ کرام کو قبول فدیہ پر سزا نہیں دی گئی بلکہ صرف سرزنش کی گئی اور یہ بھی اس لیے کہ انہوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے سے پہلے قیدی بنایا تھا؛ اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ایسے ایسے مجرمین جنگ سے فدیہ لینا قبول کیا تھا جو صرف جعلی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے اکابر مجرمین تھے جنہیں جدید قانون بھی مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا، اور جن کے متعلق مقدمہ کا فیصلہ عموماً سزا تے موت یا عمر قید کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

بہر حال چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق معاملہ طے ہو چکا تھا اس لیے مشرکین سے فدیہ لیا گیا۔ فدیہ کی مقدار چار ہزار اور تین ہزار درہم سے لے کر ایک کٹلہ درہم تک تھی۔ اہل مکہ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے جبکہ اہل مدینہ لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے، اس لیے یہ بھی طے کیا گیا کہ جس کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ جب یہ نپتھے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی اس کا فدیہ ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے کئی قیدیوں پر احسان بھی فرمایا اور انھیں فدیہ لیے بغیر رکار دیا۔ اس فہرست میں مطلب بن حنطب، صیفی بن ابی رفاعة اور ابو عزہ ججی کے نام آتے ہیں۔ آخرالذکر کو آئندہ جنگ احمد میں قید اور قتل کیا گیا۔ رتفصیل آگے آرہی ہے۔

آپ نے اپنے داماد ابوالعاص کو بھی اس شرط پر بلا فدیہ چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینبؓ  
کی راہ نہ رو کیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ حضرت زینبؓ نے ابوالعاص کے فدیے میں  
کچھ مال بھیجا تھا جس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار درحقیقت حضرت خدیجہؓ رضی اللہ عنہا کا تھا  
اور جب انہوں نے حضرت زینبؓ کو ابوالعاص کے پاس رخصت کیا تھا تو یہ ہار انہیں دے  
دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر بڑی رفت طاری ہو گئی اور آپ نے  
صحابہ کرام سے اجازت چاہی کہ ابوالعاص کو چھوڑ دیں۔ صحابہ نے اسے بسر و حشم قبول کر  
لیا اور رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینبؓ کی  
راہ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوالعاص نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور حضرت زینبؓ  
نے، ہجرت فرماتی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری صحابی  
کو بھیج دیا کہ تم دونوں بطن یا نجع میں رہنا۔ جب زینبؓ تمہارے پاس سے گزریں تو ساتھ ہو  
لینا۔ یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔  
حضرت زینبؓ کی ہجرت کا واقعہ بڑا طویل اور المناک ہے۔

قیدیوں میں ہمیں بن عمر و بھی تھا جو بڑا زبان آور خطیب تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "اے اللہ  
کے رسول! ہمیں بن عمر کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے۔ اس کی زبان پست جایا کرے گی  
اور وہ کسی جگہ خطیب بن کر آپ کے خلاف کبھی کھڑا نہ ہو سکے گا۔" لیکن رسول اللہ ﷺ  
نے ان کی یہ گذاشت مرتدا کر دی کیونکہ یہ منشی کے صحن میں آتا ہے جس پر قیامت کے روز اللہ  
کی طرف سے پکڑ کا خطرہ تھا۔

حضرت سعد بن نعیان رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے ملکے تو انہیں ابوسفیان نے قید کیا۔  
ابوسفیان کا بیٹا عمر و بھی جنگ بدر کے قیدیوں میں تھا۔ چنانچہ عمر و کو ابوسفیان کے حوالے کر دیا گیا  
اور اس نے حضرت سعدؓ کو چھوڑ دیا۔

**قرآن کا تبصرہ** | اسی غزوے کے تعلق سے سورہ انفال نازل ہوئی جو درحقیقت اس  
غزوے پر ایک خدائی تبصرہ ہے۔ اگر یہ تعبیر صحیح ہو۔ اور یہ  
تبصرہ با دشائیوں اور کمانڈروں وغیرہ کے فاتحانہ تصوروں سے بالکل ہی جدا گانہ ہے۔ اس  
تبصرے کی چند باتیں مختصر رأیہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مسلمانوں کی نظر ان کوتا، یوں اور اخلاقی کمزوریوں کی طرف بندول کرائی جوان میں فی الجملہ باقی رہ گئی تھیں اور جن میں سے بعض بعض کا انہمار اس موقع پر ہو گیا تھا۔ اس توجہ دہانی کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے پاک صاف کر کے کامل ترین بن جائیں۔

اس کے بعد اس فتح میں اللہ تعالیٰ کی جو تائید اور فیضی مدد شامل تھی، اس کا ذکر فرمایا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان اپنی شجاعت و بسالت کے فریب میں نہ آجائیں۔ جس کے نتیجے میں مزاج و طبائع پیغزوں و تکبر کا تسلط ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اس کے اور پیغمبر ﷺ کے اطاعت کیش رہیں۔

پھر ان بلند اغراض و مقاصد کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اس خوفناک اور خوزنیز مرکے میں قدم رکھا تھا اور اسی ضمن میں ان اخلاق و اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے جو مرکوں میں فتح کا سبب بنتے ہیں۔

پھر مشرکین و منافقین کو اور یہود اور جہلی قیدیوں کو مخاطب کر کے فیصلہ و بیان نصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ وہ حق کے سامنے جھک جائیں اور اس کے پابند بن جائیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کو مال غنیمت کے معاملے میں مخاطب کرتے ہوئے انہیں اس مسئلے کے تمام بُنیادی قواعد و اصول سمجھاتے اور بتاتے گئے ہیں۔

پھر اس مرحلے پر اسلامی دعوت کو جنگ و صلح کے جن قوانین کی ضرورت تھی ان کی توضیح اور مشرویت ہے تاکہ مسلمانوں کی جنگ اور اہل جاہلیت کی جنگ میں امتیاز قائم ہو جائے، اور اخلاق و کردار کے میدان میں مسلمانوں کو برتری حاصل رہے، اور دُنیا اچھی طرح جان لے کہ اسلام محض ایک نظریہ نہیں ہے بلکہ وہ جن اصولوں اور صابطوں کا داعی ہے ان کے مطابق اپنے مانندے والوں کی عملی تربیت بھی کرتا ہے۔

پھر اسلامی حکومت کے قوانین کی کئی وفعتات بیان کی گئی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرے میں بنتے والے مسلمانوں اور اس دائرے سے باہر رہنے والے مسلمانوں میں کیا فرق ہے۔

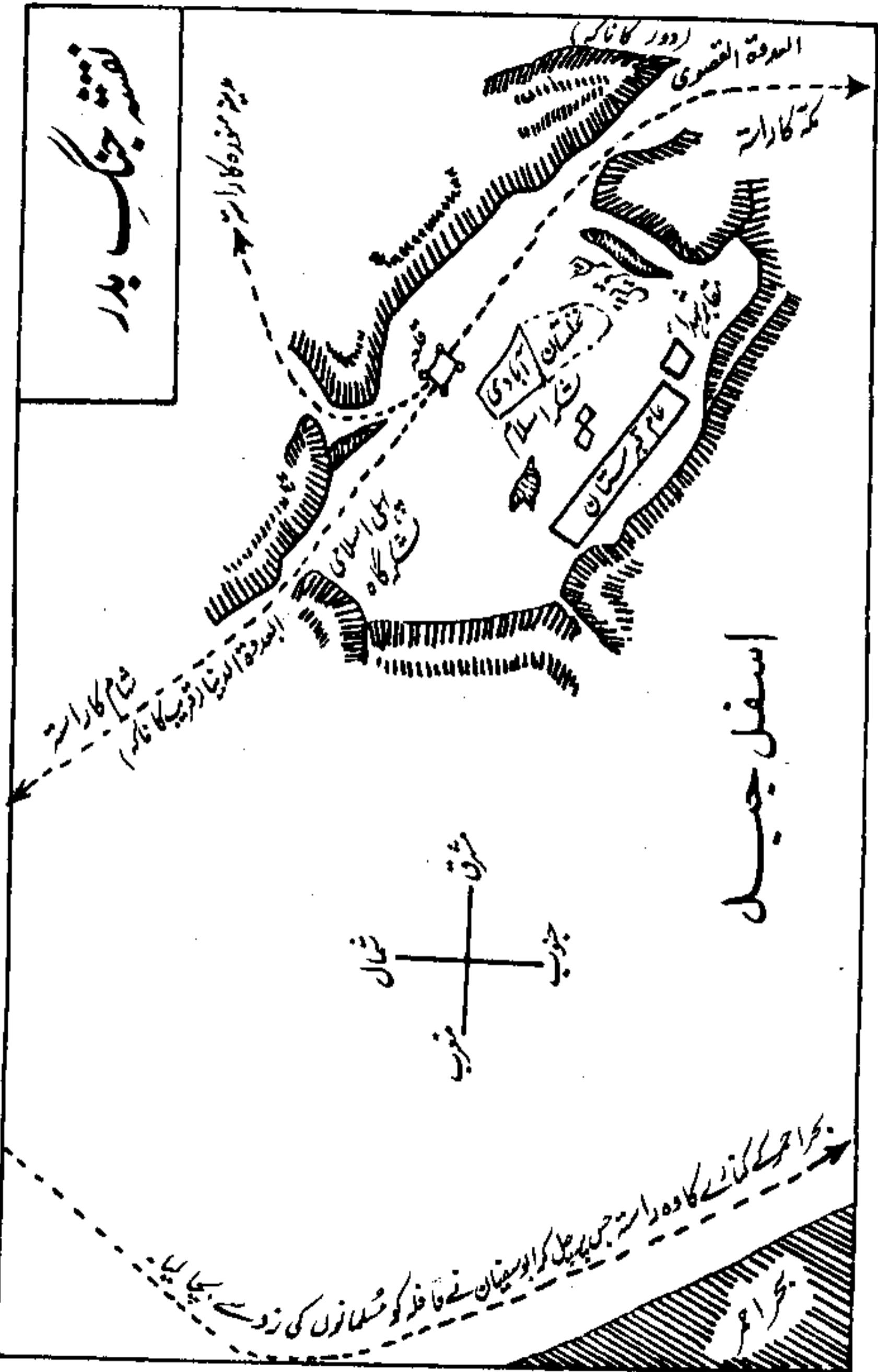
**متفرق واقعات** | سُلَّمَه میں رمضان کا روزہ اور صدقہ فطر فرض کیا گیا اور زکوٰۃ کے مختلف نصایب کی تفصیلًا تعین کی گئی۔ صدقہ فطر کی فرضیت اور زکوٰۃ کے نصاب کی تعین سے اس بوجھ اور مشقت میں بڑی کمی آگئی جس سے فقراء ہمارے عین کی ایک بڑی تعداد دوچار تھی، کیونکہ وہ طلبِ رزق کے لیے زمین میں دوڑدھوپ کے امکانات سے محروم تھے۔

پھر نہایت نفیس موقع اور خوشگواراتفاق یہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی میں پہلی عیدِ جو مناسیٰ وہ شوال سُلَّمَه کی عید تھی جو جنگ بدرا کی فتح میں کے بعد پیش آئی۔ کتنی خوشگوار تھی یہ عیدِ سعید جس کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر پر فتح و عزت کا تاج رکھنے کے بعد عطا فرمائی اور کتنا ایمان افراد تھا اس نمازِ عید کا منظر جسے مسلمانوں نے اپنے گھروں سے نکل کر تکمیر و توحید اور تحریم و تسبیح کی آوازیں بلند کرتے ہوئے میدان میں جا کر ادا کیا تھا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کے دل اللہ کی دلی ہوتی نعمتوں اور اس کی کی ہوئی تائید کے سبب اس کی رحمت و حضوان کے شوق سے ببریہ اور اس کی طرف رغبت کے جذبات سے مسحور تھے اور ان کی پیشانیاں اس کے شکر و سپاس کی ادائیگی کے لیے بھلی ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے:

وَإِذْ كُرُوا إِذَا نَسْأَلُوكُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفُوكُمُ النَّاسُ فَأُولَئِكَ وَآتَيْدَكُمْ بِنِصْرٍ وَرَزْقًا كُمْ مِّنَ الظَّبِيرَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشَكَّرُونَ ۝ (۲۹:۸۱)

”اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمر و بنیاد کر رکھے گئے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے پس اس نے تمہیں ٹھکانا نامرحمت فرمایا اور اپنی مدد کے ذریعے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی تاکہ تم لوگ اس کا شکر ادا کرو۔“





## پدر کے بعد کی جنگ سرگرمیاں

پدر کا معرکہ مسلمانوں اور مشرکین کا سب سے پہلا سلحشور اور فیصلہ کن معرکہ نخاں میں مسلمانوں کو فتح میں حاصل ہوتی اور سارے عرب نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اس معرکے کے نتائج سے سب سے زیادہ وہی لوگ دل گرفتہ تھے جنہیں براہ راست یہ نقصان عظیم برداشت کرنا پڑا تھا، یعنی مشرکین کیا وہ لوگ جو مسلمانوں کے علیہ و سربندی کو اپنے مذہبی اور اقتصادی وجود کے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے، یعنی یہود۔ چنانچہ جب سے مسلمانوں نے پدر کا معرکہ سرکیا تھا یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ اور رنج والم سے جل بھی رہے تھے جیسا کہ ارشاد ہے،

لَتَحْدِنَ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاؤَةِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَيْهُودَ وَالَّذِينَ أَشَرَكُوا ۝ (۸۲:۱۵) >

”تم اہل ایمان کا سب سے زبردست دشمن یہود کو پاؤ گے اور مشرکین کو۔“

مدینے میں کچھ لوگ ان دونوں گروہوں کے ہزار و دسماز تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اپنا وقار برقرار رکھنے کی اب کوئی سیل یا قیمتی نہیں رہ گئی ہے تو بیٹا ہر اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ عبد اللہ بن ابی اس کے رفقاء کا گروہ تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف یہود اور مشرکین سے کم غم و غصہ نہ رکھتا تھا۔

ان کے علاوہ ایک چوتھا گروہ بھی تھا، یعنی وہ بُددُوجہ مدینے کے گرد وہیں بود و باش رکھتے تھے۔ انہیں کفر و اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ یہ مٹیرے اور رہنگان تھے، اس لیے پدر کی کامیابی سے انہیں بھی قلق و اضطراب تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ مدینے میں ایک طاقت ور حکومت قائم ہو گئی تو ان کی دوڑ کھوٹ کاراسٹہ بند ہو جائے گا، اس لیے ان کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف کینہ جاگ اٹھا اور یہ بھی مسلم دشمن ہو گئے۔

اس طرح مسلمان چاروں طرف سے خطرے میں گھر گئے، بلکہ مسلمانوں کے سلسلے میں ہر فرقہ کا طرزِ عمل دوسرے سے مختلف تھا۔ ہر فرقہ نے اپنے حسب حال ایسا طریقہ اپنایا تھا جو اس کے خیال میں اس کی غرض و غایت کی تکمیل کا کفیل تھا، چنانچہ اہل مدینہ نے اسلام کا اظہار کر کے درپرده سازشوں

دیسہ کاریوں اور بامہم رڑا نے بھڑانے کی راہ اپنائی۔ یہود کے ایک گروہ نے کھلُم کھلا رنج و عذاؤ اور غیظ و غضب کا منظاہرہ کیا۔ اہل مکہ نے کمر توڑ ضرب کی دھمکیاں دینی شروع کیں اور بدله اور انتقام یئنے کا کھلا اعلان کیا۔ ان کی جنگی تیاریاں بھی کھٹے عام ہو رہی تھیں؛ گویا وہ زبان حال سے مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے ہے

و لا بِدْ مِنْ يَوْمٍ أَغْرِيَ مَحْجُولَ  
يَطْعُلُ اسْتِمَاعَيْ بَعْدِهِ لِلنَّوَادِبِ  
إِنْكَارًا رُوْشَنَ اُور تابناکَ دَنْ ضَرُورَىَ هَبَّهُ  
إِنْكَارًا رُوْشَنَ اُور تابناکَ دَنْ ضَرُورَىَ هَبَّهُ  
أَيْكَ إِيَا رُوشَنَ اُور تابناکَ دَنْ ضَرُورَىَ هَبَّهُ  
وَالْيَوْمَ كَمْ نَزَّهَ سُنْتَارَهُوْنَ -

اور سال بھر کے بعد وہ عملًا ایک ایسی محرکہ آرائی کے لیے مدینے کی چہار دیواری تک چڑھ آتے جوتا ریخ میں غزوہ احمد کے نام سے معروف ہے اور جس کا مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر بُرا اثر پڑا تھا۔

ان خطرات سے نفع کے لیے مسلمانوں نے بڑے اہم اقدامات کئے جن سے نبی ﷺ کی فائدانہ عبقریت کا پتا چلتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ مدینے کی قیادت گرد و پیش کے ان خطرات کے سلسلے میں کس قدر بیدار تھی اور ان سے نفع کیلئے کتنے جامن منصوبے رکھتی تھی۔ اگل سطور میں اسی کا ایک مختصر ساختا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

**۱- غزوہ بنی مُلکیم پہ مقامِ گور** | غزوہ بدر کے بعد سب سے پہلی خبر جو مدینے کے غطفان کی شاخ بنو مُلکیم کے لوگ مدینے پر چڑھاتی کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ نے دوسواروں کے ساتھ ان پر خود ان کے اپنے علاقے میں چانک دھاوا بول دیا اور مقامِ گور میں ان کی منازل تک جا پہنچے۔ بنو مُلکیم میں اس اچانک محدث سے بھگڑڑ مج گئی اور وہ افراتیزی کے عالم میں وادی کے اندر پانچ سو اونٹ چھوڑ کر جا گئے جس پر شکرِ مدینہ نے قبضہ کر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا خمس نکال کر بقیہ مالِ فتحیت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصے میں دو دو اونٹ آتے۔ اس غزوے میں یہاں نامی ایک

لے گور کا پر پیش اور دال ساکن ہے۔ یہ دراصل میاں رہاگ کی ایک چڑیا ہوتی ہے لیکن یہاں بنو مُلکیم کا ایک حصہ مراد ہے جو بند میں سکتے سے (براستہ بند) شام جانے والی کاروانی شاہراہ پر واقع ہے۔

غلام ہاتھ دیا جسے آپ نے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ دیار بنی شلیم میں تین روز قیام فرمائکر مدینہ پہنچ آئے۔

یہ غزوہ شوال سنه میں بدر سے واپسی کے صرف سات دن بعد پیش آیا۔ اس غزوے کے دوران شیع بن عوف طکہ کو اور کہا جاتا ہے کہ ابھی اُتم مکتوم کو مدینے کا انتظام سونپا گیا تھا۔

### ۴۔ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کے قتل کی سازش

جنگ بدر میں شکست کا حاکر مشرکین غصتے سے بے قابو تھے اور پورا لگنہ نبی ﷺ کے خلاف ہاتھی کی طرح کھول رہا تھا۔ بالآخر کٹکے کے دبہادر جوانوں نے طے کیا کہ وہ — اپنی دانست میں — اس اختلاف و شقاق کی مبیناد اور اس ذلت و رسوائی کی جڑ (نحوہ باللہ) یعنی نبی ﷺ کا خاتمه کر دیں گے۔

چنانچہ جنگ بدر کے پچھے ہی دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ عمر بن وہب بھی — جو قریش کے شیطانوں میں سے تھا اور کٹکے میں نبی ﷺ اور صحابہ کرامؐ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور اب اس کا بیٹا وہب بن عمر جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں تھا۔ اس عیرنے ایک دن صفویان بن امیہ کے ساتھ حظیم میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہوئے بدر کے کنوں میں پھینکے جانے والے مقتولوں کا ذکر کیا۔ اس پر صفویان نے کہا: ”خدا کی قسم ان کے بعد یعنی میں کوئی لطف نہیں۔“ جواب میں عیرنے کہا: ”خدا کی قسم تم سچ کہتے ہو۔ دیکھو! خدا کی قسم اگر میرے اور قرض نہ ہوتا، جس کی ادائیگی کے لیے میرے پاس کچھ نہیں، اور اہل و عیال نہ ہوتے، جن کے بارے میں اندریش ہے کہ میرے بعد ضائع ہو جائیں گے، تو میں سوار ہو کر محمدؐ کے پاس جاتا اور اُسے قتل کر داتا، کیونکہ میرے لیے وہاں جانے کی ایک وجہ موجود ہے۔ میرا بیٹا اُن کے ہاں قید ہے۔“ صفویان نے اس صورت حال کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا: ”اچھا چلو! تمہارا قرض میرے ذائقے ہے میں اسے تمہاری جانب سے ادا کر دوں گا؛ اور تمہارے اہل و عیال میرے اہل و عیال ہیں۔ جب تک وہ موجود رہیں گے میں ان کی دیکھ بھال کر تارہوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرے پاس کوئی چیز موجود ہو اور ان کو نہ طے۔“

عمر نے کہا: ”اچھا تو اب میرے اور اپنے اس معاملے کو صیغہ راز میں رکھنا۔ صفویان نے

کہا طیب ہے میں ایسا ہی کر دوں گا۔

اس کے بعد عمر بن الخطاب نے اپنی توار پر سان رکھا تھا اور زہر آسود کرائی، پھر روانہ ہوا اور مدینہ پہنچا؛ لیکن ابھی وہ مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹی بٹھا ہی رہا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ وہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے درمیان جنگ پدر میں اللہ کے عطا کردہ اعزاز و اکرام کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا: ”بہ کتنا، اللہ کا دشمن عمر بن الخطاب کسی بُرے ہی ارادے سے آیا ہے۔“ پھر انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی! یہ اللہ کا دشمن عمر بن الخطاب اپنی توار حماکل کے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اے میرے پاس لے آؤ۔ عمر آیا تو حضرت عمر نے اس کی توار کے پرستے کو اس کے لگے کے پاس سے پکڑ لیا اور انصار کے چند افراد سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور وہیں بیٹھ جاؤ اور آپ کے خلاف اس خبریت کے خطرے سے چونکا رہو یا کیونکہ یہ قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ عمر کو اندر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی گردن میں اس کی توار کا پرتلا پیش کر پکڑے ہوئے ہیں تو فرمایا: ”عمر! اسے چھوڑ دو۔ اور عمر را تم قریب آجائو۔“ اس نے قریب آ کر کہا، آپ لوگوں کی صبح بخیر ہو! نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے تجھیہ سے مشرف کیا ہے جو تمہارے اس تجھیہ سے بہتر ہے، یعنی سلام سے، جو اہل جنت کا تجھیہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، اے عمر! تم کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا یہ قیدی جو آپ لوگوں کے قبضے میں ہے اسی کے لیے آیا ہوں۔ آپ لوگ اس کے بارے میں احسان فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا، پھر یہ تمہاری گردن میں توار کیوں ہے؟ اس نے کہا، اللہ ان تواروں کا بُرَا کرے۔ کہ یہ ہمارے کچھ کام نہ آسکیں!

آپ نے فرمایا، سچ سچ بتاؤ کیوں آئے ہو، اس نے کہا، بس صرف اسی قیدی کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ تم اور صفویان بن امیرہ حلیم میں بیٹھے اور قریش کے جو مقتولین کتوں میں بھینکے گئے ہیں ان کا تذکرہ کیا، پھر تم نے کہا، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور میرے اہل و عیال نہ ہوتے تو میں یہاں سے جاتا اور مسکن کو قتل کر دیتا۔ اس پر صفویان نے تمہارے قرض اور اہل و عیال کی ذائقے داری لی بشرطیکہ تم مجھے قتل کر دو۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ میرے اور تمہارے

در میان حائل ہے۔

عُمَر نے کہا ہیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمان کی جو خبری لاتے تھے، اور آپ پر جو عجی نازل ہوتی تھی، اسے ہم جھٹلا دیا کرتے تھے لیکن یہ تو ایسا معاملہ ہے جس میں میرے اور صفویان کے سوا کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اس لیے واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ بات اللہ کے سوا اور کسی نے آپ تک نہیں پہنچائی۔ پس اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی اور اس مقام تک ہاتھ کر پہنچایا۔ پھر عُمَر نے کلمۃ حق کی شہادت دی اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؐ کو مخاطب کر کے فرمایا: "آپ نے بھائی کو دین سمجھا تو، قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔"

ادھر صفویان لوگوں سے کہتا پھر رہا تھا کہ یہ خوشخبری سن لو کہ چند ہی دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آئے گا جو بدر کے مصائب بخلوا دے گا۔ ساتھ ہی وہ آنے جانتے والوں سے عُمَر کی بابت پوچھتا بھی رہتا تھا۔ بالآخر اسے ایک سوارنے بتایا کہ عُمَر مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ سن کر صفویان نے قسم کھاتی کہ اس سے کبھی بات نہ کرے گا اور نہ کبھی اسے نفع پہنچائے گا۔ ادھر عُمَر نے اسلام سیکھ کر سکتے گی راہی اور وہیں مقیم رہ کر اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ ان کے ماتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

**۴۔ عز وہ بنی قینقاع** | رسول اللہ ﷺ نے مدینۃ تشریف لانے کے بعد یہود کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا اس کی دفاتر پچھے صفحات میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری کوشش اور خواہش تھی کہ اس معاہدے میں جو کچھ طے پا گیا ہے وہ نافذ رہے؛ چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا جو اس معاہدے کی عبارت کے کسی ایک حرف کے بھی خلاف ہو۔ لیکن یہود جن کی تاریخ غدر و خیانت اور عہدشکنی سے پُر ہے وہ بہت جلد اپنے قدیم مزاج کی طرف پلٹ گئے اور مسلمانوں کی صفویں کے اندر دیسہ کاری، سازش، لڑانے بھڑانے اور ہنگامے اور ضمطاب پا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لگئے ماتھوں ایک شال بھی سنتے چلیے۔

**یہود کی عیاری کا ایک نمونہ** | ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بوڑھا یہودی

شاش بن قیس — جو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھا، بڑا ذر دست کافر تھا، اور مسلمانوں سے سخت عداوت وحدت رکھتا تھا — لیکن یار صحابہ کرام کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا، جس میں اوس دخراج دونوں ہی قبیلے کے لوگ بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ اسے یہ دیکھ کر کہ اب ان کے اندر جاہلیت کی باہمی عداوت کی جگہ اسلام کی الفت و اجتماعیت نے لے لی تھے، اور ان کی دیرینہ شکر رنجی کا خاتمه ہو گیا ہے، سخت رنج ہوا۔ کہنے لگا: ”اوہ اس دیار میں بنو قیصر کے اشراف متعدد ہو گئے ہیں اب بعد ازاں افاقت کے اتحاد کے بعد تو ہمارا یہاں گزر نہیں۔“ چنانچہ اس نے ایک نوجوان یہودی کو جو اس کے ساتھ تھا حکم دیا کہ ان کی مجالس میں جائے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر پھر جنگ بُعاشر اور اس کے پہلے کے حالات کا ذکر کرے اور اس سلسلے میں دونوں جانب سے جو اشعار کہے گئے ہیں کچھ ان میں سے نہیں۔ اس یہودی نے ایسا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں اوس دخراج میں تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ لوگ جھکر دنے لگے اور ایک دوسرے پر فخر جانے لگے حتیٰ کہ دو توں قبیلوں کے ایک ایک آدمی نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رذوذ شدح شروع کر دی؛ پھر ایک نے اپنے مقدمقابل سے کہا، ”اگر چاہو تو ہم اس جنگ کو پھر جوان کر کے پٹھا دیں۔“ مقصد یہ تھا کہ ہم اس باہمی جنگ کے لیے پھر تیار ہیں جو اس سے پہلے لڑی چاہکی ہے۔ اس پر دونوں فرقیوں کو تاذ آگیا اور بوئے، چلو ہم تیار ہیں۔ ”جگہ میں مقابلہ ہو گا۔ ہتھیار...! ہتھیار...!“

اور لوگ ہتھیار لے کر حُسْنَۃ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ خوزیز بھنگ ہو جاتی لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ اپنے ہباجری صحابہ کو ہمراہ لے کر جھٹ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا: ”اسے مسلمانوں کی جماعتِ اللہ۔ اللہ۔ کیا میرے رہتے ہوئے چاہلیت کی پکار؟ اور وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ تمہیں اسلام کی ہدایت سے سرفراز فرم اچکا ہے اور اس کے ذریعے تم سے چاہلیت کا معاملہ کاٹ کر اور تمہیں کفر سے نجات دے کر تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑا چکا ہے؟“ آپ کی نصیحت سن کر صحابہ کو احساس ہوا کہ ان کی حرکت شیطان کا ایک جھٹکا اور دشمن کی ایک چال تھی؛ چنانچہ وہ رونے لگے اور اس دخراج کے لوگ ایک دوسرے سے لگے ملے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت شعار و فرمانبردار بن کر اس حالت میں واپس آئے کہ اللہ نے ان کے دشمن

## شاش بن قیس کی عیاری کی آگ بجھادی تھی۔

یہ ہے ایک نمونہ ان ہنگاموں اور اضطراب کا جنہیں یہود مسلمانوں کی صفوں میں بپا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور یہ ہے ایک مثال اس روڑے کی جسے یہ یہود اسلامی دعوت کی راہ میں اٹکاتے رہتے تھے۔ اس کام کے لیے انہوں نے مختلف منصوبے بنارکھے تھے۔ وہ جھوٹے پروپیگنڈے کرتے تھے۔ صحیح مسلمان ہو کر شام کو پھر کافر ہو جاتے تھے تاکہ کمزور اور سادہ لوح قسم کے لوگوں کے دلوں میں شک و شبھے کے بیچ یوسکیں۔ کسی کے ساتھ مال تعین ہوتا اور وہ مسلمان ہو جاتا تو اس پرمیشت کی راہیں تنگ کر دیتے، چنانچہ اگر اس کے فتنے کچھ بقایا ہوتا تو صحیح و شام تقاضے کرتے۔ اور اگر خود اس مسلمان کا کچھ بقایا ان پر ہوتا تو اسے ادا نہ کرتے بلکہ باطل طریقے پر کھا جاتے اور کہتے کہ تمہارا اقرض تو ہمارے اوپر اس وقت تھا جب تم اپنے آبائی دین پر تھے لیکن اب جبکہ تم نے اپنا دین بدل دیا ہے تو اب ہمارا اور تمہارا کوئی لین دین نہیں۔

واضح رہے کہ یہود نے یہ ساری حرکتیں پدر سے پہلے ہی شروع کر دی تھیں، اور اس معاہدے کے علی الرغم شروع کر دی تھیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ وہ ان یہود کی ہدایت یا بی کی امید میں ان ساری باتوں پر صبر کرتے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی مطلوب تھا کہ اس صلاقے میں اسن وسلامتی کا ماحول برقرار رہے۔

**بتو قیمتی قاع کی عہد کنی** | جب یہود نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان پدر میں سے سرفراز فرمایا ہے اور ان کا رعب و دبدبہ دُور و نزدیک ہر جگہ رہنے والوں کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے تو ان کی عداوت و حسد کی ہامدی پھٹ پڑی۔ انہوں نے کھلم کھلاشتہ وعداوت کا منظاہرہ کیا اور علی الاعلان بیعت و ایذاء سانی پر اُتر آئے۔

ان میں سب سے زیادہ کینہ تو زاد رسپ سے بڑھ کر شریک کعب بن اشرف تھا جس کا ذکر

اگر آ رہا ہے؟ اسی طرح قبائل یہودی قبائل میں سب سے زیادہ بدمعاش بروقینقاع کا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مدینے ہی کے اندر رہتے تھے اور ان کا محلہ انہی کے نام سے موسم تھا۔ یہ لوگ پیشے کے لحاظ سے سونار، لوہا اور برتن ساز تھے۔ ان پیشوں کے بسب ان کے ہر آدمی کے پاس دافر مقدار میں سامان جنگ موجود تھا۔ ان کے مردان جگہ کی تعداد سات سو تھی اور وہ مدینے کے سب سے بیہادر یہودی تھے۔ انہیں نے سب سے پہلے عہد سکنی کی۔ تفصیل یہ ہے :

جب اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تو ان کی سرکشی میں شدت آگئی۔ انہوں نے اپنی شارتوں، خباشوں اور لڑائی کی حرکتوں میں وسعت اختیار کر لی اور خلفشار پیدا کرنا شروع کر دیا؛ چنانچہ جو مسلمان ان کے بازار میں جاتا اس سے وہ مذاق و استہزا کرتے اور اسے اذیت پہنچاتے حتیٰ کہ مسلمان عورتوں سے بھی چھیر چھاڑ شروع کر دی۔ اس طرح جب صورت حال زیادہ سخت گئی ہو گئی اور ان کی سرکشی خاصی بڑھ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جمع فراکر و عظو نصیحت کی اور رشد وہدایت کی دعوت دیتے ہوئے نظم و بنادوں کے انعام سے ڈرایا۔ لیکن اس سے ان کی بدمعاشی اور غزوہ میں کچھ اور ہی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ امام ابو داؤدؓ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بدر کے دشکست دیدی اور آپ مدینہ تشریف لائے تو بروقینقاع کے بازار میں یہود کو جمع کیا اور فرمایا：“اے جماعت یہود! اس سے پہلے اسلام قبول کر لو کہ تم پر بھی دیسی ہی مار پڑے جیسی قریش پر پڑھکی ہے۔” انہوں نے کہا：“اے محمد! تمہیں اس بنا پر خود فربی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیتے کہ تمہاری مذہبیہ قریش کے اندازی اور نما آشانے جنگ لوگوں سے ہوئی اور تم نے انہیں مار لیا۔ اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہو گئی تو پتا چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں اور ہمارے جیسے لوگوں سے تمہیں پالانہ پڑا تھا۔” اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ لِلّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلِبُونَ وَتُخْسِرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَهَادُ<sup>۱</sup>  
قَدْ كَانَ لَكُمْ أَيَّةٌ فِي فِئَتَيْنِ التَّقْتَالِ فِعَةٌ تُقاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَى  
كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مُثِيلَهُمْ رَأَى الْعَيْنِ طَوَّالَهُ يُؤْتَدُ بِنَصْرٍ مَنْ يَشَاءُ مَا إِنَّ

فِي ذِلْكَ لَعِبْنَةُ الْأَوْلَى الْأَبْصَارِ ۝ (۱۳/۱۲۰۳)

”ان کا فرد سے کہہ دو کہ عنقریب مندوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہاتھ کے جاؤ گے، اور وہ بڑا ٹھکانا ہے۔ جن دو گروہوں میں ٹھکر ہوتی ان میں تھارے یہ نشانی ہے۔ ایک گروہ الشرک راہ میں رظرما تھا اور دوسرا کافر تھا۔ یہ ان کو آنکھوں دیکھتے ہیں اپنے دو گن دیکھ رہے تھے؟ اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی تائید چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے اندر یقیناً نظر والوں کے یہ عترت ہے؟“  
بہر حال بنو قینقاع نے جو جواب دیا تھا اس کا مطلب صاف صاف اعلان چنگ تھا؛  
یکن نبی ﷺ نے اپنا غصہ پیا اور صبر کیا مسلمانوں نے بھی صبر کیا اور آئے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر اس نصیحت کے بعد یہود بنو قینقاع کی جرأت زدا نہ اور بڑھ گئی؛ چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے مدینے میں بلوہ اور ہنگامہ بپاکر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے ہی ماتھوں اپنی قبر کھو دی اور اپنے اوپر زندگی کی راہ بند کر لی۔

ابن ہشام نے ابو حون سے روایت کی ہے کہ ایک عرب عورت بنو قینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی اور زیج کر کسی ضرورت کے لیے، ایک سنار کے پاس، جو یہودی تھا، بیٹھ گئی۔ یہودیوں نے اس کا چہرہ کھوانا پا ہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس سنار نے چکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کٹ را پھلی طرف بانڈھ دیا اور اسے کچھ خبر نہ ہوتی۔ جب وہ اٹھی تو اس سے بے پرده ہو گئی تو یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ اس پر اس عورت نے چیخ پکار مچائی جسے سن کر ایک مسلمان نے اس سنار پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا۔ جو اپاً یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد مقتول مسلمان کے گھروں والوں نے شور چایا اور یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں بلوہ ہو گیا۔

**محاصرہ، سپردگی اور جلاوطنی**

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صبر کا پہمانہ لیرزی ہو گیا۔ آپ نے مدینے کا انتظام ابو لیا بہ بن عبد المنذر کو سونپا اور خود، حضرت حمزة بن عبد المطلب کے ماتھ میں مسلمانوں کا

پھر اداے کر اللہ کے شکر کے ہمراہ بنو قینقاع کا رُخ کیا۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تو گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے ان کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ پہ جمعہ کا دن تھا اور شوال مسیمہ کی ۵ اتاریخ۔ پندرہ روز تک — یعنی ہلال ذی القعده کے نودار ہونے تک — محاصرہ جاری رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی سنت ہی یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرنا چاہتا ہے تو ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے؛ چنانچہ بنو قینقاع نے اس شرط پر متعصیار ڈال دیتے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جان و مال، آل و اولاد اور عورتوں کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہو گا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے ان سب کو باندھ دیا گیا۔

لیکن یہی موقع تھا جب عبد اللہ بن ابی قحافة نے اپنا مناقاہ کردار ادا کیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سخت اصرار وال حجہ کیا کہ آپ ان کے بارے میں معافی کا حکم صادر فرمائیں۔ اُس نے کہا: "اے محمد! میرے معاهدین کے بارے میں احسان کیجئے" — واضح رہے کہ بنو قینقاع خزرج کے علیف تھے — لیکن رسول اللہ ﷺ نے تغیر کی۔ اس پر اس نے اپنی بات پھر دہرائی۔ مگر اب کی بار آپ نے اس سے اپنا رُخ پھیر لیا۔ لیکن اس شخص نے آپ کے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا، مجھے چھوڑ دوا اور ایسے غضبناک ہوتے کہ لوگوں نے غصہ کی پر چھایاں آپ کے چہرے پر دیکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا، "تجھ پر افسوس، مجھے چھوڑ۔ لیکن یہ منافق اپنے اصرار پر قائم رہا اور بولا: "نہیں بخدا میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ میرے معاهدین کے بارے میں احسان فرمادیں۔ چار سو کھلے جسم کے جوان اور تین سو زرہ پوش جہوں نے مجھے سرخ و سیاہ سے بچایا تھا آپ انہیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر کھو دیں گے؛ دال اللہ! میں زمانے کی گروشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں"۔

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اس منافق کے ساتھ رجس کے اٹھا رہا اسلام پر الجی کوئی ایک ہی ہدیۃ گذرا تھا، رعایت کا معاملہ کیا اور اس کی فاطران سب کی جان بخشی کر دی لبست انہیں حکم دیا کہ وہ مدینے سے نکل جائیں اور آپ کے پڑوں میں زر ہیں، اچنانچہ سب اذراء شام کی طرف چلے گئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں اکثر کی موت واقع ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے اموال ضبط کر لیے۔ جن میں سے تین کمانیں، دو زر ہیں،

تین تکواریں اور تین نیزے اپنے یہ منتخب فرماتے اور مالِ غنیمت میں سے خُس بھی نکلا۔  
غنام جمع کرنے کا کام محمد بن مسلمہ نے انجام دیا۔ ۷۸

### م۴ - غزوہ سوچ

ایک طرف صفوان بن امیرہ، یہود اور منافقین اپنی اپنی سازشوں میں مصروف تھے تو دوسری طرف ابوسفیان بھی کوئی ایسی کارروائی انجام دینے کی ادھیریں میں تھا جس میں بار کم سے کم پڑے لیکن اثر نمایاں ہو۔ وہ ایسی کارروائی جلد از جلد انجام دے کر اپنی قوم کی آبرو کی حفاظت اور ان کی قوت کا انھار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نذر مان رکھی تھی کہ چنابت کے سبب اس کے سر کو پانی نہ چھو سکے گا یہاں تک کہ محمد ﷺ سے رٹائی کر لے۔ چنانچہ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دوسوواروں کوئے کر روانہ ہوا۔ اور وادی قناۃ کے سرے پر واقع نیب نامی ایک پہاڑی کے دامن میں خیہ زن ہوا مدینے سے اس کا فاصلہ کوئی پارہ میل ہے؛ لیکن چونکہ ابوسفیان کو مدینے پر حکم کھلا جعلے کی ہمت نہ ہوتی اس لیے اُس نے ایک ایسی کارروائی انجام دی جسے ڈاکہ زن سے ملتی جلتی کارروائی گہا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں اطرافِ مدینہ کے اندر داخل ہوا اور حُسین بن اخطب کے پاس جا کر اس کا دروازہ کھلوایا۔ حُسین نے انجام کے خوف سے انکار کر دیا۔ ابوسفیان پیٹ کر بُنو فضیلہ کے ایک دوسرے سردارِ سلام بن شکم کے پاس پہنچا جو تُوفیہ کا خزانچی بھی تھا۔ ابوسفیان نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس نے اجازت بھی دی اور ہمہ ان نوازی بھی کی۔ خوراک کے علاوہ شراب بھی پلاٹی اور لوگوں کے سپر وہ حالات سے آگاہ بھی کیا۔ رات کے پھر پھر ابوسفیان وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا اور ان کا ایک دستہ بھیج کر مدینے کے اطراف میں علیض نامی ایک مقام پر حملہ کر دیا۔ اس دستے نے وہاں کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور ایک انصاری اور اس کے حلیف کو ان کے کھیت میں پا کر قتل کر دیا اور تیزی سے گمراہ اس بھاگ نکلا۔

رسول ﷺ نے واردات کی خبر ملتے ہی تیز رفتاری سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا لیکن وہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے بچا گے۔ چنانچہ وہ لوگ تو دستیاب نہ ہوتے لیکن انہوں نے بوچھہ لٹکا کرنے کے لیے ستو، تو شے اور بہت ساساز و سلانا

پھینک دیا تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کرکٹ الکرکٹ تعاون کر کے واپسی کی راہی۔ مسلمان ستّو غیرہ لا دپھاند کروالپیس ہوتے اور اس مہم کا نام عزوفہ سُویق رکھ دیا۔ رسول عربی زبان میں ستّو کو کہتے ہیں۔) یہ عزوفہ، جنگ بدر کے صرف دو ماہ بعد ذی الحجه ۲۷ میں پیش آیا۔ اس عزوفے کے دوران مدینے کا انتظام ابو بابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا تھا۔<sup>۹</sup>

**۵۔ عزوفہ ذی امر** | مرکز بدر واحد کے درمیانی عرصے میں رسول اللہ ﷺ کے زیر قیادت یہ سب سے بڑی فوجی تحریک جو حرم سَعْدَہ میں پیش آئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینے کے ذرائع اطلاعات نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع فراہم کی کہ بنو ثعلبہ اور محارب کی بہت بڑی جمیعت مدینے پر چھاپہ مارنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور سوار و پیادہ پر مشتمل سارے چار سو کی نفری لے کر روانہ ہوتے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جا شین مقرر فرمایا۔

راستے میں صحابہ نے بنو ثعلبہ کے جبار نامی ایک شخص کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے اُسے حضرت بلاںؓ کی رفاقت میں دے دیا اور اس نے راہ شناسی چیزیں سے مسلمانوں کو دشمن کی سر زمین تک راستہ بتایا۔

ادھر دشمن کو جیش مدینہ کی آمد کی خبر ہوتی تو وہ گرد و سپیش کی پہاڑیوں میں بکھر گئے لیکن نبی ﷺ نے پیش قدی جاری رکھی اور شکر کے ہمراہ اس مقام تک تشریف لے گئے ہے دشمن نے اپنی جمیعت کی فراہمی کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ درحقیقت ایک چشمہ تھا جو ذی امر کے نام سے معروف تھا۔ آپ نے وہاں پد و دل پر رعیب و بد بر قائم کرنے اور انہیں مسلمانوں کی طاقت کا احساس دلانے کے لیے صفر سَعْدَہ کا پورا یا تقریباً پورا نہیتہ گزار دیا اور اس کے بعد مدینہ تشریف لائے۔<sup>۱۰</sup>

<sup>۹</sup> زاد المعاوٰد ۲/۹۰، ۹۱، ابن ہشام ۲/۲۴۴، ۲۵

<sup>۱۰</sup> نہ ابن ہشام ۲/۲۴۶، زاد المعاوٰد ۲/۹۱ کہا جاتا ہے کہ دعشور یا غورث محاربی نے اسی عزوفے میں نبی ﷺ کو قفل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن صیحہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک دوسرے عزوفے میں پیش آیا۔ ویکھنے صیحہ محاربی ۲/۲۴۳

## ۶۔ کعب بن اشرف کا قتل

یہودیوں میں یہ وہ شخص تھا جسے اسلام اور اہل اسلام سے نہایت سخت عداوت اور جنگ تھی۔ یہ بنی حبشه کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور آپ کے خلاف جنگ کی کھلمن کھلا دعوت دیتا پھر تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ طی کی شاخ بنو بیحان سے تھا اور اس کی ماں قبیلہ بنی نضیر سے تھی۔ یہ بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا۔ عرب میں اس کے حسن و جمال کا شہر تھا اور یہ ایک معروف شاعر بھی تھا۔ اس کا قلعہ مدینے کے جنوب میں بنو نضیر کی آبادی کے پہنچے واقع تھا۔

اسے جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور سردار ان قریش کے قتل کی پہلی خبر میں توبے ساختہ بول اٹھا کیا واقعہ ایسا ہوا ہے؟ یہ عرب کے اشراف اور لوگوں کے باڈشاہ تھے۔ اگر محمد نے ان کو مار دیا ہے تو ورنے زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے۔

اور جب اسے یقینی طور پر اس خبر کا علم ہو گیا تو اللہ کا یہ دشمن، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو اور دشمنانِ اسلام کی مدح سرائی پر اتر آیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگا۔ اس سے بھی اس کے جذبات آسودہ نہ ہوئے تو سوار ہو کر قریش کے پاس پہنچا اور مطلب بن ابی و داعمہ کا ہجان ہوا۔ پھر مشرکین کی غیرت بھڑکانے، ان کی آتشِ انتقام تیز کرنے اور انہیں بنی حبشه کے خلاف آمادہ جنگ کرنے کے لیے اشعار کہہ کر ان سردار ان قریش کا نوح و تم شروع کر دیا جنہیں میدان بدر میں قتل کے سبب کنوں میں پھینک دیا گیا تھا۔ لگنے میں اس کی موجودگی کے دوران ابوسفیان اور مشرکین نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارا دین تھا اے زدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا محمد اور اس کے ساتھیوں کا؟ اور دونوں میں سے کون سافر ق زیادہ ہدایت یا فترت ہے؟ کعب بن اشرف نے کہا: تم لوگ ان سے زیادہ ہدایت یا فرتہ اور فضل ہو۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبَهَا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْحِجَّةِ وَالظَّاغُونَ  
وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَوْلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ أَمْنَوْا سَبِيلًا ۝ (۵۱:۲)

”تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ جست اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مونوں سے بڑھ کر ہدایت یا فرتہ ہیں۔“

کعب بن اشرف یہ سب کچھ کر کے مرینہ واپس آیا تو یہاں آگر صحابہ کرام کی عورتوں کے

بارے میں واهیات اشعار کہنے شروع کئے اور اپنی زبان درازی و بدگوئی کے ذریعے سخت اذیت پہنچائی۔

یہی حالات تھے جن سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو کعب بن اشرف سے نہیں؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی ہے۔“ اس کے جواب میں محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، ابو نائل — جن کا نام سلکان بن سلامہ تھا اور جو کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ — حارث بن اوس اور ابو عبس بن یحییٰ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس مختصر سی کمپنی کے کمانڈر محمد بن مسلمہ تھے۔

کعب بن اشرف کے قتل کے تلویز کے بارے میں روایات کا حاصل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ کعب بن اشرف سے کون نہیں گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دی ہے، تو محمد بن مسلمہ نے اکٹھ کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ میں حاضر ہوں یکا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ماں! انہوں نے عرض کیا: تو آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، کہہ سکتے ہو۔

اس کے بعد محمد بن مسلمہ، کعب بن اشرف کے پاس تشریف لے گئے اور بولے: ”اس شخص نے — اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا — ہم سے صدقہ طلب کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مشقت میں ڈال رکھا ہے۔“

کعب نے کہا: ”واللہ، ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔“

محمد بن مسلمہ نے کہا: ”اب جبکہ ہم اس کے پیروکار ہیں، ہی پچے ہیں تو مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک یہ زدیکھ لیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے! اچھا ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلدے دیں!“

کعب نے کہا: ”میرے پاس کچھ رہی رکھو!“

محمد بن مسلمہ نے کہا: ”آپ کون سی چیز پسند کریں گے؟“

کعب نے کہا: ”اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو!“

محمد بن مسلمہ نے کہا: ”جلا ہم اپنی عورتیں آپ کے پاس کیسے رہیں رکھ دیں جیکہ آپ عرب کے سب سے خوبصورت انسان ہیں۔“

اُس نے کہا: "تو پھر اپنے بیٹوں ہی کو رہن رکھ دو۔"  
 محمد بن مسلمہ نے کہا: "ہم اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھ دیں؟ اگر ایسا ہو گیا تو انہیں کامی دی  
 جائے گی کہ یہ ایک وشق یا دوست کے بدے رہن رکھا گیا تھا۔ یہ ہمارے لیے عار کی بات ہے۔  
 البتہ ہم آپ کے پاس ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔"

اس کے بعد دونوں میں طے ہو گیا کہ محمد بن مسلمہ رہتھیار لے کر اس کے پاس آئیں گے۔  
 ادھر ابوذر ناٹلہ نے بھی اسی طرح کا اقدام کیا، یعنی کعب بن اشرف کے پاس آئے۔ کچھ دیر  
 ادھر ادھر کے اشعار سنتے سناتے رہے پھر یوں: "بھبھی ابن اشرف! میں ایک ضرورت سے  
 آیا ہوں، اسے ذکر کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن اسے آپ ذرا صیغہ راز ہی میں رکھیں گے۔"  
 کعب نے کہا: "جیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔"

ابوذر ناٹلہ نے کہا: "بھبھی اس شخص — اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا — کی آمد تو ہمارے  
 لیے آزمائش بن گئی ہے۔ سارا عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔ سب نے ہمارے خلاف اتحاد کر لیا ہے  
 ہماری را ہیں بند ہو گئی ہیں۔ اہل و عیال برباد ہو رہے ہیں، جانوں پر بن آئی ہے۔ ہم اور ہمارے  
 بال پتھے مشقتوں سے چور چور ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے بھی کچھ اسی ڈھنگ کی گفتگو کی جیسی  
 محمد بن مسلمہ نے کی تھی۔ دورانِ گفتگو ابوذر ناٹلہ نے یہ بھی کہا کہ میرے کچھ رفقاء ہیں جن کے خیالات بھی  
 بالکل میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انہیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ ان کے ہاتھ بھی کچھ  
 نہ پھیں۔ اور ان پر احسان کریں۔

محمد بن مسلمہ اور ابوذر ناٹلہ اپنی گفتگو کے ذریعے اپنے مقصد میں کامیاب رہے کیونکہ اس  
 گفتگو کے بعد ہتھیار اور رفقاء سمیت ان دونوں کی آمد پر کعب بن اشرف پونک نہیں سکتا تھا۔  
 اس ابتدائی مرحلے کو مکمل کر لینے کے بعد ۱۴-۱۵ میں الاول سیدھبری کی چاندنی رات کو مختصر سا  
 دستہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوا۔ آپ نے یقین غرقدہنک ان کی مشایعت فرمائی۔ پھر  
 فرمایا: اللہ کا نام لے کر جاؤ، اللہ تھدی دُ فرمائے۔ پھر آپ اپنے گھر پڑت آئے اور نمازو مناجات  
 میں مشغول ہو گئے۔

ادھر یہ دستہ کعب بن اشرف کے قلمی کے دامن میں پہنچا تو اُسے ابوذر نے قدرے  
 زور سے آواز دی۔ آواز سن کر وہ ان کے پاس آنے کے لیے اٹھا تو اُس کی بیوی نے —

جو ابھی نئی نویل دلہن تھی۔ کہا: اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔

کعب نے کہا: یہ تو میرا بھائی محمد بن مسلم اور میرا دودھ کا ساتھی ابو نائل ہے۔ کریم آدمی کو اگر نیزے کی مارکی طرف بلایا جائے تو اس پکار پر بھی وہ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ باہر آگیا۔ خوشبو میں بسا ہوا تھا اور سر سے خوشبو کی لہریں چھوٹ رہی تھیں۔

ابو نائل نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آجائے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا۔ جب تم دیکھنا کر میں نے اس کا سر پکڑ کر اسے قابو میں کریا ہے تو اس پر پل پڑنا۔۔۔ اور اُسے مارڈالا۔ چنانچہ جب کعب آیا تو کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ابو نائل نے کہا: ابن اشرف! کیوں نہ شعب عجوز تک چلیں۔ ذرا آج رات باتیں کی جائیں۔ اس نے کہا: اگر تم چاہتے ہو تو چلتے ہیں؟ اس پر سب لوگ چل پڑے۔ اشارہ راہ میں ابو نائل نے کہا، آج جیسی عمدہ خوشبو تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ یہ سن کر کعب کا سینہ فخر سے تن گیا۔ کہنے لگا، میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبو والی عورت ہے۔ ابو نائل نے کہا، اجازت ہو تو ذرا آپ کا سر سونگھوں لوں؟ وہ بولا ہاں ہاں۔ ابو نائل نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ پھر خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھا۔ کچھ اور چلے تو ابو نائل نے کہا، بھی ایک بار اور۔ کعب نے کہا، ہاں ہاں؛ ابو نائل نے پھر وہی حرکت کی یہاں تک کہ وہ مطمئن ہو گیا۔

اس کے بعد کچھ اور چلے تو ابو نائل نے پھر کہا، کبھی ایک بار اور۔ اس نے کہا تھیک ہے۔ اب کی بار ابو نائل نے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر ذرا اچھی طرح پکڑ لیا تو بولے: "لے لو اللہ کے اس دشمن کو۔ اتنے میں اس پر کئی تواریں ٹریں؛ لیکن کچھ کام نہ دے سکیں۔ یہ دیکھ کر محمد بن مسلم نے جھٹ اپنی کدال لی اور اس کے پیڑو پر لگا کر چڑھ بیٹھے۔ کدال اُر پار ہو گئی اور اللہ کا یہ دشمن وہیں ڈھیر ہو گی۔ جملے کے دوران اس نے اتنی زبردست پیغام لگائی تھی کہ گرد و پیش میں ہچل رجھ گئی تھی اور کوئی ایسا قلعہ باقی نہ بچا تھا جس پر آگ روشن نہ کی گئی ہو رہیں ہوا کچھ بھی نہیں۔) کارروائی کے دوران حضرت حارث بن اوس کو بعض ساتھیوں کی تواریکی نوک لگ گئی تھی۔

جس سے وہ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے جسم سے خون یہ رہا تھا؛ چنانچہ والپی میں جب یہ درستہ حرہ علیض پہنچا تو دیکھا کہ حارث ساتھ ہنسی ہیں اس پیسے سب لوگ وہیں ڑک گئے۔ تھوڑی دیر

بعد حارث بھی ان کے نشانات قدم دیکھتے ہوئے آن پہنچے۔ وہاں سے لوگوں نے انہیں اٹھایا۔ اور بقیع غرقد پہنچ کر اس زور کا نعرہ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی سنائی پڑا۔ آپ سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے اُسے ماریا ہے، چنانچہ آپ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ پھر جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا افلحت الوجوه۔ یہ چہرے کا میاب رہیں۔ ان لوگوں نے کہا وجہک یار رسول اللہ۔ آپ کا چہرہ بھی اے اللہ کے رسول؟ اور اس کے ساتھ ہی اس طاغوت کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس کے قتل پر اللہ کی حمد و شادی کی اور حارث کے زخم پر لعاب دہنی لگایا جس سے وہ شفایا ب ہو گئے اور آئندہ کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ اللہ

ادھر یہود کو جب اپنے طاغوت کعب بن اشرف کے قتل کا علم ہوا تو ان کے ہشت دھرم اور خدی دلوں میں رعب کی لہر دوڑ گئی۔ ان کی سمجھ میں آگیا کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ محسوس کر لیں گے کہ امن و امان کے ساتھ بچلنے والوں، ہنگامے اور اضطرابات بپاکرنے والوں اور عہدوں پیمان کا احترام نہ کرنے والوں پر نصیحت کا رگر نہیں ہو رہی ہے تو آپ طاقت کے استعمال سے بھی گزیز نہ کریں گے، اس لیے انہوں نے اپنے اس طاغوت کے قتل پر چوں نہ کیا بلکہ ایک دم، دم سادھے پڑھے رہے۔ ایفائی عہد کا منظاہرہ کیا اور ہمت ہار بیٹھے ہی یعنی سانپ تیزی کے ساتھ اپنی بلوں میں جا گھے۔

اس طرح ایک مدت تک کے لیے رسول اللہ ﷺ بیرون مدینہ سے پیش آنے والے متوقع خطرات کا سامنا کرنے کے لیے فارغ ہو گئے اور مسلمان ان بہت سی اندر وی مشكلات کے باوجود گواں سے بکدش ہو گئے جن کا اندر شہ انہیں محسوس ہو رہا تھا اور جن کی گو و قتاً فوقتاً وہ سو نگھتے رہتے تھے۔

**یہ ایک بڑی فوجی طلایہ گردی تھی جس کی تعداد تین سو تھی۔ اس فوج کو لے کر رسول اللہ ﷺ ماہ ریسح الآخرستہ میں بحران میں ایک ایک علاقے کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ یہ جماز کے اندر فرع کے اطراف میں ایک معدنیاتی مقام ہے۔ اور ریسح الآخر اور جمادی الاولی کے دو ہمینے دہیں قیام فرمائے۔**

اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔ کسی قسم کی رطائی سے سابقہ پیش نہ آیا۔<sup>اللہ</sup>  
**۸۔ سُرِّيَّةُ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةٍ** جنگ احمد سے پہلے مسلمانوں کی یہ آخری اور کامیابی تھیں  
 ہم تھی جو جمادی الآخرۃ سے میں پیش آئی۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ قریش جنگ پدر کے بعد سے قلع و اضطراب میں متلا تو تھے ہی  
 مگر جب گرمی کا موسم آگیا اور مکہ شام کے تجارتی سفر کا وقت آن پہنچا تو انہیں ایک اور فکر  
 دامن گیر ہوتی۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ صفوان بن امیہ نے — جسے قریش کی طرف  
 سے اس سال مکہ شام جانے والے تجارتی قافلے کا میرکارواں منتخب کیا گیا تھا۔ قریش سے کہا:  
 ”مخدی اور اس کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی شاہراہ ہمارے لیے پُر صوبت بنادی ہے۔ سمجھ  
 میں نہیں آتا کہ ہم اس کے ساتھیوں سے کیسے نہیں۔ وہ ساحل چھوڑ کر ہٹتے ہی نہیں اور  
 باشندگان ساحل نے ان سے مصالحت کر لی ہے۔ عام لوگ بھی انہیں کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اب  
 سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کون سارا ستہ اختیار کریں؟ اگر ہم گھروں ہی میں عیشہ ہیں تو اپنا صل  
 مال بھی کھا جائیں گے اور کچھ باتی نہ پے گا؛ کیونکہ مکتے میں ہماری زندگی کا دار و مدار اس پر ہے  
 کہ گرمی میں شام اور جاڑے میں جبوشہ سے تجارت کریں۔“

صفوان کے اس سوال کے بعد اس موضوع پر غور و خوض شروع ہو گیا۔ آخر اسودین  
 عبدالمطلب نے صفوان سے کہا: ”تم ساحل کا راستہ چھوڑ کر عراق کے راستے سفر کرو۔“ واضح  
 رہے کہ یہ راستہ بہت لمبا ہے۔ بخدا سے ہو کر شام جاتا ہے اور مدینہ کے مشرق میں خاصے فاصلے  
 سے گزرتا ہے۔ قریش اس راستے سے بالکل ناواقف تھے اس لیے اسود بن عبدالمطلب نے  
 صفوان کو مشورہ دیا کہ وہ فرات بن حیان کو — جو قبیلہ بکر بن واکل سے تعلق رکھتا تھا —  
 راستہ بتانے کے لیے راہنمای کہ لے۔ وہ اس سفر میں اس کی رہنمائی کر دے گا۔

اس انتظام کے بعد قریش کا کارواں صفوان بن امیہ کی قیادت میں نئے راستے سے روانہ

گئے۔ ابنہ شام ۲/۵۰، ۵۱، ۵۲۔ زاد المعاو ۲/۹۱۔ اس عنزت کے اسباب کی تھیں میں مآخذ مختلف ہیں۔ کہا جاتا  
 ہے کہ مدینہ میں یہ بخچ پہنچی کرنے والیم مدینہ اور اطراف مدینہ پر حلڈ کرنے کے لیے بہت بڑے پیمانے پر  
 جنگی تیاریاں کر رہے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ قریش کے کسی قلفلے کی تلاش میں نکلے تھے۔ ابنہ شام نے  
 یہی سبب ذکر کیا ہے اور این قلم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ پہلا سبب مرے سے ذکر نہیں کیا ہے یہی بات درست  
 بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بنو سلیم فرع کے اطراف میں آباد نہیں تھے بلکہ بندی میں آباد تھے جو فرع سے بہت زیادہ دور ہے۔

ہوا مگر اس کارروائی اور اس کے سفر کے پورے منصوبے کی خبر مدینہ پہنچ گئی۔ ہوا یہ کہ سلیط بن نعیان جو مسلمان ہو چکے تھے نعیم بن مسعود کے ساتھ جو ابھی مسلمان نہیں ہوتے تھے، یادہ نوشی کی ایک مجلس میں جمع ہوتے ۔ یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے ۔ جب نعیم پر نشے کا غلیب ہوا تو انہوں نے قافلے اور اس کے سفر کے پورے منصوبے کی تفصیل بیان کر دیں ایک سلیط پوری برق رفتاری کے ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے اور ساری تفصیل کہہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فوراً محلے کی تیاری کی۔ اور سواروں کا ایک رسالہ حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کی کمان میں دے کر روادہ کر دیا۔ حضرت زید نے نہایت تیزی سے راستہ طے کی اور ابھی قریش کا قافلہ بال محل بے خبری کے عالم میں قردا نامی ایک چشمہ پر پڑا اور ڈالنے کے لیے اُتر دیا تھا کہ اسے جایا اور اچانک میخار کر کے پورے قافلے پر قبضہ کر دیا۔ صفوان بن امیہ اور دیگر حافظین کارروائی کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کا رنگ نہ آیا۔

مسلمانوں نے قافلے کے راہنماء فرات بن حیان کو اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو آدمیوں کو گرفتار کر دیا۔ طروف اور چاندی کی بہت بڑی مقدار جو قافلے کے پاس تھی، اور جس کا اندازہ ایک لاکھ درہم تھا، بطور غنیمت لاتھا آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خُس نکال کر مال غنیمت رسالے کے افراد پر تقسیم کر دیا اور فرات بن حیان نے نبی ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر دیا۔ سلاسلہ بدر کے بعد قریش کے لیے یہ سب سے الٰم انگیز واقعہ تھا جس سے ان کے قلق و اضطراب اور غم و الم میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو اپنا کبر و غور چھوڑ کر مسلمانوں سے صلح کر لیں یا بھر پور جنگ کر کے اپنی عزتِ رفتہ اور مجددگریت کو واپس لایں اور مسلمانوں کی قوت کو اس طرح توڑ دیں کہ وہ دوبارہ سرہ اٹھا سکیں۔ قریش مکر نے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا؛ چنانچہ اس واقعہ کے بعد قریش کا جوشِ انتقام کچھ اور بڑھ گیا اور اس نے مسلمانوں سے مگر لینے اور ان کے دیار میں گھس کر ان پر حملہ کرنے کے لیے بھر پور تیاری شروع کر دی۔ اس طرح پچھے واقعات کے علاوہ یہ واقعہ بھی معزز کہ احمد کا خاص عامل ہے۔

## غزوہ حُشَد

**انتقامی جنگ کے لیے قریش کی تیاریاں**

اُثڑاف کے قتل کا جو صدر برداشت کرنا پڑا تھا اس کے سبب وہ مسلمانوں کے خلاف غینظ و غصب سے کھوں رہے تھے، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے مفتولین پر آہ و فغا کرنے سے بھی روک دیا تھا اور قیدیوں کے فدیے کی ادائیگی میں بھی جلد بازی کا منظاہرہ کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ مسلمان ان کے رنج و غم کی شدت کا اندازہ نہ کر سکیں۔ پھر انہوں نے جنگ بدر کے بعد یہ متفقہ فصیلہ کیا کہ مسلمانوں سے ایک بھرپور جنگ روک کر اپنا لیکچہ ٹھنڈا کریں اور اپنے جذبہ غینظ و غصب کو تسلیم دیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس طرح کی مرکز کی آرائی کی تیاری بھی شروع کر دی۔ اس معاملے میں سردار اُن قریش میں سے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیہ، ابوسفیان بن حرب، اور عبد اللہ بن ربیعہ زیادہ پُر جوش اور سب سے پیش پیش تھے۔

ان لوگوں نے اس سلسلے میں پہلا کام یہ کیا کہ ابوسفیان کا دہ قافلہ جو جنگ بدر کا باعث تبا تھا اور جسے ابوسفیان بچا کر نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا، اس کا سارا مال جنگی اخراجات کے لیے روک لیا اور جن لوگوں کا مال تھا اُن سے کہا کہ: اے قریش کے لوگو! تمہیں محمد نے سخت و چمک لگایا ہے اور تمہارے منتخب سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا ان سے جنگ کرنے کے لیے اس مال کے ذریعے مدد کرو؛ ممکن ہے کہ ہم بد لمچکا لیں۔ قریش کے لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ یہ سارا مال جس کی مقدار ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار تھی، جنگ کی تیاری کے لیے بیج ڈالا گی۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَزْسَبِيلِ اللَّهِ طَفَّالَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّمَا يُنْفِقُونَ مِمَّا أَنْتَ مَحْلُومٌ فَمَا يُنْفِقُونَ هُنَّ مُنْهَمُونَ  
فَسَيِّئِنَّ فِي نَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسَرَةٌ شُرَمٌ يُغْلِبُونَ ۝ (۲۶:۸)

”جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے غرچہ کریں گے۔ تو یہ

خراج تو کریں گے لیکن پھر یہ ان کے لیے باعث حسرت ہو گا۔ پھر منلوب کئے جائیں گے۔“ پھر انہوں نے رضا کارانہ جنگی خدمت کا دروازہ کھول دیا کہ جو احابیش، بنا نہ اور اہل تہامہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونا چاہیں وہ قریش کے جنڈے تسلیم جمع ہو جائیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے تریخی و تحریصی مختلف صورتیں بھی اختیار کیں، یہاں تک کہ ابو عزہ شاعر جو جنگ بدر میں قید ہوا تھا اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے یہ عہدے کر کہ اب وہ آپ کے خلاف کبھی نہ اٹھے گا از راہِ احسان بلا فدیہ چھوڑ دیا تھا، اُسے صفوان بن امية نے ابھارا کہ وہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا کام کرے اور اس سے یہ عہدہ کیا کہ اگر وہ لڑائی سے نجی کرزندہ ولادت و سلامت واپس آگیا تو اُسے مالا مال کر دے گا؛ ورنہ اس کی رٹکیوں کی کفالت کرے گا۔ چنانچہ ابو عزہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہے ہوئے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال کر جذباتِ غیرت و محیت کو شعلہ زن کرنے والے اشعار کے ذریعے قبائل کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ اسی طرح قریش نے ایک اور شاعر مسافع بن عبد مناف مجھی کو اس نہم کے لیے تیار کیا۔ ادھر ابوسفیان نے غزوہ سویں سے ناکام دنامرا دبکہ سامانِ رسکی ایک بہت بڑی مقدار سے با تحدِ دھوکہ واپس آنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو ابھارنے اور بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی سرگرمی دکھاتی۔

پھر اخیر میں سرپر زید بن حارثہ کے واقعہ سے قریش کو جس سنتگیں اور اقتصادی طور پر کمر توڑ خسارہ سے دوچار ہونا پڑا اور انہیں جس قدر یہ اندازہ رنج و الام پہنچا اس نے آگ پر تسلیل کا کام کیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ رشنے کے لیے قریش کی تیاری کی رفتار میں بڑی تیزی آگئی۔

**قریش کا لشکر، سامانِ جنگ اور کمان** | چنانچہ سال پورا ہوتے ہوئے قریش کی تیاری مکمل ہو گئی۔ ان کے اپنے افراد کے

علاوہ ان کے صیفیوں اور احبابیش کو ملا کر مجموعی طور پر گل تین ہزار فوج تیار ہوتی۔ قائدین قریش کی رائے ہوتی گہ اپنے ساتھ عورتیں بھی لے چکیں تاکہ حرمت و ناموس کی حفاظت کا احساس کچھ زیادہ ہی جذبہ جان سپاری کے ساتھ رکھنے کا سبب بنتے۔ لہذا اس لشکر میں انکی عورتیں بھی شامل ہوتیں جن کی تعداد پندرہ تھی۔ سواری و باربرداری کے لیے تین ہزار اونٹ تھے اور رماں کے

یہ دو سو گھوڑے لئے ان گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لیے انہیں پورے راستے بازوں میں رے جایا گیا۔ یعنی ان پر سواری نہیں کی گئی۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زر ہیں تھیں۔

ابوسفیان کو پورے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رسائے کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرم بن ابی جہل کو ان کا معاون بنایا گیا۔ پرچم مقررہ دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبد الدار کے ہاتھ میں دیا گی۔ **لشکر کی روانگی** اس بھروسہ تیاری کے بعد کی لشکرنے اس حالت میں مرینے کا رُخ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ اور انتقام کا جذبہ ان کے دلوں میں شعلہ بن کر بھڑک رہا تھا اور یہ جو عنقریب پیش آئے والی جنگ کی خونریزی اور شدت کا پتا دے رہا تھا۔

**مدینے میں اطلاع** حضرت عباس رضی اللہ عنہ قریش کی اس ساری نقل و حرکت اور جنگی تیاریوں کا بڑی چاہکستی اور گہرائی سے مطلع کر رہے تھے چنانچہ جوں ہی یہ لشکر حرکت میں آیا، حضرت عباس رضی نے اس کی ساری تفصیلات پر مشتمل ایک خط فوراً نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ فرمادیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قاصد پیغام رسانی میں نہایت پھر تیلا ثابت ہوا۔ اس نے کمکتے سے مدینے تک کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت صرف تین دن میں طے کر کے ان کا خطبہ نبی ﷺ کے حوالے کیا۔ اس وقت آپ مسجد قبار میں تشریف فرماتھے۔

یہ خط حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ نے انہیں راذداری برتنے کی تاکید کی اور بھجت مدینہ تشریف لا کر انصار و ہبہ اجریں کے قسم میں سلام و مشورہ کیا۔

**ہنگامی صورت حال کے مقابلے کی تیاری** اس کے بعد مدینے میں عام لام بندی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لوگ کسی بھی اچانک صورت حال سے نجٹنے کے لیے ہر وقت ہتھیار بند رہنے لگے، حتیٰ کہ نماز میں بھی ہتھیار جُدا نہیں کیا جاتا تھا۔

ادھر انصار کا ایک مختصر سادستہ، جس میں سعد بن معاذ، ایوب بن حفیر اور سعد بن عبادہ

ملے زاد العاد ۹۲/۲-یہی مشورہ ہے۔ لیکن فتح ابیری، ۳۴/۲ میں گھوڑوں کی تعداد ایک سو سو تیس گئی ہے۔

رضی اللہ عنہم تھے، رسول اللہ ﷺ کی نگرانی پر تعینات ہو گیا۔ یہ لوگ ہتھیار پہن کر ساری ساری رات رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر گزار دیتے تھے۔

کچھ اور دستے اس خطرے کے پیش نظر کے عقدت کی حالت میں اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ مدینے میں داخلے کے مختلف راستوں پر تعینات ہو گئے۔

چند دیگر راستوں نے دشمن کی نقل و حرکت کا پتا لگانے کے لیے طلا یہ گردی شروع کر دی یہ دستے ان راستوں پر گشت کرتے رہتے تھے جن سے گذر کر مدینے پر چھاپہ مارا جا سکتا تھا۔

**مکّی لشکر، مدینے کے دامن میں** | ادھر کی شکر معروف کارروائی شاہراہ پر چلتا رہا۔

عقبہ نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کی قبر اکھیرتی دی جائے۔ لیکن اس دروازے کو کھونے کے پوسٹیگن نتائج نکل سکتے تھے اس کے خوف سے قائد یہ لشکر نے یہ تجویز منظور نہ کی۔

اس کے بعد لشکر نے اپنا سفر بستور جاری رکھا یہاں تک کہ مدینے کے قریب پہنچ کر پہلے وادی عقیق سے گذرا پھر کسی قدر داہنسے جانب کترانکر کوہ اُحد کے قریب عینین نامی ایک مقام پر جو مدینہ کے شمال میں وادیٰ فناۃ کے کنارے ایک بخوبی زمین ہے پڑا ڈال دیا۔ یہ جبودہ یہ شوال شہر کا داتعمہ ہے۔

**مدینے کی دفاعی حکمت عملی کے لیے مجلس شوریٰ کا اجلاس** | مدینے کے ذرائع اطلاعات

مکّی لشکر کی ایک ایک خبر مدینہ پہنچا رہے تھے، حتیٰ کہ اس کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی پہنچا دی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فوجی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں مناسب حکمت عملی اختیار کرنے کے لیے صلاح مشورہ کرنا تھا۔ آپ نے انہیں اپنادیکھا ہوا ایک خواب بتلایا۔ آپ نے بتلایا کہ والدہ میں نے ایک بھلی چیز دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اور میں نے دیکھا کہ میری توارکے سرے پر کچھ شکستگی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ما تھا ایک محفوظ زرہ میں داخل کیا ہے۔ پھر آپ نے گائے کی یہ تعبیر بتلائی کہ کچھ صحابہ قتل کئے جائیں گے۔ تواریں شکستگی کی یہ تعبیر بتلائی کر آپ کے لگھ کا کوئی آدمی شہید ہو گا اور محفوظ

زدہ کی تیسیر بنلائی کہ اس سے مراد شہر مدینہ ہے۔

پھر آپ نے صحابہ کرام کے سامنے دفاعی حکمتِ عملی کے متعلق اپنی رائے پیش کی کہ مدینے سے باہر نہ لکھیں بلکہ شہر کے اندر ہی قلعہ بند ہو جائیں۔ اب اگر مشرکین اپنے کمپ میں مقیم رہتے ہیں تو بے مقصد اور بُرا قیام ہوگا اور اگر مدینے میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچے کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے ان پر خشت باری کریں گی یہی صحیح رائے تھی اور اسی رائے سے عبد اللہ بن ابی راس المناقین نے بھی اتفاق کیا جو اس مجلسیں میں خزرج کے ایک سرکردہ نمائندہ کی حیثیت سے شریک تھا ایک اس کے اتفاق کی بنیاد یہ نہ تھی کہ جعل نقطہ نظر سے یہی صحیح موقف تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دور بھی رہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس نے چاہا کہ یہ شخص اپنے رفقہ سعیت پہلی بار سرعام رسوا ہو جلتے اور ان کے کفر و نفاق پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ ہست جلتے اور مسلمانوں کو اپنے مشکل ترین وقت میں معلوم ہو جائے کہ ان کی آستین میں کتنے سانپ رینگ رہے ہیں۔

چنانچہ فضلاً صحابہ کی ایک جماعت نے جو درمیں شرکت سے رہ گئی تھی، بڑھ کر نبی ﷺ کو مشورہ دیا کہ میدان میں تشریف لے چلیں اور انہوں نے اپنی اس رائے پر سخت اصرار کیا؛ حتیٰ کہ بعض صحابہ نے کہا: "اے ملک کے رسول! ہم تو اس دن کی تباہی کرتے تھے اور اللہ سے اس کی دعا میں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آگیا ہے تو پھر آپ دشمن کے مقدم مقابل ہی تشریف لے چلیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ڈر گئے ہیں"۔

ان گرم جوش حضرات میں خود رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے جو معرکہ پدر میں اپنی توارکا جو ہر دکھلا چکے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی، میں کوئی غذانہ مکھوں گا۔ یہاں تک کہ مدینے سے باہر اپنی توارکے ذریعے ان سے دودو ہاتھ کر لوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری

فیصلہ یہی ہوا کہ مدینے سے باہر نکل کر محلے میدان میں مرکزِ آرائی کی جاتے۔

## اسلامی لشکر کی ترتیب اور میدانِ جنگ کیلئے روانگی

جمدہ کی نماز پڑھائی تو وعظ و نصیحت کی، جدو جہد کی ترغیب دی اور بتلایا کہ صبر اور ثابت قدمی ہی سے غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ دشمن سے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ سن کر لوگوں میں خوشی کی ہردوڑگئی۔

اس کے بعد جب آپ نے عصر کی نماز پڑھی تو اس وقت تک لوگ جمع ہو چکے تھے جو اسی کے باشندے بھی آپ چکے تھے۔ نماز کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے۔ ساتھ میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے آپ کے سر پر عمامة باندھا اور بیاس پہنایا آپ نے نیچے اور پر دو زر ہیں پہنیں، توارِ حائل کی اور ہتھیار سے آراستہ ہو کر لوگوں کے سامنے تشریف لائے۔ لوگ آپ کی آمد کے منتظر تو تھے ہی لیکن اس دوران حضرت سعد بن معاذ اور رأسید بن حنیف رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان میں نکلنے پر زبردستی آمادہ کیا ہے لہذا معاملہ آپ ہی کے حوالے کر دیجئے۔ یہ سن کر سب لوگوں نے مدامتِ محکوم کی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں آپ کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ آپ کو جو پسند ہو دی ہی کیجئے۔ اگر آپ کو یہ پسند ہے کہ مدینے میں رہیں تو آپ ایسا ہی کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبی جب اپنا ہتھیار پہن لے تو مناسب نہیں کہ اُسے اتارے تا انکہ اللہ اس کے درمیان اور اُس کے دشمن کے درمیان قیصلہ فرمادے۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔

- ۱۔ چہا جریں کا دستہ: اس کا پرچم حضرت مُصطفیٰ بن عُمیر عبدِ ربی رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔
  - ۲۔ قبیلۃ اُوس (النصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت اُسید بن حنیف رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
  - ۳۔ قبیلۃ خزر (النصار) کا دستہ: اس کا علم جاب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
- پورا لشکر ایک ہزار مردان جنگی پر مشتمل تھا جن میں ایک سو زرد پوش اور پچاس شہسوار

تھے لیکے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہسوار کوئی بھی نہ تھا۔

حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ مدینے کے اندر رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ اس کے بعد کوچ کا اعلان فرمادیا اور شکر نے شمال کا رُخ کیا۔ حضرت سعد بن معاوہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما ذرہ پہنچنے نبی ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔

**شَيْرِيْتُ الْوَدَاعَ** سے آگے بڑھے تو ایک دستہ نظر آیا جو نہایت عمدہ ہتھیار پہنچتے ہوئے تھا اور پورے شکر سے الگ تھا۔ آپ نے دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ خرزج کے حلیف یہود ہیں جو مشرکین کے خلاف شریک جنگ ہونا چاہتے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟ لوگوں نے کہا، نہیں۔ اس پر آپ نے اہل شرک کے خلاف اہل کفر کی مدد پہنچ سے انکار کر دیا۔

**اشکر کا معاملہ** پھر آپ نے ”شیخان“ نامی ایک مقام تک پہنچ کر شکر کا معاملہ فرمایا۔ جو لوگ چھوٹے یا ناقابل جنگ نظر آتے انہیں واپس کر دیا۔ اُن کے نام یہ ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر، اُسامہ بن زید، ایسید بن طہییر، زید بن ثابت، زید بن ارقم، عرابہ بن اوس، عُمرُو بن حزم، ابو سعید خدری، زید بن حارثہ النصاری اور سعد بن جبہ رضی اللہ عنہم۔ اسی فہرست میں حضرت برادر بن عاذب رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے لیکن صحیح بخاری میں ان کی جو روایت مذکور ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اُحد کے موقع پر لڑائی میں شریک تھے البتہ صبغہ سنتی کے باوجود حضرت رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما کو جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بڑے ماہر تر امداد از تھے اس لیے انہیں اجازت مل گئی۔ جب انہیں اجازت مل گئی تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو رافع سے زیادہ طاقتور ہوں؛ میں اسے پچھاڑ

لگے یہ بات ابن قیم نے زاد المعاوہ ۹۲/۲ میں بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ فاس غلطی ہے موسیٰ بن عقبہ نے جرم کے ساتھ کہا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ اُحد میں سرے سے کوئی گھوڑا احتاہی نہیں۔ واقعہ کا بیان ہے کہ صرف دو گھوڑے تھے، ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ اور ایک ابو بُردہ رضی اللہ عنہ کے پاس رفتح ایاری، ۲۵/۱)

۹ یہ واقعہ ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ بتوہینہ اع کے یہود تھے۔ (۲۶/۲) لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بتوہینہ اع کو جنگ پر کے کچھ ہی وقتوں بعد جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

سکتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے اپنے سامنے دونوں کے شتی لڑواں اور واقعۃ سرہ نے رافع کو پھاڑ دیا۔ لہذا انہیں بھی اجازت مل گئی۔

**اُحدا اور مدینے کے درمیان شب گذاری** | یہیں شام ہو چکی تھی۔ لہذا آپ نے یہیں مغرب اور پھر عشاء کی نماز پڑھی اور یہیں رات بھی گذارنے کا فیصلہ کیا۔ پھرے کے لیے پچاس صحابہ منتخب فرمائے جو کمپ کے گرد پیش گشت لگاتے رہتے تھے۔ ان کے قائد محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف کو مٹھانے لگانے والی جماعت کی قیادت فرمائی تھی۔ ذکر اُبی عبد اللہ بن قبیس خاص بنی ﷺ کے پاس پہرہ دے رہے تھے۔

**عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی کشمی** | طلوع فجر سے کچھ پہلے آپ پھر چل پڑے اور مقام "شووط پہنچ" کر فخر کی نماز پڑھی۔ اب آپ دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یہیں پہنچ کر عبد اللہ بن اُبی منافق نے بغاوت کر دی اور کوئی ایک تھائی لشکر یعنی میں سو افراد کو لے کر یہ کہتا ہوا اپس چلا گیا کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں خواہ مخواہ اپنی جان دیں۔ اس نے اس بات پر بھی احتجاج کا منظاہرہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی اور دوسروں کی بات مان لی۔

یقیناً اس علیحدگی کا سبب وہ نہیں تھا جو اس منافق نے ظاہر کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی، کیونکہ اس صورت میں جیشِ تبویٰ کے ساتھیوں تک اس کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے لشکر کی رو انگلی کے پہلے ہی قدم پر الگ ہو جانا چاہیئے تھا۔ اس لیے حقیقت وہ نہیں جو اس نے ظاہر کی تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نازک موڑ پر الگ ہو کر اسلامی لشکر میں ایسے وقت اضطراب اور کھلبی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نفل و حرکت دیکھ رہا ہوا تاکہ ایک طرف تو عام فوجی نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور دوسری طرف اس تنفس کو دیکھ کر دشمن کی ہمت بندھے اور اس کے حوصلے بند ہوں۔ لہذا یہ کارروائی نبی ﷺ اور ان کے مخلص ساتھیوں کے خاتمے کی یا یک مؤثر تدبیر تھی جس کے بعد اس منافق کو توقع تھی کہ اس کی اور اس کے رفقاء کی سرداری و سربراہی

کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔

قریب تھا کہ یہ منافق اپنے بعض مقاصد کی برآری میں کامیاب ہو جاتا، یعنی نکہ مزید دو جماعتوں یعنی قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑ پکھے تھے اور وہ واپسی کی سوچ رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستیگیری کی اور یہ دونوں جماعتوں اضطراب اور ارادہ واپسی کے بعد جنم گئیں۔ انہیں کے تعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

**إِذْ هَكَّتُ طَالِبَتِنِي مِنْكُمْ أَنْ تَفْشِلَاً وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا مَا وَعَى**  
اللَّهُ فَلِيَكُلُّ الْمُؤْمِنُونَ ○ (۱۲۲:۲)

”جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ بُزدی اختریار کریں، اور اللہ ان کا ولی ہے، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

بہرحال منافقین نے واپسی کا فیصلہ کیا تو اس نازک ترین موقعے پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کا فرض یاد دلانا چاہا۔ چنانچہ موصوف انہیں ڈانٹتے ہوئے واپسی کی ترغیب دیتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلے کر آؤ۔ اللہ کی راہ میں رو یا دفاع کرو۔ مگر انہوں نے جواب میں کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ لوگ لڑائی کریں گے تو ہم واپس نہ ہوتے۔ یہ جواب سن کر حضرت عبد اللہ بن حرام یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ او اللہ کے دشمنوں اتم پر اللہ کی مار۔ یاد رکھو! اللہ اپنے نبی کو تم سے ستفنی کر دے گا۔ ان ہی منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

**وَلَيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا هُنَّ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعوا**  
**فَالَّذِي لَوْ نَعْلَمَ قِتالًا لَا يَأْتِي عَنْكُمْ هُنْ لِلْكُفُرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ**  
**يَقُولُونَ يَا فَوَاهِسُ مَا لِكُمْ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُبُونَ ○ (۱۶۴:۲)**

”اور تاکہ اللہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی، اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو یا دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑائی جانتے تو یقیناً تھا ری پیروی کرتے یہ لوگ آج ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں۔ مذہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہے اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اُسے جانتا ہے۔“

**بِقِيهِ اسلامِ لشکرِ دامِنِ اُحدِ میں |** اس بغاواد و واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے باقیاندہ لشکر کو لے کر جس کی تعدادوں سو

نہیں، دشمن کی طرف قدم بڑھایا۔ دشمن کا پڑاؤ آپ کے درمیان اور احمد کے درمیان کتنی سخت سے حائل تھا۔ اس لیے آپ نے دریافت کیا کہ کوئی آدمی ہے جو ہمیں دشمن کے پاس سے گزرے بغیر کسی قرہبی راستے سے لے چلے۔

اس کے جواب میں ابو حیثمؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ پھر انہوں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا جو مشرکین کے شکر کو مغرب کی سمت پھوڑتا ہوا بُنیٰ حارثہ کے حربہ اور کھیتوں سے گزرتا تھا۔

اس راستے سے جاتے ہوئے شکر کا گذر مرلح بن قنفیلی کے باغ سے ہوا۔ یہ شخص مناقب بھی تھا اور نابینا بھی۔ اس نے شکر کی آمد محسوس کی تو مسلمانوں کے چہروں پر دھول پھینکنے لگا اور کہنے لگا کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو یاد رکھیں کہ آپ کو میرے باغ میں آنے کی اجازت نہیں۔ لوگ اسے قتل کرنے کو پکے لیکن آپ نے فرمایا: اسے قتل نہ کرو۔ یہ دل اور آنکھوں کا اندر ہا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر وادی کے آخری سرے پر واقع احمد پہاڑ کی گھاٹ میں نزول فرمایا اور وہیں اپنے شکر کا کیسپ لگوایا۔ سامنے مدینہ تھا اور پیچے احمد کا بلند والالا پہاڑ اس طرح دشمن کا شکر مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حدفاصل بن گیا۔

وفاعی منصوبہ | یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے شکر کی ترتیب و تنظیم فائم کی اور جگن نقطہ نظر سے اسے کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب کیا جو پچاس مردانِ جنگی پر مشتمل تھا۔ ان کی کمان حضرت عبد اللہ بن جبیر بن نعیان انصاری دوسری بدری رضی اللہ عنہ کو سپرد کی اور انہیں وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک پھوٹی سی پہاڑی پر جو اسلامی شکر کے کیسپ سے کوئی ڈریٹھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے اور اب جبل رماۃ کے نام سے مشہور ہے، تعینات فرمایا۔ اس کا مقصد ان کلمات سے واضح ہے جو آپ نے ان تیراندازوں کو ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ آپ نے ان کے کمانڈر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "شہسواروں کو تیروار کر کر ہم سے دُور رکھو۔ وہ پیچھے سے ہم پر پڑھنا آئیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ رہنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پڑے۔" پھر آپ نے تیراندازوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کونہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ لکھ اور صحیح بخاری کے الفاظ کے مطابق آپ نے یوں فرمایا: "اگر تم لوگ دیکھو کہ ہمیں پندے اچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ چھوٹنا یہاں تک کہ میں بلا بھجوں؛ اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے، تو بھی اپنی جگہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھجوں ۱۷

ان سخت ترین فوجی احکامات و بدایات کے ساتھ اس دستے کو اس پہاڑی پر مقیم فرما کر رسول اللہ ﷺ نے وہ واحد شگاف بند فرمادیا جس سے نفوذ کر کے مشرکین کا رسالہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پہنچ سکتا تھا اور ان کو محاصرے اور زخمی میں لے لکتا تھا۔

باقی شکر کی ترتیب یہ تھی کہ مئینہ پر حضرت مُنْذِر بن عَمْرُو مقرر ہوئے اور میسرہ پر حضرت زبیر بن عوام۔ اور ان کا معاون حضرت مقداد بن اسود کو بنایا گیا۔ — حضرت زبیر کو یہ ہم بھی سونپی گئی تھی کہ وہ خالد بن ولید کے شہسواروں کی راہ رو کے رکھیں۔ اس ترتیب کے علاوہ صفت کے اگلے حصے میں ایسے ممتاز اور منتخب بہادر مسلمان رکھے گئے جن کی جانبازی و دلیری کا شہرو تھا اور جنہیں ہزاروں کے برابر مانا جاتا تھا۔

یمن مخصوصہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا جس سے نبی ﷺ کی فوجی قیادت کی عبقریت کا پتا چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کم مذکرونه کیسا ہی بایات کیوں نہ ہو آپ سے زیادہ باریک اور با حکمت منصوبہ تیار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ باوجود یہ کہ دشمن کے بعد یہاں تشریف لائے تھے لیکن آپ نے اپنے شکر کے لیے وہ مقام منتخب فرمایا جو جنگی نقطہ نظر سے میدان جنگ کا سب سے بہترین مقام تھا؛ یعنی آپ نے پہاڑ کی بلندیوں کی اوپر لے کر اپنی پُشت اور دایاں بازوں محفوظ کر لیا اور با میں بازو پر دوران جنگ جس واحد شگاف سے حملہ کر کے پُشت تک پہنچا جا سکتا تھا اسے تیراندازوں کے ذریعے بند کر دیا اور پڑاؤ کے لیے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدا نخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھاگنے اور تعاقب کنندہ گان کی قید میں جانے کے بجلتے کیمپ میں پناہ لی جاسکے اور اگر دشمن کیمپ پر قبضے کے

یہ پیش قدمی کرے تو اسے نہایت سگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ اس کے بعد آپ نے دشمن کو اپنے کمپ کے لیے ایک ایسا شیعی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ غائب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے اور اگر مسلمان غائب آجائیں تو تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اسی طرح آپ نے ممتاز بہادروں کی ایک جماعت منتخب کر کے فوجی تعداد کی کمی پوری کر دی۔ یہ تھی نبی ﷺ کے شکر کی ترتیب و تنظیم جو، شوال ستمہ یوم سینچر کی صبح عمل میں آتی۔

### رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشکر میں شجاعت کی روح پھونکتے ہیں | اس کے بعد

رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جب تک آپ حکم نہ دیں جنگ شروع نہ کی جائے۔ آپ نے نیچے اور پر دوزر ہیں پہن رکھی تھیں۔ اب آپ نے صحابہ کرام کو جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے تاکہ فرمائی کہ جب دشمن سے مکرا و ہوتا پامردی اور ثابت قدمی سے کام لیں۔ آپ نے ان میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک نہایت تیز تواریخے نیام کی اور فرمایا کون ہے جو اس تواریخے کے کراس کا حق ادا کرے؟ اس پر کئی صحابہ تواریخے کے لیے پاک پڑے جن ہیں علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام اور عمر بن خطاب بھی تھے، لیکن ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اس سے دشمن کے چہرے کو اڑو یہاں تک کہ یہ ٹیڑا ہی ہو جائے۔ انہوں نے کہا، "یا رسول اللہ! میں اس تواریخے کے اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔" آپ نے تواریخے دے دی۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بڑے جانباز تھے۔ لڑائی کے وقت اکٹھ کر چلتے تھے۔ ان کے پاس ایک سرخ پٹی تھی۔ جب اُسے باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے کہ وہ اب موت تک رکھتے رہیں گے۔ چنانچہ جب انہوں نے تواریخے تو سر پر پٹی بھی باندھ لی اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکٹھ کر چلنے لگے۔ یہی موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، لیکن اس جیسے موقع پر نہیں۔

### مکی اشکر کی تنظیم | مشرکین نے بھی صفت بندی ہی کے اصول پر اپنے اشکر کو مرتب اور منظم کیا تھا۔ ان کا سپہ سالار ابوسفیان تھا جس نے قلب اشکر

میں اپنا مرکز بنایا تھا۔ مئیہ نہ پر خالد بن ولید تھے جو ابھی تک مشکل تھے۔ میسروہ پر عکرہ بن ابی جہل تھا۔ پسیل فوج کی کمان صفوان بن امیر کے پاس تھی اور تیر اندازوں پر عبد اللہ بن ربیعہ مقرر ہوتے۔

جھنڈا بن عبد الدار کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں تھا۔ یہ منصب انہیں اسی وقت سے حاصل تھا جب بنو عبد مناف نے قصیٰ سے وراشت میں پائے ہوئے مناصب کو باہم تقسیم کیا تھا۔ جس کی تفصیل ابتدائی کتاب میں گذر چکی ہے۔ پھر باپ دادا سے جو دستور چلا آ رہا تھا اس کے سیشِ نظر کوئی شخص اس منصب کے بارے میں ان سے زراع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن سپہ سالار ابوسفیان نے انہیں یاد دلا کیا کہ جنگ بدرا میں ان کا پرچم بردار نظر، ان حارث گرفتار ہوا تو قریش کو کتنی حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اور اس بات کو یاد دلانے کے ساتھ ہی ان کا غصہ بھڑکانے کے لیے کہا: ”اے بنی عبد الدار! بدرا کے روز آپ لوگوں نے ہمارا جھنڈا لے رکھا تھا تو ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا وہ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ درحقیقت فوج پر جھنڈے ہی کی جانب سے زد پڑتی ہے۔ جب جھنڈا اگر پڑتا ہے تو فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ پس اب کی بار آپ لوگ یا تو ہمارا جھنڈا اٹھیک طور سے سینھالیں یا ہمارے اور جھنڈے کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ ہم اس کا انتظام خود کر لیں گے۔ اس گفتگو سے ابوسفیان کا جو مقصد تھا اس میں وہ کامیاب رہا۔ کیونکہ اس کی بات سُن کر بنی عبد الدار کو سخت تاؤ آیا۔ انہوں نے دھکیاں دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس پر پل پڑیں گے۔ کہنے لگے ہم اپنا جھنڈا تمہیں دیں گے؟ کل جب ٹکر ہوگی تو دیکھ لینا ہم کیا کرتے ہیں۔ اور واقعی جب جنگ شروع ہوئی تو وہ نہایت پامردی کے ساتھ جھے رہے یہاں تک کہ ان کا ایک ایک آدمی لقمه اجل بن گیا۔

## قریش کی سیاسی چال بازی | آغاز جنگ سے پہلے قریش نے مسلمانوں کی صفت میں بچھوٹ ڈالنے اور زراع پسیدا کرنے کی کوشش

ک۔ اس مقصد کے لیے ابوسفیان نے انصار کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ لوگ ہمارے اور ہمارے پچھرے بھائی محمد ﷺ کے نیچے سے ہٹ جائیں تو ہمارا رُخ بھی آپ کی طرف نہ ہوگا، کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن جس ایمان کے آگے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے اس کے آگے یہ چال کیونکر کامیاب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انصار نے اسے نہایت سخت

جواب دیا اور کڑوی کبیل سنائی۔

پھر وقت صفر قریب آگیا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں تو قریش نے اس مقصد کے لیے ایک اور کوشش کی، یعنی ان کا ایک خیانت کوش آلہ کارا ابو عامر فاسق مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوا۔ اس شخص کا نام عبد عمر و بن صیفی تھا اور اسے راہب کہا جاتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھ دیا۔ یہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا لیکن جب اسلام کی آمد آمد ہوئی تو اسلام اس کے لگے کی پھانس بن گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کھل کر عداوت پر آتا آیا۔ چنانچہ وہ مدینہ سے نکل کر قریش کے پاس پہنچا۔ اور انہیں آپ کے خلاف بھڑکا بھڑکا کر آمادہ ہجگ کیا اور یقین دلایا کہ میری قوم کے لوگ مجھے دیکھیں گے تو میری بات مان کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ پہلا شخص تھا جو میدانِ احمد میں احاطہ اور اہل مکہ کے غلاموں کے ہمراہ مسلمانوں کے سامنے آیا اور اپنی قوم کو پکار کر اپنا تعارف کرتے ہوئے کہا تو قبیلہ اوس کے لوگوں میں ابو عامر ہوں۔ ان لوگوں نے کہا، اوفاسق! اللہ تیری آنکھ کو خوشی نصیب نہ کرے۔ اس نے یہ جواب سناتو کہا، اوہو! میری قوم میرے بعد شر سے دوچار ہو گئی ہے۔ زپھر جب رطائی شروع ہوئی تو اس شخص نے بڑی پُرُز و رجگ کی اور مسلمانوں پر جم کر پھر بر سارے۔)

اس طرح قریش کی جانب سے اہل ایمان کی صفوں میں تفرقہ ڈالنے کی دوسری کوشش بھی ناکام رہی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تعداد کی کثرت اور ساز و سامان کی فراوانی کے باوجود مشکلہ کے دلوں پر مسلمانوں کا کس قدر خوف اور ان کی کیسی ہیبت طاری تھی۔

**جوش و ہمت دلانے کے لیے قریشی عورتوں کی تگ و تاز** | ادھر قریشی عورتیں بھی جنگ میں اپنا حصہ ادا کرنے لگیں۔ ان کی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کر رہی تھی۔ ان عورتوں نے صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لوگوں کو جوش دلایا۔ رطائی کے لیے بھڑکایا، جاتبازوں کو غیرت دلائی، اور نیزہ بازی و شمشیر زنی، مار دھارا اور تیر انگلنی کے لیے جذبات کو بر انگیختہ کیا۔ کبھی وہ علمبرداروں کو مخاطب کر کے یوں کہتیں،

ویها بخی عبد الدار ویها حُمَّة الادبار ضربا بکل بtar دیکھو! بنی عبد الدار! دیکھو! پشت کے پاسدار خوب کرو شیر کا وار

اور کبھی اپنی قوم کو رضاۓ کا جوش دلاتے ہوئے یوں کہتیں :

إِنْ تُقْتَلُوا نُعَانِقُ وَنَفَرُشُ التَّارِقُ أَوْتُدِبُرُوا نُفَارِقُ فِرَاقَ غَيْرَ وَامِقْ  
اگر پیش قدی کرو گے تو ہم گلے لگائیں گی۔ اور تعالیٰ نیں پچھائیں گی۔ اور اگر پیچے ہٹو گے تو روٹھ جائیں  
گی اور الگ ہو جائیں گی۔

**جنگ کا پہلا ایندھن** | اس کے بعد دونوں فرقے بالکل آمنے سامنے اور قریب  
آنگئے اور رضاۓ کا حصار شروع ہو گیا۔ جنگ کا پہلا  
ایندھن مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ عبد ری بن۔ یہ شخص قریش کا نہایت بہادر شہسوار تھا۔  
اسے مسلمان کبش الکتبیہ (شکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پرسوار ہو کر نکلا اور مبارزت کی  
دعوت دی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت کے سبب عام صحابہ مقابلے سے کترانگے لیکن حضرت  
زبیر اگے بڑھے اور ایک لمحہ کی مہلت دیتے بیزیر شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے۔  
پھر اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کوڈ گئے اور تلوار سے ذبح کر دیا۔

نبی ﷺ نے یہ ولہ انگریز منظاد کیحا تو فرط مررت سے فرہم تکمیر بلند کیا مسلمانوں نے  
بھی نعرہ تکمیر لگایا پھر آپ نے حضرت زبیرؓ کی تعریف کی اور فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے  
اور میرے حواری زبیر ہیں یہ

**معرکہ کا مرکزِ قتل اور علمبرداروں کا صفا** | اس کے بعد ہر طرف جنگ کے  
میدان میں پُر زور مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ مشرکین کا پرچم معرکے کا مرکزِ قتل تھا۔ بنو عبد الدار نے  
اپنے کمانڈر طلحہ بن ابی طلحہ کے قتل کے بعد یکے بعد دیگرے پرچم سنبھالا لیکن سب کے سب  
مارے گئے۔ سب سے پہلے طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا،  
ان عَلَى اهْلِ الْمَوَاءِ حَقًا ان تَخْضُبَ الصَّعْدَةَ أَوْتَدْقَا

”پرچم والوں کا فرض ہے کہ نیزہ رخون سے) زنگین ہو جائے یا ٹوٹ جائے“

اس شخص پر حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور اس کے کندھے پر  
الیسی تلوار ماری کہ وہ ہاتھ سیست کندھے کو کاٹتی اور جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی یہاں تک

کہ اس کا ذکر صاحب سیرت جلدی نے کیا ہے۔ ورنہ احادیث میں یہ جملہ دوسرے موقعے پر مذکور ہے۔

کر پھیپھڑا دکھاتی دینے لگا۔

اس کے بعد ابو سعد بن ابی طلحہ نے جہنڈا اٹھایا۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وفاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلا�ا اور وہ ٹھیک اس کے گلے پر لگا جس سے اس کی زبان باہر نکل آئی اور وہ اسی وقت مر گیا۔ لیکن بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ابو سعد نے باہر نکل کر دعوت مبارزت دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کا ایک واکیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو سعد کو ماریا۔

اس کے بعد مسافعین طلحہ بن ابی طلحہ نے جہنڈا اٹھایا لیکن اسے عاصم بن ثابت بن ابی انس الجعفر رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جہنڈا اٹھایا مگر اس پر حضرت ریبر بن عوام رضی اللہ عنہ ٹوٹ پڑے اور لاٹ بھر دکر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ان دونوں کے بھائی جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جہنڈا اٹھایا مگر اسے طلحہ بن حبید اللہ رضی اللہ عنہ نے نیزہ مار کر ختم کر دیا؛ اور کہا جاتا ہے کہ عاصم بن ثابت بن ابی انس الجعفر رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر ختم کیا۔ یہ ایک ہی گھر کے چھوٹے افراد تھے۔ یعنی سب کے سب ابو طلحہ عبد اللہ بن عثمان بن عبد الدار کے بیٹے یا پوتے تھے جو مشرکین کے جہنڈے کی خناکی کرتے ہوئے مارے گئے۔ اس کے بعد قبیلہ بنی عبد الدار کے ایک اور شخص اُزٹاۃ بن شُرُبُیل نے پرچم سنپھالا، لیکن اُسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد شریح بن فارظ نے جہنڈا اٹھایا مگر اسے فرمان نے قتل کر دیا۔ فرمان منافق تھا اور اسلام کے بھائے قیائل محیت کے جوش میں مسلمانوں کے ہمراہ لٹتے آیا تھا۔ شریح کے بعد ابو زید عمر و بن عبد مناف عبد ری نے جہنڈا سنپھالا مگر اسے بھی فرمان نے ملکاتے لگا دیا۔ پھر شُرُبُیل بن ہاشم عبد ری کے ایک رٹ کے نے جہنڈا اٹھایا مگر وہ بھی فرمان کے باخ Hos مارا گیا۔

یہ بنی عبد الدار کے دس افراد ہوئے جنہوں نے مشرکین کا جہنڈا اٹھایا اور سب کے سب مارے گئے۔ اس کے بعد اس قبیلے کا کوئی آدمی باقی نہ بچا جو جہنڈا اٹھاتا۔ لیکن اس موقع پر ان کے ایک صیحتی غلام نے — جس کا نام صواب تھا — پک کر جہنڈا اٹھایا اور ایسی بہادری اور پامردی سے لڑا کر اپنے سے پہلے جہنڈا اٹھانے والے اپنے آفاؤں سے بھی بازی

لے گیا یعنی یہ شخص مسلسل روتارا یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھی کیے بعد دیگرے کاٹ دینے گئے لیکن اس کے بعد بھی اس نے جھنڈا اگنے نہ دیا بلکہ گھنٹے کے بیل بیٹھ کر سینے اور گردن کی مدد سے کھڑا کئے رکھا یہاں تک کہ جان سے مار ڈالا گیا اور اس وقت بھی یہ کہہ رہا تھا کہ یا اللہ اب تو میں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی؟

اس غلام (صواب) کے قتل کے بعد جھنڈا زمین پر گر گیا اور اسے کوئی اٹھانے والا باقی نہ بچا اس سے وہ گراہی رہا۔

**باقیہ حضول میں جنگ کی تیفیت** | ایک طرف مشرکین کا جھنڈا امر کے کام کرنا  
ثقل تھا تو دوسری طرف میدان کے باقیہ حضول میں بھی شدید جنگ جاری تھی۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی روح چھاتی ہوئی تھی اس سے وہ شرک و کفر کے شکر پر اس سیلا ب کی طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے جس کے سامنے کوئی بندھہر نہیں پاتا۔ مسلمان اس موقعے پر امت امت کہہ رہے تھے؛ اور اس جنگ میں یہی ان کا شعار تھا۔

ادھر ابو دجائزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سرخ پٹی باندھے رسول اللہ ﷺ کی تواریخ میں اور اس کے حق کی ادائیگی کا عزم مصمم کئے پیش قدمی کی اور لڑتے ہوئے دُور تک جا گئے۔ وہ جس کسی مشرک سے مکمل ترے اس کا صفا یا کرو دیتے۔ انہوں نے مشرکین کی صفوں کی صفتیں اُٹ دیں۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے تواریخ میں اور آپ نے مجھے نہ دی تو میرے دل پر اس کا اثر ہوا اور میں نے اپنے بھی میں سوچا کہ میں آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ کا بیٹا ہوں، فریشی ہوں اور میں نے آپ کے پاس جا کر ابو دجائزہ سے پہنچتے تواریخ میں لیکن آپ نے مجھے نہ دی، اور انہیں دے دی اس سے واللہ! میں دیکھوں گا کہ وہ اس سے کیا کام لیتے ہیں؟ چنانچہ میں ان کے پیچے لگ گیا۔ انہوں نے یہ کیا کہ پہلے اپنی سرخ پٹی نکالی اور سر پر باندھی۔ اس پر انصار نے کہا کہ ابو دجائزہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے میدان کی طرف بڑھے۔

اَنَا الَّذِي عاهَدْنِي خَلِيلٍ وَخَنَ بالسْفَحِ لِذِي الْخِيلِ

اَنْ لَا اَقُومُ الدَّهْرَ فِي الْكَبُولِ اَضْرِبْ بِسَيْفِ اللَّهِ وَالرَّسُولِ

”میں نے اس نخستان کے دامن میں اپنے خلیل ﷺ سے عہد کیا ہے کہ کبھی صفوں کے پیچے نہ رہوں گا زمکن آگے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کی تلوار چلاوں گا۔“

اس کے بعد انہیں جو بھی مل جاتا اُسے قتل کر دیتے۔ ادھر مشرکین میں ایک شخص تھا جو ہمارے کسی بھی زخمی کو پا جاتا تو اس کا خاتمہ کر دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے اللہ سے دعائی کہ دونوں میں مکر ہو جائے اور واقعۃ مکر ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک ایک وار کیا۔ پہلے مشرق نے ابو دجانہ پر تلوار چلائی لیکن ابو دجانہ نے یہ حملہ ڈھال پر روک لیا اور مشرق کی تلوار ڈھال میں ٹھپنس کر رہ گئی۔ اس کے بعد ابو دجانہ نے تلوار چلائی اور مشرق کو دہیں ڈھیر کر دیا۔

اس کے بعد ابو دجانہ صفوں پر صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ قرشی عورتوں کی کمائڈتک جا پہنچے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ عورت ہے۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا وہ لوگوں کو بڑے زور و شور سے جوش دو لہ دلار ہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کو نشانے پر لے لیا۔ لیکن جب تلوار سے حملہ کرنا چاہا تو اس نے ہتھ پکار مچائی اور پتا چلا کہ عورت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو بٹھنے لگتے دیا کہ اس سے کسی عورت کو ماروں۔

یہ عورت ہند بنت عتبہ تھی۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو دجانہ کو دیکھا انہوں نے ہند بنت عتبہ کے سر کے بیچوں بیچ تلوار بلند کی اور پھر ہٹا لی۔ میں نے سوچا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اللہ

ادھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی بپھرے ہوئے شیر کی طرح جنگ لڑ رہے تھے اور بیٹے نظیر اور ہاڑ کے ساتھ قلب لشکر کی طرف بڑھے اور چڑھے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے سے بڑے بڑے بہادر اس طرح بکھر جاتے تھے جیسے تیز آندھی میں پتے اڑ رہے ہوں۔ انہوں نے مشرکین کے علیبداروں کی تسبیہ میں نمایاں روں ادا کرنے کے علاوہ ان کے بڑے بڑے جانبازوں اور بہادروں کا بھی حال خراب کر رکھا تھا۔ لیکن صدحیف کہ اسی عالم میں ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ مگر انہیں بہادروں کی طرح رو و روا کر شہید نہیں کیا گیا بلکہ بزرگوں

کی طرح چھپ پھپا کر بے خبری کے عالم میں مارا گیا۔

## شیر غدا حضرت حمزہ کی شہادت

حضرت حمزہؑ کے قاتل کا نام وحشی بن حرب تھا۔ ہم ان کی شہادت کا واقعہ اسی کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ میں جعیر بن مطعم کا علام تھا اور ان کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ جب فرشش جنگ اُحد پر روانہ ہونے لگے تو جعیر بن مطعم نے مجھ سے کہا، اگر تم محمدؐ کے چچا حمزہؑ کو میرے چھپا کے بدے قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔ وحشی کا بیان ہے کہ راس پیش کش کے نتیجے میں) میں بھی لوگوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں جب شی آدمی تھا اور جیشوں کی طرح نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ نشانہ کم ہی چوکتا تھا۔ جب لوگوں میں جنگ چڑھ گئی تو میں نکل کر حمزہؑ کو دیکھنے لگا۔ میری نکاح میں ان کی تلاش میں تھیں۔ بالآخر میں نے انہیں لوگوں کے ہجوم میں دیکھ دیا۔ وہ خاکستری اونٹ کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ لوگوں کو درہم برہم کرتے جائے تھے۔ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھک نہیں پاتی تھی۔

واللہ! میں ابھی انکے قتل کے ارادے سے تیار ہی ہو رہا تھا اور ایک درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپ کر انہیں قریب آنے کا موقع دینا چاہتا تھا کہ اتنے میں بیان بن عبد العزیزؓ مجھ سے آگے بڑھ کر ان کے پاس جا پہنچا۔ حمزہؑ نے اسے لکھا رہے ہوتے کہا، او با شرمگاہ کی چڑھائی کاٹنے والی کے بیٹے! یہ لے۔ اور ساتھ ہی اس زور کی تلوار ماری کہ گویا اس کا سر تھا ہی نہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا نیزہ تو لا اور جب میری مرضی کے مطابق ہو گیا تو ان کی طرف اچھال دیا۔ نیزہ ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے نیچے سے پار ہو گیا۔ انہوں نے میری طرف اٹھنا چاہا لیکن مغلوب ہو گئے۔ میں نے ان کو اسی حال میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے ان کے پاس جا کر اپنا نیزہ نکال دیا اور شکر میں واپس جا کر بیٹھ گیا۔ رمیرا کام ختم ہو چکا تھا) مجھے ان کے سوا کسی اور سے سروکار نہ تھا۔ میں نے انھیں محض اس لیے قتل کیا تھا کہ آزاد ہو جاؤ۔ چنانچہ جب مکہ آیا تو مجھے آزادی مل گئی۔

<sup>۱۲</sup> ابن ہشام ۲/۶۹۔ صبح بخاری ۲/۸۳۔ ۵۔ وحشی نے جنگ طائف کے بعد اسلام قبول کیا۔ اور اپنے اسی نیزے سے دور صدقی میں جنگ یہاںہ کے اندر سیلہ کذاب کو قتل کیا۔ روایوں کے خلاف جنگ پر مُوك میں بھی شرکت کی۔

## مسلمانوں کی بالا دستی

شیر خدا اور شیر رسول حضرت حمزہؓ کی شہادت کے نتیجے میں مسلمانوں کو جو سلیمان خسارہ اور زنا قابل تلافی نقصان پہنچا اس کے باوجود جنگ میں مسلمانوں ہی کا پلہ بھاری رہا۔ حضرت ابو بکر و عمر، علی و زینہؓ مُضطرب بن عمیر، طلحہ بن عبد اللہ، عبد الدین جحش، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن زینع اور نفرین اُس دعیرہ مرموم رضی اللہ عنہم جمیعن نے ایسی پامردی و چانیازی سے رضاۓ لڑکی کے مشکل کے چکے چھوٹ گئے، حوصلے ٹوٹ گئے، اور ان کی قوت بازو جواب دے گئی۔

## عورت کی آغوش سے تلوار کی دھار پر

اور آئیتے اور ادھر دیکھیں۔  
انہیں جان فروش شہبازوں میں ایک اور بزرگ حضرت حنظلهؓ اسیل رضی اللہ عنہ نظر آ رہے ہیں۔ جو آج ایک نلی شان سے میدان جنگ میں تشریف لائے ہیں — آپ اسی ابو عامر را ہب کے پیٹھے میں جسے بعد میں فاسق کے نام سے شہرت ملی اور جس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کرچکے ہیں۔ حضرت حنظلهؓ نے ایجھی نئی نئی شادی کی تھی۔ جنگ کی مناوی ہوئی تو وہ بیوی سے ہم آغوش تھے۔ آواز سننے ہی آغوش سے نکل کر چہاد کے لیے روای دوال ہو گئے اور جب مشرکین کے ساتھ میدانِ کارزار گرم ہوا تو ان کی صفتیں چپڑتے پھاڑتے ان کے سپہ سالار ابوسفیان تک چاہئے اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر دیتے۔ مگر اللہ نے خود ان کے لیے شہادت مقدر کر رکھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جوں ہی ابوسفیان کو شانے پرے کر تلوار بلند کی شداد بن اوس نے دیکھ دیا اور جب حملہ کر دیا جس سے خود حضرت حنظلهؓ شہید ہو گئے۔

## تیراندازوں کا کارنامہ

جبل رماۃ پر جن تیراندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا تھا انہوں نے بھی جنگ کی زفار مسلمانوں کے موافق چلانے میں بڑا ہم رول ادا کیا۔ مکی شہسواروں نے خالد بن ولید کی قیادت میں اور ابو عامر فاسق کی مدد سے اسلامی فوج کا بایاں بازو توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک پہنچنے اور ان کی صفوں میں کھبلی چاکر بھر پورشگست سے دوچار کرنے کے لیے تین بار پُر زور حملے کئے لیکن مسلمان تیراندازوں نے انہیں اس طرح تیروں سے چھلنی کیا کہ ان کے میتوں ملے ناکام ہو گئے۔

**مرشکین کی شکست** پچھلے دیر تک اسی طرح شدید جنگ ہوتی رہی اور پھر ڈوما سا اسلامی شکر، رفتار جنگ روایتی طریقے مسلط رہا۔ با آغاز مرشکین

کے حوصلے ٹوٹ گئے، ان کی صفائی دایمیں با میں، آگے پیچھے سے بکھر تے لگپس۔ گویا تین ہزار افراد کیں کو سات سو نہیں بلکہ تیس ہزار مسلمانوں کا سامنا ہے۔ ادھر مسلمان تھے کہ ایمان و لیقین اور جانیازی شیععت کی نہایت بلند یا رہ تصور پستے شمشیر و سنان کے چوہر و کھلاڑی ہے تھے۔

جب قریش نے مسلمانوں کے تابڑ توڑ مدد رونے کے لیے اپنی انتہائی طاقت صرف کرنے کے باوجود جُود مجبوری و بے بسی محسوس کی، اور ان کے حوصلے اس حد تک ٹوٹ گئے کہ صواب کے قتل کے بعد کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سلسلہ جنگ چاری رکھنے کے لیے اپنے گرے ہوئے چند شے کے قریب جا کر اسے بلند کرے تو انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا اور فزار کی راہ اختیار کی اور بدلہ و انتقام بحالی عزت و وقار اور واپسی مجد و شرف کی جو با تیس انہوں نے سوچ رکھی تھیں انہیں یکسر بچھول گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ نے مسلمانوں پر اپنی مدد مازل کی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا ہے چنانچہ مسلمانوں نے تواروں سے مشرکین کی ایسی کٹائی کی کہ وہ کمپے بھی پرے بھاگ گئے اور بلاشبہ ان کو شکست فاش ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد نے فرمایا ”واللہ میں نے دیکھا کہ ہند بنت عقبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈ لیاں نظر آ رہی ہیں۔ وہ کپڑے اٹھاتے بھاگی جا رہی ہیں۔ ان کی گرفتاری میں کوئی چیز بھی حائل نہیں تھی۔“ ... اخ

صیحہ بنخاری میں حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب مشرکین سے ہماری ٹکریبی تو مشرکین میں بھگدڑج گئی یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ پنڈ لیوں سے کپڑے اٹھاتے پہاڑ میں تیزی سے بھاگ رہی تھیں۔ ان کی پازبیں دکھائی پڑ رہی تھیں۔ ۱۵

اور اس بھگدڑ کے عالم میں مسلمان مشرکین پر توار چلاتے اور مال سیستھے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

**تبرانڈازوں کی خوفناک غلطی** | یہکن عین اس وقت جبکہ یہ مختصر سا اسلامی شکر اہل تکر کے خلاف تاریخ کے اور اراق پر ایک اور

شاندار فتح ثبت کر رہا تھا جو اپنی تابناک میں جنگ بدر کی فتح سے کسی طرح کم نہ تھی، تیراندازوں کی اکثریت نے ایک خوفناک غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پٹ گیا مسلمانوں کو شدید نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور خود نبی کریم ﷺ شہادت سے بال بال نپکھے، اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی وہ ساکھ اور وہ ہیئت جاتی رہی جو جنگ بدر کے نتیجے میں انہیں حاصل ہوئی تھی۔

پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیراندازوں کو فتح و شکست ہر حال میں اپنے پہاڑی مورچے پر ڈٹے رہئے کی کتنی سخت تاکید فرمائی تھی لیکن ان سارے تاکیدی احکامات کے باوجود جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان دشمن کا مال غنیمت لوٹ رہے ہیں تو ان پر حوت دنیا کا کچھ اثر غائب آگیا؛ چنانچہ بعض نے بعض سے کہا غنیمت.....! غنیمت.....! تمہارے ساتھی جیت گئے.....! اب کا ہے کا انتظار ہے؟

اس آواز کے اٹھتے ہی ان کے کانڈر حضرت عبد اللہ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے احکامات یاد دلاتے اور فرمایا؛ کیا تم لوگ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ لیکن ان کی غالب اکثریت نے اس یاد دہانی پر کان نہ دھرا اور کہنے لگے و خدا کی قسم ہم بھی لوگوں کے پاس ضرور جائیں گے اور کچھ مال غنیمت ضرور حاصل کریں گے لیکن اس کے بعد چاہیس تیراندازوں نے اپنے مورچے چھوڑ دیئے اور مال غنیمت سینٹنے کے لیے عام لشکر میں شامل ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں کی پشت غالی ہو گئی اور وہاں صرف عبد اللہ بن جبیر اور ان کے نواسوں باقی رہ گئے جو اس عزم کے ساتھ اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے کریا تو انہیں اجازت دی جائے گی یادہ اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دیں گے۔

**اسلامی لشکر مشرکین کے زاغے میں** | حضرت خالد بن ولید، جو اس سے پہلے تین بار اس مورچے کو سر کرنے کی

کوشش کر چکے تھے، اس زریں موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت تیزی سے چکر کاٹ کر اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے اور چند لمحوں میں عبد اللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں کا صفائی کر کے مسلمانوں پر پہنچنے سے ٹوٹ پڑے۔ ان کے شہسواروں نے ایک نمرہ بنڈ کیا

جس سے شکست خورده مشرکین کو اس نتیٰ تبدیلی کا علم ہو گی اور وہ بھی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر قبیلہ بنو حارث کی ایک عورت عمرہ بنت علقہ نے پک کر زمین پر پڑا ہوا مشرکین کا جھنڈا اٹھایا۔ پھر کیا تھا، بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمنٹن لگے اور ایک نے دوسرے کو آواز دی، جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور جم کر رہا تی شروع کر دی۔ اب مسلمان آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گھیرے میں آپ کھکھتے۔ گویا اپنی کے دو پاؤں کے نیچے میں پڑ گئے تھے۔

### رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کا پُرخطر فیصلہ اور دلیرانہ اقدام

اس وقت  
رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صرف نو صحابہ کی ذرا جتنی نفری کے ہمراہ پیچھے تشریف فرماتھے اور مسلمانوں کی مارہار اور مشرکین کے کھڈیٹے جانے کا منظروں کیوں رہے تھے کہ آپ کو ایک دم اچانک خالد بن ولید کے شہسوار دکھاتی پڑے۔ اس کے بعد آپ کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو آپ اپنے نور فقار سمیت تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ چلے جاتے اور اپنے شکر کو جو اب زندگی میں آیا ہی چاہتا تھا اس کی قسمت پر چھوڑ دیتے یا اپنی جان خطرے میں ڈال کر اپنے صحابہ کو بلاستے اور ان کی ایک معتمدہ تعداد اپنے پاس جمع کر کے ایک مضبوط محاڈ تشكیل دیتے اور اس کے ذریعے مشرکین کا گھیرا توڑ کر اپنے شکر کے لیے احمد کی مذہبی کی طرف جانے کا استنبات۔ آزمائش کے اس نازک ترین موقع پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ علَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کی عیقریت اور بے نظیر شجاعت نمایاں ہوئی کیونکہ آپ نے جان بچا کر بھاگنے کے بھائے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرام کی جان بچانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ آپ نے خالد بن ولید کے شہسواروں کو دیکھتے ہی نہایت بلند آواز سے صحابہ کرام کو پکارا، اللہ کے بندو... ادھر... حالانکہ آپ جانتے تھے کہ یہ آواز مسلمانوں سے پہلے مشرکین تک پہنچ جائے گی اور یہی ہوا بھی ہے چنانچہ یہ آواز سن کر مشرکین کو معلوم ہو گیا کہ آپ یہیں موجود ہیں۔ لہذا ان کا ایک درستہ مسلمانوں سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا اور باقی شہسواروں

کے صحیح مسلم (۲/۱۰) میں روایت ہے۔ کہ آپ احمد کے روز صرف سات انصار اور دو قرشی صحابہ کے دریچاں رہ گئے تھے۔

اس کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے والرسول یہ دعویٰ فی آخراتم یعنی رسول تمہارے پیچے سے تمہیں بلا رہے تھے

نے تیزی کے ساتھ مسلمانوں کو گھینڑا شروع کر دیا۔ اب ہم دونوں محاذوں کی تفصیلات الگ الگ ذکر کر رہے ہیں۔

## مسلمانوں میں انتشار | جب مسلمان زندگی میں آگئے تو ایک گروہ توہش کھو بیٹھا اُسے صرف اپنی جان کی پڑی تھی چنانچہ اس نے میدان

جنگ چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ پیچھے کیا ہوا ہے؟ ان میں سے کچھ تو بھاگ کر مدینے میں جا گئے اور کچھ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ ایک اور گروہ پیچے کی طرف پڑا تو مشرکین کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔ دونوں شکر گدڑ ہو گئے اور ایک کو دوسرے کا پتانہ چل سکا۔ اس کے نتیجے میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں بعض مسلمان مارڈا لے گئے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے کہ احمد کے روز رپیئے) مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد ابلیس نے آواز لگائی کہ اللہ کے بندوں اپیچے..... اس پر اگلی صفحہ پڑی اور پہلی صفحہ سے گتھ گئی۔ حدیث نے دیکھا کہ ان کے والدین پر حملہ ہو رہا ہے۔ وہ بولے اللہ کے بندوں میرے والد ہیں۔ لیکن خدا کی قسم لوگوں نے ان سے ہاتھ نہ روکا یہاں تک کہ انہیں مار ہی ڈالا۔ حدیث نے کہا، اللہ آپ لوگوں کی مغفرت کرے۔ حضرت عودہ کا بیان ہے کہ بخدا حضرت حدیث میں ہمیشہ خیر کا بقیہ رہا یہاں تک کہ وہ اللہ سے جاتے۔<sup>۱۹</sup>

غرض اس گروہ کی صفوں میں سخت انتشار اور بد نظمی پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے لوگ چیران و سرگردان تھے۔ ان کی سمجھ میں انہیں آرہا تھا کہ کہاڑا جائیں۔ اسی دوران ایک پکارتے دا لے کی پکار سنائی پڑی کہ محمد قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ اکثر لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ بعض نے لٹائی سے ما تھر روک لیا اور درماندہ ہو کر سمجھا رپینک دیتے۔ کچھ اور لوگوں نے سوچا کہ رأس المنافقین عبد اللہ بن اُبی سعید مل کر کہا جائے کہ وہ ابو سعید سے ان کے لیے امان طلب کر دے۔

## چند لمحے بعد ان لوگوں کے پاس سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا۔ دیکھا کر

<sup>۱۹</sup> صحیح بخاری ۱/۱۵۸۱، ۲/۳۵۹، ۳/۴۲، ۳/۴۳۔ بخاری کے علاوہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت دینی چاہی۔ لیکن حضرت حدیث نے کہا، میں نے ان کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی۔ اس کی وجہ سے نبی ﷺ کے نزدیک حضرت حدیث کے خیر میں مزید اضافہ ہو گیا۔ دیکھئے محضرا السیرہ للشیخ عبد اللہ الجدی ص ۲۴۶۔

با تھوڑا تھوڑے پڑے ہیں۔ پوچھا کا ہے کا انتظار ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیتے گئے۔ حضرت انس بن نضر نے کہا، تو اب آپ کے بعد تم لوگ زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ انھوں اور جس چیز پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی اسی پر تم بھی جان دے دو۔ اس کے بعد کہا، اے اللہ! ان لوگوں نے — یعنی مسلمانوں نے — جو کچھ کیا ہے اس پر میں تیرے حضور معززت کرتا ہوں؟ اور ان لوگوں نے — یعنی مشرکین نے — جو کچھ کیا ہے اس سے براوت اختیار کرتا ہوں؟ اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ آگے حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا، ابو عمر! کہاں جا رہے ہو؟ حضرت انس نے جواب دیا، آہا، جنت کی خوشبو کا کیا کہنا۔ اے سعد! میں اسے اُحد کے پرے محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اور آگے بڑھے اور مشرکین سے رشتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خاتمة جنگ کے بعد انہیں پہچانانا ز جاسکا حتیٰ کہ ان کی ہیں نے انہیں محض انگلیوں کے پورے پہچانا۔ ان کو نیزے، تلوار اور تیر کے استیں سے زیادہ زخم آئے تھے۔ ۲

اسی طرح ثابت بن دخداخ نے اپنی قوم کو پکار کر کہا، اگر محمد قتل کر دیتے گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے۔ وہ تو نہیں مر سکتا۔ تم اپنے دین کے لیے رہو۔ اللہ تمہیں فتح و مدد دے گا۔ اس پر انصار کی ایک جماعت انھوں پری اور حضرت ثابت نے ان کی مدد سے خالد کے رسائے پر حملہ کر دیا اور رشتے رشتے حضرت خالد کے ما تھوں نیزے سے شہید ہو گئے۔ انہیں کی طرح ان کے رفقاء نے بھی رشتے رشتے جامِ شہادت نوش کیا۔ ۳

ایک ہبھا جر صحابی ایک انصاری صحابی کے پاس سے گزرے جو خون میں لٹ پت تھے۔ مہا جرنے کہا، بھبھی فلاں: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ محمد قتل کر دیتے گئے۔ انصاری نے کہا، اگر محمد قتل کر دیتے گئے تو وہ اللہ کا دین پہنچا چکے ہیں۔ اب تمہارا کام ہے کہ اس دین کی حفاظت کے لیے رہو۔ ۴

اس طرح کی حوصلہ افزای اور ولوں انگلیز یا توں سے اسلامی فوج کے حوصلے بحال ہو گئے۔ اور ان کے ہوش و حواس اپنی جگہ آگئے۔ چنانچہ اب انہوں نے ہتھیار ڈالنے یا این آئی سے مل کر طلبِ امان کی بات سوچنے کے بجائے ہتھیار اٹھایا۔ اور مشرکین کے تند سیلا بے

محکما کر ان کا گھیرا توڑنے اور مرکزِ قیادت تک راستہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر مخفی جھوٹ اور گھر طفت ہے۔ اس سے ان کی قوت اور بڑھ گئی اور ان کے حوصلوں اور ولولوں میں تازگی آگئی، چنانچہ وہ ایک سخت اور خوزیز جنگ کے بعد گھیرا توڑ کر زخم سے نکلنے اور ایک مضبوط مرکز کے گرد جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اسلامی لشکر کا ایک تیسرا گروہ وہ تھا جسے صرف رسول اللہ ﷺ کی فکر تھی۔ یہ گروہ گھیراؤ کی کارروائی کا عالم ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف پڑا۔ ان میں سرفہرست ابو بکر صدیق، عمر بن الخطاب اور علی بن ابی طالب وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ لوگ مقاتلین کی صفت اوقل میں بھی سب سے آگئے تھے لیکن جب بُنی ﷺ کی ذات گرامی کے لیے خطرہ پیدا ہوا تو آپ کی حفاظت اور دفاع کرنے والوں میں بھی سب سے آگئے آگئے۔

**رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے گرد خوزیز معرکہ** [عین اُس وقت جبکہ اسلامی لشکر زخمی میں آکر مشرکین

کی چکی کے دو پاؤں کے درمیان پس رہا تھا رسول اللہ ﷺ کے گرد اگر دبھی خوزیز معرکہ آرائی جائی تھی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ مشرکین نے گھیراؤ کی کارروائی شروع کی تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مخصوص نوآدمی تھے اور جب آپ نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارا کہ میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں، تو آپ کی آواز مشرکین نے سن لی اور آپ کو پہچان لیا۔ رکیونکہ اس وقت وہ مسلمانوں سے بھی تیادہ آپ کے قریب تھے، چنانچہ انہوں نے جھپٹ کر آپ پر حملہ کر دیا اور کسی مسلمان کی آمد سے پہلے پہلے اپنا پورا بوجہڈاں دیا۔ اس فوری جعلے کے نتیجے میں ان مشرکین اور مہاں پرموجود نو صحابہ کے درمیان نہایت سخت معرکہ آرائی شروع ہو گئی جس میں محبتِ جان سپاری اور شجاعت و جانبازی کے بڑے بڑے نادر و اقدامات پیش آتے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احمد کے روز رسول اللہ ﷺ سات انصار اور دو قریشی صحابہ کے ہمراہ الگ تھلک رہ گئے تھے جب حملہ آور آپ کے بال محل قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: کون ہے جو انہیں ہم سے دفع کرے اور اس

کے یہے جنت ہے؟ یا ریه فرمایا کہ) وہ جنت میں میرارفیق ہو گا؟ اس کے بعد ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد پھر مشرکین آپ کے بالکل قریب آگئے اور پھر ہی ہوا۔ اس طرح باری باری ساتوں انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو باقیماندہ ساتھیوں—معنی قریشیوں — سے فرمایا وہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔<sup>۲۳</sup>

ان ساتوں میں سے آخری صحابی حضرت عمارہ بن یزید بن السکن تھے۔ وہ لڑتے رہے لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گرفتار ہوئے۔<sup>۲۴</sup>

ابن السکن کے گرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ صرف دونوں قریشی صحابی رہ گئے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ابو عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان مردی ہے کہ جن ایام میں آپ نے معرکہ آرا ایاں کیں ان میں سے ایک لڑائی میں آپ کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن ابی وفا (وہاں کے سوا کوئی نہ رہ گیا تھا۔ اور یہ الحمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے یہے نہایت ہی نازک ترین الحمد تھا جبکہ مشرکین کے یہے انتہائی سہری موقع تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے اس موقع سے فائدہ اٹھلنے میں کوئی کوتا ہی نہیں کی۔ انہوں نے اپنا تاریخ توڑھمدہ بنی ﷺ پر مرکوز رکھا اور چاہا کہ آپ کا کام تمام کر دیں۔ اسی حملے میں عتبہ بن ابی وفا نے آپ کو پتھر مارا جس سے آپ پہلو کے بل گر گئے۔ آپ کا داہنا پچلا ریاضی دانت ٹوٹ گا۔ اور آپ کا پچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ عبد اللہ بن شہاب ذہبی نے آگے بڑھ کر آپ کی پیشانی زخمی کر دی۔ ایک اور اڑیل سور عبد اللہ بن قرہ نے پاک کر آپ کے کذھے پر ایسی سخت تکوار

<sup>۲۳</sup> صحیح مسلم باب غزوۃ احد ۱۰۷/۲

<sup>۲۴</sup> ایک لحظہ بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ کرام کی ایک جماعت آگئی۔ انہوں نے کفار کو حضرت عمارہ سے یوچھے دھکیلا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے قریب لے آئے۔ آپ نے انہیں اپنے پاؤں پر ڈیک لیا اور انہوں نے اس حالت میں دم توڑ دیا کہ ان کا رخار رسول اللہ ﷺ کے پاؤں پر تھا رابن ہشام ۸۱/۲) گویا یہ آرزو حقیقت بین گئی کہ سہ نعل جاتے دم تیرے قدموں کے اوپر۔ یہی دل کی حرمت یہی آرزو ہے

<sup>۲۵</sup> صحیح بخاری ۱/۲، ۵۲۸، ۵۸۱/۲

<sup>۲۶</sup> مُنَّہ کے بالکل نیچوں نیچے نیچے اور پر کے دو دو دانت شستا یا کہلاتے ہیں اور ان کے دو ایس بایس، نیچے اور پر کے ایک ایک دانت ریاضی کہلاتے ہیں جو کچلی کے نوکیے دانت سے پہلے ہوتے ہیں۔

ماری کہ آپ ایک ہمینے سے زیادہ عرصے تک اس کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ اب تا آپ کی دوسری زرہ نہ کٹ سکی۔ اس کے بعد اس نے پہلے ہی کی طرح پھر ایک زور دار تلوار ماری۔ جو آنکھ سے نیچے کی اُبھری ہوئی ہڈی پڑ گئی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں پھرے کے اندر دھنس گئیں۔ ساتھ ہی اُس نے کہا اسے لے! میں قسم رتوڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے پھرے سے خون پوچھتے ہوتے فرمایا: "الشَّرْجَحَةُ تُوڑُدَانِي۔" ۲۸

صحیح بخاری میں مردی ہے کہ آپ کا رباعی داشت توڑ دیا گی اور سرزخمی کر دیا گی۔ اس وقت آپ اپنے پھرے سے خون پوچھتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: "وَهُوَ قَوْمٌ كَيْسَهُ كَامِبَابٍ" ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے پھرے کو زخمی کر دیا اور اس کا داشت توڑ دیا حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ اس پر اللہ عز وجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبُ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعِذِّبُهُمْ فَإِنَّمَا هُمْ ظَلَمُونَ ۝

(۱۲۸: ۳)  
"آپ کو کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کروہ ظالم ہیں۔" ۲۹

طبرانی کی روایت ہے کہ آپ نے اس روز فرمایا: "اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبر کا پھرہ خون آکوڈ کر دیا" پھر تھوڑی دیر مگر کر فرمایا:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمٍ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

"اے اللہ میری قوم کو بخشن دے۔ وہ نہیں جانتی۔"

صحیح مسلم کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ بار بار کہہ رہے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمٍ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اے پروردگار! میری قوم کو بخشن دے۔ وہ نہیں جانتی۔"

۲۷ لوہے یا پتھر کی ٹوپی جسے جنگ میں سرا در پھرے کی حفاظت کے لیے اوڑھا جاتا ہے۔

۲۸ اللہ نے آپ کی یہ دعا سن لی: چنانچہ ابن عاصم سے روایت ہے کہ ابن قیم جنگ سے گھروالیں یا نے کے بعد اپنی بکریاں دیکھنے کے لیے نکلا تو یہ بکریاں پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ یہ شخص وہاں پہنچا تو ایک پہاڑی بکر سے نہ حمل کر دیا اور سینگ مار مار کر پہاڑ کی بلندی سے نیچے لاٹھکا دیا۔ رفتح الباری، (۳۴۳/۲)

اوہ طبرانی کی روایت ہے کہ اللہ نے اس پر ایک پہاڑی بکر اس سلط کر دیا جس نے سینگ مار مار کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا رفتح الباری، (۳۴۶/۲) ۲۹ صحیح بخاری ۵۸۲/۲ - صحیح مسلم ۲۰۸/۲

قاضی عیاض کی شفای میں یہ الفاظ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

”اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ وہ نہیں جانتی۔“

اس میں شہپر نہیں کہ مشرکین آپ کا کام تمام کر دینا چاہتے تھے مگر دونوں قریشی صحابہ یعنی حضرت سعد بن ابی و قاص اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما نے نادر الوجود جانبازی اور بے مثال بہادری سے کام لے کر صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنادی۔ یہ دونوں عرب کے ماہر ترین تیرانداز تھے۔ انہوں نے تیر مار کر مشرکین حملہ آوروں کو رسول اللہ ﷺ سے پرے رکھا۔

جہاں تک ملک سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے سارے تیران کے لیے بکھر دیتے اور فرمایا ”چلاو، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یعنی ان کی صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوا کسی اور کے لیے ماں باپ کے فدا ہونے کی بات نہیں کہی۔“

اور جہاں تک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ان کے کارنامے کا اندازہ نمائی کی ایک روایت سے لگایا جا سکتا ہے جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ پر مشرکین کے اس وقت کے حملے کا ذکر کیا ہے جب آپ انصار کی ذرا جتنی نفری کے ہمراہ تشریف فرماتھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو جایا تو آپ نے فرمایا ”کون ہے جوان سے نٹے؟“ حضرت طلحہؓ نے کہا : میں۔ اس کے بعد حضرت جابرؓ نے انصار کے آگے بڑھنے اور ایک ایک کر کے شہید ہونے کی وہ تفصیل ذکر کی ہے جسے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ سب شہید ہو گئے تو حضرت طلحہؓ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کے برابر تنہا لڑائی کی یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انھیاں کٹ گئیں۔ اس پر ان کے منڈ سے آواز نکلی جس (رسی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر تم بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اُٹھا لیتے

اور لوگ دیکھتے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ پھر اللہ نے مشرکین کو پیشادیا۔<sup>۲۵</sup>  
اکپل میں حاکم کی روایت ہے کہ انہیں احمد کے روز اتنا لیس یا پیشیں زخم آئے اور  
ان کی بچلی اور شہادت کی انحلیاں شل ہو گئیں۔<sup>۲۶</sup>

امام بنخاری نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت  
طلحہؓ کا با تحد دیکھا کہ وہ شل تھا۔ اس سے احمد کے دن انہوں نے تبی ﷺ کو بچایا تھا۔<sup>۲۷</sup>  
ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اس روز فرمایا جو  
شخص کسی شہید کو روزے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھو۔<sup>۲۸</sup>  
اور ابو داؤد طیاسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ  
جب جنگ احمد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے کہ یہ جنگ کل کل کل طلحہؓ کے لیے تھی۔<sup>۲۹</sup> یعنی اس میں  
نبی ﷺ کے تحفظ کا اصل کا زمامر انہیں نے انعام دیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کے بارے  
میں یہ بھی کہا:

یا طلحة بن عبید اللہ قد وَجَبَتْ لِكَ الْجَنَانُ وَبِوَاتِ الْمَهَا الْعِيَّ<sup>۳۰</sup>  
اے طلحہ بن عبید اللہ تھا رے لیے جنہیں واجب ہو گئیں۔ اور تم نے اپنے یہاں حور عین  
کا شھکانا بنا لیا۔

اسی نازک ترین لمحے اور مشکل ترین وقت میں اللہ نے غیب سے اپنی مدنازل فرمائی تھیں اپنے  
صحیحین میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو احمد کے روز  
دیکھا آپ کے ساتھ دو آدمی تھے، سفید کپڑے پہننے ہوتے۔ یہ دونوں آپ کی طرف سے انتہائی  
زور دار لڑائی اڑ رہے تھے۔ میں نے اس سے پہنچا اور اس کے بعد ان دونوں کو کبھی نہیں  
دیکھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دونوں حضرت جبریل و حضرت میکائیل تھے۔<sup>۳۱</sup> لے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس صحابہ کے لئے ہونے کی ابتدا<sup>۳۲</sup> یہ سارا حادثہ  
چند لمحات

<sup>۲۵</sup> فتح الباری، ۳۶۱۔ سنن نسائی ۵۲/۲، ۵۲، ۵۳۔

<sup>۲۶</sup> فتح الباری، ۳۶۱/۲۔ <sup>۲۷</sup> صحیح بنخاری ۱/۵۲، ۵۲، ۵۳۔

<sup>۲۸</sup> مشکوٰۃ ۲/۵۶۶، ابن ہشام ۸۶/۲۔ <sup>۲۹</sup> فتح الباری، ۳۶۱/۲۔

تہ مختصر تاریخ دمشق، ۸۲/۱۔ بحوالہ حاشیہ شرح شذور الدہب (ص ۱۱۲)

الله صحیح بنخاری ۲/۵۸۰

کے اندر اندر بالکل اچانک اور نہایت تیز رفتاری سے پیش آگیا۔ ورنہ نبی ﷺ کے منتخب صحابہ کرام جو رطائی کے دوران صفت اول میں تھے، جنگ کی صورت حال بدلتے ہی یا نبی ﷺ کی آواز سُنتے ہی آپ کی طرف بے تحاشا دوڑ کر آئے کہ کہیں آپ کو کوئی ناگوار حادثہ پیش نہ آجائے۔ مگر یہ لوگ پہنچنے تو رسول اللہ ﷺ زخمی ہو چکے تھے، پھر انصاری شہید ہو چکے تھے، ساتویں زخمی ہو کر گرچکے تھے اور حضرت سعدؓ اور حضرت طلحہؓ رضی جان توڑ کر مدافعت کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے پہنچنے ہی اپنے جسموں اور ہتھیاروں سے نبیؐ کے گرد ایک باڑھ تیار کر دی اور دشمن کے تابڑ توڑ جملے روکنے میں انتہائی بہادری سے کام لیا۔ رطائی کی صفت سے آپ کے پاس پٹ کر آئے والے سب سے پہلے صحابی آپ کے پار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

ابن جبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "احد کے دن سارے لوگ نبی ﷺ سے پٹ گئے تھے رینی مخالفین کے سوا تمام صحابہ آپ کی قیام گاہ میں چھوڑ کر رطائی کے لیے اگلی صفوں میں چلے گئے تھے پھر گیراؤ کے حادثے کے بعد) میں پہلا شخص تھا جو نبی ﷺ کے پاس پٹ کر آیا۔ دیکھا تو آپ کے سامنے ایک آدمی تھا جو آپ کی طرف سے لٹر رہا تھا اور آپ کو پھار رہا تھا۔ میں نے رجی ہی جی میں کہا، تم طلحہ ہو تو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ تم طلحہ ہو تو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اتنے میں ابو عبیدہ بن جراح میرے پاس آگئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا راڑ رہی) ہے یہاں تک کہ مجھ سے آئے۔ اب ہم دونوں نبی ﷺ کی طرف دوڑ رہے۔ دیکھا تو آپ کے آگے طلحہ پچھے پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اپنے بھائی کو سنبھالو اس نے (جنت) واجب کر لی۔" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ہم پہنچنے تو) نبی ﷺ کا پھر مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں۔ میں نے انہیں نکالنا چاہا تو ابو عبیدہ نے کہا، خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے نکالنے دیجئے۔ اس کے بعد انہوں نے منہ سے لیک کڑی مکڑی اور آہستہ آہستہ نکالنی شروع کی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ پہنچے، اور بالآخر ایک کڑی اپنے منہ سے کھینچ کر نکال دی۔ لیکن راس کوشش میں اُن کا ایک نچلا دانت گر گیا۔ اب دسری میں نے کھینچنی چاہی تو ابو عبیدہ نے پھر کہا، ابو بکر!

خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے کھینچنے دیجئے! اس کے بعد دسری بھی آہستہ آہستہ کھینچی۔ لیکن ان کا دوسرا نچلا دانت بھی گر گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے بھائی طلحہ شہزادے کو سنبھالو۔ راس نے جنت) دا جب کری۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب ہم طلحہ کی طرف متوجہ ہوتے اور انہیں سنبھالا۔ ان کو دس سے زیادہ زخم آپکے تھے (اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ نے اس دن دفاع و قتال میں کسی جانبازی اور بے جگہی سے کام لیا تھا۔)

پھر ان ہی نازک ترین لمحات کے دوران رسول اللہ ﷺ کے گرد جانباز صحابہ کی ایک جماعت بھی آن پہنچی جن کے نام یہ ہیں۔ ابو دجانہ۔ مصعب بن عزیر۔ علی بن ابی طالب۔ سہیل بن مظیف۔ مالک بن سنان۔ (ابو سعید خدری کے والد) ام عممارہ نبیہ بنت کعب مازنیہ۔ قتادہ بن نعمن۔ عمر بن الخطاب۔ حاطب بن ابی بلتعہ اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

**مرشکین کے دیاؤں میں اضافہ** | ادھر مشرکین کی تعداد بھی لمجہ بڑھتی جا رہی ہوتی جا رہے تھی جس کے نتیجے میں ان کے جملے سخت ہوتے جا رہے تھے اور ان کا دیاؤں بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ان چند گروہوں میں سے ایک گڑھے میں جا گئے جنہیں ابو عامر فاسن نے اسی قسم کی شرارت کے لیے کھود رکھا تھا اور اس کے نتیجے میں آپ کا گھٹٹہ موقع کھا گیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے آپ کا ماتحتہ تھاما۔ اور طلحہ بن عبید اللہ نے رجو خود بھی زخموں سے چور تھے۔) آپ کو آگوش میں لیا۔ تب آپ برادر کھڑے ہو سکے۔

نافع بن جسیر کہتے ہیں، میں نے ایک ہا جر صحابی کو سنا فرمائے تھے، میں حنگ احمد میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر جانب سے رسول اللہ ﷺ پر تیر برس رہے ہیں اور آپ تیروں کے نیچے میں ہیں لیکن سارے تیر آپ سے پھیر دیئے جاتے ہیں رعنی آگے گھیراڑا لے ہوئے صحابہ انہیں روک لیتے تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ عبد اللہ بن شہاب زبری کہہ رہا تھا، مجھے بتاؤ محمد کہاں ہے؟ اب یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ حالانکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وساتھے اس کے قریب تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ پھر وہ آپ سے آگئے نکل گیا۔ اس پر صفوان نے اسے ملامت کی۔ جواب میں اس نے کہا: واللہ میں نے اُسے دیکھا ہی نہیں۔ خدا کی قسم وہ ہم سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہم چار آدمی یہ عہد پیمان کر کے نکلے کہ انہیں قتل کر دیں گے لیکن ان تک پہنچ نہ سکے۔<sup>۱۷۴</sup>

### نادرۃ روز گارجانیازی

بہر حال اس موقع پر مسلمانوں نے ایسی بے مثال جانبازی اور تابناک قربانیوں کا مظاہرہ کیا جس کی نظریہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وساتھے کے آگے سپرنایا۔ وہ اپنا سینہ سامنے کر دیا کرتے تھے تاکہ آپ کو شمن کے تیروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احمد کے روز لوگ ریمنی عام مسلمان (شکست کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وساتھے کے پاس رانے کے بھائے ادھر ادھر) بھاگ گئے اور ابو طلحہ آپ کے آگے اپنی ایک ڈھال کے کر سپرن گئے۔ وہ ماہر تیر انداز تھے۔ بہت کھنچ کر تیر چلا تے تھے، چنانچہ اس دن دو یا تین کمانیں توڑ دالیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وساتھے کے پاس سے کوئی آدمی تیروں کا ترکش لیے گذرا تو آپ فرماتے کہ انہیں ابو طلحہ کے لیے بخیر دو اور نبی صلی اللہ علیہ وساتھے کوں کی طرف سراٹھا کر دیجئے تو ابو طلحہ کہتے: "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ سراٹھا کرنہ بھائیں۔ آپ کو قوم کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینہ کے آگے ہے۔"<sup>۱۷۵</sup>

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابو طلحہ اپنا اور نبی صلی اللہ علیہ وساتھے کا ایک ہی ڈھال سے بچاؤ کر رہے تھے اور ابو طلحہ بہت اچھے تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو نبی صلی اللہ علیہ وساتھے گردن اٹھا کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں گرا۔<sup>۱۷۶</sup>

حضرت ابو ڈجاء نبی صلی اللہ علیہ وساتھے کے آگے کھڑے ہو گئے اور اپنی پیٹیجہ کو آپ کے لیے ڈھال بنادیا۔ ان پر تیر پڑ رہے تھے لیکن وہ ہلتے نہ تھے۔

حضرت حاطب بن ابی بلقیس نے عتبہ بن ابی وفا ص کا پیچھا کیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وساتھے کا دندان مبارک شہید کیا تھا اور اسے اس زور کی تواری کہ اس کا سرچھٹک گیا۔ پھر اس کے

گھوڑے اور تلوار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت سعید بن ابی وفا ص بہت زیادہ خواہاں تھے کہ اپنے اس بھائی — عقبہ — کو قتل کریں مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ یہ سعادت حضرت حاطب کی قسمت میں تھی۔

حضرت سہیل بن حنیف بھی بڑے جانباز تیر انداز تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے موت پر بیعت کی اور اس کے بعد مشرکین کو نہایت زور شور سے دفع کیا۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی تیر چلا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت قاتدہ بن نعماںؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کمان سے اتنے تیر چلا کہ اس کا کنارہ ٹوٹ گیا۔ پھر اس کمان کو حضرت قاتدہ بن نعماںؓ نے لے لیا اور وہ انہیں کے پاس رہی۔ اس روز یہ واقعہ بھی ہوا کہ حضرت قاتدہ کی آنکھ چوٹ کھا کر چہرے پر ڈھلک آئی۔ بنی ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے پوچھ لئے کہ اندر واخل کر دیا۔ اس کے بعد ان کی دونوں آنکھوں میں یہی زیادہ خوبصورت گلتی تھی اور اسی کی بیٹائی زیادہ تیز تھی۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رشتے رشتے منہ پر چوٹ کھائی جس سے اُن کا سامنے کا داشت ٹوٹ گیا اور انہیں سسیں یا بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں سے بعض زخم پاؤں میں لگے۔ اور وہ لفگڑے ہو گئے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خون پھس کر صاف کیا۔ آپ نے فرمایا، اسے تھوک دو۔ انہوں نے کہا، والد اسے تو میں ہرگز نہ تھوکوں گا۔ اس کے بعد پٹ کر رشتے لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ انہیں دیکھے۔ اس کے بعد وہ رشتے رشتے شہید ہو گئے۔

ایک نادر کار نامہ خاتون صاحبیہ حضرت امّہ عمارہ نیمیہ بنت کعب رضی اللہ عنہا نے انعام دیا۔ وہ چند مسلمانوں کے درمیان رشتی ہوئی ابنِ قمرہ کے سامنے آگئیں۔ ابن قمرہ نے ان کے کندھے پر ایسی تلوار ماری کہ گھرا زخم ہو گیا۔ انہوں نے بھی ابنِ قمرہ کو اپنی تلوار کی کئی ضریب لگائیں لیسیکن بکھرتے دوزریں پہنچتے ہوئے تھا۔ اس پہنچنے کی وجہ سے حضرت امّہ عمارہ رضی اللہ عنہا نے رشتے بھرپڑنے بارہ زخم کھائے۔

حضرت مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی پامردی و جانبازی سے جنگ کی۔

وہ رسول اللہ ﷺ سے ابن قمۃ اور اس کے ساتھیوں کے پے درپے حملوں کا دفاع کر رہے تھے۔ انہیں کے ہاتھ میں اسلامی اشکر کا پھر ریاتخا نظالموں نے ان کے داہنے ہاتھ پر اس زور کی تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گی۔ اس کے بعد انہوں نے بائیس ہاتھ میں جہنڈا اپکڑ لیا اور کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ بالآخر ان کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جہنڈے پر گھٹنے ٹیک کر اسے یسنے اور گردن کے سہارے لہرائے رکھا۔ اور اسی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کا قاتل ابن قمۃ تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ محمدؐ میں کیونکہ حضرت مصعبؐ بن عییر آپ کے ہم شکل تھے۔ چنانچہ وہ حضرت مصعبؐ کو شہید کر کے مشرکین کی طرف اپس چلا گیا اور چلا چلا کر اعلان کیا کہ محمدؐ قتل کر دیتے گئے۔

### نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شہادت کی خبر اور معرکہ پر اس کا اثر

اعلان سے بنی

صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مسلمانوں اور مشرکین دونوں میں پھیل گئی اور یہی وہ نازک ترین لمحہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ سے الگ تھا کہ زبغنے کے اذر آئے ہوئے بہت سے صحابہ کرام کے حصے ٹوٹ گئے اُن کے عرواء م سرد پڑ گئے اور ان کی صفتیں احتل پھل اور بذلی و انتشار کا شکار ہو گئیں۔ مگر آپ کی شہادت کی یہی خبر اس حیثیت سے مفید ثابت ہوئی کہ اس کے بعد مشرکین کے پڑبھوٹ حملوں میں کسی قدر کمی آگئی کیونکہ وہ محکوم کر رہے تھے کہ ان کا آخری مقصد پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب بہت سے مشرکین نے حملہ بند کر کے مسلمان شہدار کی لاشوں کا مسئلہ کرنا شروع کر دیا۔

### رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی پیغمبر کے آراء اور حالات پر قابو

بن عئیشہ

رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جہنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ انہوں نے جم کر لڑائی کی۔ وہاں پر موجود باقی صحابہ کرام نے بھی یہ مثال جانیازی و سفر و شی کے ساتھ دفاع اور حملہ کیا جس سے بالآخر اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کی صفتیں چیز کر زبغنے میں آئے ہوئے صحابہ کرام کی جانب راستہ بنائیں۔ چنانچہ آپ نے

قدم آگے بڑھایا اور صحابہ کرام کی جانب تشریف لائے۔ سب سے پہلے حضرت کعبہ بن مالک نے آپ کو پہچانا۔ خوشی سے پیغام برپا کر، مسلمانوں اخوش ہو جاؤ۔ یہ ہی رسول اللہ ﷺ ! آپ نے اشارہ فرمایا کہ خاموش رہو۔ تاکہ مشرکین کو آپ کی موجودگی اور مقام موجودگی کا پتا نہ لگ سکے۔ مگر ان کی آواز مسلمانوں کے کان تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مسلمان آپ کی پناہ میں آتا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ تقریباً تیس صحابہ جمع ہو گئے۔

جب اتنی تعداد جمع ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے پہاڑ کی گھٹی یعنی کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ مگر چونکہ اس والپی کے معنی یہ تھے کہ مشرکین نے مسلمانوں کو زخمی میں یعنی کے جو کارروائی کی تھی وہ بے نتیجہ رہ جاتے اس لیے مشرکین نے اس والپی کو ناکام بنانے کے لیے اپنے تاپڑ توڑ حملے جاری رکھے۔ مگر آپ نے ان حملہ آوروں کا ہجوم چھپ کر راستہ بنایا اور شیرانِ اسلام کی شجاعت و شہزادگی کے سامنے ان کی ایک نہ چل۔ اسی اشارہ میں مشرکین کا ایک اڑیل شہسوار عثمان بن عبد اللہ بن منیرہ یہ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی جانب بڑھا کر یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی دودھا تکرنے کے لیے مٹھر گئے مگر مقابلے کی نوبت نہ آئی، بلکہ اس کا گھوڑا ایک گڑھے میں گر گیا اور اتنے میں حارث بن صہبہ نے اس کے پاس پہنچ کر اُسے لے لکارا۔ اور اس کے پاؤں پر اس زور کی تلوار ماری کر دیں بٹھا دیا۔ چھر اس کا کام تمام کر کے اس کا ہتھیار لے لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آگئے؛ مگر اتنے میں کیف فوج کے ایک دوسرے سوار عبد اللہ بن جابر نے پٹ کر حضرت حارث بن صہبہ پر حملہ کر دیا اور ان کے کندھے پر تلوار مار کر زخمی کر دیا، مگر مسلمانوں نے پاک کر انہیں اٹھایا۔ ادھر خطرات سے کھیلنے والے مردِ مجاہد حضرت ابو دجانہ جنہوں نے آج سُرخ پٹی باندھ رکھی تھی، عبد اللہ بن جابر پر ٹوٹ پڑے اور اُسے ایسی تلوار ماری کہ اُس کا سر اڑ گیا۔ کثرتِ قدرت دیکھئے کہ اسی خوزینہ مارو ڈھاڑ کے دوران مسلمانوں کو نیند کی جھپکیاں بھی اُرہی تھیں اور جیسا کہ قرآن نے بتلا پاہے، یہ اللہ کی طرف سے امن و طمانتیت تھی۔ ابو طلحہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جن پر اُحد کے روز نیند چھار ہی تھی۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ سے کئی بار تلوار گزگزی۔ حالت پر تھی کہ وہ گرتی تھی اور میں پکڑتا تھا پھر گرتی تھی اور پھر پکڑتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح کی جانبازی و جان سپاری کے ساتھ یہ دستہ منظم طور سے پیچھے ہٹتا ہوا پہلی گھنٹی میں واقع کمپ تک جا پہنچا اور بقیہ شکر کے لیے بھی اس محفوظ مقام تک پہنچنے کا راستہ بنایا۔ چنانچہ با قیماندہ لشکر بھی اب آپ کے پاس آگئی اور حضرت خالد کی فوجی عبوریت رسول اللہ ﷺ کی فوجی عبوریت کے سامنے ناکام ہو گئی۔

## **ابی بن خلف کا قتل**

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے گھان میں تشریف لا پکے تو ابی بن خلف یہ کہتا ہوا آیا کہ محمد کہاں ہے؟ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ ! ہم میں سے کوئی اس پر حملہ کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسے آئے وو۔ جب قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صہر سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا اور یعنی کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اڑ گئے۔ جیسے اونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ اس کے سامنے آ پہنچے۔ اس کی خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھلی دکھائی پڑی۔ آپ نے اسی پر ٹکا کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی یا رڑک رڑک گیا۔ جب قریش کے پاس گیا۔ درآں ہائیکہ گروں میں کوئی بڑی خراش نہ تھی البتہ خون بند تھا اور ہتھا نہ تھا تو کہنے لگا، مجھے واللہ محمد نے قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا، خدا کی قسم تم نے دل چھوڑ دیا ہے ورنہ تمہیں واللہ کوئی خاص چوتھی نہیں ہے۔ اس نے کہا اوہ کتنے میں مجھ سے کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں قتل کر دیں گا۔ اس بیٹے خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک دیتا تو بھی میری جان چلی جاتی۔ بالآخر اللہ کا یہ دشمن مکہ دا اپس ہوتے ہوئے مقام سرف پہنچ کر مر گیا۔ ابوالاسود نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ یہ بیل کی طرح آوازن کالتا تھا اور کہتا تھا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے اگر وہ ذی المجاز کے سارے باشندوں کو ہوتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔

## **حضرت طلحہ، بنی حصاری اللہ علیہ وسلم کو اٹھانے میں**

۸۸ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب تکتے میں ابی کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوتی تو وہ آپ سے کہتا ہے محمد! میرے پاس عوناگی ایک گھوڑا ہے۔ میں اسے روزانہ تین صاع (۱۰ کیلو) دانہ کھلاتا ہوں۔ اسی پر پیٹھ کر تھیں قتل کر دیں گا۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ فرماتے بلکہ ان شان اللہ میں تمہیں قتل کر دیں گا۔

کے واپسی کے دوران ایک چنان آگئی۔ آپ نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی مگر چڑھنے سکے کیونکہ ایک تو آپ کا بدن بھاری ہو چکا تھا دوسرے آپ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی اور پھر آپ کو سخت چٹیں بھی آتی تھیں لہذا حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیجے بیٹھ گئے اور آپ کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح آپ چنان پر پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا طلحہ نے رحمت واجب کر لی۔<sup>۱۴</sup>

**مشرکین کا آخری حملہ** | جب رسول اللہ ﷺ کے اندر اپنی قیادت گاہ میں پہنچ گئے تو مشرکین نے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے آخری کوشش کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس اثنامیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اندر تشریف فرماتھے ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین کا ایک دستہ چڑھا آیا رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! یہ ہم سے اُور پر نہ جانے پائیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب اور ہبہا جرین کی ایک جماعت نے لڑکر انہیں پہاڑ سے نیچے اُترنے پر مجبور کر دیا۔<sup>۱۵</sup> منازی اموی کا بیان ہے کہ مشرکین پہاڑ پر چڑھا آتے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد سعید سے فرمایا اُن کے حصے پست کرو یعنی انہیں پیچھے دھکیل دو۔ انہوں نے کہا میں تھہا ان کے حصے کیسے پست کرو؟ اس پر آپ نے تین بار یہی بات دُہرائی۔ بالآخر حضرت سعد نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گی۔ حضرت سعد کہتے ہیں کہ میں نے پھر وہی تیر لیا۔ اسے پہچانتا تھا اور اس سے دوسرے کو مارا تو اس کا بھی کام تمام ہو گیا۔ اس کے بعد پھر تیر لیا۔ اسے پہچانتا تھا اور اس سے ایک تیر سے کو مارا تو اس کی بھی جان جاتی رہی۔ اس کے بعد مشرکین نیچے اُتگئے۔ میں نے کہا یہ بار ک تیر ہے۔ پھر میں نے اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ یہ تیر ندگی پھر حضرت سعد کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد کے پاس رہا۔<sup>۱۶</sup>

**شہدار کا مثال** | یہ آخری حملہ تھا جو مشرکین نے نبی ﷺ کے خلاف کیا تھا چونکہ انہیں آپ کے انجام کا صحیح علم نہ تھا بلکہ آپ کی شہادت کا تقریباً یقین تھا اس لیے انہوں نے اپنے کمپ کی طرف پلٹ کر مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

کچھ مشرک مرد اور عورتیں مسلمان شہدار کے مُشتمل میں مشغول ہو گئیں؛ یعنی شہیدوں کی شرمگاہیں اور کان، ناک وغیرہ کاٹ لیے۔ پسیٹ پھر دیے۔ ہند بنت عقبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا گلیچہ چاک کر دیا۔ اور مسٹر میں ڈال کر چبایا اور نگلنا چاہا۔ لیکن نگل نہ سکی تو تھوک دیا۔ اور کٹھے ہوئے کافوں اور ناکوں کا پازیب اور بار بنا یا۔ ۵۴

### آخر تک جنگِ لٹنے کے لیے مسلمانوں کی مستعدی

پھر اس آخری وقت میں دو ایسے واقعات پھر اس آخری وقت

پیش آئے جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جانباز و سرفروش مسلمان اخیر تک جنگِ لٹنے کے لیے کس قدر مستعد تھے۔ اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا کیسا ولوں خیز خدیب رکھتے تھے۔

۱۔ حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ میں ان مسلمانوں میں تھا جو گھائی سے باہر آئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مشرکین کے ہاتھوں مسلمان شہدار کا مُشتمل کیا جا رہا ہے تو رک گیا پھر آگے بڑھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مشرک جو بھاری بھر کم زردہ میں ملوس تھا شہیدوں کے درمیان سے گزر رہا ہے۔ اور کہتا جا رہا ہے کہ کٹھی ہوتی بکریوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔ اور ایک مسلمان اس کی راہ تک رہا ہے۔ وہ بھی زردہ پہنچے ہوئے ہے۔ میں چند قدم اور بڑھ کر اس کے پیچھے ہو یا۔ پھر کھڑے ہو کر آنکھوں ہی آنکھوں میں مُسلم اور کافر کو تولنے لگا۔ محسوس ہوا کہ کافر اپنے ڈیل ڈول اور ساز و سامان دونوں لحاظ سے بہتر ہے۔ اب میں دونوں کا انتظار کرنے لگا۔ بالآخر دونوں میں ٹکر ہو گئی اور مسلمان نے کافر کو ایسی تواریخی کوہ پاؤں تک کھڑتی چلی گئی۔ مشرک دو ٹکرے ہو کر گرا۔ پھر مسلمان نے اپنا چہرہ کھولا اور کہا، اکعب! کیسی رہی؟ میں ابو دُجاتہ ہوں۔ ۵۵

۲۔ خاتمه جنگ پر کچھ مومن عورتیں میدانِ جہاد میں پہنچیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور امام سُلَیْم کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک پکڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے شکریزے لا رہی تھیں اور زخمیوں کے مُونہ میں انڈیل رہی تھیں۔ ۵۶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احمد کے روز حضرت امام سُلَیْم پر ہمارے یہے شکریزے بھر بھر کر لا رہی تھیں۔ ۵۷

ان ہی عورتوں میں حضرت اُمّ ائمّین بھی تھیں۔ انہوں نے جب شکست خوردہ مسلمانوں کو دیکھا کہ مدینے میں گھستا چاہتے ہیں تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں اور کہنے لگیں یہ سوت کاتنے کا تکاللو اور ہمیں تلوار دو۔<sup>۵۸</sup> اس کے بعد تیزی سے میدان جنگ پہنچیں اور زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔ ان پر حبان بن عسرہ نے تیر چلایا۔ وہ گر پڑیں اور پردہ کھل گیا۔ اس پر اللہ کے اس دشمن نے بھر پور قہقہہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ بات گران گذری اور آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو ایک بغیر اُنی کے تیر دے کر فرمایا اسے چلاو۔ حضرت سعد نے چلا یا تو وہ تیر حبان کے حلق پر لگا اور وہ چت گرا اور اس کا پردہ کھل گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ اس طرح ہنسنے کہ جڑ کے دانت دکھانی دینے لگے۔ فرمایا سعد نے اُمّ ائمّین کا بد لہ چکایا، اللہ ان کی دعا قبول کرے۔<sup>۵۹</sup>

**گھانی میں قرار بیانی کے بعد** جب رسول اللہ ﷺ نے گھانی کے اندر اپنی قیامگاہ مہراس سے اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے — کہا جاتا ہے مہراس پتھر میں بنا ہوا وہ گڑھا ہوتا ہے جس میں زیادہ ساپافی آ سکتا ہو؛ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اُحد میں ایک چشمے کا نام تھا۔ بہر حال حضرت علیؓ نے وہ پانی نبی ﷺ کی خدمت میں پینے کے لیے پیش کیا۔ آپ نے قدرے ناگوار بلو محسوس کی اس لیے اسے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھولیا اور سر پر بھی ڈال لیا۔ اس حالت میں آپ فرماتے ہیں: “اس شخص پر اللہ کا سخت غضب ہو جس نے اس کے نبیؓ کے چہرے کو خون آ لو دیا ہے۔”

حضرت سہلؓ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا؟ اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ آپ کی لخت جگہ حضرت فاطمہؓ آپ کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی بہارہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا ہی جا رہا ہے تو چھانی کا ایک ٹکڑا لایا اور اسے جلا کر چپکا دیا جس سے خون مزک گیا۔<sup>۶۰</sup>

۵۸ سوت کاتنا عرب عورتوں کا خاص کام تھا۔ اس لیے سوت کاتنے کا تکلایہ بھر کی عورتوں کا ویسا ہی مخصوص سامان تھا جیسے ہمارے ملک میں چوڑی۔ اس موقعے پر مذکورہ محاورہ کا شیک وہی مطلب ہے جو ہماری زبان کے اس کا محاورے کا ہے کہ ”چوڑی لو اور تلوار دو۔“

ادھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ نبی ﷺ نے نوش فرمایا اور دعا سے خیر دی۔<sup>۶۲</sup> زخم کے اثر سے نبی ﷺ نے ظہر کی نماز بیٹھے بیٹھے پڑھی۔ اور صحابہ کرام نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ہی کر نماز ادا کی۔<sup>۶۳</sup>

### ابوسفیان کی شہادت اور حضرت عمرؓ سے دو دو باتیں

مشرکین نے واپسی کی تیاری مکمل کر لی تو ابوسفیان جیل اُصرہ پر نوادر ہوا اور یہا کو از بلند بولا، کیا تم میں محمد ہیں؟ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا، کیا تم میں ابو قحافی کے بیٹے رابو بکر ہیں؟ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر سوال کیا، کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں؟ لوگوں نے اب کی مرتبہ بھی جواب نہ دیا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کا جواب دینے سے منع فرمادیا تھا۔ ابوسفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارے میں نہ پوچھا کیونکہ اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام کا قیام ان ہی عینوں کے ذریعے ہے۔ بہرحال جب کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے کہا: چلو ان عینوں سے فرصت ہوئی۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور بولے: "اوائلش کے دشمن اجن کا تونے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسولی کا سامان باقی رکھا ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا" تھارے مقتولین کا مشترکہ ہوا ہے یہیں میں نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ اس کا بُرا ہی منیا ہے۔ پھر نعرہ لگایا، اُعلیٰ ہُبلِ بُل بُل بلند ہو۔

نبی ﷺ نے فرمایا، تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا، کہو: اللہ اَعْلَمُ وَأَجَلٌ۔ اللہ اعلیٰ اور برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: لَنَا عَزْلٌ وَلَا عَزْلٌ لَكُمْ۔ ہمارے لیے عزّتی ہے۔ اور تھارے لیے عُزّتی نہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا، جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے دریافت کیا، کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو اللہ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَکُمْ۔ اللہ ہمارا مولی ہے اور تمہارا کوئی مولی نہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: کتنا اچھا کارنامہ رہا۔ آج کا دن جنگ پدر کے دن کا

بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔<sup>۱۷</sup>

حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا: برابر نہیں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اوتھا مقتولین جہنم میں۔<sup>۱۸</sup>

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا، عمر! میرے قریب آؤ۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمایا، جاؤ۔ دیکھو کیا کہتا ہے؟ وہ قریب آئے تو ابوسفیان نے کہا، عمر! میں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا، واللہ! نہیں۔ بلکہ اس وقت وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا، تم میرے فرید ابن قدر سے زیادہ سچے اور راست باز ہو۔<sup>۱۹</sup>

پدر میں ایک اور جنگ لڑنے کا عہد و پیمان | ابن اسحاق کا بیان  
ہے کہ ابوسفیان

اور اس کے رفقاء واپس ہونے لگے تو ابوسفیان نے کہا: آئندہ سال پدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: کہہ دو شیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی۔<sup>۲۰</sup>

مرشکین کے موقف کی تحقیق | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روایہ کیا اور فرمایا: قوم مرشکین (کے پیچے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے؟ اگر انہوں نے گھوڑے پہلو میں رکھے ہوں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو ان کا ارادہ کہ کہا ہے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹ ہاٹک کر لے جائیں تو مدینے کا ارادہ ہے۔ پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں بیری جان ہے۔ اگر انہوں نے مدینے کا ارادہ کیا تو میں مدینے جا کر ان سے دو دو ہاتھ کروں گا۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں ان کے پیچے نکلا تو دیکھا کہ انہوں نے گھوڑے پہلو میں کر رکھے ہیں اونٹوں پر سوار ہیں اور کہے کا رُخ ہے۔<sup>۲۱</sup>

۱۷۔ ابن ہشام ۹۴/۲  
۱۸۔ ابن ہشام ۹۴/۲ صافط ابن ججر نے فتح الباری (۱/۱۷/۳۴) میں لکھا ہے کہ مرشکین کے عرام کا پتا لگانے کے لیے حضرت سعد بن ابی وفاص رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تھے۔

## شہیدوں اور زخمیوں کی خبر گیری

قریش کی واپسی کے بعد سلمان اپنے  
شہیدوں اور زخمیوں کی کھوچ بخوبی

یعنی کے لیے فارغ ہو گئے۔ حضرت نبی بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احمد کے روز رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا کر میں سعد بن الزین کو تلاش کروں اور فرمایا کہ اگر وہ دکھنے پڑ جائیں تو انہیں میر اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ دریافت کر رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پارہ ہے ہو؟ حضرت نبی پر کہتے ہیں کہ میں مقتولین کے درمیان چیز کے لگاتے ہوئے ان کے پاس پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہے تھے۔ انہیں نیزے، تکوار اور تیر کے ستر سے زیادہ زخم آئے تھے۔ میں نے کہا: "لے سعد! اللہ کے رسول آپ کو سلام کہتے ہیں اور دریافت فرم رہے ہیں کہ مجھے تباہ اپنے آپ کو کیسا پارہ ہے ہو۔ انہوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کو سلام۔ آپ سے عرض کرو کہ یا رسول اللہ! جنت کی خوشبو پارہ ہوں اور میری قوم انصار سے کہو کہ اگر تم میں سے کیک آنکھ بھی ہلتی رہی اور دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا تو تمہارے لیے اللہ کے نزدیک کوئی غدر نہ ہو گا۔  
اور اسی وقت ان کی روح پر داڑ کر گئی۔ اللہ

لوگوں نے زخمیوں میں اصیرم کو بھی پایا جن کا نام عمرو بن ثابت تھا۔ ان میں تھوڑی سی رمق باقی تھی۔ اس سے قبل انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی تھی مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے اس لیے لوگوں نے رحیت سے کہا کہ یہ اصیرم کیسے آیا ہے؟ اسے تو ہم نے اس حالت میں چھوڑا تھا کہ وہ اس دین کا انکاری تھا۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں یہاں کیا چیز لے آئی؟ قوم کی حمایت کا جوش یا اسلام کی رغبت؟ انہوں نے کہا: "اسلام کی رغبت۔ درحقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں شریک جنگ ہوا یہاں تک کہ اب اس حالت سے دوچار ہوں جو آپ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: وہ جنتیوں میں سے ہے۔" ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ — حلال نکل اس نے اللہ کے لیے ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی تھی۔<sup>۲۹</sup>

رکیونکہ اسلام لانے کے بعد ابھی کسی نماز کا وقت آیا ہی نہ تھا کہ شہید ہو گئے۔)

ان ہی زخمیوں میں قُرْمَان بھی ملا۔ اس نے اس جنگ میں خوب خوب دادِ شجاعت دی تھی

اور تنہاسات یا آٹھ مشرکین کو تیرتھ کیا تھا۔ وہ جب ملا تو زخمیوں سے چور تھا۔ لوگ اسے

اٹھا کر بنو ظفر کے محلے میں لے گئے اور مسلمانوں نے اُسے خوشخبری منان۔ کہنے لگا، وَ اللَّهُ يَرِي جنگ

تو محض اپنی قوم کے ناموس کے لیے تھی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں رُطَانَیْ ہی نہ کرتا۔ اس کے

بعد جب اس کے زخمیوں نے شدت اختیار کی تو اس نے اپنے آپ کو ذمہ کر کے خود کشی کر لی۔ اور

رسول اللہ ﷺ سے اس کا جب بھی ذکر کیا جاتا تھا تو فرماتے تھے کہ وہ جیتنی ہے بننے

راور اس واقعے نے آپ کی پیشین گوئی پر ہر تصدیق ثبت کر دی۔) حقیقت یہ ہے کہ اعلاءُ

کلمة اللہ کے بجائے وطنیت یا کسی بھی دوسری راہ میں رُطَانَیْ والوں کا انعام یہی ہے۔ چاہے

وہ اسلام کے جھنڈے تملے بلکہ رسول اور صحابہ کے شکر ہی میں شریک ہو کر کیوں نہ رُطَانَیْ ہے ہوں۔

اس کے بالکل عکسِ مقتولین میں بنو ثعلبہ کا ایک یہودی تھا۔ اس نے اس وقت جبکہ

جنگ کے باطل منڈلار ہے تھے، اپنی قوم سے کہا، "اے جماعتِ یہود! خدا کی قسم تم اجانتے

ہو کہ محمدؐ کی مدد تم پر فرض ہے۔ یہود نے کہا، "مگر آج سُبْت (سنپر) کا دن ہے۔ اس نے کہا،

تمہارے لیے کوئی سُبْت نہیں۔ پھر اس نے اپنی قواری، ساز و سامان اٹھایا اور بولا اگر میں مارا

جاوں تو میرا مال محمدؐ کے لیے ہے وہ اس میں جو چاہیں گے کریں گے۔ اس کے بعد میدانِ جنگ

میں گیا اور رُطَانَیْ تے بھڑتے مارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی شہدار کا معائنہ فرمایا اور فرمایا کہ میں ان

لوگوں کے حق میں گواہ رہوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہؐ کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے

اسے اللہ قیامت کے روز اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون بردا ہو گا؛ زنگ

تو خون ہی کا ہو گا لیکن خوشبو مشک کی ہو گی۔<sup>۲۷</sup>

کچھ صحابہؓ نے اپنے شہدار کو مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے شہیدوں کو واپس

لا کر ان کی شہادت گاہوں میں دفن کریں۔ نیز شہیدوں کے سنجیار اور پوستین کے لیاں آتا رہے جائز ہوں گا۔

غسل دیئے بغیر جس حالت میں ہوں اسی حالت میں دفن کر دیا جاتے۔ آپ دو دو تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن فرمائے تھے اور دو دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں اکٹھا پیٹ دیتے تھے لہر دریافت فرماتے تھے کہ ان میں سے کس کو قرآن زیادہ یاد ہے۔ لوگ جس کی طرف اشارہ کرتے اسے الحد میں آگے کرتے اور فرماتے کہ میں قیامت کے روزان لوگوں کے بارے میں گواہی دوں گا۔ عبد اللہ بن عمر و بن حرام اور عمر بن جمُوح ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے کیونکہ ان دونوں میں دوستی تھی گیا۔

حضرت حنفیہ کی لاش غائب تھی۔ تلاش کے بعد ایک جگہ اس حالت میں ملی کہ زمین پر پڑی تھی اور اس سے پانی نیک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بتالایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔ پھر فرمایا ان کی بیوی سے پوچھو کیا معاملہ ہے؟ ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے واقعہ بتالایا۔ یہیں سے حضرت حنفیہ کا نام غیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے) پڑ گیا۔<sup>۱</sup> مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہ کا حال دیکھا تو سخت غمگین ہوئے۔ آپ کی پوچھی حضرت صفیہؓ کا شریعت لائیں، وہ بھی اپنے بھائی حضرت حمزہ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ انہیں واپس لے جائیں۔ وہ اپنے بھائی کا حال دیکھو ہیں۔ مگر حضرت صفیہؓ نے کہا: آخر ایسا کیوں؟ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کا مشترکہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ اللہ کی راہ میں ہے اس لیے جو کچھ ہوا ہم اس پر پوری طرح راضی ہیں۔ میں ثواب سمجھتے ہوئے ان شاء اللہ ضرور سبکروں گی۔ اس کے بعد وہ حضرت حمزہ کے پاس آئیں انہیں دیکھا۔ ان کے لیے دعا کی: إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ<sup>۲</sup> پڑھی اور اللہ سے مغفرت مانگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں حضرت عبد اللہ بن عخش کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ وہ حضرت حمزہ کے بجانبے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ بن عبد المطلب پر جس طرح روئے اس سے بڑھ کر رفتے ہوئے آپ نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے انہیں قبلے کی طرف رکھا پھر ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور اس طرح روئے کہ آواز بلند ہو گئی ہے۔ درحقیقت شہدار کا منظر تھا، ہی بڑا دلہ دوز اور زبرہ گداز، چنانچہ حضرت خبیث بن ارت کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ کے لیے ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کے سوا کوئی کفن نہ مل سکا۔ یہ چادر سر پر ڈالی جاتی

تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں پر ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا۔ بالآخر چادر سے سرد ڈھک دیا گیا اور پاؤں پر  
اُذخر لگاس ڈال دی گئی۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ مُضطہب بن عمیز کی شہادت واقع ہوئی ۔۔۔ اور وہ  
مجھ سے بہتر تھے ۔۔۔ تو انہیں ایک چادر کے اندر کھنایا گیا۔ حالت یہ تھی کہ اگر ان کا سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں  
کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ ان کی بھی کیفیت حضرت خباب نے مجھی بیان کی  
ہے اور آنامز پد اخفاف فرمایا ہے کہ ۔۔۔ (اس کیفیت کو دیکھ کر) نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ  
چادر سے ان کا سر ڈھانک دو اور پاؤں پر اذخر ڈال دو۔

امام احمد کی روایت

### رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عز وجل کی حمد شاکر تے اور اس سے دعا فرمائی ہیں اپنے کہ احمد کے

روز جب شرکیں والپیں چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: برابر ہو جاؤ، اذرا میں اپنے  
رب عز وجل کی شناکروں۔ اس حکم پر صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفائی باندھ لیں۔ اور آپ نے یوں فرمایا:  
”لے اللہ ایتیرے ہی سلیمانی محدث ہے۔ لے اللہ اجس چیز کو نوکشادہ کر دے اسے کوئی تنگ نہیں  
کر سکتا اور جس چیز کو تو تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی  
ہدایت نہیں دے سکتا اور جس شخص کو تو ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جس چیز کو تو روک دے  
اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جو چیز تو دیدے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جس چیز کو تو دور کر دے اسے  
کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جس چیز کو تو قریب کر دے اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہمارے  
اپر اپنی بکتنیں رحمتیں اور فضل و رزق پھیلا دے۔

اے اللہ! میں تجوہ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جونہ ملے اور نہ ختم ہو۔ اے  
اللہ! میں تجوہ سے فقر کے دن مدد کا اور خوت کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے  
ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ  
ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دے اور اسے ہمارے دلوں میں خوشنما بنادے اور کفر، فتن اور  
نافرمانی کو ناگوار بنادے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے اللہ! ہمیں سلامان رکھتے ہوئے ففات

لئے۔ یہاں محل موج کے ہم محل لیکن خوشودار گھاس ہوتی ہے بہبھے مقامات پر چائے میں ڈال کر پکانی بھی جاتی ہے۔ عرب ہیں  
اس کا پودا باتھ ڈیڑھ باتھ سے لمبا نہیں ہوتا جیکہ ہندوستان میں ایک میرٹر سے بھی لمبا ہوتا ہے۔

دے اور مسلمان ہی رکھتے ہوئے زندہ رکھ اور رُسوائی اور فتنے سے دوچار کرنے بغیر صالحین میں شامل فرما۔ لے اللہ! تو ان کافروں کو مارا و ان پر سنتی اور عذاب کر جو تیرے پیغمبروں کو جھپٹلاتے اور تیری رامے روکتے ہیں۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی مار جنہیں کتاب دی گئی۔ یا اللہ الحمد لہ

## میتے کو والی اور محبت و جاں سپاری کے ذرائعات

شہداء کی تذمین اور اللہ عزوجل کی شناور دعا سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا رُخ فرمایا جس طرح دوران کا رزار اہل ایمان صحابہ سے محبت و جاں سپاری کے نادر واقعات کا ظہور ہوا تھا اسی طرح اثناء راه میں اہل ایمان صحابیات سے صدق و جاں سپاری کے عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئے۔

چنانچہ رات میں آنحضرت کی ملاقات حضرت حمزة بنت بخش سے ہوتی۔ انہیں ان کے بھائی عبد اللہ بن بخش کی شہادت کی خبر دی گئی۔ انہوں نے انبیاء پڑھی اور دعاۓ مغفرت کی۔ پھر ان کے ماموں حضرت حمزة بن عبد المطلب کی شہادت کی خبر دی گئی۔ انہوں نے پھر انبیاء پڑھی اور دعاۓ مغفرت کی۔ اس کے بعد ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمير کی شہادت کی خبر دی گئی تو رُپ کوچخ اٹھیں اور دھاڑمار کر دنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت کا شوہر اس کے یہاں ایک خصوصی درجہ رکھتا ہے؟ اسی طرح آپ کا گذر بنو درنار کی ایک خاتون کے پاس سے ہوا جس کے شوہر، بھائی، اور والد تینوں خلعت شہادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ جب انہیں ان لوگوں کی شہادت کی خبر دی گئی تو کہنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: اُتم فلاں! حضور نجیر میں اور بحمد اللہ جیسا تم چاہتی دیسے ہی ہیں۔ خاتون نے کہا ذرا مجھے دھلادو۔ میں بھی آپ کا وجود مبارک دیکھوں۔ لوگوں نے انہیں اشاسے سے بتلا بیا۔ جب ان کی نظر آپ پر پڑی تو بے ساختہ پکارا اٹھیں "کُلْ مُصِيْبَةٌ بَعْدَكَ جَلَلَ" آپ کے بعد ہر مصیبت یقین ہے ۔

اثنا راه ہی میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ کے پاس دوڑتی ہوئی آئیں۔ اس وقت حضرت سعد بن معاذ رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے کی لگام تھامے ہوتے تھے۔ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: انہیں مر جانا ہوا۔ اس کے بعد ان کے استقبال کے لیے رُک گئے۔ جب وہ قریب آگئیں تو آپ نے ان کے صاحزادے عمر بن معاذ کی شہادت

پر کلاماتِ تعزیت کہتے ہوئے انہیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں جب میں نے آپ کو بر سلامت دیکھ لیا تو میرے لیے ہر صیبتِ زیست ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے شہداء اہل کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: "لے اُم سعد تم خوش ہو جاؤ، اور شہداء کے گھروں کو خوش خبری سنادو کہ ان کے شہداء سب کے سب ایک ساتھ جنت میں ہیں اور اپنے گھروں کے بارے میں ان سب کی شفاقت قبول کر لی گئی ہے۔"

کہنے لگیں: "اے اللہ کے رسول! ان کے پسندگان کے لیے بھی دعا فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا: "اے اللہ! ان کے دلوں کا غم دور کر، ان کی نصیحت کا بدل عطا فرم اور باقی ماندگان کی بہترین دیکھ بحال فرمائیں۔"

**اسی روز — شنبہ، شوال مطہر کو سر شام رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں میں** مدینہ پہنچے۔ گھر پہنچ کر اپنی تواریخ حضرت فاطمہؓ کو دی اور فرمایا: "بیٹی اس کا خون دھو دو، خدا کی قسم یہ آج میرے لیے بہت صحیح ثابت ہوئی۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی تواریخ کانی اور فرمایا: اس کا بھی خون دھو دو۔ واللہ یہ بھی آج بہت صحیح ثابت ہوئی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے بے لگ جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ ہشیل بن حیثیت اور ابو وجانہ نے بھی یہ لگ جنگ کی ہے۔" میشروع و ایتیں متفق ہیں کہ مسلمان شہداء کی تعداد ترتیبی جن میں بھاری اکثریت انصار کی تھی یعنی ان کے ۶۵ رہنمی شہید ہوئے تھے، ۱۳ خزر ج سے اور ۲۴ راوس نے ایک آدمی یہود سے قتل ہوا تھا اور مہاجرین شہداء کی تعداد صرف چار تھی۔

باقی رہے قریش کے مقتولین تو ابن اسحاق کے بیان کے مطابق ان کی تعداد ۲۴ تھی لیکن اصحاب معاذی اور اہل بیرونے اس معركے کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں اور جن میں ضمناً جنگ کے مختلف مرحلوں میں قتل ہونے والے مشرکین کا ذکر ہے آیا ہے ان پر گہری نظر رکھتے ہوئے وقت پسندی کے ساتھ حساب لگایا جائے تو یہ تعداد ۲۴ نہیں بلکہ ۳۳ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

**مدینے میں ہنگامی حالت** اکی دریانی (رات ہنگامی حالت میں گزاری) جنگ نے انہیں چور چور

کر رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ رات بھرمیں کے راستوں اور گذرگاہوں پر پھرہ دیتے رہے اور اپنے پہ سالا را عظیم رسول ﷺ کی خصوصی حفاظت پر تعینات رہے کیونکہ انہیں ہر طرف سے خدشات لاحق تھے اور رسول اللہ ﷺ نے پوری رات جنگ سے پیدا شدہ صورت حال

**خروہ حمار الاسد** پر غور کرتے ہوئے گزاری۔ آپ کو اندر شہ تھا کہ اگر مشرکین نے سوچا کہ میدان

جنگ میں اپنا پلہ بھاری رہتے ہوئے بھی ہم نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو انہیں یقیناً نہ امتحان ہو گی اور وہ راستے سے بیٹ کر مدینے پر دوبارہ حملہ کریں گے اس لیے آپ نے فیصلہ کیا کہ بہر حال مکن شکر کا تعاب کیا جانا چاہیئے۔

چنانچہ اہل سیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معرکہ اُحد کے ودرسے دن یعنی یک شنبہ شوال سنت ۱۴ھ کو علی الصہابہ اعلان فرمایا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے چلتا ہے اور ساتھ ہی یہی اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چل سکتا ہے جو معرکہ اُحد میں موجود تھا۔ تاہم عبداللہ بن اُبی نے اجازت چاہی کہ آپ کا ہر کلب ہو مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ اور ہر قتنے مسلمان تھے اگرچہ بخوبی سے چوراغی سے مذکوٰع، اور اندر شہ و خوف سے دوچار تھے، لیکن سب نے پلاتر ڈسراٹا ٹوت خم کر دیا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ نے بھی اجازت چاہی جو جنگ اُحد میں شریک نہ تھے۔ حاضر خدمت ہو کر عرض پر داڑ ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ آپ جس کسی جنگ میں تشریفت لے جائیں میں بھی حاضر خدمت رہوں اور چونکہ راس جنگ میں امیر سے والد نے مجھے اپنی بچوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر رک دیا تھا لہذا آپ مجھے اجازت دی دیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟ اس پر آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ پروگرام کے مطابق رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ کے کر روانہ ہوئے اور مدینے سے آٹھ میل دور حمار الاسد پہنچ کر خیبر زن ہوئے۔

إِشَاءْ قِيَامْ مِنْ مَعْبُدَ بْنِ ابِي مَعْبُدْ خَزَاعِيْ رُسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْ خَدْسَتْ مِنْ حَاضِرْ ہُوَكَ حَلْقَهْ بُوشْ إِسلامْ ہوا — اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے شرک ہی پر قائم تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا کیونکہ خزاعہ اور نوہاشم کے درمیان علفت (یعنی دوستی و تعاون کا عہد) تھا۔ بہر کیفت اس نے کہا؟ اے محمد! آپ کو اور آپ کے رفقہ کو جوزک پہنچو، ہے وہ واللہ ہم پر سخت گران گذری ہے۔ ہماری آرز و تھی کہ اللہ آپ کو بعافیت رکھتا۔ — اس اظہار پر ہمدردی پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ بوسیان کے پاس جائے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے جواندیشہ محسوس کیا تھا کہ مشرکین مدینے کی طرف پلٹنے کی بات پوچیں گے وہ بالکل بحق تھا۔ چنانچہ مشرکین نے مدینے سے ۳۴ میل دور مقام رؤاہ پہنچ کر جب پڑاؤ ڈالا تو آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کی۔ کہنے لگے ”تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا۔ ان کی شوکت و قوت توڑ کر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا۔ حالانکہ ابھی ان کے استئنے سر باقی ہیں کہ وہ تمہارے لیے پھر در د مرد ن سکتے ہیں، لہذا وہ اپس چلو اور انہیں جڑ سے صاف کر دو۔“

لیکن ایسا محسوس ہتا ہے کہ یہ سطحی راستے تھی جو ان لوگوں کی طرف سے پیش کی گئی تھی جنہیں فرقیین کی قوت اور ان کے حوصلوں کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ اسی لیے ایک ذمہ دار افسر صفوان بن امیہ نے اس راستے کی مخالفت کی اور کہا: ”لوگوں ایسا نہ کرو۔ مجھے خطرہ ہے کہ جو (مسلمان غزوہ احمدیں) نہیں آتے تھے وہ بھی یا ب تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے لہذا اس حالت میں واپس چلنے چلو کہ فتح تمہاری ہے، ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ مدینے پر پھر پڑھائی کرو گے تو گردش میں پڑ جاؤ گے۔“ لیکن بخاری اکثریت نے یہ راستے قبول نہ کی اور فیصلہ کیا کہ مدینے واپس چلیں گے۔ لیکن ابھی پڑاؤ چھوڑ کر ابوسفیان اور اس کے فوجی بیٹے بھی نہ تھے کہ معبد بن ابی عبد الرحمن پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس نے پوچھا: ”معبد! پچھے کیا خبر ہے؟“ معبد نے — پروگنڈے کا سخت اعصابی حملہ کرتے ہوئے — کہا: ”محمد اپنے ساتھیوں کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں۔ ان کی جمیعتہ اتنی بڑی ہے کہ میں نے یہی جمیعتہ بھی دیکھی ہی نہیں۔ سارے لوگ تمہارے خلاف غصے سے کباب ہوتے جا رہے ہیں۔ احمدیں پہنچے رہ جانے والے بھی آگئے ہیں۔ وہ جو کچھ صالح کر چکے اس پرخت نادم ہیں اور تمہارے خلاف اس قدر بھر کر ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی مثال دیکھی ہی نہیں۔“

ابوسفیان نے کہا: ”ارے بھائی! یہ کیا کہہ رہے ہو؟“

معبد نے کہا: ”واللہ میرا خیال ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پھر گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لے گے یا لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیکے کے پیچے نمودار ہو جائے گا۔“

ابوسفیان نے کہا: ”واللہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ان پر پٹ کر پھر حملہ کریں اور ان کی جڑ کاٹ کر کھو دیں۔“

معبد نے کہا: ”ایسا نہ کرنا۔ میں تمہاری خیرخواہی کی بات کر رہا ہوں۔“

یہ باتیں سن کر لشکر کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ان پر گھبراہٹ اور رعب طاری ہو گیا اور انہیں اسی میں عافیت نظر آئی کر کے کی جانب اپنی واپسی باری کھیں۔ البتہ ابوسفیان نے اسلامی لشکر کو تعاقب

سے باز رکھنے اور اس طرح دوبارہ مسلح گراو سے بچنے کے پلے پر پیگنڈے کا ایک جوابی اعصابی حملہ کیا جس کی صورت یہ ہوتی کہ ابوسفیان کے پاس سے قبلہ عبد القیس کا ایک قافلہ گزرا۔ ابوسفیان نے کہا کیا آپ لوگ میرا ایک پیغام محمدؐ کو پہنچا دیں گے؟ میرا وعدہ ہے کہ اس کے بعد جب آپ لوگ مکہ آئیں گے تو عکاظ کے بازار میں آپ لوگوں کو آٹی کشش دون گا جتنی آپ کی یہ اونٹنی اٹھا سکے گی۔“

ان لوگوں نے کہا: ”جی ہاں۔“

ابوسفیان نے کہا: ”محمدؐ کو یہ نہ پہنچا دیں کہ ہم نے ان کی اور ان کے رفقاء کی جڑ کاٹ دینے کے لیے دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔“

اس کے بعد حبیبؓ یہ قافلہ حمراء اللاد میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پاس سے گزرا تو ان سے ابوسفیان کا پیغام کہہ دیا اور کہا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں، ان سے ڈرو۔ مگر ان کی باتیں سن کر مسلمانوں کے ایمان میں اور اضفافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا حبّتنا اللہ و نعم الوکیل۔ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کار ساز ہے۔ (اس ایمانی قوت کی بدولت) وہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹتے۔ انہیں کسی بُرائی نے نہ چھووا اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی، پیروی کی اور اللہ پر فضل والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اتوار کے دن حمراء اللاد تشریف لے گئے تھے۔ دوشنبہ، منگل اور بدھ یعنی ۱۰-۹ شوال مسیحی تک وہیں مقیم رہے اس کے بعد مدینہ واپس آئے۔ مدینہ والپی سے پہلے ابو عزّہ مجھی پر کی گرفت میں آگیا۔ یہ وہی شخص ہے جسے بعد میں گرفتار کئے جانے کے بعد اس کے فقرادر لڑکیوں کی کثرت کے بسب اس شرط پر ملا عوض چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا لیکن اس شخص نے وعدہ خلافی اور عہد گھنی کی اور اپنے اشعار کے ذریعہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے خلاف لوگوں کے چدیات کو برآنگختہ کیا۔— جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے پھر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے خود مجھی جنگ احمد میں آیا۔ جب یہ گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا یا گیا تو کہنے لگا: ”محمدؐ امیری لغزش سے درگز کر دو۔ مجھ پر احسان کر دو اور یہ پیسوں کی خاطر مجھے چھوڑ دو۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اب دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مکے جا کر اپنے زخما پر ہاتھ پھیروا اور کہو کہ میں نے محمدؐ کو دو مرتبہ دھوکہ دیا۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈساجا سکتا۔ اس کے بعد حضرت زہری

یا حضرت عاصم بن ثابت کو حکم دیا اور انہوں نے اس کی گردان مار دی۔

اسی طرح کے کا ایک جاسوس بھی مارا گیا۔ اس کا نام معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص تھا اور یہ عبد الملک بن مردان کا ناتا تھا۔ یہ شخص اس طرح زد میں آیا کہ جب احمد کے روز مشرکین واپس چلے گئے تو یہ اپنے پھریے بھائی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملتے آیا۔ حضرت عثمان نے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی۔ آپ نے اس شرط پر امان دیدی کہ اگر وہ تین روز کے بعد پایا گیا تو قتل کر دیا جائے گا؛ لیکن جب مرینہ اسلامی شکر سے خالی ہو گیا تو یہ شخص قریش کی جاسوسی کے لیے تین دن سے زیادہ ٹھہر گیا اور جب شکر واپس آیا تو بھاگنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا اور انہوں نے اس شخص کا تعاقب کر کے اسے تیرنگ کر دیا ہے۔

غزوہ حمراء اللاد کا ذکر اگرچہ ایک مستقل نام سے کیا جاتا ہے مگر یہ درحقیقت کوئی مستقل غزوہ نہ تھا بلکہ غزوہ احمد ہی کا جزو و تتمہ اور اسی کے صفحات میں سے یہ کا صفحہ تھا۔

### جنگ احمد میں فتح و شکست کا ایک تجزیہ

یہ ہے غزوہ احمد، اپنے تمام مراحل اور جملہ تفصیلات سیکت۔ اس غزوے کے انجام کے باوجود میں بڑی طول طویل بحثیں کی گئی ہیں کہ آیا اسے مسلمانوں کی شکست سے تعبیر کیا جائے یا نہیں؟ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے تو اس میں شریہ نہیں کہ جنگ کے دوسرے راؤنڈ میں مشرکین کو برتری حاصل تھی اور میدان جنگ نہیں کے ہاتھ تھا۔ جانی نقصان بھی مسلمانوں ہی کا زیادہ ہوا اور زیادہ خوفناک شکل میں ہوا اور مسلمانوں کا کم از کم ایک گروہ یقیناً شکست کھا کر بجا گا اور جنگ کی رفتار بھی شکر کے حق میں رہی، لیکن ان سب کے باوجود بعض امور ایسے ہیں جنکی بناء پر ہم اسے مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

ایک توہی بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ کمی شکر مسلمانوں کے کمپ پر قابض نہیں ہو سکتا تھا اور مدغشکر کے بڑے حصے نے سخت اتحمل تھیں اور بندی کے باوجود فرار نہیں اختیار کیا تھا؛ بلکہ تھائی دلیری سے لڑتے ہوئے اپنے سپہ سالار کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ نیز مسلمانوں کا پلہ اس حد تک ہلکا

ھٹھے غزوہ احمد اور غزوہ حمراء اللاد کی تفصیلات ابن ہشام ۴۰ تا ۱۲۹، زاد المعاویہ ۲۱۹ تا ۲۰۰، فتح الیاری مع صحیح البخاری، رہم ۳ تا ۵، مختصر السیرہ، شیخ عبداللہ ص ۲۲۲ تا ۲۵۰ سے جمع کی گئی ہیں اور دوسرے مصادر کے حوالے متعلقہ مقامات ہی پر دے دیئے گئے ہیں۔

نہیں ہوا تھا کہ کبی شکران کا تعاقب کتا۔ علاوہ ازیں کوئی ایک بھی مسلمان کافروں کی قید میں نہیں گیا نہ کفار نے کوئی مال غنیمت حاصل کیا۔ پھر کفار جنگ کے تیر سے راونڈ کے لیے تیار نہیں ہوئے حالانکہ اسلامی شکران بھی اپنے کمپسپری میں تھا علاوہ ازیں کفار نے میدانِ جنگ میں ایک یادو دن یا تین دن قیام نہیں کیا حالانکہ اس زمانے میں فاتحین کا یہی دستور تھا اور فتح کی یہ ایک نہایت ضروری علامت تھی، مگر کفار نے فوراً واپسی کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں سے پہلے ہی میدانِ جنگ خالی کر دیا۔ نیز انہیں بچے قید کرنے اور بال لوٹنے کے لیے مدینے میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ یہ شہر چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا اور قوع سے مکمل طور پر خالی اور ایک مکمل پڑا تھا اور راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ان ساری باتوں کا حاصل یہ ہے کہ قریش کو زیادہ سے زیادہ صرف یہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ایک وقتی موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ذرا سخت قسم کی زکر بہنچا دی ورنہ اسلامی شکر کو زخمی میں لینے کے بعد اسے کلی طور پر قتل یا قید کر لینے کا جو فائدہ انہیں جگہ نقطہ نظر سے لازماً حاصل ہونا چاہیے تھا اس میں وہ ناکام ہے اور اسلامی شکر قدر بڑے بڑے خسارے کے باوجود ذرخفر توڑ کر کھل گیا؛ اور اس طرح کا خسارہ توہہت ہی دفعہ خود فاتحین کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس لیے اس مسئلے کو مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

بلکہ واپسی کے لیے ابوسفیان کی محبت اس بات کی غماز ہے کہ اسے خطہ تھا کہ اگر جنگ کا تیسرا دور شروع ہو گیا تو اس کا شکر سخت تباہی اور شکست سے دوچار ہو جاتے گا۔ اس بات کی مزیدائیں ابوسفیان کے اس وقت سے ہوتی ہے جو اس نے غزوہ ہجرہ اللاد کے تین اختیارات کیا تھا۔

ایسی صورت میں ہم اس غزوے کو کسی ایک فرق کی فتح اور درسرے کی شکست سے تعبیر کرنے کے بجائے غیر فیصلکن جنگ کہہ سکتے ہیں جس میں ہر فرق نے کامیابی اور نسل سے اپنا اپنا حصہ حاصل کیا۔ پھر میدانِ جنگ سے بھاگے بغیر اور اپنے کمپسپر کو شمن کے قبضہ کے لیے چھوڑے بغیر اطائی سے دامن کشی اختیار کر لی اور غیر فیصلکن جنگ کہتے ہی اسی کوہیں۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ارشاد فکلتی ہے:

وَلَا تَهْنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَالَّمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۚ (۱۱۰:۲)

”قوم (مرشکین) کے تعاقب میں ڈھیلے نہ پڑو۔ اگر تم الام محسوس کر رہے ہو تو تمہاری ہی طرح وہ بھی الام محسوس کر رہے ہیں اور تم لوگ اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ضرر بہنچانے اور ضرر محسوس کرنے میں ایک شکر کو درسرے شکر سے تبیہہ دی ہے

جکا مفاد یہ ہے کہ دونوں فرقے کے موقف متماثل تھے اور دونوں فرقے اس حالت میں وہی ہوتے تھے کہ کوئی بھی غالب نہ تھا۔ بعد میں قرآن مجید نازل ہوا تو اس میں اس معروک کے ایک اس غرضے پر قرآن کا تبصرہ مرحلے پر روشنی ڈالی گئی اور تبصرہ کرتے ہوئے ان اسباب کی خاندہی کی گئی جن کے نتیجے میں مسلمانوں کو اس عظیم خالی سے دوچار ہوتا پڑا تھا اور بتلایا گیا کہ اس طرح کے فیصلہ کن موقع پر اہل ایمان اور یہ امت بھی دوسروں کے مقابل خیر امت ہونے کا تبلہ حاصل ہے، جن اور پچھے اور اہم مقاصد کے حصول کے لیے وجود میں لائی گئی ہے ان کے لحاظ سے ابھی اہل ایمان کے مختلف گروہوں میں کیا کیا کمزوریاں رہ گئی ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے منافقین کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے ان کی حقیقت بے نقاب کی۔ ان کے سینتوں میں خدا اور رسول کے خلاف چھپی ہوئی عداوت کا پردہ فاش کیا اور سادہ لوح مسلمانوں میں ان منافقین اور ان کے بھائی یہود نے جو سو سے بھیلار کھے تھے ان کا ازالہ فرمایا اور ان قابل تائش حکمتوں اور مقاصد کی طرف اشارہ فرمایا جو اس معروکے کا حاصل تھیں۔

اس معروکے کے متعلق سورہ آیٰ عمران کی ساختہ آسمیں نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے معروکے کے ابتدائی مرحلے کا ذکر کیا گیا ارشاد ہوا :

وَإِذْ غَدَّتْ مِنْ أَهْلَكَ تُبُّوئِ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاءِدَ الْفِتَّالِ ط (۱۲۱):۳

”یاد کر جب تم اپنے گھر سے بھل کر امیداں اُندھیں گئے اور رہاں، مؤمنین کو قتال کے لیے جا بجا مقرر کر رہے تھے۔“

پھر اخیر میں اس معروکے کے نتائج اور حکمت پر ایک جامع روشنی ڈالی گئی؛ ارشاد ہوا،  
 مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا آتَمُ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْثَ  
 مِنَ الطَّيِّبِ ط وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ بِمَا  
 مَنْ يَشَاءُ فَمَا مُنْوِا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَسْقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۱۴۹:۲)

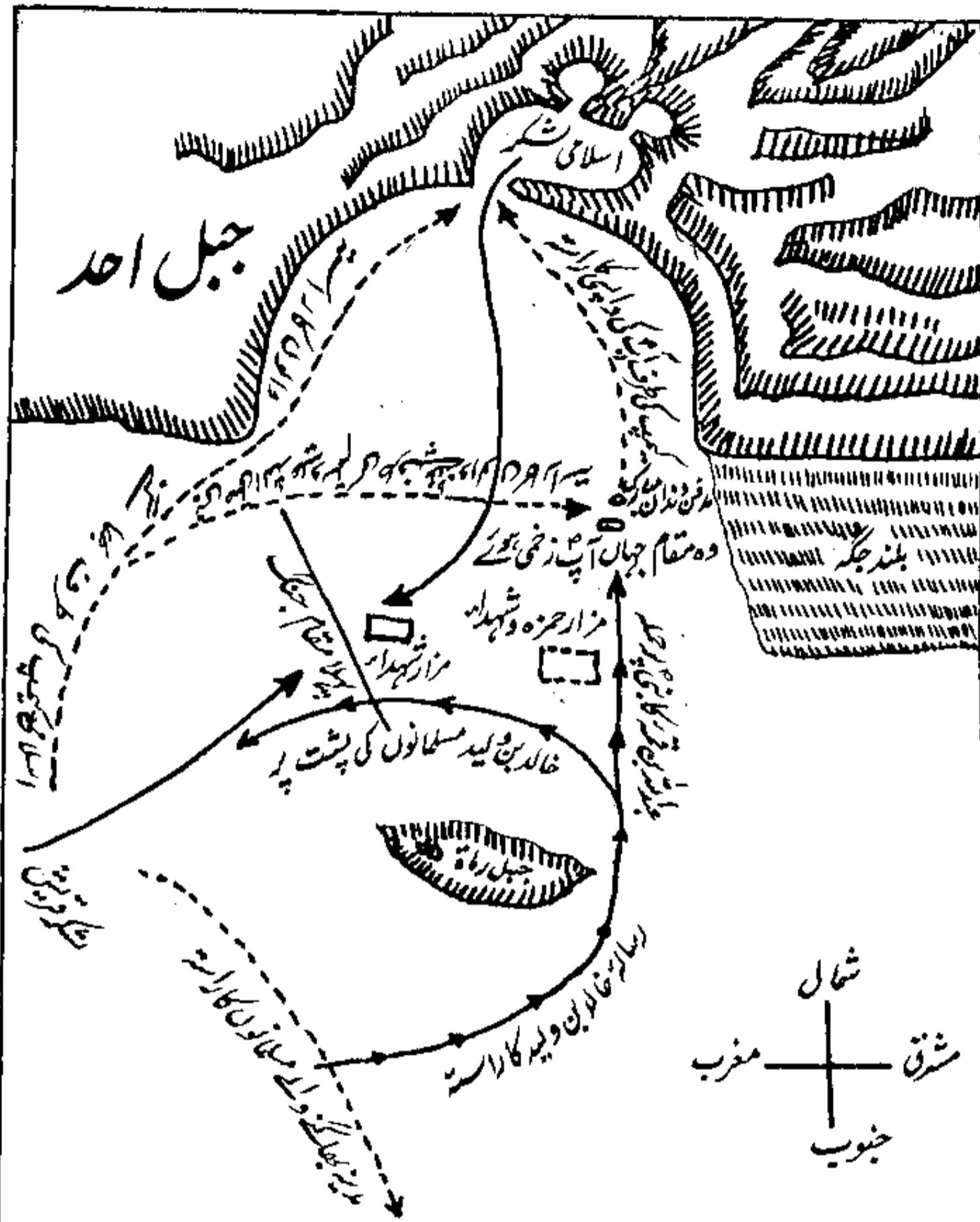
”ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ مؤمنین کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ خبریٹ کو پاکیزہ سے الگ کر دے، اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تمیں غیب پر مطلع کرے، لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر دیتا ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاو اور اگر تم ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے بلا اجر ہے۔“

غزوے میں کافر فرماخذ ای مقاصد و حکمتوں علامہ ابن قیم نے اس عنوان پر بہت قفصل سے

علماء نے کہا ہے کہ غزوہ احمد اور اس کے اندر مسلمانوں کو پیش آنے والی زک میں بڑی عظیم رتابی حکمتیں اور فوائد تھے۔ مثلاً مسلمانوں کو محیت کے پرے انجام اور انتکاب نہی کی نحوست سے آگاہ کرنا۔ کیونکہ تیرانمازوں کو اپنے مرکز پر ڈٹے رہنے کا جو حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا انہوں نے اس کی خلاف درزی کرتے ہوئے مرکز چھوڑ دیا تھا (اور اسی وجہ سے زک الٹھانی پڑی تھی) ایک حکمت پر غبزوں کی اس سُنت کا انہمار تھا کہ پہلے وہ ابتلاء میں ڈالے جاتے ہیں پھر انعام کا انہیں کو کامیابی ملتی ہے؟ اور اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ہی کامیابی حاصل ہو تو اہل ایمان کی صفوں میں وہ لوگ بھی لھوں آئیں گے جو صاحبِ ایمان نہیں ہیں۔ پھر صادق و کاذب میں تمیز نہ ہو سکے گی۔ اور اگر ہمیشہ شکست ہی شکست سے دوچار ہوں تو ان کی بعثت کا مقصد ہی پورانہ ہو سکے گا۔ اس لیے حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتیں پیش آئیں تاکہ صادق و کاذب میں تمیز ہو جائے۔ کیونکہ منافقین کا نفاق مسلمانوں سے پوشیدہ تھا جب یہ واقعہ پیش آیا اور اہل نفاق نے اپنے قول و فعل کا انہمار کیا تو اشارہ صراحت میں بدل گیا اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے اپنے گھروں کے اندر بھی ان کے دشمن موجود ہیں؛ اس لیے مسلمان ان سے نہنے کے لیے مستعد اور ان کی طرف سے محتاط ہو گئے۔

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ بعض مقامات پر مدد کی آمد میں تاخیر سے خاکساری پیدا ہوتی ہے اور قس کا غور ٹوٹتا ہے۔ چنانچہ جب اہل ایمان ابتلاء سے دوچار ہوئے تو انہوں نے صبر سے کام لیا؛ البتہ منافقین میں آہ و زاری بھی گئی۔

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ نے اہل ایمان کے لیے اپنے اعزاز کے گھر (یعنی جنت) میں کچھ لیے درجات تیار کر رکھے ہیں جہاں تک ان کے اعمال کی رسائی نہیں ہوتی۔ لہذا ابتلاء و محن کے بھی کچھ اسباب مقرر فرمائے ہیں تاکہ ان کی وجہ سے ان درجات تک اہل ایمان کی رسائی ہو جائے۔ اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ شہادت اولیاء کرم کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، لہذا یہ مرتبہ ان کیلئے میا فرمادیا گیا۔ اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ اپنے دشمنوں کو بلاک کرنا چاہتا تھا۔ لہذا ان کے لیے اس کے اسباب بھی فرمائے گئے؛ یعنی کفر و ظلم اور اولیاء اللہ کی ایذاء رسائی میں عدسه بڑھی ہوئی سرکشی۔ (پھر ان کے اسی عمل کے نتیجے میں) اہل ایمان کو گناہوں سے پاک و صاف کر دیا اور کافرین کو بلاک و برباد کیا۔



ابتداء میں مسلمانوں نے مشرکین کو شکست فاصلہ دی اور ان کے کچھ پر دھاوا بول دیا۔ مگر عین اُسی وقت جبل عینین (جبل رماۃ) پر تعمیق تیرانہ مدارزوں نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید فوراً چکر کاٹ کر مسلمانوں کی پشت پر چڑھنے لگے اور انہیں زخم میں لے کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

## اُحد کے بعد کی فوجی مہماں

مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پا اُحد کی ناکامی کا بہت برا اثر ٹپا۔ ان کی ہوا اکھر گئی اور مخالفین کے دلوں سے ان کی ہمیت جاتی رہی۔ اس کے نتیجے میں اہل ایمان کی داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہو گیا۔ مدینے پر ہر جانب سے خطرات منڈلانے لگے یہود، منافقین اور بیویوں نے کھل کر عداوت کا مظاہرہ کیا اور ہرگز وہ نے مسلمانوں کو زیر پنچالنے کی کوشش کی؛ بلکہ یہ توقع باندھ لی کر وہ مسلمانوں کا کام تمام کر سکتا ہے اور انہیں یعنی وبن سے اکھاڑ سکتا ہے چنانچہ اس غزوہ کے کامی دو مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ بنو اسد نے مدینے پر چھاپا رہا۔ نے تیاری کی پھر صفر ۷ھ میں عضل اور قارہ کے قبائل نے ایک ایسی مکارانہ چال چلی کہ دس صحابہ کرام کو جام شہادت نوش کرنا پڑا؛ اور ٹھیک اسی مہینے میں یہیں بنو عامر نے اسی طرح کی ایک غازی کے ذریعے شرط صحابہ کرام کو شہادت سے ہمکنار کرایا۔ یہ حادثہ بہر معونة کے نام سے معروف ہے۔ اس دوران بنو قصیر بھی کھلی عداوت کا مظاہرہ شروع کر چکے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ربیع الاول سکھ میں خوبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ ادھر پونغمطوان کی جرأت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے جادی الاولی سکھ میں مدینے پر حملہ کا پروگرام بنایا۔ غرض مسلمانوں کی جو ساکھ غزوہ اُحد میں اکھر گئی تھی اس کے نتیجے میں مسلمان ایک مدت تک یہیں خطرات سے دوچار رہے۔ لیکن وہ تو زیبی کریم ﷺ کی حکمت بالغہ تھی جس نے سارے خطرات کا رُخ پھیر کر مسلمانوں کی ہمیت رفتہ والپس دلا دی اور انہیں دوبارہ مجد و عزت کے مقام بلنے تک پہنچا دیا۔ اس سلسلے میں آپ کا سب سے پہلا قدم حمراء اللاد تک مشرکین کے تعاقب کا تھا اس کا رواتی سے آپ کے شکر کی آبرو بڑی حد تک برقرار رہ گئی کیونکہ یہ ایسا پروقار اور شجاعت پر مبنی جنگی اقدام تھا کہ مخالفین خصوصاً منافقین اور یہود کا منہ جیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر آپ نے مسلل ایسی جنگی کا ررواپیا کیس کہ ان سے مسلمانوں کی صرف سابقہ ہمیت ہی بحال نہیں ہوئی بلکہ اس میں مزید اضافہ بھی ہو گیا۔ اگلے صفحات میں انہیں کا کچھ تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

**جنگ اُحد کے بعد مسلمانوں کے خلاف سب سے پہلے بنو اسد بن خزیرہ کا اہل سریہ ابو سلمہ** قبیلہ اٹھا۔ اس کے متعلق مدینے میں یہ اعلان پہنچی کہ خورمکد کے دو بیٹے طلب اور

سلمہ اپنی قوم اور اپنے اطاعت شاروں کو لے کر بنا سد کو رسول اللہ ﷺ پر حملے کی دعوت دیتے چھر ہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جھٹ ٹیڑھ سوانصار و مہاجرین کا ایک دستہ تیار فرمایا اور حضرت ابو سلمہؓ کو اس کا عالم دے کر پسالا رینا کر روانہ فرمایا۔ حضرت ابو سلمہ نے بنو مدد کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی ان پر اس قدر اچانک حملہ کیا کہ وہ بھاگ کر ادھر ادھر بھجو گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اوٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور سالم و غاصم مدینہ واپس آگئے۔ انہیں دو بُردو ہنگ بھی تھیں لڑنی پڑی۔

**۱- سری محرم سالہ کا چاند نمودار ہونے پر روانہ کیا گیا تھا۔** واپسی کے بعد حضرت ابو سلمہؓ کا ایک رخجم جوان ہیں احمد میں لگاتھا، پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے وہ جلد ہی وفات پا گئے یہ

**۲- عبد اللہ بن امیر رضی کی مہتمم** اسی ماہ محرم سالہ کی ۵ تاریخ کو نی خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذا مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں کے لیے فوج جمع کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف کا رروائی کے لیے عبد اللہ بن امیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

عبد اللہ بن امیر رضی اللہ عنہ مدینہ سے ۸ روز باہرہ کر ۲۴ محرم کو واپس تشریف لاتے وہ خالد کو قتل کر کے اس کا سر بھی ہراہ لاتے تھے۔ جب خدمت نبوی میں حاضر ہو کر انہوں نے یہ سرآپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے انہیں ایک عصا مر جھٹ فرمایا اور فرمایا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان قیامت کے روز ثانی رہے گا۔ چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ یہ عصا بھی ان کے ساتھ ان کے کفن میں لپیٹ دیا جائے یہ

**۳- رجیح کا حادثہ** اسی سال سالہ کے ماہ صفر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عضل اور

قارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوتے اور ذکر کیا کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ حرقچا ہے لہذا آپ ان کے ہمراہ کچھ لوگوں کو دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لیے روانہ فرمادیں۔ آپ نے ابن اسحاق کے بقول چھو افراد کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق دس افراد کو روانہ فرمایا اور ابن اسحاق کے بقول مژہ بن ابی مرشد غنوی کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عاصم بن عمر بن خطاب کے ناتا حضرت عاصم بن ثابت کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ رائش اور جدہ کے درمیان قبیله ہذیل کے زیجع نامی ایک پشتے پر پہنچے تو ان پر عضل اور قارہ کے ذکر کردہ افراد نے قبیله ہذیل کی ایک شاخ بنو الحیان کو چڑھا دیا اور بنو الحیان کے کوئی ایک سوریہ اندازان کے پیچھے لگ گئے اور نشانات قدم

دیکھ دیکھ کر انہیں جالیا۔ یہ صحابہ کرام ایک ٹیکے پر پناہ گیر ہو گئے۔ بنو الحبیان نے انہیں گھیر لیا اور کہا، ”تمہارے لیے عہد و پیمان ہے کہ اگر ہمارے پاس اتر آؤ تو ہم تمہارے کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے۔“ حضرت عاصم نے اترے سے انکار کر دیا اور اپنے رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ بالآخر تیروں کی بوجھاڑ سے سات افراد شہید ہو گئے اور صرف تین آدمی حضرت خبیث، زید بن شمشہ اور ایک اور صحابی باقی رہے۔ اب پھر بنو الحبیان نے اپنا عہد و پیمان دہرا لیا اور اس پیغمبوں صحابی ان کے پاس اترے لیکن انہوں نے قابو پاتے ہی بد عہدی کی اور انہیں اپنی کمانوں کی تانت سے باندھ لیا۔ اس پر تیسرے صحابی نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ پہلی بد عہدی ہے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہ مخفی گھیث کر ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے تو انہیں قتل کر دیا اور حضرت خبیث اور زید رضی اللہ عنہما کو مکہ لیجا کر زیج دیا۔ ان دونوں صحابہ نے پدر کے روزاہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔

حضرت خبیث کچھ عرصہ اہل مکہ کی قید میں رہے، پھر کئے والوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا اور انہیں حرم سے باہر تعمیم لے گئے۔ جب سولی پر چڑھانا چاہا تو انہوں نے فرمایا: ”مجھے چھوڑ دو ذرا دو کعut نماز پڑھوں۔“ مشرکین نے چھوڑ دیا اور آپ نے دو کعut نماز پڑھی۔ جب سلام پھیر کر تو فرمایا: ”خدا اگر تم لوگ یہ نہ کہتے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں گھبراہٹ کی وجہ سے کر رہا ہوں تو میں کچھ اور طول دیتا۔“ اس کے بعد فرمایا: ”لے اللہ! انہیں ایک ایک کر کے گن لے پھر انہیں بکھیر کر مارنا اور ان میں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑنا۔“ پھر یہ اشعار کہے:

لقد اجمع الاحزاب حولي والبوا	قبائلهم واستجتمعوا حکل مجمع
وقد قربوا ابناء هسو و نساءهم	وقربت من جزع طويل ممنوع
الي الله اشکو غربتي بعد كربني	وماجمع الاحزاب لي عند مضجعي
فذ المرض صبرني على ما يرا دني	فقد بضعوا الحمى وقد يؤس مطعنى
وقد خيروني الكفر والموت دونه	فقد ذرفت عيناي من غير مدعى
ولست ابالي حين اقتل مسلما	على اي شق حكان لله مضجعى
وذلك في ذات الاله وإن يشا	يبارك على اوصال شلومى مع
” لوگ میرے گرد گروہ در گروہ جمع ہو گئے ہیں، اپنے قبائل کو پڑھا لائے ہیں اور سارا جمع جمع	

کر لیا ہے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی قریب لے آئے ہیں اور مجھے ایک لمبے مضبوطت نے کے قریب کر دیا ہے میں اپنی بے وطنی دلکشی کا شکوہ اور اپنی قتل گاہ کے پاس گرد ہوں کی جمیع کردہ آفات کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ اسے عرش والے امیرے خلاف دشمنوں کے جوارا دے ہیں اس پر مجھے صبر دے۔ انہوں نے مجھے بوٹی بوٹی کر دیا ہے اور میری خوراک بُری ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے کفر کا اختیار دیا ہے حالانکہ موت اس سے کم تر اور آسان ہے۔ میری آنکھیں آنسو کے بغیر امند آئیں میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے پردا نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل ہوں گا۔ یہ تو اللہ کی ذات کے لیے ہے اور وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کئے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ میں برکت ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت غبیرؓ سے کہا: کیا تمہیں یہ بات پسند آئے گی کہ تمہارے پسلے (محمدؐ ہمارے پاس ہوتے ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے اہل و عیال میں رہتے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ واللہ مجھے تو یہ بھی گواہا نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں رہوں اور اس کے پسلے) محمدؐ کو جہاں آپ ہیں وہیں رہتے ہوئے کاشاً چھڑ جاتے، اور وہ آپ کو تکلیف نہ ہے۔

اس کے بعد شرکین نے انہیں سولی پر لٹکا دیا اور ان کی لاش کی نگرانی کے لیے آدمی مقرر کر دیے ہیں لیکن حضرت عمر بن امیمہ ضمیری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رات میں جہانہ دے کے لاش اٹھائے گئے اور اسے دفن کر دیا۔ حضرت غبیرؓ کا فاتح عقبہ بن حارث تھا۔ حضرت غبیرؓ نے اس کے باپ حارث کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت غبیرؓ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قتل کے موقع پر (دور کشت نماز پڑھنے کا طریقہ شروع کیا۔ انہیں قید میں دکھایا گیا کہ وہ انگور کے گچھے کھا رہے تھے حالانکہ ان دونوں لئے میں کھجور بھی نہیں ملتی تھی)۔

لئے صحابی جو اس واقعے میں گرفتار ہوئے تھے، یعنی حضرت زید بن دشنا، انہیں صفویان بن امیمہ نے خرید کر اپنے باپ کے پسلے قتل کر دیا۔

قریش نے اس مقصد کے لیے بھی آدمی بھیج کر حضرت عاصم کے جسم کا کوئی نکودا لایں جس سے انہیں پہچانا جاسکے کیونکہ انہوں نے جنگ بدر میں قریش کے کسی عظیم آدمی کو قتل کیا تھا لیکن اللہ نے ان پر بھڑوں کا جہنم بھیج دیا جس نے قریش کے آدمیوں سے ان کی لاش کی حفاظت کی اور یہ لوگ ان کا کوئی حصہ حاصل کرنے پر قدرت نہ پا سکے۔ درحقیقت حضرت عاصم نے اللہ سے یہ وعدہ پیا۔

کر کھا تھا کہ زانہ میں کوئی مشرک چھوئے گا نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے۔ بعد میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ تھے کہ اللہ موسی بن ندیم کی حفاظت اس کی وفات کے بعد بھی کرتا ہے جیسے اس کی زندگی ہیں کرتا ہے یہی

**۳۔ بُشْرَ مَعْوِنَةُ الْمَيْسِرِ** | بھی میش آیا، جو رجیع کے حادثہ سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو بار، عامر بن ماذک، ہجولہ اعلیٰ عبادۃ اللہ (نیزوں سے کھلنتے والا) کے لقب سے مشہور تھا، مدینہ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دیا۔ اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن دُوری بھی خستیاں نہیں کی۔ اس نے کہا: "اَسْلَمَ كَرَ رَسُولُهُ"! اگر آپ اپنے اصحاب کو دعوت دین کے لیے اہل نجد کے پاس بھیجن تو مجھے امید ہے کہ وہ لوگ پھر دعوت قبول کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے اپنے صحابہ کے متعلق اہل نجد سے خطرہ ہے۔ ابو بارتے کہا: وہ میری پناہ میں ہوں گے۔" اس پر نبی ﷺ نے ابن اسحاق کے بقول چالیس اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق شتر آدمیوں کو اس کے ہمراہ تصحیح دیا۔ شرعاً کی روایت درست ہے، اور مذہد بن عمزہ کو ہونو سعادہ سے تعلق رکھتے تھے اور مقصود الموت، "موت کے لیے آزاد کردہ" کے لقب سے مشہور تھے، ان کا امیر پناہ دیا۔ یہ لوگ فضلاء، فرار اور سادات و اخیار صحابہ تھے۔ دن میں بکڑیاں کاٹ کر اس کے عوض اہل صفة کے لیے غلہ خریدتے اور قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے اور رات میں خدا کے حضور مناجات و نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس طرح چلتے چلاتے معاونہ کے کنوئیں پر جا پہنچے۔ یہ کنوں بتو عامرا اور حرہ بنی سلیمان کے درمیان ایک نہیں میں واقع ہے۔ وہاں پڑاؤ ڈلنے کے بعد ان صحابہ کرام نے اُمّہ سلیمان کے بھائی حرام بن ملhan کو رسول اللہ ﷺ کا خط و سے کردیں خدا عامر بن طفیل کے پاس روانہ کیا، لیکن اس نے خط کو دیکھا تک نہیں اور ایک آدمی کو اشارہ کر دیا جس نے حضرت حرام کو پہنچے سے اس زور کا بیزہ مارا کہ وہ نیزہ آر پار ہو گیا۔ خون دیکھ کر حضرت حرام نے فرمایا: "اللہ اکبر ارب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

اس کے بعد فوراً ہی اس دشمن خدا عامر نے باقی صحابہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلہ بنی عامر کو آواز دی۔ مگر انہوں نے ابو بار کی پناہ کے پیش نظر اس کی آواز پر کان نہ ڈھکے۔ ادھر سے

مايوں ہو کر اس شخص نے بتوسلیکم کو آواز دی۔ بنو سلیکم کے تین قبیلوں عصیہ، رعل اور ذکوان نے اس پر بیک کہا اور بحث آگر ان صحابہ کرام کا محاصرہ کر لیا۔ جو اب اصحابہ کرام نے بھی لڑائی کی مگر سب کے سب شہید ہو گئے۔ صرف حضرت کعب بن زید بن شجاع رضی اللہ عنہ زندہ رہے۔ انہیں شہداء کے درمیان سے زخمی حالت میں اٹھا لایا گیا اور وہ جنگ خندق تک حیات رہے۔ ان کے علاوہ منہہ دو صحابہ حضرت عمر بن امیرہ ضمری اور حضرت منذر بن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما اونٹ چڑا رہے تھے۔ انہوں نے جاتے واردات پر چڑیوں کو منڈلاتے دیکھا تو سیدھے جلتے واردات پر پہنچے۔ پھر حضرت منذر تو اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر شرکیں سے لٹتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمر بن امیرہ ضمری کو قید کر لیا گیا۔ لیکن جب بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلہ مُضر سے ہے تو عامر نے ان کی پیشافی کے یال کٹو اکر انپی ماں کی طرف سے — جس پر ایک گروہ آزاد کرنے کی نذر تھی — آزاد کر دیا۔

حضرت عمر بن امیرہ ضمری رضی اللہ عنہ اس دردناک ایسے کی خبر کے مدینہ پہنچے، ان ستانہ مسلمین کی شہادت کے لیے نے جنگِ اُحد کا چرکہ تازہ کر دیا۔ اور یہ اس لحاظ سے زیادہ المناک تھا کہ شہداء احمد تو ایک کھلی ہوئی اور دو بدوجنگ میں مارے گئے تھے مگر یہ بیچارے ایک شہرمناک خداری کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر بن امیرہ ضمری والپی میں وادی قناہ کے سرے پر واقع مقام قرقہ پہنچتے تو ایک درخت کے سائز میں اتر پڑے۔ وہیں بنو کلب کے دو آدمی بھی اُکرا اتر رہے۔ جب وہ دونوں بخوبی سو گئے تو حضرت عمر بن امیرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کا صفائیا کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اپنے ساتھیوں کا بدلہ رہے ہیں حالانکہ ان دونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد تھا مگر حضرت عمر جانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب مدینہ اگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی اس کارروائی کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کی دیت مجھے لازماً ادا کرنی ہے۔ اس کے بعد آپ مسلمان اور انکے علقہ ایہود سے دیت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے تھے اور یہی اقواء مزده بھی نصیر کا بسب بننا۔ جیسا کہ آگے آگے آ رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو معونة اور جمیع کے ان المناک واقعات سے جو چند ہی دن آگے کچھ پیش آئے تھے، اس قدر رنج پہنچا اور آپ اس قدر غمگین و لفگار ہوئے تھے کہ جن قوموں اور

کے دیکھنے ابن ہشام ۲/۱۸۸، تابع ۱، زاد المعاوی ۲، ۱۰۹، ۱۱۰، صحیح بخاری ۲/۵۰، ۵۸۶

ہے واقعی نکھاہ ہے کہ جمیع اور معونة دونوں حادثوں کی خیر رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔

لہ ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام جس قدر اہل بر معرفت پر (آل الحسن)

قبیلوں نے ان صحابہ کرام کے ساتھ غدر و قتل کا یہ سلوک کیا تھا آپ نے ان پر ایک ہمینہ تک بددعا فرمائی۔ پھرنا پنج صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے صحابہ کو بتر معونہ پرشہید کیا تھا آپ نے ان پر تیس روز تک بددعا کی۔ آپ نماز فجر میں رعل، ذکوان، لمیان اور عصیہ پر بددعا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اپنے نبی پر وحی نازل کی، جو بعد میں مسوخ ہو گئی۔ وہ وحی یہ تھی: «بخاری قوم کو یہ بتلا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنای قوت ترک فرمادیا بجہ

**۵-غزوہ بنی نضیر** | ہم بتا پچکے ہیں کہ یہود اسلام اور مسلمانوں سے جلتے بُختے تھے مگر چونکہ سچائے کیتے اور عداوت کا منظاہرہ کرتے تھے اور مسلمانوں کو عہد و پیمان کے باوجود اذیت دینے کے لیے طرح طرح کے جیلے اور تمیزیں کرتے تھے۔ البتہ بوقیفۃ القاع کی جلاوطنی اور کعب بن شہن کے قتل کا واقعہ میش آیا تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر خاموشی اور رکون خستیار کر لیا، لیکن غزوہ احمد کے بعد ان کی جرأت پھر پڑت آئی۔ انہوں نے کھلم کھلا عداوت و بد عہدی کی۔ مدینہ کے منافقین اور مکہ کے مشرکین سے پس پردہ ساز باز کی اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں کام کیا ہے۔

نبی ﷺ نے سب کی جگہ جانتے ہوئے صبر سے کام لیا لیکن جمیع اور معونہ کے حادثات کے بعد یہود کی جرأت و جسارت حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے نبی ﷺ کے خاتمے کا پروگرام بنالیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے چند صحابہ کے ہمراہ یہود کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بنو کلاب کے ان دونوں مقتولین کی درت میں اعانت کے لیے بات چیت کی۔ (جنہیں حضرت غزوہ بن امیرہ ضمیری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔) ان پر معاہدے کی رو سے یہ اعانت واجب تھی۔ انہوں

(بیہقی ذکر شرمنو، غمگین بھئے میں تے کسی اور پر آپ کو اتنا زیادہ غمگین ہوتے نہیں دیکھا۔ مختصر البرہة لشیخ عبداللہ صرف ۲۶۳)

کے صحیح بخاری ۲/۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸

۶- سنن ابن داؤد باب خبر النضیر کی روایت سے یہ بات مستفاد ہے دیکھئے سنن ابن داؤد مع شرح

نے کہا: "ابو القاسمہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ بہاں تشریف رکھئے ہم آپ کی ضرورت پری کئے دیتے ہیں۔ آپ ان کے ایک گھر کی دیوار سے لیک لگا کر بیٹھ گئے اور ان کے وعدے کی تکمیل کا انتظام کرنے لگے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی اور صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی تشریف فرماتھی۔

ادھر یہود تہائی میں جمع ہوتے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور جو بدجنتی ان کا نشستہ تقدیر بن چکی تھی اسے شیطان نے خوشنما بن کر پیش کیا۔ یعنی ان یہود نے باہم مشورہ کیا کہ کیوں نہ نبی ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ کون ہے جو اس چکلی کو لے کر اور پر جائے اور آپ کے سر پر گرا کر آپ کو کچل دے۔ اس پر ایک بدجنت یہودی عزوب بن جماش نے کہا، میں... ان لوگوں سے سلام میں مسلم نے کہا بھی کہ ایسا نہ کرو کیونکہ خدا کی قسم انہیں تمہارے ارادوں کی خبر دیدی جاتے گی اور پھر تمہارے اور ان کے درمیان جو عہد و پیمان ہے یہ اس کی خلاف ورزی بھی ہے، لیکن انہوں نے ایک نہ سنتی اور اپنے منصبے کو روپہ عمل لانے کے عوام پر قرار رہے۔

ادھر رتب العالمین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جہریل تشریف لائے اور آپ کو یہود کے ارادے سے باخبر کیا۔ آپ تیزی سے اٹھے اور مدینے کے لیے چل پڑے۔ بعد میں صحابہ کرام بھی آپ سے آن ملے اور کہنے لگے کہ آپ اٹھ آئے اور ہم سمجھنے سکے۔ آپ نے بتایا کہ یہود کا کیا ارادہ تھا۔

میرے واپس آگر آپ نے فوراً ہی محمد بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس روانہ فرمایا اور انہیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ اب بہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد جو شخص پایا جائے گا اس کی گردان مار دی جائے گی۔ اس نوٹس کے بعد یہود کو جلاوطنی کے سوا کوئی چارہ کا رسمجھ میں نہیں آیا۔ چنانچہ وہ چند دن تک سفر کی تیاریاں کرتے رہے۔ لیکن اسی دو دن عبد اللہ بن ابی رمیس المنافقین نے کہلا بیججا کہ اپنی جگہ برقرار رہو، ڈٹ جاؤ؛ اور گھر بارہ چھوڑو میرے پاس دو ہزار مردان جنگی ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعے میں داخل ہو کر تمہاری حفاظت میں ٹھان دے دیں گے اور اگر تمہیں نکالا ہی گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی سے ہرگز نہیں دیں گے؛ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور بنو قریظہ اور بنو عُطَّافَان جو تمہارے صلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔

یہ پیغام مُن کر یہود کی خود اعتمادی پلٹ آئی اور انہوں نے طے کر لیا کہ جلاوطن ہونے کے بجائے ملکر لی جائے گی۔ ان کے سردار حُسْنی بن اخطب کو توقع تھی کہ راس المناقیفین نے جو کچھ کہا ہے وہ پورا کرے گا اس لیے اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جوابی پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے دیار سے نہیں نکلتے آپ کو جو کرنا ہو کر لیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لحاظ سے یہ صورت حال نازک تھی، کیونکہ ان کے لیے اپنی تاریخ کے اس نازک اور پیچیدہ موڑ پر ڈھننوں سے ملکراو کچھ زیادہ مفید و مناسب نہ تھا۔ انجام خطرناک ہوتا تھا۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا اور مسلمانوں کے دو تبلیغی و فوڈ نہایات بے دردی سے تیرتے کیے جا پکے تھے۔ پھر بنی نضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہ تھا اور ان سے جنگ مول یعنی میں طرح طرح کے خشبات تھے۔ مگر ہر معونة کے لیے سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات نے جو نتیجہ کروٹ لی تھی اس کی وجہ سے مسلمان قتل اور بد عہدی بھیے جرام کے سلسلے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے اور ان جرام کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ انتقام فزوں تر ہو گیا تھا۔ لہذا انہوں نے طے کر لیا کہ جو بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا پروگرام بنایا تھا اس لیے ان سے بہر حال لڑتا ہے۔ خواہ اس کے نتائج جو بھی ہوں پھر نبی حب رُسُول اللہ ﷺ کو حسی بن اخطب کا جوابی پیغام ملا تو آپ نے اور صحابہ کرام نے کہا، اللہ اکبر، اور پھر لڑائی کے لیے انہوں کھڑے ہوئے اور حضرت ابن امِم مکتوم کو مدینہ کا انتظام سونپ کر بنو نضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں علم تھا بنو نضیر کے علاقے میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر دیا گیا۔

ادھر بنو نضیر نے اپنے فکریوں اور گڑھیوں میں پناہ لی اور قلعہ بندہ کر فصیل سے تیر اور پتھر رہاتے رہے۔ چونکہ بھروسے باغات ان کے لیے پر کا کام دے رہے تھے اس لیے آپ نے حکم دیا کہ ان دھتوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ بعد میں اسی کی طرف اشارہ کر کے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

**وَهَانَ عَلَى سَرَّاهَةِ بْنِ لَوْيَىٰ حَرَبَقَةِ بَالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ**

بنی لوی کے سرداروں کے لیے یہ معمولی بات تھی کہ بُریزہ میں آگ کے شعلے بلند ہوں دبیرہ ابنو نضیر کے نخلستان کا نام تھا، اور اسی کے پارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نازل ہوا:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْسَةً أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فِيَادِرِ اللَّهِ  
وَلِيُخْرِجَ الْفَسِيقِينَ ۝ (۵۱:۵۹)

”تم نے کھور کے جود دخت کاٹے یا جہیں اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا وہ سب اللہ ہی کے اذن سے  
تھا۔ اور ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ اللہ ان فاسقوں کو رسوا کرے“

بہر حال جب ان کا محاصرہ کر لیا گیا تو بنو قریظہ ان سے الگ تھلاک رہے۔ عبداللہ بن ابی  
نے بھی خیانت کی اور ان کے علیف غطفان بھی مدد کونہ آئے۔ غرض کوئی بھی انہیں مدد دینے  
یا ان کی مصیبت مٹانے پر آمادہ نہ ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعے کی مثال یوں بیان  
فرماتی:

كَعَثَلَ الشَّيْطَنِ إِذْ قَالَ لِلإِنْسَانِ الْكُفْرُ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِئٌ مِّمْنُكَ..  
(۱۶:۵۹)

”بیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کفر کو اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے میں تمہے بری ہو“  
محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا بلکہ صرف چھ رات۔ یا بقول بعض پندرہ رات۔  
جاری رہا کہ اس دورانِ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، وہ  
ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو کہلوا یہ بھیجا کہ ہم مدینے سے نکلنے کو تیار ہیں۔  
آپ نے ان کی جلاوطنی کی پیش کش منظور فرمائی اور یہ بھی منظور فرمایا کہ وہ اسلام کے سوا باقی جتنا  
ساز و سامان اونٹوں پر لاد سکتے ہوں سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں۔

بنو نضیر نے اس منظوری کے بعد ہتھیار ڈال دیتے اور اپنے ہاتھوں اپنے مکانات اجاز ڈالے  
تاکہ دروازے اور کھڑکیاں بھی لاد لے جائیں۔ بلکہ بعض بعض نے توجہت کی کڑیاں اور دیواروں کی  
کھوٹیاں بھی لاد لیں۔ پھر عورتوں اور بچوں کو سوار کیا اور چھ سو اونٹوں پر لد لدا کر روانہ ہو گئے پر مشتمل  
ہیود اور ان کے اکابر مثلاً حمیں بن اخطب اور سلام بن ابی الحصین نے خبر کا رُخ کیا۔ ایک جماعت  
ملک شام روانہ ہوئی صرف دو آدمیوں یعنی یامن بن عمرو اور ابو شعید بن وہب نے اسلام قبول  
کیا۔ اہذا ان کے مال کو باتھ نہیں لکھا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق بنو نضیر کے ہتھیار، زمین، گھر اور باغات اپنے  
قبضے میں لے لیے ہتھیار میں پچاس زمینیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

بنو نضیر کے یہ باغات، زمین اور مکانات خالص رسول اللہ ﷺ کا حق تھا۔ آپ کو اختیار تھا

کہ آپ اسے اپنے لیے محفوظ رکھیں یا جسے چاہیں دیں۔ چنانچہ آپ نے (مال غنیمت کی طرح) ان اموال کا خمس رپانچواں حصہ نہیں نکالا کیونکہ اسے اللہ نے آپ کو بطور قے دیا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر اسے ربز و شمشیر فتح نہیں کیا تھا لہذا آپ نے اپنے اس اختیار خصوصی کے تحت اس پورے مال کو صرف مہاجرین اولین پر تقسیم فرمایا۔ البته و انصاری صحابہ یعنی ابو جانہ اور سہل بن عینیت رضی اللہ عنہما کو ان کے فقر کے سبب اس میں سے کچھ عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ نے (ایک چھوٹا سا مکمل اپنے لیے محفوظ رکھا جس میں سے آپ) اپنی ازواج مطہرات کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے اور اس کے بعد جو کچھ پختا تھا اسے جہاد کی تیاری کے لیے تھیا را اور گھوڑوں کی فراہمی میں صرف فرمادیتے تھے۔

غزوہ بنی نضیرہ زیع الاقل سے، ۲۵ اگست ۶۲۵ء میں پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس تعلیم سے پوری سورہ حشر تازل فرمائی جس میں یہود کی جدال طبی کافشہ کھینچتے ہوئے منافقین کے طرزِ عمل کا پردہ فاش کیا گیا ہے اور مال فتنے کے احکام بیان فرماتے ہوئے مہاجرین و انصار کی مدح و تائش کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنگی مصالح کے پیش نظر شمن کے ذریت کامل جاسکتے ہیں اور ان میں اگ لگانی جاسکتی ہے۔ ایسا کرننا فادی الارض نہیں ہے۔ پھر ایمان کو تقویٰ کے التزام اور آخرت کی تیاری کی تاکید کی گئی ہے۔ ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد و شکر فرماتے ہوئے اور اپنے اسماء و صفات کو بیان کرتے ہوئے سورۃ ختم فرمادی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اس سورہ (حشر) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورہ بنی نضیر کو<sup>۹</sup> غزوہ بنی نضیر میں کسی قرآنی کے بغیر مسلمانوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوتی۔ اس ۴۔ غزوہ تجہید سے مذینے میں فاتح مسلمانوں کا اقتدار مضبوط ہو گیا اور منافقین پر ڈالی چھاگئی۔ اب انہیں کھل کر کچھ کرنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ ان بدروں کی خبر لینے کے لیے بکسو ہو گئے جنہوں نے اُند کے بعد ہی سے مسلمانوں کو سخت مشکلات میں الجھا رکھا تھا اور بہایت ظالمانہ طریقے سے داعیان اسلام پر حملہ کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار پکے تھے اور اب ان کی جرأت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ مذینے پر چڑھائی کی سوچ رہے تھے۔

چنانچہ غزوہ بنو نضیر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ ابھی ان بد عہدوں کی تاویب کیلئے اٹھے بھی نہ تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ بنی غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو علیہ رضاوی کے لیے بدوؤں اور اعرابیوں کی نفری فراہم کر رہے ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی نبی ﷺ نے نجد پلیغاد کا فیصلہ کیا اور صحرائے نجد میں دُور تک گھستے چلے گئے جس کا مقصد یہ تھا کہ ان رنگ دل بدوؤں پر خوف طاری ہو جائے اور وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف پہنچے۔ یہی سنگین کارروائیوں کا عاد کی جرأت نہ کریں۔

اولسرکش بدو، جو لوٹ مار کی تیاریاں کر رہے تھے مسلمانوں کی اس اچانک یلغار کی جہتے ہی خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں کی چوڑیوں میں جا دیکے مسلمانوں نے لیٹرے قماں پر اپنا رعب و دیدہ پر قائم کرنے کے بعد امن و امان کے ساتھ واپس مدینے کی راہ لی۔ اہل سیر نے اس سلسلے میں ایک معین غزوے کا نام لیا ہے جو ریبع الآخر یا جمادی الاولی سکھ میں سرزینِ نجد کے اندر پیش آیا تھا اور وہ اسی غزوہ کو غزوہ ذات الرفاع قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک حقائق اور ثبوت کا تعلق ہے تو اس میں شہبہ نہیں کہ ان ایام میں نجد کے اندر ایک غزوہ پیش آیا تھا کیونکہ مدینے کے حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ ابوسفیان نے غزوہ واحدے واپسی کے وقت آئندہ سال میدان بدر میں جس غزوے کے لیے لکھا رکھا اور جسے مسلمانوں نے نظر کر دیا تھا اس کا وقت قریب آ رہا تھا اور جنگی نقطہ نظر سے یہ بات کسی طرح مناسب نہ تھی کہ بدوؤں اور اعراب کو ان کی سرکشی اور بغاو پر قائم چھوڑ کر بد حصی زور دار جنگ میں جانے کے لیے مدینہ خالی کر دیا جائے؛ بلکہ ضروری تھا کہ میدان بدر میں جس ہوناک جنگ کی توقع تھی اس کے لیے نکلنے سے پہلے ان بدوؤں کی شوکت پاپی ضرب لگائی جائے کہ انہیں مدینے کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہو۔

باقی رہی یہ بات کہ یہی غزوہ جو ریبع الآخر یا جمادی الاولی سکھ میں پیش آیا تھا غزوہ ذات الرفاع تھا، ہماری تحقیق کے مطابق صحیح نہیں۔ کیونکہ غزوہ ذات الرفاع میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما موجود تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنگ خیر سے صرف چند دن پہلے اسلام لائے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر یمن سے روانہ ہوئے تو ان کی کشی ساحل عبس سے جا لگی تھی؛ اور وہ جنہش سے اس وقت واپس آئے تھے جب نبی ﷺ

خیبر میں تشریف فرماتے تھے۔ اس طرح وہ پہلی بار خیبر ہی کے اندر خدمتِ نبوی میں حاضر ہو سکے تھے پس ضروری ہے کہ غزوہ ذات الرفاع غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا ہو۔

**سکھ** کے ایک عرصے بعد غزوہ ذات الرفاع کے پیش آئے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ ذات الرفاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی تھی اور صلوٰۃ خوف پہلے پہل غزوہ عسفان میں پڑھی گئی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوہ عسفان کا زمانہ غزوہ خندق کے بھی بعد کا ہے جبکہ غزوہ خندق کا زمانہ شہر مدینہ کے اخیر کا ہے۔ درحقیقت غزوہ عسفان سفرِ مدینہ کا ایک ضمیں واقعہ تھا اور سفرِ مدینہ شہر مدینہ کے انجیر میں پیش آیا تھا جس سے واپس اگر رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی راہ لی تھی اس لیے اس انتہا سے بھی غزوہ ذات الرفاع کا زمانہ خیبر کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے۔

**۲۔ غزوہ پدر دوم** | بعد مسلمانوں نے اپنے بڑے شمن (وقیش) سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ کیونکہ سال تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور احد کے موقع پر طے کیا ہوا وقت قریب آتا جا رہا تھا اور محمد ﷺ اور صحابہ کرامؐ کا فرض تھا کہ میدان کا رزار میں ابوسفیان اور اس کی قوم دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بخلیں اور جنگ کی چکی اس حکمت کے ساتھ چلا گئیں کہ جو فرقی زیادہ ہدایت یافت اور پامدار بقاہ کا مستحکم ہو حالات کا رُخ پوری طرح اس کے حق میں ہو جاتے۔

چنانچہ شعبان شہر جنوری ۱۴ھ میں رسول اللہ ﷺ نے مرینے کا انتظام حضرت عبد بن رواحد رضی اللہ عنہ کو سونپ کر اس طے شدہ جنگ کیلئے بدر کا رُخ فرمایا۔ آپ کے ہمراہ ڈیر ہبہزار کی جمیعت اور دس گھوڑے تھے۔ آپ نے فوج کا فلم حضرت علیؓ کو دیا اور بدر پہنچ کر مشرکین کے انتظار میں خمہ زن ہو گئے۔

**دوسری طرف ابوسفیان** بھی پہچاس سواروں سیمیت دو ہزار مشرکین کی جمیعت لے کر روانہ ہوا اور

نہ مالت جنگ کی نماز کو صلوٰۃ خوف کہتے ہیں جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی فوج ہتھیار بند ہو کر امام کے پیچھے نماز پڑھے یا قی آدمی فوج ہتھیار باندھے دشمن پر نظر رکھنے لی جائے۔ امام دوسری رکعت کے بعد فوج امام کے پیچھے آجائے اور پہلی فوج دشمن پر نظر رکھنے لی جائے۔ امام دوسری رکعت پوری کر لے تو باری باری فوج کے دونوں حصے اپنی اپنی نماز پوری کریں۔ اس نماز کے اس سے ملتے جلتے اور بھی متعدد طریقے میں جو موقع جنگ کی مناسبت سے اختیار کیے جاتے ہیں۔ تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں۔

کے سے ایک مرحلہ دور وادی مرا نظہر ان پہنچ کر مجنة نام کے مشہور چشمے پر خیمہ زن ہوا لیکن وہ مکہ ہی سے بوجھل اور بد دل تھا۔ بار بار مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی جنگ کا انجمام سوچتا تھا اور رعیت ہبیت سے لرز اٹھتا تھا۔ مرا نظہر ان پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ واپسی کے بہلنے سوچنے لگا۔ بالآخر اپنے ساتھیوں سے کہا: "قریش کے لوگوں کا جنگ اس وقت مزدود ہوتی ہے جب شادابی اور ہربالی ہو کہ جانور بھی چڑکیں اور تم بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہذا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلے چلو"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہی اشکر کے اعصاب پر خوف و ہبیت سوار تھی کیونکہ اپنے سیناں کے اس مشورہ پر کسی قسم کی مخالفت کے بغیر سب نے واپسی کی راہ لی اور کسی نے بھی غریبی رکھنے اور مسلمانوں سے جنگ لڑنے کی رائتے نہ دی۔

اُھر مسلمانوں نے بدر میں آٹھ روز تک ٹھہر کر دشمن کا انتظار کیا اور اس دوران اپنا سامان تجارت یعنی کرایک درہم کے دو درہم بناتے رہے۔ اس کے بعد اس شان سے مدینہ واپس آئئے کہ جنگ میں ہمیشہ قدمی ان کے ہاتھ آپکی تھی، دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ یہ غزوہ بدر موعود، بدر شانیہ، بدر آخرہ اور بدر صغری کے ناموں سے معروف ہے اللہ

## غزوہ دومۃ الجنڈل | رسول اللہ ﷺ

قام ہو چکا تھا اور پوری اسلامی قلمرو میں اطمینان کی باد بہاری چل رہی تھی۔ اب آپ عرب کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے اور اس کی ضرورت بھی تاکہ حالات پر مسلمانوں کا غلبہ اور کنٹرول ہے اور دوست دشمن بھی اس کو محسوس اور تسلیم کریں۔

چنانچہ بدر صغری کے بعد چھ ماہ آپ نے اطمینان سے مبنی میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ کو اطلاعات میں کہ شام کے قریب دومۃ الجنڈل کے گرد آباد قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے گذرنے والی اشیاء لوٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے مدینے پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑی ہمیت فراہم کر لی ہے۔ ان اطلاعات کے پیش نظر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسالم وعلیہ السلام نے بیان بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا ایک ہزار مسلمانوں کی نظری کے ساتھ کوچ فرمایا۔ یہ ۲۵ ربیع الاول شہر کا واقعہ ہے۔ راستہ بنانتے کے لیے بنو عذرہ کا ایک آدمی رکھ لیا گیا تھا جسکا نام مذکور تھا۔

اس غزوے میں آپ کا معمول تھا کہ آپ رات میں سفر فرماتے اور دن میں چھپے رہتے تھے تاکہ دشمن پر بالکل اچانک اور یہ خبری میں ٹوٹ پڑیں۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ باہر مکمل گئے ہیں؛ لہذا ان کے مویشیوں اور چرواحوں پر ہمہ بول دیا کچھ باتھ آئے کچھ نکل بجا گے۔

جہاں تک دومتہ الجند کے پاشندوں کا تعلق ہے تو جس کا جدھرینگ سما یا بجاگ نکلا جب مسلمان دومتہ کے میدان میں اترے تو کوئی نہ ملا۔ آپ نے چند دن قیام فرمایا اور ادھر ادھر متعدد دوستے روانہ کئے لیکن کوئی بھی ہاتھ نہ آیا۔ بالآخر آپ مدینہ پلٹ آئے اس غزوے میں عینہ بن حصن سے مصالحت بھی ہوئی۔

**دومتہ۔ وال کوئیش** — یہ سرحد شام میں ایک شہر ہے۔ یہاں سے دمشق کا فاصلہ پانچ رات اور مدینے کا پندرہ رات ہے۔

ان اچانک اور فیصلہ کن اقدامات اور حکیمانہ حدم و تمرد پر مبنی منصوبوں کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسالم وعلیہ السلام نے قلمرو اسلام میں امن و امان بحال کرنے اور صورت حال پر قابو پانے میں کھلیابی حاصل کی اور وقت کی رفتار کا رُخ مسلمانوں کے حق میں موڑ دیا اور ان اندر و فی اور بیرونی مشکلات پیغمبر کی شدت کم کی جو ہر جانب سے انہیں لگیرے ہوئے تھیں۔ چنانچہ منافقین غاموش اور مالیوں ہو کر بیٹھ گئے۔ یہود کا ایک قبیلہ جلا وطن کر دیا گیا۔ دوسرے قبائل نے حق ہائیگ اور عہد و پیمان کے ایقا، کامنٹا ہرہ کیا۔ بد و اور اعراب ڈھیلے پڑ گئے اور قریش نے مسلمانوں کے ساتھ تکرانے سے گریز کیا اور مسلمانوں کو اسلام پھیلانے اور رب العالمین کے پیغام کی تبلیغ کرنے کے موقع میسر آئے۔



## غزوہ احرار جنگ خندق

ایک سال سے زیادہ عرصے کی پیغم فوجی مہماں اور کارروائیوں کے بعد جزیرہ العرب پر سکون چھا گیا تھا اور ہر طرف امن و امان اور آشنا وسلامتی کا دور دورہ ہو گیا تھا، مگر یہود کو جو اپنی خبائشوں، سازشوں اور دسیرہ کاریوں کے نتیجے میں طرح طرح کی ذلت و رسوانی کا مزہ چکھ کچکے تھے، اب بھی ہوش نہیں آتا تھا۔ انہوں نے غذاؤ خیانت اور کروڑ سازش کے مکروہ نتائج سے کوئی بینت نہیں سیکھا تھا۔ چنانچہ خیر متعلق ہونے کے بعد پہلے تو انہوں نے یہ انتظار کیا کہ دیکھیں مسلمانوں اور بُت پرستوں کے درمیان جو فوجی کشاکش پل رہی ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے لیکن جب دیکھا کہ حالات مسلمانوں کے لیے سازگار ہو گئے ہیں، گردش میں دنہارنے انکے اثر و نفع کو زیور و سعت دے دی ہے، اور دُور دُور تک ان کی حکمرانی کا سکھ بیٹھ گیا ہے تو انہیں سخت جلن ہوتی۔ انہوں نے نئے سرے سے سازش شروع کی اور مسلمانوں پر ایک الیسی آخری کاری ضرب لگانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس کے نتیجے میں ان کا چراغِ حیات ہی گل ہو جاتے۔ لیکن چونکہ انہیں راہ راست مسلمانوں سے ہجرات کی جرأت نہ تھی اس لیے اس مقصد کی خاطر ایک نہایت خوفناک پلان تیار کیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو نصریہ کے میں سردار اور رہنماء میں قریش کے پاس حاضر ہوتے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف آمادہ جنگ کرتے ہوئے اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش نے ان کی بات مان لی۔ چونکہ وہ احمد کے روز میدان بدر میں مسلمانوں سے صفت آزادی کا عہد و پیمان کر کے اس کی خلاف ورزی کر پکے تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ اب اس مجوزہ جنگی اقدام کے ذریعے وہ اپنی شہرت بھی بحال کر لیں گے اور اپنی کہی ہوئی بات بھی پوری کر دیں گے۔

اس کے بعد یہود کا یہ وفد نبوغطفان کے پاس گیا اور قریش ہی کی طرح انہیں بھی آمادہ جنگ کیا۔ وہ بھی تیار ہو گئے۔ پھر اس وفد نے بقیہ قبائل عرب میں گھوم گھوم کر لوگوں کو جنگ کی ترغیب دی۔ اور ان قبائل کے بھی بہت سے افراد تیار ہو گئے۔ غرض اس طرح یہودی سیاست کاروں

نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے تمام پڑے بڑے گروہوں اور جتوں کو نبی ﷺ اور اپنی دعوت اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لیے تیار کر دیا۔

اس کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق جنوب سے قریش، کنانہ، اور تمہارہ میں آباد وہرے علیف قبائل نے مدینے کی جانب کوچ کیا ان سب کا پس سالار اعلیٰ ابوسفیان تھا اور ان کی تعداد چاہرہ تھی۔ یہ شکرِ مران ظہر ان پہنچا تو نبی ﷺ یہم بھی اس میں شامل ہوئے۔ ادھر اسی وقت مشرق کی طرف سے خطuanی قبائل فزارہ، مرہ اور بشیع نے کوچ کیا۔ فزارہ کا پس سالار یعنی بن حسن تھا۔ بنو مرہ کا حارث بن عوف اور بنو بشیع کا مسعود بن زحلہ۔ انہیں کے ضمن میں بنو اسد اور دیگر قبائل کے بہت سے افراد بھی آئے تھے۔

ان سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے مطابق مدینے کا رخ کیا تھا اس لیے چند دن کے اندر اندر مدینے کے پاس دس ہزار سپاہ کا ایک زبردست لشکر جمع ہو گیا۔ یہ آنابردا لشکر تھا کہ غالباً مدینے کی پوری آبادی دھوکوں بچوں بلوڑوں اور جوانوں کو ملا کر بھیجیں گے اس کے برابر نہ تھی۔ اگر حملہ آوروں کا یہ لٹھائیں مارتا ہوا سمندر مدینے کی چپاکدیواری تک اچانک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہوتا۔ کچھ عجب نہیں کہ ان کی حرکت جاتی اور ان کا مکمل صفائیا ہو جاتا لیکن مدینے کی قیادت نہایت بیدار مغزا اور پوکس قیادت تھی۔ اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نیص پرستی تھیں اور وہ حالات کا تجزیہ کر کے آنے والے واقعات کا تھیک ٹھیک اندازہ بھی لکھاتی تھی اور ان سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم بھی اٹھاتی تھی۔ چنانچہ کفار کا لشکر عظیم جوں ہی اپنی جگہ سے حرکت میں آتا مدینے کے مجرموں نے اپنی قیادت کو اس کی اطلاع فراہم کر دی۔

اطلاع پاسئے ہی رسول اللہ ﷺ نے ہائی کمان کی مجلس شوریٰ متعقد کی اور دفاعی منصوبے پر صلاح مشورہ کیا۔ اہل شوریٰ نے غور و خوض کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک تجویز متفقہ طور پر منظور کی۔ یہ تجویز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں پیش کی تھی کہ اے اللہ کے رسول! ﷺ فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گردخند کھود لیتے تھے۔

یہ بڑی باحکمت دفاعی تجویز تھی۔ اہل عرب اس سے واقف نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ

لے اس تجویز پر فوراً عمل درآمد شروع فرماتے ہوئے ہر دس آدمی کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا اور مسلمانوں نے پوری محنت اور دمجمی سے خندق کھودنی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ اس کام کی ترغیب بھی دیتے تھے اور عملاً اس میں پوری طرح شریک بھی رہتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں تھے لوگ کھدائی کر رہے تھے اور ہم کندھوں پر مٹی ڈھوند رہے تھے کہ راسی اشنا میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**اللَّهُمَّ لَا يَعِيشُ الْأَعْيُشُ الْآخِرَةُ فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ**

”لے اللہ ازندگی تو بیس آخرت کی زندگی ہے۔ پس مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔“

ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ مہاجرین و انصار ایک ٹھنڈی صبح میں کھو دنے کا کام کر رہے ہیں لیکن کے پاس غلام نہ تھے کہ ان کے بجائے غلام یہ کام کر دیتے۔ آپ نے ان کی مشقت اور بھوک دیکھ کر فرمایا:

**اللَّهُمَّ إِنَّ الْعِيشَ عِيشُ الْآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرِ**

”لے اللہ ایقیناً زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس انصار و مہاجرین کو بخش دے۔“

انصار و مہاجرین نے اس کے جواب میں کہا۔

**نَحْنُ الَّذِينَ بَأْيَعُوا مُحَمَّداً عَلَى الْجَهَادِ مَا بَيَقَنَا أَبَدًا**

”ہم وہ ہیں کہ ہم نے ہمیشہ کے لیے جب تک کہ باقی رہیں محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے۔“

صحیح بخاری ہی میں ایک روایت حضرت براہ بن عاذب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ خندق سے مٹی ڈھوند رہے تھے یہاں تک کہ غبار نے آپ کے شکم کی جلد ڈھانک دی تھی۔ آپ کے بال بہت زیادہ تھے۔ میں نے راسی حالت میں آپ کو عبد اللہ بن رواحة کے رجزیہ کلمات کہتے ہوئے سُنا۔ آپ مٹی ڈھوتے جاتے تھے اور یہ کہتے ہاتے تھے۔

**اللَّهُمَّ لَوْلَا إِنْتَ مَا أَهْنَدَنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا أَصَلَّيْنَا**

فَإِنْ لَنْ سَحِكِينَةً عَلَيْنَا وَشَتِّي الْأَقْدَامِ إِنْ لَا قَيْنَةَ  
إِنَّ الْأَوْلَى نَغْبُو عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فَاتْهَةً أَبَيْنَا

”لے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہایت نہ پلتے۔ نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ پس ہم پر سکینت نازل فرم۔ اور اگر عکس ہو جائے تو ہمارے قدم ثابت رکھ۔ انہوں نے ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ اگر انہوں نے کوئی فتنہ چاہا تو ہم ہرگز سر نہیں جھکاتیں گے“

حضرت برادر فرماتے ہیں کہ آپ آخری الفاظ کھینچ کر کہتے تھے۔ ایک روایت میں آخری شعر اس طرح ہے۔

إِنَّ الْأَوْلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فَاتْهَةً أَبَيْنَا

”یعنی انہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اور اگر وہ ہمیں فتنے میں ڈالنا پا ہیں گے تو ہم ہرگز سر نہ ہونگے۔ مسلمان ایک طرف اس گر مجوسی کے ساتھ کام کر رہے تھے تو دوسرا طرف اتنی شدت کی بھوک برداشت کر رہے تھے کہ اس کے تصور سے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت انسؑ کا بیان ہے کہ (اہل خندق) کے پاس دو تھی جو لا یا جا آتا تھا اور بُو دیتی ہوئی چکنائی کے ساتھ بنا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ لوگ بھوک کے ہوتے تھے اور اس کا ذائقہ حلن کے یہ ناخوشگار ہوتا تھا۔ اس سے بدبو اٹھ رہی ہوتی تھی۔ لئے

ابو طلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کاشکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر دکھلایا۔ تو رسول ﷺ نے اپنا شکم کھول کر دو پتھر دکھلائے۔

خندق کی کھدائی کے دوران نبوت کی کئی نشانیاں بھی جلوہ فلکن ہوئیں۔ صحیح بنواری کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے اندر سخت بھوک کے آثار دیکھے تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (تقریباً ڈھانی کیلو) جو پیسا، پھر رسول اللہ ﷺ سے رازداری کے ساتھ گزارش کی کہ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ تشریف لائیں۔ لیکن نبی ﷺ تمام اہل خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار تھی، ہمراہ کے چیل پڑے۔

اور سب لوگوں نے اسی ذرا بختنے کھانے سے شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھری گوشت کی ہاندی اپنی حالت پر برقرار رہی اور بھری کی بھروسہ مارتی رہی اور گوندھا ہوا آٹا اپنی حالت پر برقرار رہا۔ اس سے

روٹی پکانی جاتی رہی یتھے

حضرت نعماں بن بشیر کی بہن خندق کے پاس دشمنی کو جو رئے کرائیں کہ ان کے بھائی اور ماموں کھالیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزیریں تو آپ نے ان سے وہ کھجوریں لیں اور ایک پکڑے کے اوپر بچھیر دیں۔ پھر اہل خندق کو دعوت دی۔ اہل خندق انہیں کھاتے گئے اور وہ بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ سارے اہل خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں یکھے

انہی ایام میں ان دونوں واقعات سے کہیں بڑھ کر ایک اور واقعہ پیش کیا جسے امام بخاری نے حضرت چابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت چابر کا بیان ہے کہ ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک چٹان نما نکلا آٹھے آگیا۔ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ چٹان نما نکلا خندق میں حائل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں اتر رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ اٹھے آپ کے شکم پر پھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے تین روز سے کچھ لکھانا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے کdal لے کر مارا تو وہ چٹان نما نکلا اپھر بھرے تو وہ میں تبدیل ہو گیا یتھے

حضرت برار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آپڑی جس سے کdal اچٹ جاتی تھی کچھ لٹا ہی نہ تھا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے لے کا شکوہ کیا۔ آپ تشریف لاتے، کdal لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لکھائی د تو ایک ملحوظ گیا) اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت وہاں کے سورخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لکھائی تو ایک دوسرا نکلا کٹ گیا، اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ! میں اس وقت مائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسرا ضرب لکھائی اور فرمایا: بسم اللہ۔ تو باقی ماندہ چٹان بھی کٹ گئی۔ پھر فرمایا: اللہ اکبر! مجھے مین کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت اپنی اس جگہ سے صُنماء کے چھاہک دیکھ رہا ہوں یتھے۔ این اسحاق نے ایسی ہی روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے۔

لئے یہ واقعہ صحیح بخاری میں مردی ہے دیکھئے ۵۸۹، ۵۸۸/۲

شہ این ہشام ۲/۲۱۸۔ شہ صحیح بخاری ۲/۲۵۸

فہ سنن نسائی ۲/۵۴، محدث احمد، یا الفاظ نسائی کے نہیں ہیں۔ اور نسائی میں عن رجل من الصحابة ہے۔

لئے این ہشام ۲/۲۱۹

چونکہ مدینہ شمال کے علاوہ باقی اطراف سے حرثے (لاؤے کی چٹاؤں) پہاڑوں اور کھجور کے باغات سے گھرا ہوا ہے اور نبی ﷺ ایک ماہر اور تاجر کا فوجی کی حیثیت سے یہ جلتے تھے کہ مدینے پر اتنے بڑے شکر کی پورش صرف شمال ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے اس لیے آپ نے صرف اسی جانب خندق کھدوائی۔

مسلمانوں نے خندق کھوئے کا کام مسلسل جاری رکھا۔ دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر پہنچاتے یہاں تک کہ مدینے کی دیواروں تک کفار کے شکر بزار کے پہنچنے سے پہلے مقربہ پر دگرام کے مطابق خندق تیار ہو گئی۔

ادھر قریش اپنا چار ہزار کا شکر لے کر مدینہ پہنچے تو رومہ، ہجرت اور زغابہ کے درمیان مجمع الایمال میں خیہ زن ہوتے؟ اور دوسری طرف سے غطفان اور ان کے نجدی ہمسفر چھوڑاڑ کی نفری لے کر آتے تو واحد کے مشرقی کنارے ذنب نعمی میں خیہ زن ہوتے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادُهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ (۲۲:۲۲)

”اور جب اہل ایمان نے ان بھجوں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا۔ اور اس (مالت) نے ان کے ایمان اور بذیۃ اطاعت کو اور بڑھادیا۔“

یکن منافقین اور کمزور نفس لوگوں کی نظر اس شکر پر پڑی تو ان کے دل دہل گئے:-

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنِفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرْضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ  
وَرَسُولُهُ إِلَّا عَرُورًا ۝ (۱۲:۳۲)

”اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ مخصوص فریب تھا۔“

بہر حال اس شکر سے مقابلے کے لیے رسول اللہ ﷺ بھی تین ہزار مسلمانوں کی نفری کے تشریف لائے اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ سامنے خندق تھی جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔ مسلمانوں کا شعار (کوڑا فقط) تھا حکوم لَا يُنْصَرُون۔ (حمد ان

کی مدد نہ کی جاتے۔ مدینے کا انتظام حضرت ابن امّ مکتوم کے حوالے کیا گیا تھا اور عورتوں اور بچوں کو مدینے کے قلعوں اور گڑھیوں میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

جب مشرکین محلے کی نیت سے مدینے کی طرف بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چڑی سی خندق ان کے اور مدینے کے درمیان حائل ہے۔ مجبوراً انہیں محاصرہ کرنا پڑا، حالانکہ وہ گھروں سے چلتے وقت اس کیلئے تیار ہو کر انہیں آتے تھے۔ کیونکہ دفاع کا یہ منصوبہ — خود ان کے بقول — ایک ایسی چال تھی جس سے عرب واقعہ ہی نہ تھے۔ لہذا انہوں نے اس معاملے کو سرے سے اپنے حساب میں داخل ہی نہ کیا تھا۔

مشرکین خندق کے پاس پہنچ کر غیظ و خضب سے چکر کاٹنے لگے۔ انہیں ایسے کمر و نقطے کی تلاش تھی جہاں سے وہ اتر سکیں۔ ادھر مسلمان ان کی گردش پر پوری پوری نظر رکھے ہوئے تھے اور ان پر تیر مدد ساتھ رہتے تھے تاکہ انہیں خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ اس میں نہ کوڈ سکیں اور نہ مٹی ڈال کر عبور کرنے کے لیے راستہ بناسکیں۔

ادھر قریش کے شہسواروں کو گوارانہ تھا کہ خندق کے پاس محاصرے کے نتائج کے انتظار میں بیٹے فائدہ پڑے رہیں۔ بیرون کی عادت اور شان کے خلاف بات تھی۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت نے جن میں عمر بن عبد وہ علکر مہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے ایک تنگ مقام سے خندق پاکر لی اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان میں چکر کاٹنے لگے۔ ادھر سے حضرت علیؓ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور جس مقام سے انہوں نے گھوڑے کدلتے تھے اسے قبضے میں لیکر ان کی واپسی کا راستہ پسند کر دیا۔ اس پر عمر بن عبد وہ علکر نے مبارزت کے لیے لکھا رہا۔ حضرت علیؓ دُو دُو ہاتھ کرنے کے لیے مقابلہ میں آگئے۔ اور ایک ایسا فقرہ چست کیا کہ وہ طیش میں آگ کی گھوڑے سے کوڈ پڑا۔ اس کی کوچیں کاٹیں، اس کے چہرے کو مارا اور حضرت علیؓ کے دو بد وہاگیا۔ بڑا ہمارا اور شہزادور تھا۔ دونوں میں پُر زور نکر ہوئی، ہر ایک نے دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے۔ بالآخر حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی مشرکین بھاگ کر خندق پار چلے گئے۔ وہ اس قدر مرعوب تھے کہ علکر نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ بھی چھوڑ دیا۔

مشرکین نے کسی کسی دن خندق پاک کرنے یا اسے پاٹ کر راستہ بنانے کی بڑی زبردست کوشش کی لیکن مسلمانوں نے بڑی عمدگی سے انہیں دور رکھا اور انہیں اس طرح تیروں سے چلنی کیا اور ایسی پامروہی سے اُن کی تیر اندازی کا مقابلہ کیا کہ ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔

اسی طرح کے پڑے زور مقابلوں کے دوران رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی بعض نمازیں بھی فوت ہو گئی تھیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت چابر رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خندق کے روز آئے اور کفار کو سخت سست کہتے ہوئے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! آج میں مشکل سورج ڈوبتے ڈوبتے نماز پڑھو سکا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور میں نے تو واللہ ابھی نماز پڑھی ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھاں میں اترے۔ آپ نے نماز کے لیے وضو رکھا یا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی۔ یہ سورج ڈوب پکنے کے بعد کی بات ہے۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ نبی ﷺ کو اس نماز کے فوت ہونے کا اس قدر ملال تھا کہ آپ نے مشرکین پر بدعا فرمادی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ نبی ﷺ نے خندق کے روز فرمایا "اللہ ان مشرکین کے لیے ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے جس طرح انہوں نے ہم کو نمازوں سلطی (کی ادائیگی) سے مشغول رکھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔"

مند احمد اور مند شافعی ہمیں مردی ہے کہ مشرکین نے آپ کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کی ادائیگی سے مصروف رکھا چنانچہ آپ نے یہ ساری نمازیں کیجا پڑھیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ان روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنگ خندق کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ پس کسی دن ایک صورت پیش آئی اور کسی دن دوسری پیش آئی۔

یہیں سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ مشرکین کی طرف سے خندق عبور کرنے کی کوشش اور مسلمانوں کی طرف سے پیغمبر دفاع کئی روز تک جاری رہا؛ مگر چونکہ دونوں فوجوں کے درمیان خندق حائل تھی اس لیے دست بدست اور خوزر زین جنگ کی نوبت نہ آسکی۔ بلکہ صرف تیرانمازی ہوتی رہی۔ اسی تیرانمازی میں فرقیین کے چند افراد مارے بھی گئے... لیکن انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے یعنی چھ مسلمان اور دس مشرک جن میں سے ایک یا دو آدمی تکوار سے قتل کئے گئے تھے۔

اسی تیرانمازی کے دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک تیر لگا جس سے انکے بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ انہیں حبان بن عرقہ نامی ایک قریشی مشرک کا تیر لگا تھا، حضرت

سعد نے ذخیٰ ہونے کے بعد، دعا کی کہ اسے اللہ! تو جانتا ہے کہ جس قوم نے تیرے رسول کی تکذیب کی اور انہیں بخال باہر کیا ان سے تیری راہ میں جہاد کرنا مجھے جس قدر محبوب ہے اتنا کسی اور قوم سے نہیں ہے۔ اسے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ اب تو نے ہماری اور انہی جنگ کو آخری مرحلے تک پہنچا دیا ہے۔ پس اگر قریش کی جنگ کچھ باقی رہ گئی ہو تو مجھے ان کے لیے باقی رکھ کر میں ان سے تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی ختم کر دی ہے تو اسی زخم کو جاری کر کے اسے میری موت کا بسب بنادے یا ان کی اس دعا کا آخری ملکہ ڈایا تھا کہ (لیکن) مجھے موت نہ دے یہاں تک کہ بنو قریظہ کے معاملے میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو جائے یا بہ کہیف یا کہ مسلمان محااذ جنگ پر ان مشکلات سے دوچار تھے تو دوسرا طرف سازش اور دیسہ کاری کے ساتھ اپنے بلوں میں حرکت کر رہے تھے اور اس کو شش میں تھے کہ مسلمانوں کے جسم میں اپنا زہر آثار دیں۔ چنانچہ بنو نضیر کا مجرم اکبر جیٰ بن اخطب بنو قریظہ کے دیار میں آیا اور ان کے سردار کعب بن اسد قرطی کے پاس حاضر ہوا۔ یہ کعب بن اسد وہی شخص ہے جو بنو قریظہ کی طرف سے عہد و پیمان کرنے کا مجاز و مختار تھا اور جس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جنگ کے موقع پر آپ کی مدد کرے گا۔ (جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔) جسی نے آکر اس کے دروازے پر دستک دی تو اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا؛ مگر جسی اس سے ایسی ایسی باتیں کرتا رہا کہ آخر کار اس نے دروازہ کھول ہی دیا۔ جسی نے کہا: "اے کعب! میں تمہارے پاس ہمیشہ کی عزت اور (رُوجوں کا) بھرپور کو ان لے کر آیا ہوں۔ میں نے قریش کو اس کے سرداروں اور فائدیں سخت لاکر ردمہ کے مجمع الاصیال میں اتار دیا ہے۔ اور بنو عطفان کو ان کے قائمین اور سرداروں سخت اُند کے پاس ذنب نقی میں ختمہ زان کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ وہ محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا محل صفائی کیجئے بغیر یہاں سے نہ ٹلیں گے۔"

کعب نے کہا: "خدا کی قسم تم میرے پاس ہمیشہ کی ذلت اور رُوجوں کا برسا ہو ایا دل کے کرکے ہر جو صرف گرج چمک رہا ہے، مگر اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ جیسی! تجوہ پر افسوس! مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ میں نے محمدؐ میں صدق ووفاق کے سوا کچھ نہیں دیکھا رہے۔"

مگر جسی اس کو فریب دہی سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے رام کر رہی یا۔

البتہ اس مقصود کیلئے یہ عہد و پیمان کرنا پڑا کہ اگر قریش نے محمدؐ کو ختم کرنے بغیر واپسی کی راہ لی تو میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے قلعے میں داخل ہو جاؤں گا۔ پھر جو انجام تمہارا ہو گا وہی میرا بھی ہو گا جی کے اس پیمان و فلکے بعد کعب بن اسد نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور مسلمانوں کے ساتھ طے کی ہوئی ذمے داریوں سے بری ہو کر ان کے خلاف مشرکین کی جانب سے جنگ میں شریک ہو گیا یا کہ

اس کے بعد قریبیہ کے یہودی علی طور پر بھلگی کا روایوں میں صروف ہو گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فارع نامی قلعے کے اندر تھیں۔ حضرت حسان عورتوں اور بچوں کے ساتھ دیہیں تھے۔ حضرت صفیہ کہتی ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک یہودی گذرا اور قلعے کا چکر کاٹنے لگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی قریبیہ رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ کر آپ سے برسر پیکار ہو چکے تھے اور ہمارے اور ان کے درمیان کوئی نتھا جو ہمارا دفاع کرتا۔۔۔ رسول اللہ ﷺ ملاوب سیست دشمن کے بال مقابل پھنسے ہوئے تھے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو جاتا تو آپ انہیں چھوڑ کر آنہیں سکتے تھے۔ اس لیے میں نے کہا۔۔۔ حسان! یہ یہودی۔۔۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، قلعے کا چکر لگا رہا ہے اور مجھے خدا کی قسم اندر یہ ہے کہ یہ باقی یہود کو بھی ہماری کمزوری سے آگاہ کر دے گا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ ہماری مدد کو نہیں آسکتے۔ لہذا آپ جائیتے اور اسے قتل کر دیجئے۔ حضرت حسان نے کہا۔۔۔ واللہ آپ جانتی ہیں کہ میں اس کام کا آدمی نہیں۔ حضرت صفیہ کہتی ہیں اب میں نے خود اپنی کربانی ہی پھر سنون کی ایک لکڑی لی۔ اور اس کے بعد قلعے سے اتر کر اس یہودی کے پاس پہنچی اور لکڑی سے مار مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد قلعے میں واپس آئی اور حسان سے کہا۔۔۔ جائیتے اس کے تھیصار اور اسباب اتار لیجئے۔ چونکہ وہ مرد ہے اس لیے میں نے اُس کے تھیصار نہیں آتائے۔ حسان نے کہا۔۔۔ مجھے اس کے تھیصار اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بچوں اور عورتوں کی خناکیت پر رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کے اس جانباڑا کا نامے کا بڑا گہرا اور اچھا اثر پڑتا۔ اس کا روای سے غالباً یہود نے سمجھا کہ

ان قلعوں اور گڑھیوں میں بھی مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے — حالانکہ وہاں کوئی لشکر نہ تھا — اسی لیے یہود کو دوبارہ اس قسم کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ وہ بُت پرست حملہ آوروں کے ساتھ اپنے اتحاد اور انضمام کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لیے انہیں مسلسل رسائل پہنچاتے رہے حتیٰ کہ مسلمانوں نے ان کی رسائل کے میں اوتھوں پر قبضہ بھی کر لیا۔

بہر حال یہود کی عہدگاری کی خبر رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ نے فوراً اس کی تحقیق کی طرف توجہ فرمائی تاکہ بنو قریظہ کا موقف واضح ہو جائے اور اس کی روشنی میں فوجی نقطہ نظر سے جو اقدام مناسب ہو احتیار کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس خبر کی تحقیق کے لیے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ جاؤ! دیکھو! بنی قریظہ کے باسے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ واقعی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو واپس آگر صرف مجھے بتاوینا اور وہ بھی اشاروں اشاروں میں۔ تاکہ لوگوں کے حوصلے پت نہ ہوں۔ اور اگر وہ عہد و پیمان پر قائم ہیں تو پھر لوگوں کے درمیان علانیہ اس کا ذکر کر دینا۔ جب یہ لوگ بنو قریظہ کے قریب پہنچے تو انہیں انتہائی خباشت پر آمادہ پایا۔ انہوں نے اعلانیہ گالیاں بکیں، دشمنی کی باتیں کیں، اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی۔ کہنے لگے: ”اللہ کا رسول کون...“ یہ ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی عہد ہے نہ پیمان یہ مُن کرو! لوگ واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر صوتِ حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صرف اتنا کہا، عضل اور قارہ مقصودیہ تھا کہ جس طرح عضل اور قارہ نے اصحابِ زنجیع کے ساتھ بد عہدی کی تھی اسی طرح یہود بھی بد عہدی پر ٹکے ہوئے ہیں۔ باوجود یہ کہ ان صحابا کرام نے اخفاۓ حقیقت کی کوشش کی لیکن عام لوگوں کو صورت حال کا علم ہو گیا اور اس طرح ایک خوفناک خطرہ ان کے سامنے مجسم ہو گیا۔

درحقیقت اس وقت مسلمان ہدایت نازک صورتِ حال سے دو چار سترے پہنچے بنو قریظہ تھے جن کا حملہ زد کرنے کے لیے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی نہ تھا؛ آگے مشرکین کا لشکر جزا رتحا جنہیں چھوڑ کر ہنسنا ممکن نہ تھا۔ پھر مسلمان عورتیں اور بچے تھے جو کسی حفاظتی اتفاق کے بغیر بد عہد یہودیوں کے قریب ہی تھے اس لیے لوگوں میں سخت اضطراب برپا ہوا جس کی کیفیت اس آرت میں بیان کی گئی ہے:

وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجَرَ وَتَظُنُّونَ بِاللهِ  
الظُّنُونَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلِّزُلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○ (۱۱/۱۰:۳۳)  
”اور جب فکا ہیں کج ہو گئیں، دل صلت میں آگے، اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے  
لگے۔ اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں شدت سے جنم جھوڑ دیا گیا۔“

پھر اسی موقع پر بعض منافقین کے نفاق نے بھی سر بخالا، چنانچہ وہ کہنے لگے کہ محمد تو ہم سے  
 وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر دکسری کے خزانے پامیں گے اور یہاں یہ حالت ہے کہ پیش  
پانخانے کے لیے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔ بعض اور منافقین نے اپنی قوم کے اشراف  
کے سامنے یہاں تک کہا کہ ہمارے گھر و شمن کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔ ہمیں اجازت دیجئے  
کہ ہم اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں کیونکہ ہمارے گھر شہر سے باہر ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ  
چکی تھی کہ رسول کے قدم اکھڑ رہے تھے اور وہ پسپاٹی کی سوچ رہے تھے۔ ان ہی لوگوں کے  
بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
إِلَّا غُرُورًا ○ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرَبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْهُ  
وَيَسْتَأْذِنُ فِرَقًا مِنْهُمُ النِّيَّارِ يَقُولُونَ إِنَّ بِيْوَتَنَا عَوْرَةٌ ۝ وَمَا هِيَ بِعُوْرَةٍ  
إِنْ تَرِيدُوْنَ إِلَّا فِرَارًا ○ (۱۳/۱۲:۳۳)

”اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور  
اس کے رسول ﷺ نے جو وعدہ کیا ہے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب ان کی ایک جماعت  
نے کہا کہ اسے اہل شرب اتھارے لیے ٹھہرنا کی گنجائش نہیں لہذا واپس چلو۔ اور ان کا ایک  
فریق نبی سے اجازت مانگ رہا تھا۔ کہتا تھا، ”ہمارے گھر خالی پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ غالباً نہیں پڑے  
تھے۔ یہ لوگ محض فرار چاہتے تھے۔“

ایک طرف شکر کا یہ حال تھا۔ دوسری طرف رسول ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے  
بنو قریظہ کی بد عہدی کی خبر سن کر اپنا سرا اور چہرہ کپڑے سے ڈھک لیا اور دیر تک چوتھی بیٹھے  
رہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر لوگوں کا اضطراب اور زیادہ بڑھ گیا؛ لیکن اس کے بعد آپ پر امید  
کی روح غائب آگئی اور آپ اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا مسلمانوں! اللہ کی

مد و اور فتح کی خوشخبری سن لو! اس کے بعد آپ نے میش آمدہ حالات سے نمٹنے کا پروگرام بنایا اور اسی پروگرام کے ایک جزو کے طور پر مدینے کی تحریکی کے لیے فوج میں سے پھر فظا بھیجتے رہتے تاکہ مسلمانوں کو غافل دیکھ کر یہود کی طرف سے عورتوں اور بچوں پر اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ لیکن اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کی ضرورت تھی جس کے ذریعے دشمن کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے بے تعلق کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے سوچا کہ بنو غطفان کے دونوں سرداروں عینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے میرینے کی ایک تہائی پیداوار پر مصالحت کر لیں تاکہ یہ دونوں سردار اپنے اپنے قبیلے لے کر واپس چلے جائیں اور مسلمان تنہا فریش پر جنکی طاقت کا بار بار اندازہ لکھایا جا چکا تھا، ضرب کاری لگانے کے لیے فانغ ہو جائیں۔ اس تجویز پر کچھ گفت و شنید بھی ہوئی مگر جب آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اس تجویز کے بالے میں تصور کیا تو ان دونوں نے بیکن بان عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے تب تو یا چون و چرا تسلیم ہے اور اگر محض آپ ہماری خاطر ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جب ہم لوگ اور ہم لوگ دونوں شرک و عُبٰت پرستی پر تھے تب تو یہ لوگ میزبانی یا خرید و فروخت کے سوا کسی اور صورت سے ایک دانے کی بھی طمع نہیں کر سکتے تھے تو جلا اب جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایتِ اسلام سے سفرزاد فرمایا ہے اور آپ کے ذریعے عزت بخشی ہے، ہم انہیں اپنا مال دیں گے؟ واللہ ہم تو انہیں صرف اپنی تکوار دیں گے۔ آپ نے ان دونوں کی رائے کو درست قرار دیا اور فرمایا کہ جب میں نے وکھا کہ سارا عرب ایک کمان لکھنچ کر تم پر پل پڑا ہے تو محض تمہاری خاطر میں نے یہ کام کرنا چاہا تھا۔

پھر — الحمد للہ — اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دشمن ذمیل ہو گئے۔ ان کی جمیعت شکست کھا گئی اور ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ ہوا یہ کہ بنو غطفان کے ایک صاحب جن کا نام نصیم بن مسعود بن عامر شجاعی تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول!

بنو غطفان میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں لہذا آپ مجھے کوئی حکم فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم فقط ایک آدمی ہو (لہذا کوئی فوجی اقدام نہیں کر سکتے، البتہ جس وقت درمکن ہو ان کی حوصلہ شکنی کرو) کیوں جنگ تو حکمتِ علی کا نام ہے۔ اس پر حضرت نصیم فوراً ہی بتو قریظہ کے ہاں پہنچے۔ جاہلیت میں ان سے ان کا بڑا

میں جوں تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے کہا، آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں سے محبت اور خصوصی تعلق ہے۔ انہوں نے کہا، جی ہاں۔ نعیم نے کہا، اچھا تو سنئے کہ قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے۔ یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کا گھر بارہے، مال و دولت ہے، بال پچھے ہیں۔ آپ اسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے مگر جب قریش و غطفان محمدؐ سے جنگ کرنے آئے تو آپ نے محمدؐ کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔ ظاہر ہے ان کا یہاں نہ گھر بارہے نہ مال و دولت ہے نہ بال پچھے ہیں اس لیے انہیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو جائیں گے۔ پھر آپ لوگ ہوں گے اور محمدؐ ہوں گے۔ لہذا وہ یہی چاہیں گے آپ سے انتقام لیں گے اس پر بنو قریظہ چونکے اور یوں نعیم اتنا یہتے اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا، دیکھئے! قریش جب تک آپ لوگوں کو اپنے کچھ آدمی یہ عمل کے طور پر نہ دیں، آپ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ قریظہ نے کہا، آپ نے بہت مناسب راستے دی ہے۔

اس کے بعد حضرت نعیمؓ سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور بولے: "آپ لوگوں سے مجھے جو محبت اور جذبہ خیرخواہی ہے اسے تو آپ جانتے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا، جی ہاں!" حضرت نعیم نے کہا، "اچھا تو سنئے کہ یہود نے محمدؐ اور ان کے رفقاء سے جو عہد لٹکنی کی تھی اس پر وہ نادم ہیں اور اب ان میں یہ مراسلت ہوئی ہے کہ وہ (یہود) آپ لوگوں سے کچھ یہ عمل حاصل کر کے ان (محمدؐ) کے خواستے کر دیں گے اور پھر آپ لوگوں کے خلاف محمدؐ سے اپنا معاملہ استوار کر لیں گے۔ لہذا اگر وہ یہ عمل طلب کریں تو آپ ہرگز نہ دیں۔" اس کے بعد غطفان کے پاس بھی جا کر میں بات دہرائی۔ اور ان کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

اس کے بعد مجھے اور سینچر کی درمیانی رات کو قریش نے یہود کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہمارا قیام کسی سازگار اور موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ گھوٹے لوار اونٹ ملی ہے ہیں لہذا ادھر سے آپ لوگ اٹھیں اور محمدؐ پر حملہ کر دیں۔ لیکن یہود نے جواب میں کہلایا کہ آج سینچر کا دن ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم سے پہلے جن لوگوں نے اس دن کے بارے میں حکم شریعت کی خلاف وزری کی تھی انہیں کیسے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ لوگ جب تک اپنے کچھ آدمی ہمیں بطور یہ عمل نہ دے دیں ہم رذائی میں شریک نہ ہوں گے۔ فاصلہ جب یہ جواب

لے کر واپس آئے تو قریش اور غطفان نے کہا ”وَاللَّهُ أَعْلَمُ“ سچ ہی کہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہود کو کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم! ہم آپ کو کوئی آدمی نہ دیں گے، بس آپ لوگ ہمارے ساتھ ہی تک پڑیں اور (دونوں طرف سے) محمد پر ملہ بول دیا جائے۔ یہ سن کر قریظہ نے باہم کہا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ نے ہم سے سچ ہی کہا تھا اس طرح دونوں فرقے کا اعتماد ایک دوسرے سے اٹھ گیا۔ ان کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔

اس دوران مسلمان اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہے تھے: **اللَّهُمَّ اسْتَرِ عَوَارَاتِنَا وَأَمِنْ رَوْعَاتِنَا** : اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرم اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے ۔ اور رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمائے تھے:

**اللَّهُمَّ مُنْزَلَ الْكِتابِ سَرِيعُ الْحِسَابِ اهْزِمُ الْأَخْرَابَ اللَّهُمَّ اهْرِمْهُمْ وَرَزِّلْهُمْ**

”اے اللہ! کتاب اتنا نے والے اور جلد حساب یعنی والے؟ ان شکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انہیں شکست دے اور جنم بھوڑ کر رکھ دے۔“

بالآخر اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی دعائیں سن لیں۔ چنانچہ مشرکین کی صفوں میں پھوٹ پڑ جانے اور بد دلی و پست ہمتی سرایت کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر تند ہوا دل کا طوفان بھیج دیا جس نے ان کے خیمے اکھیر دیتے، ہانڈیاں الٹ دیں، ٹنابوں کی کھوٹیاں اکھاڑ دیں، کسی چیز کو قرار نہ رہا اور اس کے ساتھی فرشتوں کا شکر بھیج دیا جس نے انہیں ہلا ڈالا اور ان کے دلوں میں رُعب اور خوف ڈال دیا۔

اسی سرزو اور کڑا تی ہوئی رات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیرہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو کفار کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ موصوف ان کے محاذ میں پہنچے تو وہاں ٹھیک یہی حالت بپا تھی اور مشرکین واپسی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ حضرت حذیرہ رضی نے خبرت نبوی میں واپس اگر ان کی روائی کی اطلاع دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سچ کی تو دیکھا کہ میدان صاف ہے، اللہ نے دشمن کو کسی خیر کے حصول کا موقع دیتے بغیر اس کے غیظ و غضب سیاست واپس کر دیا ہے اور ان سے جنگ کے لیے رسول کو کافی ہو گیا ہے۔ الغرض اس طرح اللہ

نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے شکر کو بوت بخشی، اپنے بندے کی مدد کی، اور ایک ہی سارے شکروں کی شکست دی۔ چنانچہ اس کے بعد آپ مرینہ واپس آگئے۔

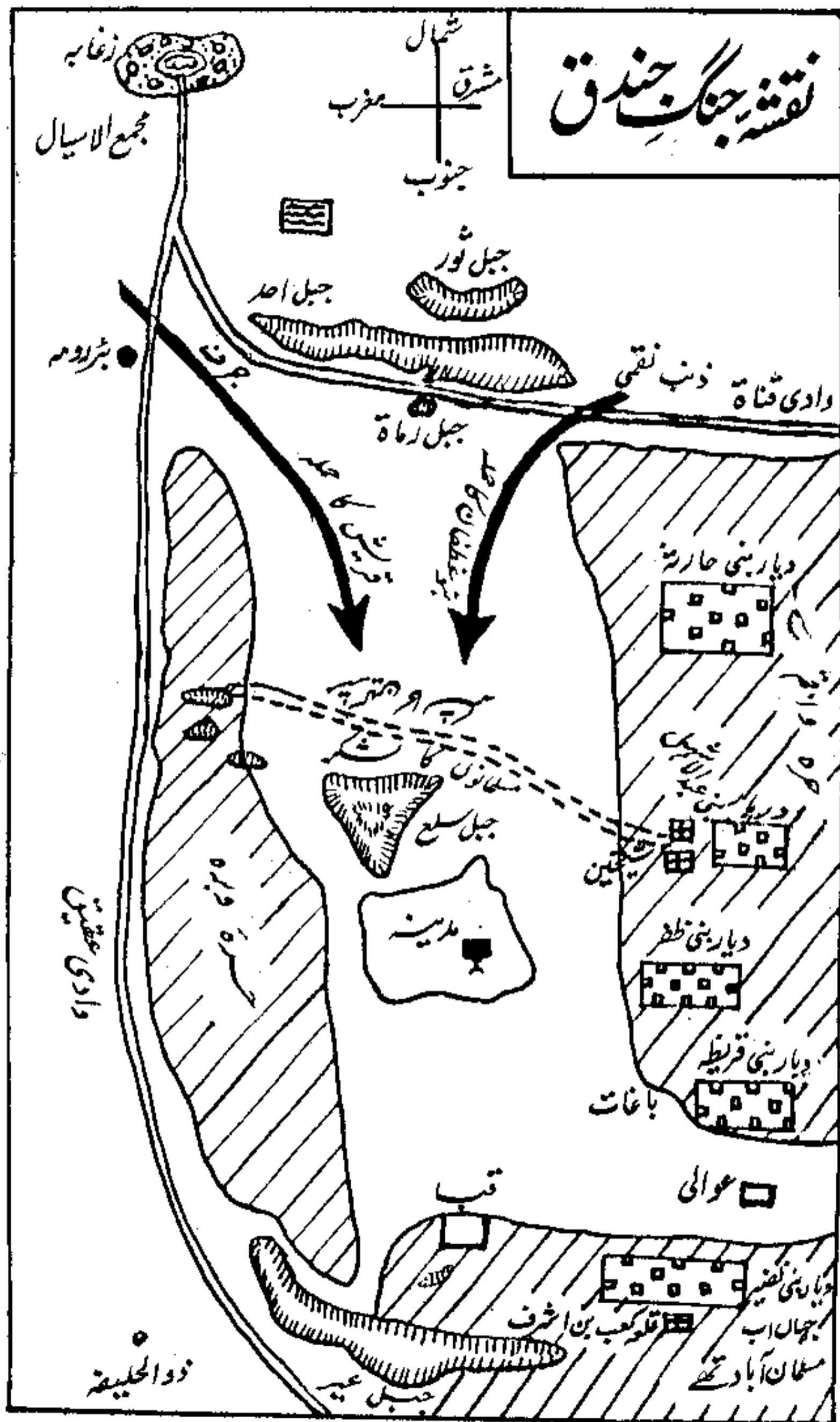
غزوہ خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال شہر میں پیش آیا تھا اور مشرکین نے ایک ماہ یا تقریباً ایک ماہ تک رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا تھا۔ تمام مآخذ پر مجموعی نظر دالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کا آغاز شوال میں ہوا تھا اور خاتمه ذی قعده میں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس روز خندق سے واپس ہوئے بدھ کا دن تھا اور ذی قعده کے اختتام ہونے میں صرف سات دن باقی تھے۔

جنگِ احزاب درحقیقت نقصانِ جان و مال کی جنگ نہ تھی بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔ اس میں کوئی خوزیرہ معرکہ پیش نہیں آیا لیکن چھ بھی یہ اسلامی تاریخ کی ایک فیصلہ کرنے والی جنگ تھی۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے لوٹ گئے اور یہ واضح ہو گیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشوونما پا رہی ہے اختتم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جنگِ احزاب میں جتنی بڑی طاقت فراہم ہو گئی تھی اس سے بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کے بیس کی بات نہ تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے احزاب کی واپسی کے بعد فرمایا:

”آلَّا نَفْرُّوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَا، نَحْنُ نَسْبُرُ إِلَيْهِمُ“ (صحیح بخاری ۵۹/۲)  
”اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے اب ہمارا شکران کی طرف جائے گا“



## نفیثہ چنگ جندق



## غزوہ بنو قریظہ

جس روز رسول اللہ ﷺ خندق سے واپس تشریف لاتے اسی روز ظہر کے وقت جبکہ آپ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں غسل فرامہ ہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے اور فرمایا: کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے اور میں بھی قریش کا تعاقب کر کے بس واپس چلا رہا ہوں۔ اُٹھنے! اور اپنے رفقاء کو لے کر بنو قریظہ کا رُخ کیجئے۔ میں آگے آگے جا رہا ہوں۔ ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر حضرت جبریلؓ فرشتوں کے جلو میں روانہ ہو گئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے منادی کر دی کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ اس کے بعد مدینے کا انتظام حضرت ابن اُمّ مگثوم کو سونپا اور حضرت علیؓ کو جگ کا پھر پادے کر آگے روانہ فرمادیا۔ وہ بنو قریظہ کے قلعوں کے قریب پہنچے تو بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کی بوجھاڑ کر دی۔

استئنے میں رسول اللہ ﷺ بھی مہاجرین و انصار کے جلو میں روانہ ہو چکے تھے۔ آپ نے بنو قریظہ کے دیار میں پہنچ کر اتنا "نامی ایک کنور پر نزد دل فرمایا۔ عام مسلمانوں نے بھی روانی کا اعلان سن کر فوراً دیار بنی قریظہ کا رُخ کیا۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت آگیا تو بعض نے کہا، تم — جیسا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے — بنو قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے۔" حقیقتی کہ بعض نے عصر کی نماز عشاء کے بعد پڑھی۔ لیکن کچھ دوسرے صحابے نے کہا آپ کا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ ہم جلد از جلد روانہ ہو جائیں۔ اس لیے انہوں نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی البتہ (جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ قضیہ پیش ہوا تو) آپ نے کسی بھی فرقہ کو سخت سُست نہیں کہا۔

بہر کیف مختلف متحوثوں میں بٹ کر اسلامی لشکر دیار بنو قریظہ میں پہنچا اور نبی ﷺ کے ساتھ

جا شامل ہوا۔ پھر نو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس شکر کی کل تعداد تین ہزار تھی اور اس میں تین گھوڑے تھے۔

جب محاصرہ سخت ہو گیا تو یہود کے سردار کعب بن اسد نے یہود کے سامنے تین متبادل تجویزیں پیش کیں۔

۱۔ یا تو اسلام قبول کر لیں اور محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو کر اپنی جان، مال اور بیان پر کو محفوظ کر لیں۔ کعب بن اسد نے اس تجویز کو پیش کرتے ہوتے یہ بھی کہا کہ واللہ تم لوگوں پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ واقعی نبی اور رسول ہیں اور وہ وہی ہیں جنہیں تم اپنی کتاب میں پاٹتے ہو۔

۲۔ یا اپنے یہودی بچوں کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر دیں۔ پھر عوارضت کرنی ﷺ کی طرف محل پڑیں، اور پوری قوت سے ٹکرا جائیں۔ اس کے بعد یا تو فتح پائیں یا سب کے سب مارے جائیں۔

۳۔ یا پھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پر دھوکے سے سینچر کے دن پل پڑیں، کیونکہ انہیں اطمینان ہو گا کہ آج لڑائی نہیں ہو گی۔

لیکن یہود نے ان تینوں میں سے کوئی بھی تجویز منظور نہ کی جس پر ان کے سردار کعب بن اسد نے (جھلاؤ کر) کہا: ”تم میں سے کسی نے ماں کی کوکھ سے جنم لینے کے بعد ایک رات بھی ہو شمندی کے ساتھ نہیں گذاری۔“

ان تینوں تجویز کو رد کرنے کے بعد نو قریظہ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، اور اپنی قسم کافی صد آپ پر چھوڑ دیں، لیکن انہوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کر لیں ممکن ہے پتا لگ جائے کہ ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ کیا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کر آپ ابو لبابة کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابو لبابة ان کے حلیفت تھے اور ان کے باغات اور آں اولاد بھی اسی علاقے میں تھے۔ جب ابو لبابة وہاں پہنچے تو مرد حضرات انہیں دیکھ کر ان کی طرف دوڑ پڑے اور عورتیں اور شپے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابو لبابة رضی اللہ عنہ پر وقت طاری ہو گئی۔ یہود نے کہا: ابو لبابة! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟

انہوں نے فرمایا، ہاں! لیکن ساتھ ہی ہاتھ سے علق کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ذبح کر دینے جاؤ گے۔ لیکن انہیں فوراً احساس ہوا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خبانت ہے پچانچ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آنے کے بجلتے سیدھے مسجد بھی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک کھجے سے باندھ لیا اور قسم کھانی کہ اب انہیں رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے اور وہ آئندہ بنو قریظہ کی ہزاریں یہی کبھی داخل نہ ہوں گے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی واپسی میں دیر ہو رہی ہے۔ پھر جب تفصیلات کا علم ہوا تو فرمایا اگر وہ میرے پاس آگئے ہوتے تو میں ان کے لیے بخشش کی دعا کر دیت۔ لیکن جب وہ وہی کام کرنے پڑے ہیں تو اب میں بھی انہیں ان کی جگہ سے کھولنیں سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فوایے۔

ادھر ابوالبایب کے اشارے کے باوجود بنو قریظہ نے یہی طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ستحیار ڈال دیں اور وہ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ حالانکہ بنو قریظہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے کیونکہ ایک طرف ان کے پاس وافر مقدار میں سامان خورد لوش تھا، پانی کے پیشے اور کنٹیں تھے مضبوط اور محفوظ قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کوئی میدان میں خون نہج کر دینے والے جاڑے اور بھوک کی سختیاں سہر رہے تھے اور آغازِ جنگ خندق کے بھی پہلے سے مسلسل جنگی مصروفیات کے سبب مکان سے چور چور رہے تھے۔ لیکن جنگ بنی قریظہ درحقیقت ایک اعصابی جنگ تھی۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا اور ان کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ پھر حصولوں کی پیشگستگی اس وقت انہماں کو پہنچ گئی جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پیش قدی فرمائی اور حضرت علیؓ نے گرج کر یہ اعلان کیا کہ ایمان کے فوجوں اخدا کی قسم اب میں بھی یا تو وہی چکوں گا جو ہمڑہ نے چکھایا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔

پچانچ حضرت علیؓ کا یہ عزم سن کر بنو قریظہ نے جلدی سے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مردوں کو باندھ دیا جائے۔ پچانچ محمد بن مسلم انصاری رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی ان سب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگ رسول اللہ ﷺ

سے عرض پر دار ہوئے کہ آپ نے بنو قینقاع کے ساتھ چو سلوک فرمایا تھا وہ آپ کو یاد ہی ہے بنو قینقاع ہمارے بھائی خزرج کے علیف تھے اور یہ لوگ ہمارے علیف ہیں لہذا ان پر احسان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ اس پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک ایک آدمی فیصلہ کرے؟ انہوں نے کہا کہیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تو یہ معاملہ سعد بن معافون کے حوالے ہے، اُس کے لوگوں نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حضرت سعد بن معافون کو بلا بھیجا۔ وہ مدینہ میں تھے۔ شکر کے ہمراہ تشریف نہیں لاتے تھے کیونکہ جنگِ خندق کے دوران بازو کی رگ کٹنے کے سبب زخمی تھے۔ انہیں ایک گدھے پر سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا یا گیا۔ جب قریب پہنچے تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے انہیں دونوں جانب سے گھیر لیا اور کہنے لگے: سعد بالپنہ علیفوں کے بارے میں اچھائی اور احسان سے کام لمحتے گا۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اسی لیے حکم بنا�ا ہے کہ آپ ان سے حسن سلوک کریں۔ مگر وہ چپ چاپ تھے کوئی جواب نہ دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے گزارش کی بھرا کر دی تو یہ اب وقت آگیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پردا نہ ہو۔ یہ سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ آگئے اور قیدیوں کی موت کی خبر پھیلا دی۔

اس کے بعد جب حضرت سعد بنی صلنفة ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے سردار کے استقبال کے لیے اٹھ کر جاؤ! لوگوں نے جب انہیں سواری سے آتا ریا تو آپ نے فرمایا: اے سعد! یہ لوگ تمہارے فیصلے پر اترے ہیں۔ حضرت سعد نے کہا، کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہو گا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے کہا مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! انہوں نے چھر کہا، اور جو ہاں ہیں ان پر بھی؟ ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی فرودگاہ کی طرف تھا؛ مگر اجلال و تعظیم کے سبب چہرہ دوسری طرف کر کھا تھا۔ آپ نے فرمایا، جی ہاں۔ مجھ پر بھی حضرت سعد نے کہا: تو ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا یا جلتے اور اموال تقسیم کر دیتے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

حضرت سعد کا یہ فیصلہ انہائی عدل و انصاف پر مبنی تھا کیونکہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کی

موت و حیات کے نازک ترین لمحات میں یون خطرناک بد عہدی کی تھی وہ تو تھی ہی اس کے علاوہ انہوں نے مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ڈیڑھ ہزار تکواریں، دو ہزار نیز سے، تین سو زر میں اور پانچ سو ڈھائیں جتیا کر رکھی تھیں۔ جن پر فتح کے بعد مسلمانوں نے قبضہ کیا۔

اس فیصلے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو قریظہ کو مدینہ لا کر بتوں شجار کی ایک عورت — جو حارث کی صاحبزادی تھیں — کے گھر میں قید کر دیا گیا اور مدینہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں۔ پھر انہیں ایک ایک جماعت کر کے لے جایا گیا اور ان خندقوں میں ان کی گردیں مار دی گئیں۔ کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدیوں نے اپنے سردار کعب بن اسد سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا اندازہ ہے؟ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا: کیا تم لوگ کسی بھی علکہ بجھو بجھو نہیں رکھتے؟ دیکھتے نہیں کہ پکارنے والا رُک نہیں رہا ہے اور جانے والا پلٹ نہیں رہا ہے، یہ خدا کی قسم قتل ہے۔ بہر کیف ان سب کی جن کی تعداد چھا اور سات سو کے درمیان تھی، گردیں مار دی گئیں۔

اس کارروائی کے ذریعے غدر و خیانت کے ان سانپوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا جنہوں نے پختہ عہد و پیمان توڑا تھا۔ مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ان کی زندگی کے نہایت سنگین اور نازک ترین لمحات میں دشمن کو مدد دے کر جنگ کے اکابر مجرمین کا کردار ادا کیا تھا اور اب وہ واقعہ مقدمے اور بچانسی کے مستحق ہو چکے تھے۔

بنو قریظہ کی اس تباہی کے ساتھ ہی بنو نصر کا شیطان اور جنگ احزاب کا ایک بڑا مجرم یعنی بن اخطب بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ یہ شخص اُمّۃ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ قریش و غطفان کی ولسوی کے بعد جب بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور انہوں نے قلعہ بندی انجام دی تو یہ بھی ان کے ہمراہ قلعہ بند ہو گیا تھا کیونکہ غربوہ آخذاب کے ایام میں یہ شخص جب کعب بن اسد کو غدر و خیانت پر آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا تو اس کا وعدہ کر کھا تھا اور اب اسی وعدے کو نوبہ رہا تھا۔ اسے جس وقت خدمت نبوی میں لا یا گیا تو ایک جو ڈازیب تن کے ہوتے تھا جسے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگل پھاڑ کھا تھا تاکہ اسے مال غنیمت میں نہ رکھوایا جاتے۔ اس کے دونوں ہاتھوں گردن کے پیچے رستی سے کم جا بندھے ہوتے تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ”ئینے امیں نے آپ کی عدالت پر اپنے آپ کو ملامت نہیں کی؛

لیکن جو اللہ سے لڑتا ہے مغلوب ہو جاتا ہے۔ پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: ”لوگو! اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو نو شتر تقدیر ہے اور ایک بڑا قتل ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا۔“ اس کے بعد وہ بیٹھا اور اس کی گردان مار دی گئی۔

اس واقعہ میں بنو قریظہ کی ایک عورت بھی قتل کی گئی۔ اس نے حضرت خلاد بن سُوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ پھینک کر انہیں قتل کر دیا تھا، اسی کے بعد اسے قتل کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا کہ جس کے زیر ناف بال آپکے ہوں اسے قتل کر دیا جائے۔ چونکہ حضرت عطیہ قرنطی کو ابھی بال نہیں آتے تھے لہذا انہیں زندہ چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔

حضرت ثابت بن قیس نے گذارش کی کہ زیرین باطا اور اس کے اہل و عیال کو ان کے لیے ہبہ کر دیا جاتے — اس کی وجہ یہ تھی کہ زیر نے ثابت پر کچھ احسانات کئے تھے — ان کی گذارش منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد ثابت بن قیس نے زیر سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو اور تمہارے اہل و عیال کو میرے لیے ہبہ کر دیا ہے اور میں ان سب کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ (یعنی تم بال بچوں سمیت آزاد ہو) لیکن جب زیرین باطا کو معلوم ہوا کہ اس کی قوم قتل کر دی گئی ہے تو اس نے کہا: ثابت! تم پر میں نے جو احسان کیا تھا اس کا واسطہ کر کرتا ہوں کہ مجھے بھی دوستوں تک پہنچا دو۔ چنانچہ اس کی بھی گردان مار کر اسے اس کے یہودی دوستوں تک پہنچا دیا گیا۔ البتہ حضرت ثابت نے زیرین باطا کے لڑکے عبد الرحمن کو زندہ رکھا چنانچہ وہ اسلام لا کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح بنو نجاشی کی ایک خاتون حضرت اُم المُنْزَد سلمی بنت قیس نے گذارش کی کہ سوال قرنطی کے لڑکے رفاعة کو ان کے لیے ہبہ کر دیا جائے ان کی بھی گذارش منظور ہوئی اور رفاعة کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔ انہوں نے رفاعة کو زندہ رکھا اور وہ بھی اسلام لا کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔

پہنچا اور افراد نے بھی اسی رات ہتھیار ڈالنے کی کارروائی سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا لہذا ان کی بھی جان و مال اور ذریت محفوظ رہی۔ اسی رات غزوہ نامی ایک اور شخص — جس نے بنو قریظہ کی بد عہدی بیس شرکت نہ کی تھی — باہر نکلا۔ اسے پہرہ داروں کے کمانڈر محمد بن مسلم نے دیکھا لیکن پہچان کر چھوڑ دیا۔ پھر معلوم نہیں وہ کہاں گیا —

بنو قریظہ کے اموال کو رسول اللہ ﷺ نے خمس بحکام کرتقیم فرمادیا۔ شہسوار کو تین حصے دیتے ہیں؛ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ قیدیوں اور بچوں کو حضرت سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں نجذب ہجھج کر ان کے عوض گھوڑے اور تھیار خرید لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے بنو قریظہ کی عورتوں میں سے حضرت ریحانہ بنت عمرہ بن خناز کو منتخب کیا۔ یہ این اسحاق کے بقول آپ کی وفات تک آپ کی ملکیت میں رہیں ہے لیکن کلبی کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں ستمہ میں آزاد کر کے شادی کر لی تھی۔ پھر جب آپ حجۃ الدواع سے واپس تشریف لائے تو ان کا انتقال ہو گیا اور آپ نے انہیں بستیع میں دفن فرمادیا۔

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو بندہ صالح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اس دعا کی قبولیت کے ظہور کا وقت آگیا جس کا ذکر غزوہ احزاب کے دوران آچکا ہے؛ چنانچہ ان کا زخم پھوٹ گیا۔ اس وقت وہ مسجد نبوی میں تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے لیے وہی خیر ملکوادیا تھا تاکہ قریب ہی سے ان کی عبادت کر لیا کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ان کے پیشے کا زخم پھوٹ کر بہا۔ مسجد میں یونغفار کے بھی چند نیمے تھے۔ وہ یہ دکھ کر چونکے کان کی جانب خون بہ کر آ رہا ہے۔ انہوں نے کہا: "نیمے والو! یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے ہماری طرف آ رہا ہے؟" ویکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون کی دھار روائی تھی۔ پھر اسی سے ان کی موت واقع ہو گئی۔<sup>۱۲</sup>

صحیحین میں حضرت چابر رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے رحمان کا عرش ہل گیا۔<sup>۱۳</sup> امام رمذی نے حضرت انس سے ایک حدیث روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا: "ان کا جنازہ کس قدر ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔"

بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران صرف ایک ہی مسلمان شہید ہوئے جن کا نام خلداد بن سوید

ہے۔ یہ دہی صحابی ہیں جن پر نور قریظہ کی ایک عورت نے پکی کا پٹ پھینک مارا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت عکاشہ کے بھائی ابو شستان بن محسن نے محاصرے کے دوران وفات پائی۔

جہاں تک حضرت ابو لبابة رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو وہ چھ رات مسلسل ستون سے بندھے رہے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر کھول دیتی تھیں اور وہ نماز سے فارغ ہو کر چھرا سی ستون میں بندھ جاتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر صبح دم ان کی توبہ نماز ہوئی۔ اس وقت آپ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرماتے ہیں حضرت ابو لبابة کا بیان ہے کہ حضرت اُم سلمہ نے اپنے جھرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھ سے کہا، اے ابو لبابة خوش ہو جاؤ! اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ یہ سُن کر صحابہ انہیں کھولنے کے لیے اچھل پڑے لیکن انہوں نے انکار کر دیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے سچلتے کوئی اور نہ کھو لے گا۔ چنانچہ جب نبی ﷺ نماز فخر کے لیے تکلے اور وہاں سے گذرے تو انہیں کھول دیا۔

یہ غزوہ ذی قعده میں پیش آیا، پچھیں روز تک محاصرہ قائم رہا۔ اللہ نے اس غزوہ اور غوفہ خندق کے متعلق صورۃ احزاب میں بہت سی آیات نازل فرمائیں اور دونوں غزووں کی اہم جزویات پر تبصرہ فرمایا، مومنین و منافقین کے حالات بیان فرماتے، دشمن کے مختلف گروہوں میں پھوٹ اور پست ہمتی کا ذکر فرمایا اور اہل کتاب کی بدعتی کے نتائج پر روشنی ڈالی۔



## غزوہ احرا و قریب کے بعد کی بھی ماتحت

**۱۔ سلام بن ابی الحیث کا قتل** | سلام بن ابی الحیث—جس کی گئیت ابو رافع تھی۔ یہود کے ان اکابر مجرمین میں تھا،

جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کو درغلانے میں بڑھ پڑھ کر حصہ لیا تھا اور مال اور رسد سے ان کی امداد کی تھی جیسا کے علاوہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا بھی پہنچاتا تھا؛ اس لیے جب مسلمان بنو قریب کے فارغ ہو چکے تو قبیلہ خزرج کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی چونکہ اس سے پہلے کعب بن اشرف کا قتل قبیلہ اوس کے چند صحابہ کے ہاتھوں ہو چکا تھا اس لیے قبیلہ خزرج کی خواہش تھی کہ ایسا ہی کوئی کارنامہ ہم بھی انجام دیں؛ اس لیے انہوں نے اجازت مانگنے میں جلدی کی۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت تو دے دی لیکن تاکید فرمادی کہ عورتوں اور زپھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے بعد ایک مختصر سادستہ جو پانچ آدمیوں پر مشتمل تھا اس مہم پر روانہ ہوا۔ یہ سب کے سب قبیلہ خزرج کی شاخ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے کمانڈر حضرت عباد اللہ بن عتیق تھے۔

اس جماعت نے یہ حصہ خبر کا رُخ کیا کیونکہ ابو رافع کا قلعہ دہیں تھا جب قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے ڈھور ڈنگر کے کہ واپس ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن عتیق نے کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور دروازے کے پہرے دار کے ساتھ کوئی لطیف حید اختیار کرتا ہوں یہ ممکن ہے اور داخل ہو جاؤں۔ اس کے بعد وہ تشریف لے گئے اور دروازے کے قریب جا کر سر پر کپڑا ڈال کر یوں بیٹھ گئے گریا قضاۓ حاجت کر رہے ہیں۔ پہرے دار نے زور سے پکار کر کہ : ”او اللہ کے بندے! اگر اندر آتا ہے تو آجا و درہ میں دروازہ بستد کر کے جا رہا ہوں۔“

عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ میں اندر گھس گیا اور چھپ گیا۔ جب سب لوگ اندر آگئے تو پھرے دار نے دروازہ بند کر کے ایک کھوٹی پر چاہیاں لٹکا دیں۔ (دیر بعد جب ہر طرف سکون ہو گیا تو) میں نے انھی کھوٹی پر چاہیاں لیں اور دروازہ کھول دیا۔ ابو رافع بالا خانے میں رہتا تھا اور وہاں مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب اہل مجلس چلے گئے تو میں اس کے بالا خانے کی طرف چڑھا۔ میں جو کوئی دروازہ بھی کھولتا تھا اسے اندر کی جانب بے بند کر لتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر لوگوں کو میرا پتا لگ بھی گیا تو اپنے پاس ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے ابو رافع کو قتل کر دوں گا۔ اس طرح میں اس کے پاس بخیج تو گیا (لیکن) وہ اپنے بال پھوٹ کے درمیان ایک تاریک کمرے میں تھا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس کمرے میں کس جگہ ہے اس لیے میں نے کہا، ابو رافع! اس نے کہا یہ کون ہے؟ میں نے جھٹ آواز کی طرف پیک کر اس پر تکوار کی ایک ضرب لگاتی لیکن میں اس وقت ہڑپڑایا ہوا تھا اس لیے کچھ نہ کر سکا۔ ادھراس نے زور کی چیخ ماری ہذا میں جھٹ کمرے سے باہر نکل گیا اور ذرا دور مٹھہ کر پھر آگیا اور آواز بدل کر، بولا، ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا تیری ماں برد باد ہو، ایک آدمی نے ابھی مجھے اس کمرے میں تکوار ماری ہے۔ عبد اللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ اب میں نے ایک زور دار ضرب لگاتی جس سے وہ خون میں لست پت ہو گیا لیکن اب بھی میں اسے قتل نہ کر سکتا تھا اس لیے میں نے تکوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبادی اور وہ اس کی پیٹھ تک چارہ ہی۔ میں سمجھ گیا کہ میں نے اسے قتل کر لیا ہے اس لیے اب میں ایک ایک دروازہ کھولتا ہوں اور اپس ہوں اور ایک یہڑھی کے پاس پہنچ کر یہ سمجھتے ہوئے کہ زمین تک پہنچ چکا ہوں پاؤں رکھا تو نیچے گہردا۔ چاندنی رات تھی، پنڈلی سرک گئی؛ میں نے پکڑی سے اسے کس کے باندھا اور دروازے پر آگزیٹھ گیا اور جی ہی جی میں کہا کہ آج جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر لیا ہے یہاں سے نہیں نکلوں گا۔ چنانچہ جب مرغ نے بانگ دی تو موت کی خبر دیتے والا قلعے کی فصیل پر چڑھا اور بلند آواز سے پکارا کہ میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی اطلاع دے رہا ہوں۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا بھاگ چلو۔ اللہ نے ابو رافع کو کفر کردار تک پہنچا دیا۔ چنانچہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں خاک ہوا اور آپ سے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا، اپنا پاؤں پھیلایا۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا۔ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ایسا لگا گویا کوئی مخلکیت تھی ہی نہیں۔<sup>۱۰</sup>

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ ابو رافع کے گھر میں پانچوں صحابہ کرام گھٹے تھے اور سب نے اس کے قتل میں شرکت کی تھی اور جس صحابی نے اس کے اوپر تکوار کا بوجھڈال کر قتل کیا تھا وہ حضرت عبد اللہ بن عتیک کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو نہیں کہ ان لوگوں نے جب رات میں ابو رافع کو قتل کر لیا اور عبد اللہ بن عتیک کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو نہیں املاکتے اور قلعہ کی دیوار کے آر پار ایک جگہ چشمے کی نہر گئی ہوئی تھی اسی میں گھٹ گئے۔ ادھر یہود نے آگ جلانی اور ہر طرف روڑ دوڑ کر دیکھا۔ جب مایوس ہو گئے تو مقتول کے پاس والیں آگئے۔ صحابہ کرام والیں ہوتے تو حضرت عبد اللہ بن عتیک کو لااد کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آتے ہیں۔

اس سیرت کی روائی ذمی قعدہ یاذی الحجۃ شہید میں زیر عمل آئی تھی یہ

جب رسول اللہ ﷺ اخراج احزاب اور قریظہ کی جنگوں سے فارغ ہو گئے اور جنگِ محراب میں نہ صرف کامیابی اور اعزاب کے خلاف تاویزی جملے شروع کئے جو امن و سلامتی کی راہ میں نتکِ گران بننے ہوتے تھے اور قوت قاہرہ کے بغیر پُرسکون نہیں رہ سکتے تھے۔ ذیل میں اس سلسلے کے سراہا اور غزوہات کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے۔

**۲۔ سیرتِ محمد بن مسلمہ** احزاب و قریظہ کی جنگوں سے فراغت کے بعد یہ پہلا سری نفری پر مشتمل تھا۔

اس سری کو نجد کے اندر بکلات کے علاقہ میں ضریبہ کے آس پاس قرطام نامی مقام پر پہچا گیا تھا۔ ضریبہ اور مدینہ کے درمیان سات رات کا فاصلہ ہے۔ روائی ۱۰ محرم شہید کو عمل ہی کئی تھی اور نشانہ بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ تھی۔ مسلمانوں نے چھاپہ مارا تو دشمن کے سارے افراد بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے چوپاٹے اور بکریاں ہانک لیں اور محرم میں ایک دن باقی تھا کہ مدینہ آگئے۔ یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار شمارہ بن اثاث حنفی کو بھی گرفتار کر لائے تھے۔ مدینہ کذاب کے

حکم سے بھیں بدال کر نبی ﷺ کو قتل کرنے ملکے تھے ہی لیکن مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور مدینہ لاکر مسجد نبوی کے ایک کھجے سے باندھ دیا۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو دریافت فرمایا: شامہ تہارے نزدیک کیا ہے؟ انہوں نے کہا: "اے محمد! میرے نزدیک خیر ہے۔ اگر تم قتل کرو تو ایک خون داۓ کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو تو ایک قدر داں پر احسان کرو گے اور اگر مال چاہتے ہو تو جو چاہو مانگ لو۔" اس کے بعد آپ نے انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ پھر آپ دوبارہ گذرے تو پھر وہی سوال کیا اور شماہہ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس کے بعد آپ تیسری بار گذرے تو پھر وہی سوال وجواب ہوا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ شماہہ کو آزاد کر دو۔ انہوں نے آزاد کر دیا۔ شماہہ مسجد نبوی کے قریب بھجوڑ کے ایک باغ میں گئے۔ غسل کیا اور آپ کے پاس والپس اگر مشرف بالسلام ہو گئے۔ پھر کہا: "خدا کی قسم! روتے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ کے چہرے سے زیادہ میغوض نہ تھا لیکن اب آپ کا چہرہ دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ اور خدا کی قسم روتے زمین پر کوئی دین میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ میغوض نہ تھا مگر اب آپ کا دین دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے اس حالت میں گرفتار کیا تھا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خوش رہو! اور حکم دیا کہ عمرہ کر لیں۔ جب وہ دیار قریش میں پہنچے تو انہوں نے کہا کہ شماہہ! تم بد دین ہو گئے ہو؟ شماہہ نے کہا: "نہیں! بلکہ میں محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں، اور سنو! خدا کی قسم تہارے پاس یا مرسے گیہوں کا ایک داڑ نہیں آسکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دے دیں۔ یا مامہ اہل مکہ کے یہے کھیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت شماہہ نے دلن والپس جا کر مکہ کے یہے غلہ کی روائی بند کر دی جس سے قریش سخت مشکلات میں پڑ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے لکھا کہ شماہہ کو لکھ دیں کہ وہ غلے کی روائی بند نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھے

بنو حیان وہی ہیں جنہوں نے مقامِ رجیع میں دس صحابہ کرام کو دھوکہ ۴۔ غزوہ بنو حیان سے گھیر کر آٹھ کو قتل کر دیا تھا اور دو کو اہل مکہ کے ہاتھوں فروخت

کہ دیا تھا جہاں وہ بے دردی سے قتل کر دیتے گئے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا علاقہ صحرا کے اندر بہت دور حدود نکلے سے قریب واقع تھا، اور اس وقت مسلمانوں اور قریش واعراب کے درمیان سخت کشکش برپا تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ اس علاقے میں بہت اندر تک گھسنے کا بڑے شمن کے قریب چلے جانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب کفار کے مختلف گروہوں کے درمیان چھوٹ پڑ گئی، ان کے عوام کمزور رہ گئے اور انہوں نے حالات کے سامنے بڑی حد تک گھنٹنے لیکر دیتے تو آپ نے محسوس کیا کہ اب بتوحیان سے زیجع کے مقتولین کا بدلہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ پھر آپ نے زیع الاویل یا چمادی الاویل ﷺ میں دوسو صحابہ کی معیت میں ان کا رُخ کیا، مدینے میں حضرت ابن امّ مکتوم کو اپنا جانشین بنایا اور ظاہر کیا کہ آپ مک شام کا رادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ یلغار کرتے ہوئے اموج اور عسفان کے درمیان بطن غران نامی ایک وادی میں۔ جہاں آپ کے صحابہ کرام کو شہید کیا گیا تھا۔ پہنچنے اور ان کے لیے رحمت کی عیشیں لیں۔ اور بتوحیان کو آپ کی آمد کی خبر ہو گئی تھی، اس لیے وہ پہاڑ کی چوڑیوں پر نکل بھاگے اور ان کا کوئی بھی آدمی گرفت میں نہ آسکا۔ آپ نے ان کی سرزین میں دوروز قیام فرمایا۔ اس دوران میں بھی بھیجے لیکن بتوحیان نہ مل سکے۔ اس کے بعد آپ نے عسفان کا قصد کیا اور وہاں سے دشہ سور کرانغ الغیم بھیجئے تاکہ قریش کو بھی آپ کی آمد کی خبر ہو جائے۔ اس کے بعد آپ کل چودہ دن مدینے سے باہر گزار کر مدینہ واپس آگئے۔

اس مہم سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے پے درپے فوجی مہمات اور سریئے رواثات فرمائے۔ ذیل میں ان کا مختصرًا ذکر کیا جا رہا ہے۔

**۳ - سیرۃ عمر** زیع الاویل یا زیع الآخر ﷺ میں حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ کو چالیس افراد کی کمان دے کر مقام غمر کی جانب رواثہ کیا گیا۔ یہ بنو اسد کے ایک چشمی کا نام ہے۔ مسلمانوں کی آمد سن کر دشمن بھاگ گیا اور مسلمان ان کے دوسراونٹ میں ہانک لاتے۔

**۴ - سیرۃ ذو القصہ (۱)** اسی زیع الاویل یا زیع الآخر ﷺ میں حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی سرپاہی میں دس افراد کا ایک دستہ ذو القصہ کی جانب رواثہ کیا گیا۔ یہ مقام بنو ثعلبہ کے دیار میں واقع تھا۔ دشمن جس کی تعداد ایک سو تھی مکین گاہ میں چھپ گیا اور

جب صحابہ کرام سو گئے تو اپانک حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی نجی بخلنے میں کامیاب ہو سکے اور وہ بھی زخمی ہو کر۔

**۶۔ سیرتہ ذوق القصہ (۲)** [محمد بن مسلمہ کے رفقاء کی شہادت کے بعد زیع الأضرسہ ہی میں نبی ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ذوق القصہ کی جانب روانہ فرمایا۔ انہوں نے چالیس افراد کی نظری لے کر مذکورہ صحابہ کرام کی شہادت گاہ کا رُخ کیا اور رات بھر پیدل سفر کر کے علی الصباح بنو شعلہ کے دیار میں پہنچتے ہی چھاپے مار دیا۔ لیکن بنو شعلہ اس تیزی سے پہاڑوں میں بھاگ کر مسلمانوں کی گرفت میں نہ آ سکے۔ صرف ایک آدمی پکڑا گیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ العبة مولیٰ اور بکیاں ہاتھ آئیں۔ یہ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت زیع الأضرسہ میں جوم

**۷۔ سیرتہ جموم** [کی جانب روانہ کیا گیا۔ جموم، مرّانظہر ان ( موجودہ وادی فاطمہ) میں بنو سلیمان کے ایک چشمے کا نام ہے۔ حضرت زید دہاں پہنچے تو قبیلہ مُزینہ کی ایک عورت جس کا نام حلیم تھا گرفت میں آگئی۔ اس نے بنو سلیمان کے ایک مقام کا پتا بتایا جہاں سے بہت موشی، بکریاں اور قیدی ہاتھ آتے۔ حضرت زید یہ سب لے کر مدینہ واپس آتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مُزینی عورت کو آزاد کر کے اس کی شادی کر دی۔

**۸۔ سیرتہ عُنیص** [رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت جمادی الاولی استہ میں عیص کی جانب روانہ کیا گیا تھا۔ اس مہم میں قریش کے لیک قافلے کا مال ہاتھ آیا جو رسول اللہ ﷺ کے داماد حضرت ابو العاص کی قیادت میں سفر کر رہا تھا۔ ابو العاص اس وقت تک مسلمان نہ ہوتے تھے۔ وہ گرفتار ہو سکے لیکن بھاگ کریدھے مدینہ پہنچے اور حضرت زینب کی پناہ لے کر ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ کر قافلے کا مال واپس دلا دیں۔ حضرت زینب نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ بات پیش کی تو آپ نے کسی طرح کا دباو ڈالے بغیر صحابہ کرام سے اشارہ کیا کہ مال واپس کر دیں۔ صحابہ کرام نے تھوڑا زیادہ اور جھوٹا بڑا جو کچھ تھا سب واپس کر دیا۔ ابو العاص سارا مال لے کر مکہ پہنچا تھا اس کے مالکوں کے حوالے کیس، پھر مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی نکاح کی بنیاد پر حضرت زینب کو ان کے حوالہ کر دیا، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

عَنْ رَبِيعَةِ سَقْنَابِيِّ وَأَدْوِيَةِ شَرْحِ عَوْنَ الْمَعْبُودِ، بَابِ الْمَقْتَلِ تَرْدِيلِهِ أَمْرًا تَرَدَّا فَإِذَا أَسْلَمَ لِعِدَّهَا

آپ نے پہلے ہی نکاح کی بنیاد پر اس لیے حوالہ کر دیا تھا کہ اس وقت تک کفار مسلمان عورتوں کے عرام کئے جانے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور ایک حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ آپ نے نکاح جدید کے ساتھ رخصت کیا تھا یا کہ چھوپرس کے بعد رخصت کیا تھا تو یہ مفہوم صحیح ہے زندگی بلکہ دونوں لحاظ سے ضعیف ہے۔ اور جو لوگ اسی ضعیف حدیث کے قائل ہیں وہ ایک عجیب متضاد بات کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوالعاص شہزادہ کے اوآخر میں فتح مکہ سے پچھے پہلے مسلمان ہوتے تھے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ شہزادہ کے ادائیں میں حضرت زینبؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ حالانکہ اگر یہ دونوں باقی صحیح مان لی جائیں تو متضاد بالحل واضح ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں ابوالعاص کے اسلام نہ اور بھرت کر کے میرنہ پہنچنے کے وقت حضرت زینبؓ زندہ ہی کہاں تھیں کہ انہیں ان کے پاس نکاح جدید یا نکاح قدیم کی بنیاد پر ابوالعاص کے حوالے کیا جاتا۔ ہم نے اس موضوع پر پلوغ المرام کی تعلیق میں بسطے گفتگو کی ہے۔

مشہور صاحب مغازی مولیٰ بن عقبہ کا رحمان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ حصہ میں ابو یاصیر اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں پیش آیا تھا لیکن یہ نہ حدیث صحیح کے موافق ہے نہ حدیث ضعیف کے۔

**۹۔ سریہ طرف یا طرق** | یہ سریہ بھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں

بہادری الاحرہ میں طرف یا طرق نامی مقام کی طرف روانہ کیا گیا۔  
یہ مقام بنو شعبہ کے علاقہ میں تھا جو حضرت زید کے ساتھ صرف پندرہ آدمی تھے لیکن بد و قل تے خبر پڑے،  
ہی راہ فرار اختیار کی۔ انہیں خطرہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے ہیں جو حضرت زید کو چاراؤ  
پا تھے لگے اور وہ چار روز بعد واپس آئے۔

۱۰۔ سریہ وادی القمر | ای سرتیہ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا اور اس کے کمانڈر بھی حضرت زیدؑ ہی تھے

دشمن کی نقل و حرکت کا پتا لگانا تھا مگر دادی القری کے باشندوں نے ان پر حملہ کر کے فوجیوں کو شہید کر دیا اور صرف تین بیجے کے جن میں ایک خود حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے وہ

**۱۰۔ سہریہ جبٹ** | اس سریہ کا زمانہ رجب شہر بتایا جاتا ہے مگر سیاق بتاتا ہے کہ یہ مذکور

سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ہمارے تین سو سواروں کی محیت روائہ فرمائی۔ ہمارے امیر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ قریش کے ایک قافلہ کا پنا لگانا تھا۔ ہم اس مہم کے دوران سخت بھوک سے دو چار ہوئے یہاں تک کہ پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانا پڑے۔ اسی لیے اس کا نام چیش خبط پڑ گیا۔ خبط جھاڑ سے جانے والے پتوں کو کہتے ہیں۔ آخر ایک آدمی نے تین اوونٹ ذبح کئے، پھر تین اوونٹ ذبح کئے، پھر تین اوونٹ ذبح کئے، لیکن اس کے بعد ابو عبیدہ نے اسے منع کر دیا۔ پھر اس کے بعد ہی سمندر نے غیر نامی ایک مجھلی پھینک دی جس سے ہم آدھے مہینے تک کھاتے رہے اور اس کا تیل بھی لگاتے رہے، یہاں تک کہ ہمارے جسم پہلی حالت پر پہنچ آتے اور تند رست ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے اس کی پیلی کا ایک کاٹا لیا اور شکر کے اندر سب سے لمبے آدمی اور سب سے لمبے اوونٹ کو دیکھ کر آدمی کو اس پر سوار کیا اور وہ (سوار ہو کر) کانٹے کے نیچے سے گزر گیا۔ ہم نے اس کے گوشت کے پچھوٹکڑے تو شہ کے طور پر کھلیے اور حبیب مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ظاہر ہو کر اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: "یہ ایک رزق ہے، جو اللہ نے تمہارے لیے برآمد کیا تھا۔ اس کا گوشت تمہارے پاس ہو تو، میں بھی کھلاو۔" ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ گوشت بیسج دیا۔ واقعہ کی تفصیل ختم ہوئی۔

اُپر جو یہ کہا گیا ہے کہ اس واقعے کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ حدیبیہ سے پہلے کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان قریش کے کسی قافلے سے تعریض نہیں کرتے تھے۔



## غزوہ بنی اصطاق یا غزوہ مُریمٰع (۵ یا ۶ نومہ)

یہ غزوہ جنگی نظر سے کوئی بھاری بھر کم غزوہ نہیں ہے مگر اس حیثیت سے اس کی ڈری اہمیت ہے کہ اس میں چند واقعات ایسے رونما ہوئے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں اضطراب اور مچل پیچ کئی اور جس کے نتیجے میں ایک طرف منافقین کا پردہ فاش ہوا تو دوسری طرف ایسے تعزیری قوانین نازل ہوئے جن سے اسلامی معاشرے کو شرف و عظمت اور پاکیزگی نفس کی ایک حناص شکل عطا ہوتی۔ ہم پہلے غزوے کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان واقعات کی تفصیل پیش کریں گے۔

یہ غزوہ — اہل سیر کے بقول شعبان شہید یا سلمہ میں پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ نبی ﷺ کو یہ اہلاع ملی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی صزار آپ سے جنگ کے لیے

سلہ اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی میں ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اور معلوم ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینب سے نبی ﷺ کی شادی اور سلمان عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہو چکنے کے بعد پیش آیا تھا۔ چونکہ حضرت زینب کی شادی سلمہ کے بالکل اخیر میں یعنی ذی قعده یا ذی الحجه میں ہوئی تھی اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ شعبان ہی کے ہینے میں پیش کیا تھا اس لیے یہ سلمہ کا شعبان نہیں بلکہ شعبہ ہی کا شعبان ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اس غزوہ کا نامہ شعبان سلمہ بتاتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث افک کے اندر اصحاب افک کے سلسلے میں حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سخت کلامی کا ذکر موجود ہے۔ اور معلوم ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سلمہ کے اخیر میں غزوہ بنو قریظہ کے بعد انتقال کر گئے تھے اس لیے واقعہ افک کے وقت ان کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ — اور یہ غزوہ سلمہ میں نہیں بلکہ سلمہ میں پیش آیا۔

اس کا جواب فرقیۃ اول سنے یہ دیا ہے کہ حدیث افک میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر راوی کا وہم ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت عائشہؓ سے این اسحاقؓ نے پہنچہ بھری عن عبد اللہ بن عتبہ عن عائشہؓ روایت کی ہے تو اس میں سعد بن معاذ کے بجائے اسید بن حضیرؓ کا ذکر ہے۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہی صحیح ہے اور سعد بن معاذ کا ذکر وہم ہے۔ (دیکھئے زاد المعاو ۱۱۵/۲)

راقم عرض پر داڑھے کو فرقیۃ اول کا انتہ لال خاصاً ذر زن رکھتا ہے (اور اسی لیے ابتداء میں ہمیں بھی اسی سے اتفاق تھا)۔ (باتیں اسی کے صفو پلا حظہ ہو)

اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کو ساتھ لے کر آ رہا ہے۔ آپ نے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کیلئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس قبیلے میں جا کر حارث بن ابی ضرار سے ملاقات اور بات چیت کی اور وہ اپس اگر رُول اللہ ﷺ کو حالات سے باخبر کیا۔

جب آپ کو خبر کی صحت کا اچھی طرح یقین آگیا تو آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور بہت جلد روانہ ہو گئے۔ روانگی ۲۰ شعبان کو ہوتی۔ اس ندوے میں آپ کے ہمراہ منافقین کی بھی ایک جماعت تھی جو اس سے پہلے کسی ندوے میں نہیں کئی تھی۔ آپ نے مرینہ کا انتظام حضرت زید بن حارثہ کو رکھا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوذر کو، اور کہا جاتا ہے کہ نیلہ بن عبد اللہ لیشی کو (سونپا تھا۔ حارث بن ابی ضرار نے اسلامی شکر کی خبر لائے کے لیے ایک جاسوس پہنچا تھا لیکن مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

جب حارث بن ابی ضرار اور اسکے رفقاء کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور اپنے جاسوس کے قتل کرنے کا علم ہوا تو وہ سخت خوفزدہ ہوتے اور جو عرب ان کے ساتھ تھے وہ سب بھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ پشمہ مرضیع تک پہنچے تو یہ مصطلق آمادہ ہجنگ ہو گئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی صفت بندی کر لی۔ پورے اسلامی شکر کے علمبردار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور خاص انصار کا چھریا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھیں تھا۔ کچھ دیر فرقین میں تیروں کا تباہ ہوا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام نے یکبارگی حمد کیا، اور فتح یا ب ہو گئے۔ مشرکین نے شکست کھائی، کچھ مارے گئے، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا، مولیٰ اور بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔ مسلمانوں کا صرف ایک آدمی مارا گیا جسے ایک انصاری نے دشمن کا آدمی سمجھ کر مار دیا تھا۔ اس ندوے کے متعلق اہل سیر کا بیان یہی ہے لیکن علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ وہم ہے،

دزگذشتہ سے ہے (۱) — لیکن غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس استدلال کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے حضرت زینبؓ کی شادی شہزادی کے اخیر میں ہوتی تھی در آنجا لیکہ اس پر بعض قرآن کے سوا کوئی مخصوص شہادت موجود نہیں ہے۔ جبکہ واقعہ انک میں اور اس کے بعد حضرت سعید بن معاؤ (متوفی ۶۵ھ) کی موجودگی متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے جنہیں دہم قرار دینا مشکل ہے۔ اس لیے ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت زینبؓ کی شادی شہزادی کے اوائل میں ہوتی ہو اور واقعہ انک اور غزوہ بنی المصطلق — شعبان شہزادی میں پیش آیا ہو۔

(۱) مرضیع۔ میر پیش۔ اور پر زبر۔ قید کے اطراف میں ساصل سند کے قریب مصطلق کے لیکن یہ شے کا نام تھا۔

کیونکہ اس غزوے میں لڑائی نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ نے چشے کے پاس ان پر چھاپے مار کر عورتوں بچوں اور مال میرشی پر قبضہ کر لیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو المصطلق رچھاپے مارا اور وہ غافل تھے۔ الی آخر الحدیث یہ

قیدیوں میں حضرت جیریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو بنو المصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ وہ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ ثابت نے انہیں مکاتب لے گئا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی جانب سے مقررہ وقت مدار کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس شادی کی وجہ سے مسلمانوں نے بنو المصطلق کے ایک سو گھنٹوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے آزاد کر دیا۔ کہتے گے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سرال کے لوگ ہیں یہ

یہ ہے اس غزوے کی رواداد۔ باقی رہے وہ واقعات جو اس غزوے میں پیش آئے تو چونکہ ان کی بنیاد عبد اللہ بن ابی رمیس المذاقتین اور اس کے رفقاء تھے اس لئے یہ بجا نہ ہو گا کہ پہلے اسلامی معاشرے کے اندر ان کے کردار اور روایتی کی ایک جملک پیش کر دی جائے اور بعد میں اتفاق کی تفصیل دی جائے۔

غزوہ بی ا لمصطلطق شے پہلے منافقین کا ویہ ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی رضی اللہ عنہا بڑی کذبی چونکہ اس و خرچ اس کی قیادت میں پتھر ہو چکے تھے اور اس کی تاچ پوشی کے لیے منگوں کا تاج بنایا جا رہا تھا کہ استثنے میں مدینہ کے اندر اسلام کی شامیں ہنچ گئیں اور لوگوں کی توجہ این ابیت سے ہٹ گئی اس لیے اسے احسان تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی باشاہت چھین لی ہے۔

اس کی یہ کذبہ اور جملہ ابتدائی ہجرت ہی سے واضح تھی جبکہ ابھی اس نے اسلام کا انہما بھنپھیں کیا تھا۔ پھر اسلام کا انہما کرنے کے بعد بھی اس کی یہی روشن رہی۔ چنانچہ اس کے انہما اسلام سے پہلے ایک بار رسول اللہ ﷺ کو گدھے پر سوار حضرت سعد بن عبادہ کی عبادت کے لیے تشریف لے جائیے

تھے دیکھئے صحیح بخاری کتاب العتنی ارج ۳۵۳ فتح الباری، ۱۴۰۳ھ  
کے مکاتب اس غلام یاونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے یہ طے کر کے وہ ایک مقررہ رقم، اسکو ادا کر کے اڑا جائیں گا۔  
۵۶ ناد المعاویہ ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ابین ہشام ۲۸۹/۲، ۲۹۰، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵

تھے کہ راستے میں ایک مجلس سے گذر ہوا جس میں عبداللہ بن ابی بھجی تھا۔ اس نے اپنی ناک ڈھاک لی اور بولا، ہم پر غبار نہ اڑاؤ۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مجلس پر قرآن کی تلاوت فرمائی تو کہنے لگا: آپ اپنے گھر میں بیٹھتے، ہماری مجلس میں قرآن سنانے کر رہیں ہیں جنگ نہ کیجئے۔ تھے یہ اظہارِ اسلام سے پہلے کی بات ہے، لیکن جنگ بد رکے بعد جب اس نے ہوا کا رُخ دیکھ کر اسلام کا اظہار کیا تب بھی وہ اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کا شمن ہی رہا اور اسلامی معاشرے میں انتشار پر پا کرنے اور اسلام کی آواز کمزور کرنے کی مسلسل تدبیریں سوچتا رہا۔ وہ اعلیٰ سے اسلام سے بڑا مخلصانہ ربط رکھتا تھا چنانچہ بُوقیّعَ کے معاملے میں نہایت نامعقول طریقے سے دخل انداز ہوا تھا۔ (جس کا ذکر پہلے صفحات میں آچکا ہے، اسی طرح اس نے غزوہ اُحد میں بھی شر، بعدہ بی مسلمانوں میں تفرقی اور ان کی صفوں میں بے صینی و انتشار اور کھلبلی پیدا کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ اس کا بھی ذکر گذر چکا ہے)

اس منافق کے مکروہ فریب کا یہ عالم تھا کہ یہ اپنے اظہارِ اسلام کے بعد ہر جمعہ کو جب رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے تشریف لاتے تو پہلے خود کھڑا ہو جاتا اور کہتا: لوگوں ایمہارے درمیان اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے ان کے ذریعے تمہیں عزت و احترام بخشا ہے لہذا ان کی مدد کر دے، انہیں قوت پہنچاؤ اور ان کی بات سنو اور مانو۔ اس کے بعد پہنچ جاتا اور رسول اللہ ﷺ اُنہوں کو خطبہ دیتے۔ پھر اس کی ڈھانی اور بی جیانی اس وقت انہما کو پہنچ گئی جب جنگ اُحد کے بعد پہلا جمعہ آیا کیونکہ — یہ شخص اس جنگ میں اپنی بدترین دغا بازی کے باوجود خطبہ سے پہلے پھر کھڑا ہو گیا اور دہی باتیں دہرانی شروع کیں جو اس سے پہلے کہا کرتا تھا؛ لیکن اب کی با مسلمانوں نے مختلف اطراف سے اس کے کپڑوں کو پکڑ کر کہا: اد اللہ کے دشمن بیٹھ جا۔ تو نے جو جو حرکتیں کی ہیں اس کے بعد اب تو اس لائق نہیں رہ گیا ہے۔ اس پر وہ لوگوں کی گرد نیں چلانگتا ہوا اور یہ بڑا آہما ہوا باہر نکل گیا کہ میں ان صاحب کی تائید کے لیے اسٹھا تو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کوئی مجرمانہ بات کہہ دی۔ اتفاق سے دروازے پر ایک انصاری سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا تیری بریادی ہو، واپس چل! ارسوں اللہ ﷺ تیرے لیے دعا مغفرت کر دیں گے۔ اس نے کہا خدا کی قسم ہیں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے دعا مغفرت کریں گے۔

علاوہ ازیں این اُبی نے بنو نضیر سے بھی رابطہ قائم کر کھاتھا اور ان سے مل کر مسلمانوں کے خلاف درپرده ساز شیں کیا کرتا تھا۔

اسی طرح ابن اُبی اور اس کے رفقاء نے جنگِ خندق میں مسلمانوں کے اندر احتصار پا اور کھلیلی مچلنے اور انہیں مرعوب و دہشت زدہ کرنے کے لیے طرح طرح کے جتنے کئے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ الحزاب کی حسب فیل آیات میں کیا ہے،

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ رَفِيْقُهُمْ مَرْضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
إِلَّا غُرُورًا ○ وَإِذْ قَاتَلَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا هُلَّ يَثْرَبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوهُ  
وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ التَّيْمَنِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ  
يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ○ وَلَوْ دُخِلْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُمِّلُوا الْفِتْنَةَ  
لَا تَوْهَا وَمَا تَلَبَّسُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ  
لَا يُؤْلُونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْوُلًا ○ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ  
مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعِصُّكُمْ  
مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَعِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيَّا  
وَلَا نَصِيرًا ○ قَدْ يَعْلَمَ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْفَاقِلِينَ لَا خَوَافِنَمْ هَلْمَ إِلَيْنَا وَلَا  
يَأْتُونَ بِالْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ○ أَشْحَهُ عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتُمُوهُ يَنْظُرُونَ  
إِلَيْكَ تَدْوُرُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشِي عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ  
سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ حِدَادِ أَشْحَهُ عَلَى الْخَيْرِ أُولَئِكَ لَهُمْ يُؤْمِنُوا فَأَخْبَطَ اللَّهُ  
آعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ يَخْسِبُونَ الْأَحْزَابَ لَهُمْ يَذْهَبُوا  
وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابَ يَوْدُوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسَّالُونَ عَنْ أَنْبَابِكُمْ  
وَلَوْ كَانُوا فِينَكُمْ مَا قَتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ○ (۲۰۶۱۲ : ۲۲)

”او جب تفاہیں اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہہ سائیل اور اس کے رسول نے جو دعہ کیا تھا وہ محض فریب تھا، اور جب ان میں سے ایک گروہ کہہ رہا تھا کہ لے شرب والے اب تمہارے لیے مٹھرے کی گنجائش نہیں اہذا پلٹ چلو۔ اور ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے یہی دیسی ان کی حفاظت کا انتظام نہیں، حالانکہ وہ کھلے پڑے نہ تھے، یہ لوگ محض بجاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر شہر کے اطراف سے ان پر دھاوا بول دیا گیا ہوتا اور ان سے فتنے (میں شرکت) کا سوال کیا گیا ہوتا تو یہ اس میں جا پڑتے اور مشکل ہی کچھ رکتے۔ انہوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ مٹھرے نے

چھیریں گے اور اللہ سے کتنے ہوئے عہد کی باز پوس ہو کر رہنی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم موت پا تسلی  
سے بجا گے تو یہ بھگدڑ تمہیں نفع نہ دے گی، اور ایسی صورت میں تمتنع کا تحفڑا ہی موقع دیا جاتے  
گا۔ آپ کہہ دیں کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ تمہارے لیے برا ارادہ کرے یا تم پر مہربانی کرنا  
چاہے اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور کو حامی و مددگار نہیں بلیں گے لانتہم میں سے ان لوگوں کو اچھی طرح  
جاناتا ہے جو روٹے اٹھاتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ، اور جو لڑائی میں  
محض تحفڑا سا حصہ لیتے ہیں جو تمہارا ساتھ دینے میں انہائی بخیل ہیں۔ جب خطرہ آپڑے تو آپکیں  
کہ آپ کی طرف اس طرح دیسے پھر اچھا کر دیکھتے ہیں جیسے منے والے پرست طاری ہو رہی ہے  
اور جب خطرہ ٹل جائے تو مال و دولت کی جرس میں تمہارا استقبال تیزی کے ساتھ حلتی ہوئی ربانوں سے کرتے  
ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت ایمان ہی نہیں لاتے ہیں اس لیے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیتے اور  
اللہ پر یہ بات آسان ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ حمد آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں؛ اور اگر وہ رپھرپٹ کر، آجائیں  
تو یہ چاہیں گے کہ بد و دل کے درمیان بیٹھے تمہاری خبر پوچھتے رہیں۔ اوف اگر یہ تمہارے درمیان رہیں بھی  
تو کم ہی لڑائی میں حصہ لیں گے۔

ان آیات میں موقع کی مناسبت سے منافقین کے اندازِ فکر، طرزِ عمل، نسبیات اور خود  
غرضی و موقع پرستی کا ایک جامع نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

ان سب کے باوجود یہود و منافقین اور مشکین غرض سارے ہی اعداء کے اسلام کو یہ بات  
اچھی طرح معلوم تھی کہ اسلام کے غلبے کا سبب مادی تفوّق یعنی اسلحہ اشکار اور تعداد کی کثرت نہیں  
ہے بلکہ اس کا سبب وہ خدا پرستی اور اخلاقی قدر ہیں جن سے پورا اسلامی معاشرہ اور دین اسلام  
کے تعلق رکھنے والا ہر فرد سرفراز و بہرہ مند ہے۔ ان اعداء کے اسلام کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس فیض کا  
سرچشمہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے جو ان اخلاقی قدروں کا مجرمے کی حد تک سب  
سے بلند نمونہ ہے۔

اسی طرح یہ اعداء اسلام پاپانچ سال تک بر سر پیکار رہ کر یہ بھی سمجھ جکے تھے کہ اس دین  
اور اس کے حاملین کو تھیاروں کے بل پریست فنا بود کرنا ممکن نہیں اس لیے انہوں نے غالباً  
یہ طے کیا کہ اخلاقی پہلو کو بنیاد بنا کر اس دین کے خلاف وسیع پیمانے پر پوچھنڈے کی جنگ  
چھیر دی جاتے اور اس کا پہلا نشانہ خاص رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو بنیاد بنا جاتے چونکہ

منافقین مسلمانوں کی صفت میں پانچواں کالم تھے اور مرثہ ہی کے اندر رہتے تھے مسلمانوں سے بلا تردد مل جعل سکتے تھے اور ان کے احساسات کو کسی بھی "مناسب" موقع پر باسانی بھر جا سکتے تھے اس لیے اس پر پیگنڈے کی ذمہ داری ان منافقین نے اپنے سر لی، یا ان کے سر ڈالی گئی اور عبد اللہ بن ابی زیمیں المنافقین نے اس کی قیادت کا پیرا اٹھایا۔

ان کا یہ پروگرام اس وقت ذرا زیادہ کھل کر سامنے آیا جب حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب کو طلاق دی اور نبی ﷺ نے ان سے شادی کی بچونک عرب کا مستور یہ پلا آرہا تھا کہ وہ میعنی رمنہ پولے بیٹھے اکواپے حقیقی لڑکے کا درجہ دیتے تھے اور اس کی بیوی کو حقیقی بیٹھے کی بیوی کی طرح حرام سمجھتے تھے اس لیے جب نبی ﷺ نے حضرت زینب سے شادی کی تو منافقین کو نبی ﷺ کے خلاف سورہ شعب برپا کرنے کے لیے اپنی دانست میں دو کمزور پہلوہا تھے آئے!

ایک یہ کہ حضرت زینب آپ کی پانچویں بیوی تھیں جبکہ قرآن نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے، اس لیے یہ شادی کیونکہ درست ہو سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ زینب آپکے بیٹھے — یعنی منہ بولے بیٹھے — کی بیوی تھیں اس لیے عرب مستور کے مطابق ان سے شادی کرنا نہایت شگین جرم اور زبردست گناہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں خوب پر دیگنڈہ کیا گیا اور طرح طرح کے افغانے گھڑے گئے۔ کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ محمد نے زینب کو اچانک دیکھا اور ان کے خشی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نقیدِ ول دے بیٹھے اور جب ان کے صاحبزادے زید کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے زینب کا راستہ محمد کیلئے خالی کر دیا۔ منافقین نے اس افسانے کا اتنی قوت سے پر دیگنڈہ کیا کہ اس کے اثرات کتب احادیث و تفاسیر میں اب تک چلے آ رہے ہیں۔ اس وقت یہ سارا پر دیگنڈہ کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے اندر آتا ہوا ثابت ہوا کہ بالآخر قرآن مجید میں اس کی بابت واضح آیات نازل ہوئیں جن کے اندر شکوک پہاں کی پیماری کا پورا پورا علاج تھا۔ اس پر دیگنڈہ کی دُسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سورہ احزاب کا آغاز ہی اس آیت کریمہ سے ہوا:

يَا أَيُّهَا النَّٰٓئُ إِنَّ اللَّٰهَ وَلَا تُطِعُ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنَفِّقِينَ إِنَّ اللَّٰهَ كَانَ عَلَيْمًا حَكِيمًا<sup>(۱:۳۲)</sup>

اسے نبی اللہ سے ڈرو اور کافرین و منافقین سے نہ دبو بے شک اللہ جانتے والا ہے؟

یہ منافقین کی حرکتوں اور کارروائیوں کی طرف ایک طاڑانہ اشارہ اور ان کا ایک مختصر ساختا کہ ہے۔  
بُنِيَتْرَىٰ حَرَكَتِينَ صِبَرْزِي اور تلطیف کے ساتھ پرواشت کر رہے تھے اور عامہ مسلمان  
بھی ان کے شر سے دامن بچا کر صبر و پرواشت کے ساتھ رہ رہے تھے کیونکہ انہیں تحریر پڑھا کہ منافقین  
قدرت کی طرف کر رہے کہ رسوا کئے جاتے رہیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْسِدُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ

وَلَا هُمْ يَذَكَّرُونَ ○ (۱۳۶: ۹)

وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے میں ڈالا جاتا ہے پھر وہ نہ توبہ کرتے ہیں اور  
نہ نصیحت پڑھتے ہیں ॥

غزوہ بنو انصار میں منافقین کا کردار | جب غزوہ بنی المصطلق پیش آیا اور منافقین  
بھی اس میں شریک ہوتے تو انہوں نے

ٹھیک دہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

لَوْخَرَجُوا فِينَكُمْ مَازَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَنْعُونَكُمُ الْفَتْنَةَ

(۲۴: ۹)

”اگر وہ تمہارے اندر نکلتے تو تمہیں مزید فساد ہی سے دوچار کرتے اور فتنے کی تلاش میں  
تمہارے اندر ٹگ دو کرتے ॥“

چنانچہ اس غزوے میں انہیں بھرپار اس بخلانے کے دو موقع ہاتھ آتے جس سے فائدہ اٹھا کر  
انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں خاصاً اضطراب و انتشار مچایا اور نبی ﷺ کے خلاف بدترین  
پسپتگندہ کیا۔ ان دونوں موقع کی کسی قدر تفصیلات یہ ہیں ۰

۱- مدینہ سے فریل میں آدمی کو بخانے کی بات | رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی المصطلق

فرما ہی تھے کہ کچھ لوگ پانی لینے گئے۔ ان ہی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا یہ مزدور بھی تھا جس کا  
ہم جیجادہ غفاری تھا۔ پانی پر ایک شخص نبان بن در جہنمی سے اس کی دھمک دھکا ہو گئی اور دونوں لڑپڑے۔  
پھر جہنمی نے پکارا : یا معاشر الانصار (انصار کے لوگوں کو پہنچو) اور جیجادہ نے آواز دی : یا معاشر المهاجرین :  
رہما جریں ! مرد کو آذ ! رسول اللہ ﷺ (خبر پاتنے ہی وہاں تشریف لے گئے اور) فرمایا ہیں تمہارے  
اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جا رہی ہے ؟ اسے چھوڑ دو یہ بدو دار ہے ॥

اس واقعے کی خبر عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو ہوتی تو غصے سے بھڑک اٹھا اور بولا: گیا ان لوگوں نے ایسی حرکت کی ہے؟ یہ ہمارے علاقے میں آگرہ اب ہمارے ہی حریت اور تم مقابل ہو گئے ہیں! خدا کی قسم ہماری اور ان کی حالت پر تو وہی مثل صادق آتی ہے جو ہم لوگوں نے کہی ہے کہ اپنے کتنے کو پال پوس کر مولانا تازہ کر دتا کہ وہ تمہیں کو پھاڑ کھائے۔ سنو! خدا کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں کامعزز ترین آدمی ذیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔ پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بولا: یہ صیحت تم نے خود مولیٰ ہے۔ تم نے انہیں اپنے شہر میں امارا اور اپنے اموال بانٹ کر دیتے۔ دیکھو! تمہارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اگر اسے دینا بند کر د تو یہ تمہارا شہر پھوڑ کر کھیں اور چلتے ہیں گے۔“

اس وقت مجلس میں ایک نوجوان صحابی حضرت زید بن ارقم علیٰ مسیح اور جو دیتے۔ انہوں نے اگر اپنے چچا کو پوری بات کہہ سنا۔ ان کے چچا نے رسول اللہ ﷺ کو اعلان دی۔ اس وقت حضرت عمر بن حبیب موجود تھے۔ بوئے حضور ابی عباد بن بشر سے کہیئے کہ اسے قتل کر دیں۔ آپ نے فرمایا: غُرایہ کے مناسب رہے گا لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ تم کوچ کا اعلان کر دو۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لوگ چل پڑے تو حضرت اسید بن حفیظ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور سلام کر کے عرض کیا کہ آج آپ نے بے وقت کوچ فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا، کیا تمہارے صاحب (یعنی ابن ابی) نے جو کچ کہا ہے تمہیں اس کی خبر نہیں ہوتی؟ انہوں نے دریافت کیا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا خیال ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس ہوا تو معزز ترین آدمی ذیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اگر چاہیں تو اسے مدینے سے نکال باہر کیں۔ خدا کی قسم وہ ذیل ہے اور آپ باعثت ہیں! اس کے بعد انہوں نے کہا: لے رسول! اس کے ساتھ نمی برستے کیونکہ بخدا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس اس وقت لے آیا جس ب اس کی قوم اس کی تاجپوشی کیلئے مونگوں کا تاج تیار کر رہی تھی اس لیے اب وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔

پھر آپ شام تک پورا دن اور صبح تک پوری رات پلتے ہے بلکہ اگلے دن کے ابتدائی اوقات میں اتنی دیر تک سفر چاری رکھا کہ دھوپ سے مکملیت ہونے لگی۔ اس کے بعد اتر کر پڑا وہ الگیا تو لوگ زمین پر جسم رکھتے ہی سبے خبر ہو گئے۔ آپ کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو سکون سے بیٹھ کر گپ لڑانے کا موقع نہ لے۔

ادھر عبد اللہ بن ابی کو جب پتا چلا کہ زید بن ارقم نے بجاندًا پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے جو بات آپ کو بتائی ہے وہ بات میں نے نہیں کہی ہے اور نہ اسے زبان پر لا لایا ہو۔ اس وقت وہاں انصار کے جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی کہا، یا رسول اللہ! ابھی وہ لڑکا ہے۔ ممکن ہے اسے وہم ہو گیا ہو اور اس شخص نے جو کچھ کہا تھا لے شیک ٹھیک یاد نہ رکھ سکا ہو۔ اس لیے آپ نے ابن ابی کی بات سچ مان لی۔ حضرت زید کا بیان ہے کہ اس پر مجھے ایسا غم لاحق ہوا کہ دیس میں کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ میں صھم سے اپنے گھر میں بیٹھ رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقین نازل فرمائی جس میں دونوں باتیں مذکور ہیں۔

**فُهُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا شُفْقَةُ اللَّهُ عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُوا<sup>۱۶۳</sup>**

"یہ منافقین وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ

چلتے نہیں" ۔

**يَقُولُونَ لَيْزَرْجَعُنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِنُخْرِجَنَ الْأَعْنَامَ مِنْهَا الْأَذَلَّاتَ<sup>۱۶۴</sup>**

"یہ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو اس سے عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کر دیجاؤ" ۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلوایا اور یہ آئیں پڑھ کر

سنایں، پھر فرمایا: اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی یہ

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام عبد اللہ ہی تھا، اس کے بالکل برعکس نہایت نیک طینت

انسان اور خیارِ صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے برآت اختیار کر لی اور مدینہ کے دروازے پر تکوار سوت کر کھڑے ہو گئے۔ جب ان کا باپ عبد اللہ بن ابی وہاں پہنچا تو اس سے بولے: خدا کی قسم

آپ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دی دیں، کیونکہ حضور

عزیز نہیں اور آپ ذلیل ہیں۔ اس کے بعد جب نبی ﷺ وہاں تشریف لاتے تو آپ نے اس

کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی اور تب صاحبزادے نے باپ کا راستہ چھوڑا۔ عبد اللہ بن

ابی کے ان ہی صاحبزادے حضرت عبد اللہ نے آپ سے یہ بھی عرض کی تھی کہ اسے اللہ کے رسول!

آپ اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو مجھے فرمائیے خدا کی قسم میں اسکا سر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔

**۲۔ واقعہِ افک** | اس غزوے کا دوسرا ہم واقعہِ انک کا واقعہ ہے۔ اس واقعے کا حل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا استور تھا کہ سفر میں جاتے ہوئے ازدواجِ مطہرات کے درمیان قرآنی فرماتے ہیں کا قرعہ بھل آتا ہے ہرامے جلتے۔ اس غزوہ میں قرعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام بھلا اور آپ انہیں ساتھے گئے غزوے سے واپسی میں ایک جگہ پڑاؤڈا لایا جحضرت عائشہ پرنسی حاجت کے لیے گئیں اور اپنی بہن کا ہمار جسے عاریہ لے گئی تھیں کھو چکیں۔ احساس ہوتے ہی فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار فاتح ہوا تھا۔ اسی دوران وہ لوگ آتے جو آپ کا ہو فوج اونٹ پر لا دا کتے تھے۔ انہوں نے سمجھا آپ ہو درج کے اندر تشریف فرمائیں اس لیے اسے اونٹ پر لا دیا اور ہو درج کے ہلکے پن پر نہ چونکے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی نو عمر تھیں۔ پدن موٹا اور بھل نہ تھا۔ نیز چونکہ کتنی آدمیوں نے مل کر ہو درج اٹھایا تھا اس لیے بھی ہلکے پن پر تعجب نہ ہوا۔ اگر صرف ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو انہیں ضرور محسوس ہو جاتا۔

بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمار ڈھونڈ کر قیام گاہ پہنچیں تو پورا شکر جا چکا تھا اور میدان بالکل غالی پڑا تھا۔ نہ کوئی پکارتے والا۔ وہ اس خیال سے وہیں بیٹھ گئیں کہ لوگ انہیں نہ پا میں گے تو پلٹ کر دیں تلاش کرنے آئیں گے لیکن اللہ اپنے امر پر ہے۔ وہ بالائے عرش سے جو تمدیر چاہتا ہے کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔ پھر صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی یہ آواز سُن کر بیدار ہوئیں کہ انا لله و انا إلَيْهِ رَجُعونَ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ..... وہ چھلی رات کو چلا آ رہا تھا۔ صحیح کو اس جگہ پہنچا جہاں آپ موجود تھیں۔ انہوں نے جب حضرت عائشہؓ کو دیکھا تو پہچان لیا کہ کیونکہ وہ پر دے کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی انہیں دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے انا لله وَحْدَهُ پڑھی اور اپنی سواری بٹھا کر حضرت عائشہؓ کے قریب کر دی۔ حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوان نے انا لله وَحْدَهُ کے سوا زبان سے ایک لفظ نہ کھلا۔ چُپ چاپ سواری کی نکیل تھامی اور بیدل چلتے ہوئے شکر میں آگئے۔ یہ ٹھیک دو پھر کا وقت تھا اور شکر پڑاؤڈا لپکا تھا۔ انہیں اس کیفیت کے ساتھ آتا دیکھ کر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز پر تبصرہ کیا اور اللہ کے شمن خبیث عبد اللہ بن ابی کو بھڑاں نکلنے کا ایک اور موقع مل گیا۔ چنانچہ اس کے پہلو میں نفاق اور حسد کی جو چنگھاری سلگ رہی تھی اس نے اس کے کرب پتھاں کو عیاں اور نمایاں کیا، یعنی بدکاری کی تہمت تراش کر واقعات کے تانے ہانے میں تہمت کے

خلک کے میں زنگ بھرنا، اور اسے پھیلانا بڑھانا اور لوحیڑنا اور بُنتا شروع کیا۔ اس کے ساتھی بھی اسی بات کو نیاد بنا کر اس کا تقریب حاصل کرنے لگے اور جب مدینہ آئے تو ان تہمت تراشوں نے تھوب جنم کر پر دیگنڈہ کیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ خاموش تھے، کچھ بول نہیں رہے تھے؛ لیکن جب لمبے عرصے تک وحی نہ آئی تو آپ نے حضرت عائشہؓ سے علیحدگی کے متعلق اپنے خاص صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صراحة کئے بغیر اشاروں اشاروں میں مشورہ دیا کہ آپ ان سے علیحدگی قیاد کر کے کسی اور سے شادی کر لیں لیکن حضرت اشامہ وغیرہ نے مشورہ دیا کہ آپ انہیں اپنی زوجیت میں برقرار رکھیں، اور دشمنوں کی بات پر کان نہ دھریں۔ اس کے بعد آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر عائد بن ابی کی ایذار سازیوں سے نجات دلانے کی طرف توجہ دلائی۔ اس پر حضرت سعد بن عباد اور اسید بن حنیفؓ نے اسکے قفل کی اجازت چاہی لیکن حضرت سعد بن عبادہ پر جو عبد اللہ بن ابی کے قبیلہ خزرج کے سردار تھے، قبائلی محیثت غالب آگئی اور دونوں حضرت میں ترش کلامی ہو گئی جس کے نتیجے میں دونوں قبیلے بھڑک اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاصی مشکل سے انہیں خاموش کیا، پھر خود بھی خاموش ہو گئے۔

ادھر حضرت عائشہؓ کا حال یہ تھا کہ وہ غزیے سے واپس آتی ہی بیمار پڑ گئیں اور ایک ہیئت نہ مسلسل بیمار رہیں۔ انہیں اس تہمت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ البتہ انہیں یہ بات ملکتی ہیتی تھی کہ پیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو لطف و عنایت ہو اکتی تھی اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ بیماری ختم ہوئی تو وہ ایک رات اُمّ مسٹع کے ہمراہ قضاۓ حاجت کے لیے میدان میں گئیں۔ اتفاق سے اُمّ مسٹع اپنی چادر میں پھنس کر چل گئیں اور اس پر انہوں نے اپنے بیٹے کو بد دعا دی۔ حضرت عائشہؓ نے اس حرکت پر انہیں ٹوکا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کو یہ بتلاتے کے لیے کہ میرا بیٹا بھی پر دیگنڈہ کے جرم میں شریک ہے تہمت کا واقعہ کہہ دیا۔ حضرت عائشہؓ نے واپس آگر اس خبر کا تھیک پتا لگانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ سے والدین کے پاس جانے کی اجازت چاہی، پھر اجازت پا کر والدین کے پاس تشریف لے گئیں اور صورت حال کا یقینی طور پر علم ہو گیا تو یہ اختیار روئے لگیں اور پھر دو راتیں اور ایک دن روئے روئے لگدیں۔ اس دوران نہ نہند کا سرمه لگایا۔ آنسو کی جھٹڑی رکی۔ وہ محسوس کرتی تھیں کہ روئے روئے کی وجہ شق ہو جاتے گا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ کلمہ شہادت پر مشتمل خطبہ پڑھا اور

اما بعد کہہ کر فرمایا: "اے عائشہؓ مجھے تمہارے متعلق ایسی اور ایسی بات کلپتا لگا ہے۔ اگر تم اس سے بُری ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری براءت ظاہر فرمادے گا اور اگر خدا نخواستہ تم سے کوئی گناہ نہ زد ہو گیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ کے حضور توبہ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔"

اس وقت حضرت عائشہؓ کے آنسو ایک دم تھم گئے اور اب انہیں آنسو کا ایک قطرہ بھی محسوس نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ آپ کو جواب دیں لیکن ان کی سمجھی میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے خود ہی کہا: "واللہ میں جانتی ہوں کہ یہ بات سننے نئے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے بالکل سچ سمجھ دیا ہے اس لیے اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بُری ہوں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بُری ہوں۔ تو آپ لوگ میری بات سچ نہ سمجھیں گے اور اگر میں کسی بات کا اعتراض کروں۔ حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بُری ہوں۔ تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے۔ ایسی صورت میں اللہ میرے لیے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثل ہے جسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والدے کہا تھا کہ:

فَصَبِّرْ وَجِيلٌ ۝ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ ۱۸:۱۲۱

"صبر ہی بہتر ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مد مطلوب ہے۔"

اس کے بعد حضرت عائشہؓ دوسری طرف جا کر ریٹ گئیں اور اسی وقت رسول اللہ ﷺ پر دھی کا نزول شروع ہو گیا۔ پھر جب آپ سے نزولِ دھی کی شدت و کیفیت ختم ہوئی تو آپ کا رہے تھے اور آپ نے پہلی بات جو فرمادی وہ یہ تھی کہ اے عائشہؓ اللہ نے تمہیں بُری کر دیا۔ اس پر (خشی سے) ان کی ماں بولیں (عائشہ)!، حضور کی جانب اٹھوڑا شکریہ ادا کرو۔۔۔ انہوں نے اپنے دامن کی براءت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت پر اعتماد و ثقہ کے سبب قدرے ناز کے انداز میں کہا: "واللہ میں تو ان کی طرف نہ اٹھوں گی اور صرف اللہ کی حمد کروں گی۔"

اس موقع پر واقعہ انک سے متعلق جو آیات اللہ نے نازل فرمائیں وہ سورہ نور کی دسی بیات ہیں جو ان الذين جاءوا بالآفتش عصبة منکھو سے شروع ہوتی ہیں۔

اس کے بعد تمہست راشی کے جرم میں مسطع بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمیدہ بنت جحش

رضی اللہ عنہم کو اسی کوڑے مارے گئے۔ نعمۃ بن عبد اللہ بن ابی کی پیٹھ اس سزا سے بچ گئی۔ حالانکہ تہمت تراشوں میں وہی سرفہرست تھا اور اسی نے اس معاملے میں سب سے اہم دل ادا کیا تھا۔ اسے سزا نہیں کی وجہ پر تو یہ تھی کہ جن لوگوں پر حدود قائم کر دی جاتی ہیں وہ ان کے لیے اخrodی عذاب کی تخفیف اور گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ اور عبد اللہ بن ابی کو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عذاب عظیم دینے کا اعلان فرمادیا تھا۔ یا پھر وہی مصلحت کا رفرما تھی جسکی وجہ سے اس کی اسلام و شمنی کے باوجود اسے قتل نہیں کیا گیا۔ حافظ ابن حجر نے امام حاکم کی کتاب روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن ابی کو بھی حل کاٹی گئی تھی۔

اس طرح ایک ہمینے کے بعد مدینہ کی فضاشک و شہپرے اور قلتی و اضطراب کے بادلوں سے صاف ہو گئی اور عبد اللہ بن ابی اس طرح رسوا ہوا کہ دوبارہ سرنا اٹھا سکا۔ ابن سحاق کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب وہ کوئی گردبرڑ کرتا تو خود اس کی قوم کے لوگ اسے عتاب کرتے، اس کی گرفت کرتے اور اسے سخت سُست کہتے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا: "اعمر! کیا خیال ہے؟ دیکھو! اے اللہ! اگر تم نے اس شخص کو اس دن قتل کر دیا ہو تو اس دن تم نے مجھ سے اسے قتل کرنے کی بات کہی تھی تو اس کے پہت سے ہمدرد اٹھ کر ٹرہو تو یہ کن اگر آج انہیں ہمدردوں کو اس کے قتل کا حکم دیا جائے تو وہ اسے قتل کر دیں گے" حضرت عمرؓ نے کہا: "واللہ! میری سمجھ میں خوب آگیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ میرے معاملے سے زیادہ بارکت ہے" ۱۲




---

لئے اسلامی قانون یہی ہے کہ جو شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور ثبوت نہ پیش کرے اسے دینتی اس تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں۔

۱۲۔ صحیح بخاری ار ۲۰۳۹۲، ۱۹۹۶، ۴۹۴، ۱۱۳/۲، ۱۱۵، ابن ہشام ۲۹۷/۲

## غزوہ مُرِیمِ سعیج کے بعد کی فوجی مہماں

**۱- سریہ دیار بنی کلب - علاقہ دومنہ الجندل** | یہ سریہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور  
کی قیادت میں شعبان سنه ۷ میں بھیجا

گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے سامنے بھاگر خود اپنے دستِ مبارک سے پھر می باندھی اور  
لڑائی میں سب سے اچھی صورت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ اگر وہ لوگ تمہاری اطاعت کر لیں  
 تو تم ان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لینا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دہان پہنچ کر تین روز  
پیغمِ اسلام کی دعوت دی۔ بالآخر قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے  
تمافرہ بنت اصنف سے شادی کی۔ یہی حضرت عبدالرحمن کے صاحبزادے ابو سلمہ کی ماں ہیں۔ اس خاتون کے  
والد اپنی قوم کے سردار اور بادشاہ تھے۔

**۲- سریہ دیار بنی سعد - علاقہ فدک** | یہ سریہ شعبان سنه ۷ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی  
سرکردگی میں روشنہ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ  
ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد کی ایک جمیعت یہود کو ملک پہنچانا چاہتی ہے لہذا آپ نے حضرت علی رضا  
کو دوسو آدمی دے کر روشنہ فرمایا۔ یہ لوگ رات میں سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ آخر ایک جاہنوں  
گرفت میں آیا اور اس نے اقرار کیا کہ ان لوگوں نے خیبر کی بھجوں کے عرض امداد فراہم کرنے کی ویکش کی ہے۔  
جاؤں نے یہ بھی بتلا کیا کہ بنو سعد نے کس جگہ جھتر بندی کی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر  
شخون مار کر پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ البتہ بنو سعد اپنی عورتوں پر بھوں سمجھتے بھاگ نکلے۔  
ان کا سردار و برین علیم تھا۔

**۳- سریہ ادمی القرمی** | یہ سریہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی  
کے زیر قیادت رمضان سنه ۷ میں روشنہ کیا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بنو  
فرزادر کی ایک شاخ نے دھوکے سے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا لہذا آپ نے  
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روشنہ فرمایا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سریہ میں بھی آپ

کے ساتھ تھا جب ہم صحیح کی نماز پڑھ پکے تو اپ کے حکم سے ہم لوگوں نے چھاپہ مارا اور پھر پس پر دھاوا بول دیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو قتل کیا۔ میں نے ایک گروہ کو دیکھا جس میں عورت میں اور پنچھے بھی تھے۔ مجھے اندر لیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے پہلے پہاڑ پر نہ پہنچ جائیں میں نے ان کو پکڑنے کی کوشش کی اور ان کے اوپر پہاڑ کے درمیان ایک تیر پھینکا تیر دیکھ کر یہ لوگ ہٹھر گئے۔ ان میں اُتم قرفہ نامی ایک عورت تھی جو ایک پرانی پوتیں اٹھے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب کی خوبصورت ترین عورتوں میں سے تھی میں ان سب کو کھینچتا ہوا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ انہوں نے وہ لڑکی مجھے عطا کی۔ میں نے اس کا کپڑا تاکہ نہ کھولا تھا کہ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے یہ لڑکی مجھ (سلمہ بن اکرم) سے کر کر میسح دی اور اس کے عوض وہاں کے متعدد مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔

اُتم قرفہ ایک شیطان صفت عورت تھی نبی ﷺ کے قتل کی تدبیریں کیا کرتی تھی اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے خاندان کے عیشہ سوار بھی تیار کیے تھے لہذا اسے تمہیک بدلہ مل گیا اور اس کے تیسوں سوار مارے گئے۔

**۲- سریّہ غریبین** | یہ سریّہ شوال نامہ میں حضرت کرزبن جابر فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روایہ کیا گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ عکل اور عریب کے چند افراد نے مدینہ اگر اسلام کا اخبار کیا اور مدینہ ہی میں قیام کیا۔ لیکن ان کے لیے مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور نبی ﷺ نے انہیں چند انوٹوں کے ساتھ چراگاہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیں۔ جب یہ لوگ تندست ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کے راعی کو قتل کر دیا، اونٹوں کو ہانک لے گئے اور اخبار اسلام کے بعد اب بھر کر فراخیار کیا؛ لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان کی تلاش کے لیے کرزبن جابر فہری کو بیس صحابہ کی معیت میں روایہ فرمایا اور یہ دعا فرمائی تھی لے اللہ غریبیوں پر راستہ اندھا کر دے اور کنگن سے بھی زیادہ تنگ بنادے۔ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ ان پر راستہ اندھا کر دیا۔ چنانچہ وہ پکڑ لیے گئے اور انہوں نے مسلمان چروہوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کے قصاص اور بد لے کے طور پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے۔ انہوں میں گرم سلاپیاں بھیری گئیں اور انھیں حرثہ کے ایک گوشے میں چھوڑ دیا گیا جہاں وہ زمین پر تڑپتے تڑپتے اپنے کیف کردار کو پہنچ گئے تھے۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت اش رضی اللہ عنہ سے مردی ہے۔

۱- دیکھنے صحیح مسلم ۲/۸۹۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سریّہ شوال میں پیش کیا گیا۔ علیہ یہ دہی حضرت کرزبن جابر فہری ہیں جنہوں نے غزوہ بدر سے پہلے غزوہ سقوان میں مدینہ کے چپا لوں پر چھاپہ مارا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور فتح کو کے موقع پر فتحت شہادت سے سرفراز ہوئے۔

اہل سیراں کے بعد ایک اور سریٰ کا ذکر کرتے ہیں جسے حضرت عمر بن امیہ ضمری رضوی اللہ عنہ نے حضرت سلمان ابن ابی سلمہ کی رفاقت میں شوال سنه میں سر کیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ حضرت عمر بن امیہ ضمری ابوسفیان کو قتل کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے تھے کیونکہ ابوسفیان نے نبی ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ایک اعرابی کو مدینہ بھیجا تھا۔ البتہ فریقین میں سے کوئی بھی اپنی نہم میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اہل سیریٰ بھی کہتے ہیں کہ اسی سفر میں حضرت عمر بن امیہ ضمری نے تمیں کافروں کو قتل کیا تھا اور حضرت خبیر رضوی اللہ عنہ و کی لاش اٹھائی تھی حالانکہ حضرت خبیر کی شہادت کا واقعہ رجوع کے چند دن یا چند ہفتے بعد کا ہے اور رجیع کا واقعہ صفر سنه ۴ کا ہے ایسے میں یہ بھنسے سے فاصلہ ہوں کہ آیا یہ دونوں دو الگ الگ سفر کے واقعات تھے جو اہل سیر پر مختلط اور گذشتہ ہو گئے اور انہوں نے دونوں کو ایک ہی سفر میں ذکر کر دیا یا یہ کہ واقعہ دونوں والقے ایک ہی سفر میں پیش آئے لیکن اہل سیر سے سند کی تعبیں میں غلطی ہو گئی اور انہوں نے اسے سند کے بجائے سند میں ذکر کر دیا۔ حضرت علام منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس والقے کو صحیح نہم یا اسرائیلی تسلیم کرنے سے الکار کیا ہے۔ واللہ اعلم

یہ ہیں وہ سرایا اور غزوات جو جنگ احزاب و بنی قریظہ کے بعد پیش آئے۔ ان میں سے کسی بھی سریٰ یا غزوے میں کوئی سخت جنگ نہیں ہوئی صرف بعض بعین میں معمولی قسم کی جھبڑیں ہوئیں۔ لہذا ان ہمہوں کو جنگ کے بجائے طلایہ گردی، فوجی گشت اور تادیبی نقل و حرکت کہا جاسکتا ہے جس کا مقصد دھیکت بدوؤں اور اکٹھے ہوئے دشمنوں کو خوفزدہ کرنا تھا۔ حالات پر خور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد صورتِ حال میں تبدیلی شروع ہو گئی تھی اور اعادلے اسلام کے حوصلے ٹوٹنےے جا رہے تھے۔ اب انہیں یہ امید باقی نہیں رہ گئی تھی کہ دعوتِ اسلام کو توڑا اور اس کی شوکت کو پامال کیا جاسکتا ہے، مگر یہ تبدیلی ذرا اچھی طرح محل کراس وقت زونما ہوئی جب مسلمان صلح حدیبیہ سے فارغ ہو چکے۔ یہ صلح درصل اسلامی قوت کا اور قاتل اور اس بات پر ہر تصدیق تھی کہ اب اس قوت کو جزیرہ نما نہ عرب میں باقی اور برقرار رہنے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔



## صلح حرمہ میہ (ذی قعده)

**عمرہ حرمہ میہ کا سبب** | جب جزیرہ نما نے عرب میں حالات بڑی حد تک مسلمانوں کے موافق ہو گئے تو اسلامی دعوت کی کامیابی اور فتحِ عظم کے آثار رفتہ رفتہ نمایاں ہونا شروع ہوئے اور مسجدِ حرام میں جس کا دروازہ مشرکین نے مسلمانوں پر چھپ برس سے بند کر رکھا تھا، مسلمانوں کے لیے عبادت کا حق تسلیم کیے جانے کی تمہیدات شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اندریہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام مسجدِ حرام میں داخل ہوئے، آپ نے خادِ کعبہ کی لخجی لی اور صحابہ سعیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈائے اور کچھ نے کٹوانے پر اتفاقی۔ آپ نے صحابہ کرام کو اس خواب کی اطلاع دی تو خیس بڑی مسرت ہوئی۔ اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخل نصیب ہو گا۔ آپ نے صحابہ کرام کو یہ بھی بتالیا کہ آپ عمرہ ادا فرمائیں گے لہذا صحابہ کرام بھی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔

**مسلمانوں میں وائیگی کا اعلان** | آپ نے مدینہ اور گرد و کشیں کی آبادیوں میں اعلان فرمادیا کہ لوگ آپ کے ہمراہ روانہ ہوں لیکن بیشتر اعراب نے تاپیر کی۔ ادھر آپ نے دھلے کپڑے پہنے مدینہ پر بن اتم مکتوم یا نیلگری کو اپنا جا شین مقرر فرمایا اور اپنی قصور زنی اٹھنی پر سوار ہو کر بیکم ذی قعدہ شہزادہ روز دوشنبہ کو روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ چودہ سو (اوکہ ہا جاتا ہے کہ پندرہ سو) صحابہ کرام ہر کا بھتی تھے۔ آپ نے مسافرانہ سہیار یعنی میان کے اندر بندلواروں کے سوا اور کسی قسم کا سہیار نہیں لیا تھا۔

**مکہ کی جانب مسلمانوں کی حرکت** | آپ کا رُخ کمکی جانب تھا۔ ذوال الحیفہ پہنچ کر آپ نے ہدیٰ کو قلافے پہنائے۔ کوہان چیز کر نشان بنایا اور عمرہ کا اعلان یادھا لئے ہدی۔ دہ جانور بچے سچ دعوہ کرنے والے مکہ یا منی میں ذنم کرتے ہیں۔ دور جاہلیت میں عرب میں دستور تھا کہ ہدی کا جانور اگر بھیڑ بکری ہے تو علامت کے طور پر لگے میں قلادہ ڈال دیا جاتا تھا اور اگر اونٹ ہے تو کوہان چیز کر خون پوت دیا جاتا تھا۔ لیے جائز سے کوئی شخص تعریض نہ کرتا تھا۔ مشرع .. نے اس دستور کو برقرار رکھا۔

تاکہ لوگوں کو ایضاً نہ رہے کہ آپ جنگ نہیں کریں گے۔ لئے آنکہ قبید خداوند کا ایک جائسوں بھیج دیتا تھا  
وہ قریش کے عزم کی خبر لائے عفان کے قریب پہنچے تو اس جائسوں نے آنکہ اطلاع دی کریں کہ بین فوی  
(قبید) کو اس حالت میں چھوڑ کر آ رہا ہوں کہ انہوں نے آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے احادیث (حیف قیابل)  
کو جمع کر رکھا ہے، اور بھی جمعیتیں فراہم کی ہیں اور وہ آپ سے لٹنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے  
کا تہذیب کیے ہوئے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد نبی ﷺ نے صاحبہ کرام سے مشورہ کیا اور فرمایا: کیا آپ  
لوگوں کی یہ راستے ہے کہ یہ لوگ جو قریش کی اعانت پر کمریت ہیں ہم ان کے اہل و عیال پر ٹوٹ پڑیں اور  
قہنہ کریں؟ اس کے بعد اگر وہ خاموش بیٹھتے ہیں تو اس حالت میں خاموش بیٹھتے ہیں کہ جنگ کی مارا و غم و  
الم سے دوچار ہو چکے ہیں اور آتے ہیں تو وہ بھی اس حالت میں کہ اللذان کی گردان توڑ چکا ہو گا؛ یا آپ  
لوگوں کی یہ راستے ہے کہ ہم خانہ کعبہ کا زخم کریں اور جو راہ میں حائل ہو اس سے لڑائی کریں؟ اس پر حضرت  
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول مہتر جانتے ہیں۔ مگر ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں،  
کسی سے لٹنے نہیں آئے ہیں۔ البتر جو ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گا اس سے لڑائی کریں گے۔  
نبی ﷺ نے فرمایا، اچھاتب چلو۔ چنانچہ لوگوں نے سفر جاری رکھا۔

### بیت اللہ سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش

ادھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روائی کا  
منعقد کی اور طے کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو بیت اللہ سے دور رکھا جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی  
نے حب احادیث سے کتر اکر اپنا سفر جاری رکھا تو بنی کعب کے ایک آدمی نے آنکہ آپ کو اطلاع دی کر قریش  
نے مقام ذی طویل میں پڑا وڈاں رکھا ہے اور خالد بن ولید دوسواروں کا دستے کے کڑائے لغائم میں تیار ہوئے ہیں  
وگرائے لغائم، مکہ جانے والی مرکزی اور کاروانی شاہراہ پر واقع ہے، خالد نے مسلمانوں کو روکنے کی بھی کوشش کی  
چنانچہ انہوں نے اپنے سواروں کو ایسی جگہ تعینات کیا جہاں سے دونوں فریق ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہے  
تھے۔ خالد نے ظہر کی نماز میں جب یہ دیکھا کہ مسلمان رکوع اور سجدے کر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ لوگ غافل  
تھے۔ ہم نے حلہ کر دیا، ہوتا تو انھیں مار دیا ہوتا۔ اس کے بعد طے کیا کہ عصر کی نماز میں مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ  
پڑیں گے، لیکن اللہ نے اسی دوران صلوٰۃ خوف (حالت جنگ کی خصوص نماز) کا حکم نازل کر دیا اور خالد  
کے ہاتھ سے موقع جاتا رہا۔

### خوزہ زمکھا ف سے پہنچنے کی کوشش اور راستے کی تبدیلی

دوسری رجیح راست اختیار کیا جو پہاڑی گھائیوں کے درمیان سے ہو کر گزرتا تھا۔ یعنی آپ داہنے جانب کترانے کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک ایسے راستے پر چلے جو شنیتہ المار پر نکلا تھا۔ شنیتہ المار سے حدیبیہ میں آتے ہیں اور حدیبیہ کے زیریں علاقہ میں واقع ہے۔ اس راستے کو اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ گرائے انہیں کا وہ مرکزی راستہ جو تنیم سے گذرا کر حرم تک جاتا تھا، اور جس پر خالد بن ولید کا رسالہ تعینات تھا وہ پائی جا شہ چھوٹ گیا۔ خالد نے مسلمانوں کے گرد وغبار کو دیکھ کر حسب یہ محسوس کیا کہ انہوں نے راستہ تبدیل کر دیا ہے تو ٹھوڑے کو ایڑلگانی اور قریش کو اس نئی صورت حال کے خطرے سے آگاہ کرنے کیلئے بھاگم بھاگ کر پہنچے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر بدستور جاری رکھا۔ جب شنیتہ المار پہنچے تو انہیں بیہکنی لوگوں نے کہا، حل حل۔ لیکن وہ بیہکنی ہی رہی لوگوں نے کہا، تصویر اڑگئی ہے۔ آپ نے فرمایا، تصویر اڑگئی نہیں ہے اور وہ اس کی یہ عادت ہے بلکہ اسے اس سبقتی نے روک لکھا ہے جس نے ما تھی کو روک دیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے با تھیں یہری جان ہے یہ لوگ کسی بھی ایسے معلمے کا مطالبه نہیں کریں گے جس میں اللہ کی حُرمت کی تعظیم کر رہے ہوں لیکن میں اسے ضرور تدبیم کر لوں گا۔ اس کے بعد آپ نے ادنیٰ کو داشتا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر آپ نے راستہ میں ٹھوڑی سی تدبیلی کی اور اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر نزول فرمایا جس میں ٹھوڑا سا پانی تھا اور اسے لوگ ذرا ذرا سائے رہے تھے، چنانچہ چند ہی لمحوں میں سارا پانی ختم ہو گیا۔ اب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے تکش سے ایک تیر لکالا اور حکم دیا کہ چشمے میں ڈال دیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد والہ اس چشمے سے مسلسل پانی ابتا رہا یہاں تک کہ تمام لوگ آسودہ ہو کر واپس ہو گئے۔

**بَدْلِيلُ بْنُ وَرْقَاءُ كَاتِبُ وَسْطٍ**

رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو چکے تو بَدْلِيلُ بنُ وَرْقَاءُ کا خیر خواہ تھا۔ بَدْلِيل نے کہا، میں کعب بن لوی کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ حدیبیہ کے فراداں پانی کے پاس بیٹھا اور ڈال رہے ہیں۔ ان کے ہمراہ عورتیں اور نیکے بھی ہیں۔ وہ آپ سے لڑنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہبیہ کرنے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ قریش کو لڑاکوں نے تھکا دیا ہے اور سخت ضرر پہنچایا ہے ایسے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک ندت طے کروں اور وہ میکے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں؛ پھر میرے غلبے کی صورت میں جس چیز (مری اطاعت) میں لوگ داخل ہونگے اس میں وہ بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ندت کے اختتام تک وہ تازہ دم تو ہو ہی چکے ہوں گے۔

اور اگر انہیں روانی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اس ذات کی قسم جس کے باقاعدی میری جان ہے میں اپنے دین کے معلمے میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گرفتار جادا نہ ہو جائے یا جب حکم اللہ اپنا امر نافذ نہ کر دے۔“

عبدیل نے کہا، آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اسے قریش تک پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد وہ قریش کے پاس پہنچا اور بولا میں ان صاحب کے پاس سے آ رہا ہوں گے اسے ان سے ایک بات سئی ہے، اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر یو قوفوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تم ہم سے ان کی کوئی بات بیان کرو، لیکن جو لوگ موجود بوجحد رکھتے تھے انہوں نے کہا، لا اؤ شاؤ تم نے کیا سُنَّا ہے؟ بدیل نے کہا، میں نے انہیں یہ اور یہ بات کہتے ہے۔ اس پر قریش نے مکر زبن شخص کو بھیجا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ بد عہد آدمی ہے، اچنا پچھو جب اس نے آپ کے پاس آ کر گفتگو کی تو آپ نے اس سے دہی بات کی جو بدیل اور اس کے رفقاً سے کہی تھی۔ اس نے واپس جا کر قریش کو پوری بات سے باخبر کیا۔

**قریش کے ایچی** | اسکے بعد علیس بن علقمہ نامی بنو کناد کے ایک آدمی نے کہا، مجھے ان کے پاس جانے دو۔ لوگوں نے کہا، جاؤ جیب وہ نوادر ہوا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا، یہ فلاں شخص ہے۔ یہ ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہے جو ہدی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے لہذا جانوروں کو ہٹا کر دو۔ صحابہ نے جانوروں کو ہٹا کر دیا اور خود بھی بدیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا، سبحان اللہ، ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور بولا، میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قlad سے ہیں اور جن کے کوہاں چیزے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ انہیں بیت اللہ سے روکا جائے۔ اس پر قریش اور اس شخص میں کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ وہ تاؤ میں آگیا۔

اس موقع پر عودہ بن سعودی نقی نے مغلت کی اور بولا اس شخص (محمد ﷺ) نے تمہارے سامنے ایک اچھی تحریز پیش کی ہے لہذا اسے قبول کرو۔ اور مجھے ان کے پاس جانتے دو۔ لوگوں نے کہا، جاؤ۔ اچنا پچھو وہ آپ کے پاس حاضر ہوا اور گفتگو شروع کی۔ نبی ﷺ نے اس سے بھی دہی بات کی جو بدیل سے کہی تھی۔ اس پر عودہ نے کہا، اسے محمد ای بتائیں کہ اگر آپ نے اپنی قوم کا صفائی بھی کر دیا تو کیا اپنے آپ سے پہلے کسی عرب کے متعلق تھا کہ اس نے اپنی قوم کا صفائی کر دیا ہو، اور اگر وہ سری صورت حال پیش آئی تو خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور ایسے اویاں لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اسی لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

اس پر حضرت ابو بکر رضی غصتے میں آکر کہا 'جایلات کی شرمگاہ کو چوس؟ ہم حضور کو چھوڑ کر بھاگیں گے! عروہ نے کہا، یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابو بکر ہیں۔ اس نے حضرت ابو بکر کو مخاطب کر کے کہا: دیکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر اسی بات نہ ہوتی کہ تم نے مجھ پر ایک حشان کیا تھا اور میں نے اس کا پولہ نہیں دیا سہے تو میں یقیناً تمہاری اس بات کا جواب دیتا۔"

اس کے بعد عروہ چہرنی ﷺ سے لفتگو کرنے لگا۔ وہ جب لفتگو کرتا تو آپ کی دلارچی پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فہرنسی ﷺ کے سر کے پاس ہی کھڑے تھے۔ ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود۔ عروہ جب نبی ﷺ کی دلارچی پر ہاتھ پر بڑھانا تو دلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی دلارچی سے پرے رکھ۔ آخر عروہ نے اپنا سراٹھایا اور بولا، یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا، مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ اس پر اس نے کہا... او... بد عہد... کیا میں تیری بد عہدی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں؟ داقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جاہلیت میں حضرت مغیرہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے پھر انہیں قتل کر کے ان کا مال لے بھاگے تھے اور اکر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اسلام تو قبول کر دیتا ہوں لیکن مال سے میرا کوئی واسطہ نہیں راست معلتمے میں عروہ کے دوڑ دھوپ کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مغیرہ اس کے بھتیجے تھے۔

اس کے بعد عروہ نبی ﷺ کے ساتھ صاحبِ کرام کے تعلقِ خاطر کا منظر دیکھنے لگا۔ پھر اپنے رفقاء کے پاس داپس آیا اور بولا: "اے قوم! بخدا میں قیصر و کسری اور سخا شی جیسے باادشا ہوں کے پاس جا چکا ہوں، بخدا میں نے کسی باادشا کو نہیں دیکھا کہ اسکے ساتھی اُسکی آئندی تعظیم کرتے ہوں جبکہ محمد کے ساتھی محمد کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اور کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر ڈپتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ اور جب وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے؛ اور جب بخدا کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دھنو کے پانی کے لیے لوگ لاڑپڑیں گے؛ اور جب کوئی بات بنتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرطِ تعظیم کے سبب انہیں بھر پر نظر سے مدد کہتے تھے؛ اور انہوں نے تم پر ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہذا اسے قبول کرو۔"

وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے رو کے جب قریش کے پُر جوش اور جنگ میان نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے سر برآورده حضرات صلح کے جو یا ہیں تو انہوں نے عملخ میں ایک رخنہ اندازی کا پروگرام بنایا اور یہ طے کیا کہ رات کو یہاں سے

نکل کر چکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس جائیں اور ایسا ہنگامہ برپا کر دیں کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھے۔ پھر انہوں نے اس منحوبے پر عمل کے لیے کوشش بھی کی۔ چنانچہ رات کی تاریخی میں شریا اسی نوجوانوں نے جنگ تعمیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں چکے سے گھسنے کی کوشش کی لیکن اسلامی پہرے داروں کے کمانڈر محمد بن مسلم نے ان سب کو گرفتار کر لیا، پھر بھی ﷺ نے صلح کی خاطران سب کو معاف کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔ اسی کے باعثے میں اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا،

وَهُوَ الَّذِي كَفَ أَيْدِيهِمْ عَنْكُ وَأَيْدِيَكُو عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ  
آنُ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ط (۲۸: ۲۲)

”وہی ہے جس نے بھل مکہ میں ان کے ماتحت قم سے روکے اور تمہارے ہاتھوں سے روکے؛ اس کے بعد کو قم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔“

**حضرت عثمان کی سفارت** | اب رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ ایک سفیر روانہ فرمائیں جو قریش کے سامنے توکد طریقے پر آپ کے موجودہ سفر کے مقصد و موقع کی وضاحت کر دے۔ اس کام کے لیے آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے مغدرت کی کٹے اللہ کے رسول! اگر مجھے اذیت دی گئی تو کہ میں بنی کعبہ کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں گزر سکتا ہو۔ آپ حضرت عثمان بن عفان کو نصیح دیں۔ ان کا کتبہ قبلہ تکہ ہی میں ہے۔ وہ آپ کا پیغام اچھی طرح پہنچاویں گے۔ آپ نے حضرت عثمان کو بلایا اور قریش کے پاس روانجی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: انہیں بیلا و کھسم لڑتے نہیں آئے ہیں، عمرہ کرنے آئے ہیں۔ انہیں اسلام کی دعوت بھی دو۔ آپ نے حضرت عثمان کو حکم بھی دیا کہ وہ کہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں فتح کی بشارة مُتَنا دیں اور یہ بیلا دیں کہ اللہ عز و جل اب اپنے دین کو کہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے۔ یہاں تک کہ ایمان کی وجہ سے کہی کو یہاں روپیش ہونے کی ضرورت نہ ہوگی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کا پیغام لے کر روانہ ہوئے۔ مقام بدرجہ میں قریش کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا، کہاں کا راہ ہے؟ فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ اور یہ پیغام دے کر بھجا ہے۔ قریش نے کہا ہم نے آپ کی بات سُن لی۔ آپ اپنے کام پر جائیے۔ ادھر سعید بن عاص نے اٹھ کر حضرت عثمان کو مرجا کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپ کو سوار کیا اور ساقہ بٹھا کر اپنی پناہ میں کر لے گیا۔ وہاں جا کر حضرت عثمان نے سربراہانِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام نایا۔ اس سے فارغ ہو چکے

تو قریش نے پیش کی کہ آپ بیت اللہ کا طواف کر لیں مگر آپ نے یہ پیش کش مسترد کر دی اور یہ گواہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف کرنے سے پہلے خود طواف کر لیں۔

### حضرت عثمانؑ کی شہادت کی افواہ اور بعیتِ حضوان

پوری کرچکے تھے لیکن قریش نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ پیش آمدہ صورت حال پر باہم مشورہ کر کے کوئی قطعی فیصلہ کر لیں اور حضرت عثمانؑ کو ان کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دے کر واپس کر لیں، مگر حضرت عثمانؑ کے دیر تک رُس کے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا ہم اس جگہ سے ملن ہیں سکتے یہاں تک کہ لوگوں سے معرکہ آرائی کر لیں۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کو بعیت کی دعوت دی۔ صحابہ کرام ٹوٹ پڑے اور اس بات پر بعیت کی کہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتے۔ ایک جماعت نے موت پر بعیت کی؛ یعنی مر جائیں گے مگر میدانِ جنگ نہ چھوڑیں گے۔ سب سے پہلے ابوثان اسدی نے بعیت کی۔ حضرت شُریْب بن اکوع نے تین بار بعیت کی۔ شروع میں، درمیان میں اور اخیر میں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا ہاتھ پڑ کر فرمایا: یعنی عثمانؑ کا ہاتھ ہے۔ پھر جب بعیت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمانؑ بھی آگئے اور انہوں نے بھی بعیت کی۔ اس بعیت میں صرف ایک آدمی نے جو منافق تعاشر کرت نہیں کی، اس کا نام جد بن قیس تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بعیت ایک درخت کے نیچے لی۔ حضرت عمر دست مبارک تھا جسے ہٹوٹھے تھے اور حضرت معقل بن یسار رضوی اللہ عنہ فیض نے درخت کی بعض ٹہنیاں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے اوپر سے ہٹا دی تھیں۔ اسی بعیت کا نام بعیتِ حضوان ہے اور اسی کے باسے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (۱۸:۲۸)

”اللہ مومنین سے راضی ہوا جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔“

### صلح اور دفاعت صلح

بہر حال قریش نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی، لہذا جسٹ سہیل بن لازماً یہ بات طے کی جائے کہ آپ اس سال وہاں پہنچے ہائیں۔ ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے۔ ان ہدایات کو لے کر سہیل بن عبد اللہ آپ کے پاس حاضر ہوا۔ یہی ﷺ نے اسے آتا کہ کہ کر صحابہ کرام سے فرمایا: تمہارا کام تمہارے لیے ہے یہیں کہ دیکھ کر دیا گیا۔ اس شخص کو بھیجنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔ سہیل نے آپ کے پاس ہنچ کر دیکھ گئی۔ اور بالآخر طرفین میں صلح کی دفعات طے ہو گئیں

۱۔ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہونے بغیر واپس جائیں گے۔ اگلے سال مسلمان مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہو گا۔ میانوں میں تلواریں ہوں گی اور ان سے کسی قسم کا تعریض نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔ اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے، کوئی کبھی پرانا تھوڑا نہیں اٹھائے گا۔

۳۔ جو محمدؐ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہیے داخل ہو کے گا اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہیے داخل ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فرقے میں شامل ہو گا اس فرقے کا ایک جزو سمجھا جائے گا لہذا یہ کسی قبیلے پر زیادتی ہونی تو خود اس فرقے پر زیادتی متصور ہو گی۔

۴۔ قریش کا جو آدمی اپنے سر پست کی اجازت کے بغیر۔ یعنی بھاگ کے محمدؐ کے پاس جائے گا۔ اس سے واپس کر دیں گے لیکن محمدؐ کے ساتھیوں میں سے شخص۔ پناہ کی غرض سے بھاگ کر۔ قریش کے پاس آئے گا قریش اس سے واپس نہ کریں گے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو بلا یا کہ تحریر لکھ دیں اور یہ املا کرایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحيم۔ اس پر سہیل نے کہا، ہم نہیں جانتے حکمن کیا ہے؟ آپ یہ لکھئے یا نہیک اللہم (لے اللہ تیرے نام سے) نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپ نے یہ املا کرایا، یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔ اس پر سہیل نے کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بہیت اللہ سے رد کتے اور دبجگ کرتے لہذا آپ محمد بن عبد اللہ لکھوئے۔ آپ نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ مجھ لاؤ۔ پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ محمد بن عبد اللہ لکھیں اور لفظ "رسول اللہ" مٹا دیں لیکن حضرت علیؓ نے گوارا نہ کیا کہ اس لفظ کو مٹائیں لہذا نبی ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

پھر جب صلح مکمل ہو چکی تو بخوبی رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ درحقیقت عبد المطلب کے زمانے ہی سے بولا شتم کے حلیف تھے جیسا کہ آغاز تکاب میں گذر چکا ہے، اس لیے اس عہد و پیمان میں داخلہ درحقیقت اسی قدیم حلف کی تائید اور پختگی تھی۔ دوسری طرف بخوبی قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔

**ابو جندل کی واپسی** | نوشہ صلح ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل اپنی بیڑیاں گھینٹتے آپ پہنچے۔ وہ زیریں مکر سے نکل کر آئے تھے۔ انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا، یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپ سے معاملہ کرنا ہوں کہ آپ اسے واپس کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ابھی تو ہم نے نوشہ مکمل نہیں کیا ہے۔ اس نے کہا، تب میں آپ سے کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اچھا تو تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔ اس نے کہا، میں آپ کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ نے فرمایا، نہیں نہیں اتنا تو کہ ہی دو۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں کر سکتا۔ پھر سہیل نے ابو جندل کے چہرے پر چانوار سید کیا۔ اور مشرکین کی طرف واپس کرنے کے لیے ان کے کرتے کا گلا پکڑ کر گھیٹا۔ ابو جندل زور زد رسمی پہنچ کر کہتے گئے: مسلمانوں کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے یہرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو جندل! صبر کرو اور اسے باعثِ ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے۔ اس لیے ہم بعہدی نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر ابو جندل کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے پہلوں پلٹتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابو جندل! صبر کرو۔ یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو ہم کہتے کا خون ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تکوا کا دستہ بھی ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے مید تھی کہ وہ تکوا لے کر اپنے باپ (سہیل) کو اڑا دیں گے لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارے میں سمجھ سے کام لیا اور معاهدہ صلح نافذ ہو گیا۔

**عمرہ سے حلال ہونے کے لیے قربانی اور بالوں کی کشافی** | رسول اللہ ﷺ معاہدة صلح لکھوا کر فارغ ہو چکے تو فرمایا، امّا مٹھو، اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو۔ لیکن والد کوئی بھی نہ اٹھا، حتیٰ کہ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرانی۔ مگر چھپ جب کوئی نہ اٹھا تو آپ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور لوگوں کے اس پیش آمدہ طرز عمل کا ذکر کیا۔ مِمْ المُؤْمِنِينَ نے کہا: یا رسول اللہ اگر آپ ایسا چاہتے ہیں؟ تو پھر آپ تشریف لے جائیے اور کسی سے کچھ کہے بغیر جب چاپ اپنا جانور ذبح کر دتے ہیں؟ اور اپنے جام کو بلا کر سر منڈا لیجئے۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ باہر تشریف

لائے اور کسی سے پھر کہے بغیر بھی کیا۔ یعنی اپنا ہدی کا جانور ذبح کر دیا اور جام کو بلا کر سرمنڈالیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے اور اس کے بعد باہم ایک دسرے کا سر منڈنے لگے۔ یقینیت یہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا فرط غم کے سبب ایک دسرے کو قتل کر دیں گے اس موقع پر گئے اور اونٹ ساتھ آدمیوں کی طرف سے ذبح کئے گئے۔ آپ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابو جہل کے پاس تھا۔ اسکی ناک میں چاندی کا ایک حلقة تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین جل ہجن کر رہ چاہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے سرمنڈانے والوں کے لیے یہ میں باز مغفرت کی دعا کی اور قبیخی سے کٹانے والوں کے لیے ایک بار۔ اسی سفر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن عجرہ کے سلسلے میں یہ حکم بھی نازل فرمایا کہ جو شخص اذیت کے سبب اپنا سر حالت احرام میں امنڈا لے وہ روز کے یا صدقے یا ذینہ سے کی شکل میں فدیہ دے۔

**مہاجرہ عورتوں کی واپسی سے انکار**

اس کے بعد کچھ مومنہ عورتیں آگئیں۔ ان کے اولیائے مطالیہ کیا کہ حدیبیہ میں جو صلح مکمل ہو چکی ہے اس کی رو سے انہیں واپس کیا جائے لیکن آپ نے یہ مطالیہ اس دلیل کی بنا پر مسترد کر دیا کہ اس دفعہ کے تعلق معاهدے میں جو لفظ لکھا گیا تھا وہ یہ تھا:

وَعَلَى إِنْ لَا يَأْتِيَكُمْ مِنْ أَجْنَابٍ وَإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكُمْ الْأَرْدَدَتُهُ عَلَيْنَا  
”اور یہ معاہدہ اس شرط پر کیا جا رہا ہے کہ ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا آپ اسے لازماً واپس کر دیں گے جوہا وہ آپ ہی کے دین پر کیوں نہ ہو۔“  
لہذا عورتیں اس معاہدے میں سرے سے داخل ہی نہ تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنُونَ مُهَاجِرِينَ فَإِمْتَحِنُهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ  
بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنِينَ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ إِلَّا هُنَّ جَاهِلُهُمْ وَلَا هُمْ  
يَعْلَمُونَ لَهُنَّ مُؤْمِنُونَ وَأَنَّوْهُمْ مَا أَنفَقُوا وَلَا جُناحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ  
أُجُورَهُنَّ وَلَا تُعِسِّكُوْا بِعِصْمِ الْكَوَافِرِ... (۱۰: ۹۰)

”لے اہل ایمان جب تمہارے پاس مومن عورتیں بھرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو بڑھانا ہے، پس اگر انہیں مومن جانو تو کفار کی طرف نہ پڑا۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال میں اور نہ کفار ان کے لیے حلال میں۔ البتہ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کو دیے تھے اسے واپس دے دو اور رپھر تم پر کوئی حرج نہیں کر ان سے نکاح کر لو جب کہ انہیں ان کے مہرا دا کرو۔ اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی مومنہ عورت ہجرت کر کے آتی تو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں اس کا امتحان لیتے کہ،

..إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَةُ مُبَارِّعَةً عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقُنَّ وَلَا يَزِدْنَهُنَّ وَلَا يَقْتُلْنَ أُولَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِهُنَّاِنَّ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَارِعَهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ مَنْ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۲:۶۰)

رسلے ہی ہی ہجیب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شرکی دکھیں گی، چندی دکھیں گی، زنا دکھیں گی، بني اولاد کو قتل دکھیں گی، اپنے باتھ پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان گھر کرنا دلائیں گی اور کسی معروف بات میں تمہاری نافرمانی دکھیں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے دعا مخفرت کرو، یعنی اللہ غفور رحیم ہے۔

چنانچہ جو عورتیں اس آیت میں دکھ کی ہوئی شرائط کی پابندی کا عہد کریں۔ آپ ان سے فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ پھر انہیں واپس نہ کرتے۔

اس حکم کے مطابق مسلمانوں نے اپنی کافر بیویوں کو طلاق دے دی۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی زوجیت میں دو عورتیں جو شرک پر قائم تھیں۔ آپ نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔ پھر ایک سے معاویہ نے شادی کر لی اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے۔

**اس معاہدے کی وفعات کا حامل** | یہ ہے صلح حدیبیہ۔ جو شخص اس کی وفعات کا ان کے مسلمانوں کی فتح عظیم تھی، کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا تہذیب کیا ہے بیٹھے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ ایک دن یہ قوت دم توڑے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرہ العرب کے دینی پیشواؤ اور دنیاوی صدر نہیں ہونے کی ہیئت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حاصل رہنے کے لیے کوشش رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھنے تو صلح کی جانب بھی جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر تیری دفعہ کے پیچھے صاف طور پر یہ نفیا تی کیفتیت کا فرمان نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر شہینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اسے انہوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انہیں صرف اپنی پڑی تھی۔ ان کو اس سے کوئی سر و کار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔ یعنی اگر سارے

کاسارا جزیرہ العرب حلقة بگوشِ اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے۔ کیا قریش کے عزم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکستِ فاش نہیں ہے؟ اور مسلمانوں کے مقاصد کے لحاظ سے یہ فتحِ میں نہیں ہے؟ آخراں اسلام اور اعداء کے اسلام کے درمیان یہ خوزر ز جنگیں پیش آئی تھیں ان کا فشار اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں گوں کو مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے۔ یعنی اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر ہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے روڑا بن کر کھڑی نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مالِ خبری کیے جائیں، انہیں موت کے گھاث آتا رہا جائے، اور انہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ یعنی مسلمانوں کا مقصود صرف دہی تھا جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

شہادت ہے طلوب و مقصود مومن      نہ مال غنیمت نہ کشور کشانی ।

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کا مذکورہ مقصد اپنے تمام اجزاء اور لوازم سمیت حاصل ہو گیا اور اس طرح حاصل ہو گیا کہ بسا اوقات جنگ میں فتحِ میں سے ہمکار ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہو پاتا۔ پھر اس آزادی کی وجہ سے مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں نہایت زبردست کامیابی حاصل کی چنانچہ مسلمان افواج کی تعداد جو اس صلح سے پہلے تین ہزار سے زائد کمبھی نہ ہو سکی تھی وہ مخفی دو سال کے اندر فتح کر کے موقع پر دس ہزار ہو گئی۔

وفہد بھی درحقیقت اس فتحِ میں کا ایک جزو ہے کیونکہ جنگ کی ابتدا مسلمانوں نے نہیں بلکہ مشکین نے کی تھی۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَهُمْ بَدُؤْ وَكُمْ أَقَلَّ مَرَّةٌ

” یعنی پہلی بار ان ہی لوگوں نے تم لوگوں سے ابتدا کی۔ ”

جہاں تک مسلمانوں کی طلایر گردیوں اور فوجی گشتوں کا تعلق ہے تو مسلمانوں کا مقصود ان سے صرف یہ تھا کہ قریش اپنے احتمانہ غور اور اللہ کی راہ روکنے سے باز آجائیں اور صاویانہ بیاد پر معاملہ کر لیں؛ یعنی ہر فریقی اپنی دُگر پر گامزن رہنے کے لیے آزاد رہے۔ اب غور کیجئے کہ دس سال جنگ بذرکھتے کا معابدہ آخر اس غور اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ سے باز آنے ہی کا وعدہ ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کا آغاز تک رسنے والا کمزور اور بے دست و پا ہو کر اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا۔

جہاں تک پہلی دفعہ کا تعلق ہے تو یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی ناکامی کے بجائے کامیابی کی علامت ہے۔

کیونکہ یہ دفعہ و حقیقت اس پابندی کے خاتمے کا اعلان ہے جسے قریش نے مسلمانوں پر سجد حرام میں داخلے سے متعلق فائدہ کر رکھی تھی۔ البتہ اس دفعہ میں قریش کے لیے بھی تشفی کی اتنی سی بات تھی کہ وہ اس ایک سال مسلمانوں کو رد کرنے میں کامیاب رہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔

اس کے بعد اس صلح کے سلسلے میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو یہ تین رعایتیں دیکر صرف ایک رعایت حاصل کی جو دفعہ ۳ میں مذکور ہے؛ لیکن یہ رعایت حدود رجہ معمولی اور سبیلہ وقت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا اللہ، رسول اللہ ﷺ اسلام سے بھاگ نہیں سکتا۔ اس کے بھاگنے کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ مرتد ہو جائے، خواہ ظاہراً خواہ درپرداز ہے؛ اور ظاہر ہے کہ جُبْتَ ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

اَنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ بِهِ

”جو ہیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگا لے اثر نے دُور (ای بر باد) کر دیا۔“

باقی رہے کئے کے وہ باشندے جو مسلمان ہو پچکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کے لیے اگرچہ اس معاهدے کی رو سے مریٹہ میں پناہ گزیں ہوتے کی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہر حال کشادہ تھی۔ کیا جہش کی زمین نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے لیے اپنی آخوش دانہیں کردی تھی، جب مریٹہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہ جانتے تھے؟ اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ملکہ مسلمانوں کے لیے اپنی آخوش کھوں سکتا تھا اور یہی بات تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

وَمَنْ جَاءَ نَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللَّهُ لَهُ فَرِجَّاً وَمَخْرَجًا (الصافحہ مسلم ۱۰۵/۲)

”ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا۔ اللہ اس کیلئے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنتا رہے گا۔“

پھر اس قسم کے تحفظات سے اگرچہ ظریطہ بر قریش نے عز و وقار حاصل کیا تھا مگر یہ دفعہ و حقیقت قریش کی سخت نفیاتی گھبراہست، پریشانی، اعصبابی دباو اور شکستگی کی علامت ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ انہیں اپنے بُت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھر دندا

ایک کھانی کے ایسے حکوکھلے اور اندر سے کئے ہوئے گنارے پر کھڑا ہے جو کسی بھی دم ثُوف گرنے والا ہے؛ لہذا اس کی خفاظت کے لیے اس طرح کے تخفیفات حاصل کر لینا ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدمی کے ساتھ یہ شرط منظور کی کہ قریش کے یہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہ طلب کریں گے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور چنگی پر پورا پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپ کے لیے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔

**مسلمانوں کا غم اور حضرت عمر کا مناقشہ** | یہ ہے معاہدہ صلح کی دفاتر کی حقیقت لیکن ان دفاتر میں دو باتیں بظاہر اس قسم کی تھیں کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت غم و الم لاحق ہوا۔ ایک یہ کہ آپ نے بتایا تھا کہ آپ بیت اللہ تشریف لے جائیں گے۔ اور اس کا طواف کریں گے لیکن آپ طواف کیے بغیر واپس ہو رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور حق پر ہیں اور اللہ تے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے قریش کا دباؤ قبول کیا۔ اور دب کر صلح کی؟ یہ دونوں باتیں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور گمان دوسو سے پیدا کر رہتی ہیں۔ ادھر مسلمانوں کے احساسات اس قدر مجرد جستھے کہ وہ صلح کی دفاتر کی حقیقت کی گہرائیوں اور مال پر غور کرنے کے بجائے حُزن و غم سے مُٹھاں تھے اور غالباً اس سے زیادہ غم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تھا۔ چنانچہ انہوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اکیا ہم لوگ حتی پر اور وہ لوگ باطل پڑھیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا، تو پھر کیوں ہم اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں اور ایسی حالت میں پیش کروں گے ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، "خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔" انہوں نے کہا، کیا آپ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں؟ لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کریں گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو یہ حال تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بچرے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے دہی باتیں کہیں چو رسول اللہ ﷺ سے کہی تھیں اور انہوں نے بھی ٹھیک دی

جو اب دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور اخیر میں آنا اور اضافہ کیا کہ آپ ﷺ کی رکاب پر تھامے رہو یہاں تک کہ موت آجلتے کیونکہ خدا کی قسم آپ حق پر ہیں۔

اس کے بعد اتنا فتحنا لکھ فتحاً مُبِينًا کی آیات نازل ہوئیں جس میں اس صلح کو فتح میں قرار دیا گیا ہے۔ اس کا نزول ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلا یا اور پڑھ کر سنایا۔ وہ نکھلتے لگئے یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟ فرمایا، نہ۔ اس سے ان کے دل کو سکون ہو گیا اور دلپس چلے گئے۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تفصیر کا احساس ہوا تو خفت نادم ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے اس روز جعلی کی تحریکی اور جوبات کہہ دی تھی اس سے ذکر میں نے بہت سے احوال کئے۔ برابر صدقہ و خیرات کرتا رہا۔ روزے رکھتا اور نماز پڑھاتا اور غلام آزاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اب مجھے خیر کی امید ہے۔ کمزور مسلمانوں کا مسئلہ حل ہو گیا | رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لاکر مسلمان ہو چکے تو ایک مسلمان جسے تمہیں اذیتیں دی جا رہی تھیں چھوٹ کر

بھاگ آیا۔ ان کا نام ابو بصر تھا۔ وہ قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے اور قریش کے حلفاء تھے۔ قریش نے ان کی داپسی کے لیے دو آدمی بھیجے اور یہ کہلوایا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان جو عہد و پیمان ہے اس کی تعییں کیجئے۔ نبی ﷺ نے ابو بصر کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔ یہ دونوں انہیں ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور ذوالخیفہ پہنچ کر اترے، اور بھجو رکھانے لگے۔ ابو بصر نے ایک شخص سے کہا، اے فلاں! خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار بڑی عمدہ ہے۔ اس شخص نے اسے نیام سے نکال کر کہا، ہاں ہاں! اللہ یہ بہت عمدہ ہے۔ میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصر نے کہا، ذرا مجھے دکھلاو، میں مجھی دکھیوں۔ اس شخص نے ابو بصر کو تلوار دے دی اور ابو بصر نے تلوار لیتے ہی اسے مار کر ڈھیر کر دیا۔

دوسرے شخص بھاگ کر مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبوی میں گھس گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا یہ خوفزدہ نظر آتا ہے۔ وہ شخص نبی ﷺ کے پاس چھپ کر بولا: میرا ساتھی خدا کی قسم قتل کر دیا گیا۔ اور میں بھی قتل ہی کیا جانے والا ہوں۔ اتنے میں ابو عصیر آگئے اور بولے: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کی طرف پلٹا دیا، پھر اللہ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کی بر باری ہو، اسے کوئی ساتھی مل جائے تو یہ تو جنگ کی لیگ بھر کا  
تھے صلح حدیبیہ کی تفصیلات کے مکمل ہیں۔ فتح الباری، ۱/۲۹۳ تا ۲۹۵ صبح بخاری /۱/۲۰۴ تا ۲۰۶، ۵۹۸/۲، ۴۰۰، صبح مسلم  
۲/۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹ تا ۲۱۲ تا ۲۲۲ زاد المعاود /۲/۱۲۶ تا ۱۲۷، مختصر اسیر و الشیخ عبداللہ حسن، ۲۰۵ تا ۲۰۶ تاریخ عمر بن الخطاب  
لابن الجوزی ص ۳۹، ۳۰۰ م ۔

دے گا تیرہ بات سُن کر ابو جہیر سمجھ گئے کہ اب انہیں پھر کافروں کے حوالے کیا جائے گا اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پڑا گئے۔ اوصرابوجذل بن سہیل بھی چھوٹ بھاگے اور ابو جہیر سے آٹے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لا کر بھاگتا وہ ابو جہیر سے آلتا۔ یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ملک شام آنے جانے والے کسی بھی قریشی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اس سے خود چھپر چھاڑ کرتے اور قافلے والوں کو مار کر ان کا مال لوٹ لیتے۔ قریش نے تنگ آگر بیوی ﷺ نے مسلمانوں کو اللہ اور قربت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ آپ انہیں اپنے پاس بلا میں اور اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا مامون رہے گا۔ اس کے بعد بیوی ﷺ نے انھیں بوا لیا اور وہ مدینہ آگئے گی۔

**برادران قریش کا قبولِ اسلام** | اس معاہدہ صلح کے بعد شہر کے اوائل میں حضرت عمر بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہو گئے۔ جب یہ لوگ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: "مکہ نے اپنے جگرگوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔"



### کے سابقہ کا خذ

وہ اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ یہ صحابہ کرام کس سند میں اسلام لائے۔ اسلام الرجال کی عام کتابوں میں اسے شہر کا دام بنتا گیا ہے۔ لیکن سخاہی کے پاس حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لائے کا واقعہ معروف ہے جو شہر کا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت خالد اور عثمان بن طلحہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب حضرت عمر بن عاص جہش سے واپس آئے تھے کیونکہ انہوں نے جہش سے واپس آگر مدینہ کا قصد کیا تو راستے میں ان دونوں سے ملاقات ہوئی۔ اور یہیوں حضرت نے ایک ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی حضرات شہر کے اوائل میں مسلمان ہوئے۔ واللہ اعلم۔

## نئی تبدیلی

صلح حدیبیہ وحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی تبدیلی کا آغاز تھا پونکہ اسلام کی عداوت و شمنی میں قریش سب سے زیادہ مضبوط، ہٹ دھرم اور لارا کا قوم کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے جب جنگ کے میدان میں پسپا ہو کر امن وسلامتی کی طرف آگئے تو احزاب کے تین بازوں قریش، غطفان اور یہود میں سے سب سے مضبوط بازو ٹوٹ گیا؛ اور چونکہ قریش ہی پورے جزیرہ العرب میں بست پستی کے نمائندے اور سربراہ تھے اس لیے میدان جنگ سے ان کے ہٹتے ہی بست پستوں کے جذبات سرد پڑ گئے اور ان کی شمنانہ روشنی میں ڈری حد تک تبدیلی آگئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صلح کے بعد غطفان کی طرف سے بھی کسی ڈری تک دو اور شور و شر کا منظاہرہ نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے کچھ کیا بھی تو یہود کے بھڑکانے پر۔

بچاں تک یہود کا اعلق ہے تو وہ یہرب سے جلاوطنی کے بعد خیربر کو اپنی دیس کا ریوں اور سازشوں کا اڑہ بناتے چکے تھے دہاں ان کے شیطان اندھے نپھے دے رہے تھے اور فتنے کی آگ بھڑکانے میں صڑو تھے، وہ مدینہ کے گرد و کپیش آباد بدوں کو بھڑکاتے رہتے تھے اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خاتمے یا یاکم از کم انہیں بڑے پیمانے پر زک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے سب سے پہلا اور فضیلہ کن راست اقدام اسی مرکز شروع فاد کے خلاف کیا۔

بہرحال امن کے اس مرحلے پر جو صلح حدیبیہ کے بعد شروع ہوا تھا مسلمانوں کو اسلامی دعوت پھیلانے اور تبلیغ کرنے کا ہم موقع ہاتھ آگیا تھا اس لیے اس میدان میں ان کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں جو جنگی سرگرمیوں پر غالب رہیں لہذا مناسب ہو گا کہ اس دوں کی دو قسمیں کر دی جائیں۔

۱) تبلیغی سرگرمیاں، اور بادشاہوں اور سربراہوں کے نام خطوط ۲) جنگی سرگرمیاں۔

پھر بے جا نہ ہو گا کہ اس مرحلے کی جنگی سرگرمیاں پیش کرنے سے پہلے بادشاہوں اور سربراہوں کے نام خطوط کی تفصیلات پیش کر دی جائیں کیونکہ طبعی طور پر اسلامی دعوت مقدم ہے بلکہ یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے مسلمانوں نے طرح طرح کی مشکلات و مصائب، جنگ اور فتنے، ہنگامے اور اضطرابات پڑا شکنے تھے

## بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط

ستہ کے اخیر میں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ سے داپس تشریف لائے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔

آپ نے ان خطوط کے لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خطوط بول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو اس لیے نبی ﷺ نے چاندی کی الگوٹھی بنوانی جس پر مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ نقش تھا۔ نقش تین سطروں میں تھا محمد ایک سطر میں، رسول ایک سطر میں، اور اللہ ایک سطر میں۔ شکل یہ تھی <sup>اللَّهُ بِعَلْيٍ عَلَيْهِ الْكَلَمُ</sup>

پھر آپ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کرام کو بطور قاصد ن منتخب فرمایا اور انہیں بادشاہوں کے پاس خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ علامہ منصور پوری نے دلوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ نے یہ قاصد اپنی خبر روانگی سے چند دن پہلے یحیم خرم سہہ کو روانہ فرمائے تھے۔ اگلی سطور میں وہ خطوط اور ان پر مرتب ہونے والے کھڑاثات پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ نجاشی شاہ جوش کے نام خط | اس نجاشی کا نام احمد بن الجیر تھا۔ نبی ﷺ نے اس کے پاس خطوط لکھا اسے عمر بن امية فرمی کے بدنست سہہ کے اخیر یا سہہ کے شروع میں روانہ فرمایا۔ طبری نے اس خط کی عبارت ذکر کی ہے لیکن اسے بظیر غازی دیکھنے سے اندازہ برداشت ہے کہ یہ وہ خط انہیں ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے صلح مدینہ کے بعد لکھا تھا بلکہ یہ غالباً اس خط کی عبارت ہے جسے آپ نے کمی دور میں حضرت جعفر کو ان کی یجربت جبرہ کے وقت دیا تھا۔ کیوں کہ خط کے اخیر میں ان مهاجرین کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَقَدْ بَعَثْتَ إِلَيْكُمْ أَبْنَى عَوْنَى جَعْفَراً وَمَعَهُ نَفْرًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ،  
فَإِذَا جَاءَكُمْ فَاقْرَهُمْ وَدُعُوا التَّجْبِيرَ.

”میں نے تمہارے پاس اپنے چھپرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا ہے جب

وہ تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں اپنے پاس بھہرنا اور جبرا اختیار نہ کرنا۔“

بسمی اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور خط کی عبارت روایت کی ہے جسے نبی ﷺ نے بخششی کے پاس روانہ کیا تھا، اس کا ترجمہ یہ ہے :

”یخڑھ سے محمد بنی کی طرف سے بخششی احمد شاہ جہش کے نام،

اس پر سلام جو بذیلت کی پیرودی کرے۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اس نے نہ کوئی بیوی اختیار کی نہ لڑکا؛ اور میں مسلکی بھی شہادت دیتا ہوں کہ، محمد اس کا بندہ اور رسول ہے، اور میں تھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیوں کہ میں اس کا رسول ہوں، لہذا اسلام لا اسلامت رہو گے۔“ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ فھرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے بھائے رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منورین تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔“ اگر تم نے (یہ دعوت) قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے۔“ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پاریس) نے ایک اور خط کی عبارت درج فرمائی ہے جو ماضی قریب میں تیکا ہوا ہے اور صرف ایک لفظ کے اختلاف کے ساتھ ہی خط علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خط کی عبارت کی تحقیق میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ڈو ر چدید کے اکشافات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے اور اس خط کا فوڈ کتاب کے اندر ثابت فرمایا ہے۔

اس خط کا ترجمہ یہ ہے :

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“

محمد رسول اللہ کی جانب سے بخششی عظیم جہش کے نام

اس شخص پر سلام جو بذیلت کی پیرودی کرے۔ اما بعد میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبد نہیں، جو قدوس اور سلام ہے۔ امن دینے والا محافظہ و نگران ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے انہیں پاکیزہ اور پاکدامن مریم بتوں کی طرف ڈال دیا۔ اور اس کی روح اور بچونکے سے مریم عیسیٰ کے لیے حاملہ ہوئیں۔ جیسے اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں اللہ وحدہ لا شریک لہ کی جانب اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف (بلاتا ہوں)، کتم میری پیرودی کر دو جو کچھ سیکھے پاپ آیا ہے اس پر ایمان لاو کیونکہ نبی اللہ

کا رسول ﷺ بھول اور میں تمہارے شکر کو اللہ عز و جل کی طرف بلاتا ہوں، اور میں نے تبلیغ وضیعت کر دی لہذا میری نصیحت قبول کرد، اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے گے۔<sup>۱۰</sup>

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بڑے تینی انداز میں کہا ہے کہ یہی وہ خط ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے بعد نجاشی کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ جہاں تک اس خط کی استنادی حیثیت کا تعلق ہے تو دلائل پر نظر ڈالنے کے بعد اس کی صحت میں کوئی خبہ نہیں رہتا لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے بعد یہی خط روانہ فرمایا تھا، بلکہ یہ حقیقی نے جو خط ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لفظ کیا ہے اس کا اندازان خطوط سے زیادہ مطابقت ہے جنہیں نبی ﷺ نے حدیبیہ کے بعد عیسائی بادشاہوں اور اُمراء کے پاس روانہ فرمایا تھا کیونکہ جس طرح آپ نے ان خطوط میں آیت کریمہ یا اہل الكتاب تعالوا الی کلمة سواد۔ الآية درج فرمائی تھی، اسی طرح یہ حقیقی کے روایت کردہ خطوط میں بھی یہ آیت درج ہے۔ علاوہ ازاں اس خط میں صراحتاً اصحاب کا نام بھی موجود ہے جیکہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نقل کردہ خطوط میں کسی کا نام نہیں ہے؛ اس لیے میرا گان غائب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا نقل کردہ خط درحقیقت وہ خط ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے محمد کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا اور غالباً یہی سبب ہے کہ اس میں کوئی نام درج نہیں۔ اس ترتیب کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد صرف وہ اندر وہی شہادتیں ہیں جو ان خطوط کی عبارتوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ البته ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پر تعجب ہے کہ موصوف نے ادھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حقیقی کے نقل کردہ خط کو پورے تینیں کے ساتھ نبی ﷺ کا وہ خلا قرار دیا ہے جو آپ نے اصحاب کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا حالانکہ اس خط میں صراحت کے ساتھ اصحاب کا نام موجود ہے۔ **وَاعْلَمْ عَنْدَ اللّٰهِ**<sup>۱۱</sup>

بہر حال جب عمر بن امیرہ ضمیری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کا خط نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے اسے لے کر آنکھ پر رکھا اور تخت سے زمین پر اتر آیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کے باخھ پر اسلام قبول کیا اور نبی ﷺ کی طرف اس بارے میں خط لکھا جو یہ ہے۔

“بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ”

**محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحاب کی طرف سے**

۱۰۔ دیکھئے رسول اکرم کی سی اسی زندگی متوالہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، ص ۱۰۹، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، زاد العاد میں آخری فقرہ

۱۱۔ دیکھئے نبی ﷺ کے بھائے اسٹم انتہا ہے۔ دیکھئے ناد العاد ۲۰۳/۳

کے دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب ”حضرت اکرم کی سی اسی زندگی از ص ۸۱ تا ۸۲ و از ص ۸۲ تا ۸۳۔

اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمت اور برکت ہو۔ وہ اللہ ہیں کے مساوا  
کوئی لاّق عبادت نہیں۔ اما بعد:

اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا جس میں آپ نے یعنی کامعااملہ ذکر کیا ہے۔ خداۓ آسمان دزین کی قسم آپ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت میسیٰ اس سے ایک تنکا پڑھ کر رہ تھے۔ وہ دیلے ہی میں حصے آپنے ذکر فرمایا ہے۔ پھر آپ نے جو کچھ ہمارے پاس بھجا ہے ہم نے اسے جانا اور آپ کے چھپرے بھائی اور آپ کے صھاپر کی مہماں نوازی کی، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور پکے رسول ہیں۔ اور میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے چھپرے بھائی سے بیعت کی، اور ان کے باقہ پر اللہ رب العلمین کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔

نبی ﷺ نے نجاشی سے یہ بھی طلب کیا تھا کہ وہ حضرت جعفر اور دوسرے مهاجرین جبکہ کروانہ کر دے۔ پچھا نپذ اس نے حضرت عمر بن امیر ضمیری کے ساتھ دو کشتوں میں ان کی روائی کا انتظام کر دیا۔ ایک کشتی کے سوار جس میں حضرت جعفر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور کچھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، براہ راست خبر پہنچ کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور دوسری کشتی کے سوار جن میں زیادہ تر بال پچھے تھے یہیں ہے۔ میزہ  
منکورہ نجاشی نے غزوہ تبوک کے بعد رجبؓ میں وفات پائی۔ نبی ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صاحبِ کرام کو اس کی موت کی اطلاع دی اور اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی وفات کے بعد دوسرابادشاہ اس کا جانشین ہو کر سریر آر کے سلطنت ہوا لیں۔ نبی ﷺ نے اس کے پاس بھی ایک خطرروانہ فرمایا لیکن یہ معلوم ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

**۲- مُقْوَس شاہ مصر کے نام خط** نبی ﷺ نے ایک گرامی نامہ جریج بن مُستی کے نام دا انہ فرمایا جس کا لقب مُقوس تھا اور جو مصر و اسکندریہ کا پادشاہ

تھا۔ نامہ گرامی یہ ہے :

۶۱/۳ زاد المعاویہ / لئے گئے ہیں۔ اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ ان کا ذکر کردہ خط امیر کے نام تھا۔ واللہ اعلم۔  
معہ ابن ہشام ۲/۳۵۹ وغیرہ

لهم يہ بات کسی قدر صحیح مسلم کی روایت سے خذکی جاسکتی ہے جو حضرت انس سے مردی ہے۔ ۹۹/۲۔  
اللہ یہ نام علام رضاخور پوری نے رحمۃ تعالیٰ میں ۸۰، ۸۱ میں ذکر فرمایا ہے۔ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا نام بنیا میں بتلایا ہے۔  
یک حصہ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۶۱

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“

اللّٰہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقصود عظیم قبط کی جانب۔

اس پر سلام جو ہدایت کی پیرودی کرے۔ اما بعد:

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا اسلامست رہو گے اور اسلام لا او اللہ تھیں دو ہر اجر دے گا، لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہل قبط کا بھی گناہ ہو گا۔“ اے اہل قبط! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے بھائے رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ مدد موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔<sup>۱۳۶</sup>

اس خط کو پہنچانے کے لیے حضرت حافظ بن ابی بلتعہ کا انتخاب فرمایا گیا۔ وہ مقصوس کے دربار میں پہنچے تو فرمایا ”(اس زمین پر) تم سے پہلے ایک شخص گزر ابے جو لپٹنے آپ کو رتِ علی سمجھتا تھا۔ اللہ نے اسے آغرواؤل کے لیے ہجرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام یا پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا۔ لہذا دوسرے سے ہجرت پکڑ دیا ہے) ہو کہ دوسرے تم سے ہجرت پکڑیں۔“

مقصوس نے کہا، ہمارا ایک دن ہے جسے ہم چھوڑنیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دن مل جائے۔ حضرت حافظ نے فرمایا: ”تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام ماسوار ادیان کے بدلے کافی بنادیا ہے۔ دیکھو! اس نبی نے لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دی تو اس کے خلاف قریش سبے زیادہ سخت ثابت ہوئے؛ یہود نے سب سے بڑھ کر دشمنی کی اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب رہے۔ میری سوکیم اجس طرح حضرت موسیٰ نے حضرت میسیٰ کے لیے بشارت دی تھی، اسی طرح حضرت میسیٰ نے محمد ﷺ کے لیے بشارت دی ہے، اور ہم تمہیں قرآن مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جیسے تم اہل قرأت کو تجھیں کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جس قوم کو پا جاتا ہے وہ قوم اسکی امت ہو جاتی ہے، اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے اور تم نے اس نبی کا عہد پالیا ہے؛ اور بھرہم تمہیں دین میسح سے روکتے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں۔“

۱۳۶ زاد المعاو لابن قیم / ۲۱۹ ماضی قریب میں تحریک و سیاست ہوا ہے۔ داکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا جزو فوٹو شارٹ کیا ہے اس میں اور زاد المعاو کی عمارت میں ہر قدر دو حرف کا فرق ہے۔ زاد المعاو میں ہے اسلم قریب اللہ اخ اور خطیں ہے فاصلہ قریب لیکر اللہ، اسی طرح زاد المعاو میں ہے اثمر اہل القبط اور خطیں ہے اثمر القبط۔ دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۱۳۶، ۱۳۷،

متوقد نے کہا: میں نے اس نبی کے معاشرے پر غور کیا تو میں نے پایا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے۔ وہ نہ گراہ جادوگر ہیں نہ جھوٹے کا ہن، بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ لشائی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں میں مزین خود کو لے لے۔  
متوقد نے جبی ﷺ کا خط لئے کہ احترام کے ساتھ، ہاتھی دانت کی ایک ڈبیسہ میں رکھ دیا اور مہر لگا کر اپنی ایک لونڈی کے حوالے کر دیا۔ چھ عربی لکھنے والے ایک کاتب کو بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسب ذیل خط لکھوا یا۔

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“

محمد بن عبد اللہ کے لیے متوقد عظیم قبطی طرف سے۔

آپ پرسلام! اما بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں آپ کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو بجاہ مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نو دار ہو گا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا۔ آپ کی خدمت میں دلوں دیاں بیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں ڈرام تباہ حاصل ہے اور کپڑے بیج رہا ہوں اور آپ کی سواری کے لیے ایک چھڑکی ہدیہ کر رہا ہوں؟ اور آپ پرسلام؟“  
متوقد نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں ماریے اور سیرین تھیں۔ چھڑکا نامہ دلمل تھا جو حضرت معاویہ کے زمانے تک پاقی رہا۔ اللہ نبی ﷺ نے ماری کو اپنے پاس رکھا، اور انہیں کے بطن سے نبی ﷺ کے صاحزادے ابراہیم پیدا ہوئے اور سیرین کو حضرت حاشی بن ثابت انصاری کے حوالے کر دیا۔

۳۔ شاہ فارس خسرو پر پیز کے نام خط | نبی ﷺ نے ایک خط باشاہ فارس  
| بھرمی (خسرو) کے پاس روانہ کیا جو یہ تھا۔

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“

محمد رسول اللہ کی طرف سے بھرمی عظیم فارس کی جزا

اس شخص پرسلام جو پڑیت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی کے کر اللہ کے سو اکوئی لاائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شرکیہ نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا فرستادہ ہوں تاکہ جو شخص زندہ

ہے اسے انعام بدم سے ڈرایا جائے اور کافرین پر حق بات ثابت ہو جائے (یعنی جنت تمام ہو جائے) پس تم اسلام لاو سالم رہو گے اور اگر اس سے الکار کیا تو تم پر محبوس کا بھی بارگناہ ہو گا۔“

اس خط کو لے جانے کیلئے آپنے حضرت عبداللہ بن حدا فہمی صنی اللہ کو منتخب فرمایا۔ انہوں نے یہ خط مراہ بحرین کے چوائے کیا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ سر برادہ بحرین نے یہ خط اپنے کبھی آدمی کے ذریعہ کسری کے پاس بھجا یا خود حضرت عبداللہ بن حدا فہمی کو روائے کیا۔ بہر حال جب یہ خط کسری کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے چاک کر دیا اور نہایت تکبرانہ انداز میں بولا: میری رعایا میں سے ایک حیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی جب خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا، اللادس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے، اور پھر وہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد کسری نے اپنے میں کے گورنر بادشاہ کو لکھا کہ یہ شخص جو مجاہدین ہے اس کے یہاں اپنے دو تو ان اور معمبوط آدمی بھیج دو کہ وہ اسے میرے پاس حاضر کریں۔ بادشاہ نے اس کی تعییں کرتے ہوئے دو آدمی منتخب کیے اور انہیں ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کیا جس میں آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ کسری کے پاس حاضر ہو جائیں۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کے دربار حاضر ہوئے تو آپ نے کہا، شہنشاہ کسری نے شاہ بادشاہ کو ایک لکھ کر کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپ کو کسری کے دربار حاضر کرے اور بادشاہ نے اس کام کے لیے مجھے آپنے پاس بھجو ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ ساتھ ہی دونوں نے دھمکی آمیز باہمیں بھی کیں۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ کل ملاقات کریں۔“

ادھر میں اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ لمحہ پہنچا، ”دیش تھی خود خسرو پرور کے گھرانے کے اندر اس کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا شعبد بھڑک رہا تھا جس کے نتیجے میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارسی فوجوں کی پیے در پیٹ نکست کے بعد اب خسرو کا بیٹا شرودیر اپنے باب کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات، احمدی الاولی اس سترہ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم دی جی کے ذریعہ ہوا، چنانچہ جب صبح ہوئی اور دونوں فارسی نمائندے حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اس واقعے کی خبر دی۔ ان دونوں نے کہا، کچھ ہوش ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے آپ کی اس سے بہت معمولی بات بھی قابل اعتراض شمار کی ہے۔ تو کیا آپ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ بھیجیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اسے میری اس بات کی خبر کر دو۔ اور اس سے یہ بھی کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جہاں تک

کسری پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رُکے گی جس سے آگے اوٹ اور گھوڑے کے قدم جاہی نہیں سکتے۔ تم دونوں اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیر اقتدار ہے وہ سب میں تھیں وے دوں گا۔ اور تمہیں تمہاری قوم اپنا رکا پادشاہ بنادوں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں مذینہ سے روائت ہو کہ بادشاہ کے پاس پہنچے اور اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک خطایا کہ شیرودی نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شیرودی نے اپنے اس خط میں یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد نے تمہیں لکھا تھا اسے تا حکم ثانی بر انگیختہ نہ کرنا۔

اس واقعہ کی وجہ سے باذان اور اس کے فارسی رفقاء (بھرپور میں موجود تھے) مسلمان ہو گئے۔

**۴- قیصر شاہ روم کے نام خط** میں بخاری میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس گرامی نامہ کی نص مردی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ہر قل شاہ روم

کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ وہ مکتوب یہ ہے :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے ہر قل غلیم روم کی طرف

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے تم اسلام لا و سالم رہو گے۔ اسلام لا و اللہ تھیں تھا راجر دوبار فرمے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر آئیں یوں (رعایا) کا (بھی) گناہ ہو گا۔ اے اہل کتاب یاک اسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کوئی پوجیں، اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اللہ کے بجائے ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ رُخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔ اللہ

اس گرامی نامہ کو پہنچانے کے لیے وحیہ بن خلیفہ کبی کا انتخاب ہوا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یہ خط سر راہ بصری کے حوالے کر دیں اور وہ اسے قیصر کے پاس پہنچادے گا۔ اس کے بعد جو کچھ پیش کیا اس کی تعفیل صیحہ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے ان سے بیان کیا کہ ہر فل نے اس کو قریش کی ایک جماعت سیست بلا یار یہ جماعت صلح صدیبیہ کے تحت رسول اللہ ﷺ کی یاد میں اور کفار قریش کے درمیان طے شدہ عرصہِ امن میں عک شام تجارت کے لیے گئی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ایسا پیر

(بیت المقدس) میں اس کے پاس حاضر ہوئے۔ ہرقل نے انھیں اپنے دربار میں بلایا۔ اس وقت اس کے گرد اگر درود کے بڑے بڑے لوگ تھے، پھر اس نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلا کر کہا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اس سے تمہارا کو نہ سآدمی سب سے زیادہ قریبی لبی تعلق رکھتا ہے؟ ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں نے کہا، میں اس کا سب سے زیادہ قریب النسب ہوں۔ ہرقل نے کہا، اسے میرے قریب کرو اور اس کے ساتھیوں کو بھی قریب کر کے اس کی پُشت کے پاس بٹھا دو۔ اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ میں اس شخص سے اس آدمی (نبی ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر جھوٹ بولتے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ کے متعلق یقیناً جھوٹ بولتا۔ ابوسفیان کہتے ہیں اس کے بعد پہلا سوال جو ہرقل نے مجھ سے آپ کے پارے میں کیا وہ یہ تھا کہ تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے۔

میں نے کہا: وہ اپنے نسب والائے۔

ہر قل نے کہا: تو کیا یہ اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟  
میں نے کہا: نہیں۔

ہر قل نے کہا: کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟  
میں نے کہا: نہیں۔

ہر قل نے کہا: اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟  
میں نے کہا: بچکہ کمزوروں نے.

یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟  
میں نے کہا: بلکہ بڑھ رہے ہیں۔

ہر قل نے کہا: کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشہ ہو کر مرد بھی ہوتا ہے؟  
میں نے کہا: نہیں۔

۱۵ اس وقت تھے اس بات پر اللہ کا شکر بحالانے کے لیے جمیں سے ایلیار (بیت المقدس) گیا ہوا تھا کہ اللہ نے اس کے ہاتھوں ایں فارس کو شکست فاش دی (دیکھئے صحیح مسلم ۹۹/۲)، اس کی تفصیل یہ ہے کہ فارسیوں نے خسرو پور کو قتل کرنے کے بعد رومیوں سے انکے مقبرہ ملاقوں کی دلپی کی شرط پر صلح کر لی اور وہ صلیب بھی واپس کر دی جس کے سلطنت فشاری کا عقیدہ ہے کہ اسی چھڑت علیٰ علیہ السلام کو چنانچہ ایسی تھی قبصہ صلح کے بعد صلیب کو اہل ملک نصیب کرنے اور اس منصب پرین ائمہ کا شکر بحالانے کیے 1922ء یعنی صدر میں ایلیار (بیت المقدس) گیا تھا۔

ہرقل نے کہا: اس نے جو بات کہی ہے کیا اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اس کو جھوٹ سے فتنہ کرتے تھے میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا وہ بد عہدی بھی کرتا ہے؟  
میں نے کہا: نہیں۔ البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس فقرے کے سوابھے اور کہیں کچھ مُحْمِر نے کام قلع نہ ملا۔

ہرقل نے کہا: کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے،  
میں نے کہا: جی ہاں۔

ہرقل نے کہا: تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟  
میں نے کہا: جنگ ہم دونوں کے درمیان برابر کی چوڑکے۔ وہ ہمیں زک پہنچایتا ہے اور ہم اسے زک پہنچایتے ہیں۔

ہرقل نے کہا: وہ ہمیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟  
میں نے کہا: وہ کہتا ہے صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ تمہارے باپ وادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو۔ اور وہ ہمیں نماز، سچائی، پرہیز، پاک و امنی اور قربات داروں کے ساتھ ہم سلوک کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص نبی ﷺ کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اپنے نسب کا ہے، اور دستور ہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اپنے نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؛ تم نے بتایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نفعی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا اسکے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ تم نے بتایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اسکے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کی بادشاہست کا طالب ہے۔

اور میں نے یہ دریافت کیا کہ کیا جو بات اس نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے

مشتمل کرتے تھے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں، اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر توجہوں  
نہ یوں اور اللہ پر حجور ہے بولے۔

میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور؟ تو تم نے بتایا کہ کمزوروں نے  
اس کی پیروی کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص برگشته ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟ تو تم  
نے بتایا کہ نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں محض جاتی ہے تو اسہی ہوتا ہے۔  
اور میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ بعد عہدی بھی کرتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔  
وہ بعد عہدی نہیں کرتے۔

میں نے یہ بھی پوچھا کہ وہ کون ہاتوں کا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں اللہ کی عبادت کرنے اور  
اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرنا کا حکم دیتا ہے، بُت پُستی سے منع کرتا ہے، اور نماز، سچائی اور پریمگانی  
و پاک امنی کا حکم دیتا ہے۔

تو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کاملاً ہو جائیگا۔  
میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اگر مجھے بیتیں ہوتا کہ میں اس کے  
پاس ہیچھے سکوں گاتو اس سے ملاقات کی رحمت اٹھاتا، اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا یا  
اس کے بعد ہر قل نے رسول اللہ ﷺ کا خاطم النبیوں کا حکم دیا اور ہم باہر کر دیے گئے، جب ہم لوگ باہر لائے  
بلند ہوئیں اور بُرا شور مجاہد ہر قل نے ہمارے پارے میں حکم دیا اور ہم باہر کر دیے گئے، جب ہم لوگ باہر لائے  
گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ابو بکرؓ کے بیٹے کا معاملہ ٹزا زور پکڑ لیا۔ اس سے تو بُونھفڑ (روہیٹ) کا  
پادشاہ ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے برابر بیتیں رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب ہاگر رہے گا یہاں تک کہ  
اللہ نے میرے اندر اسلام کو جاگزیں کر دیا۔

یقیں رب نبی ﷺ کے نامہ مبارک کا وہ اثر تھا جس کا مشاہدہ ابوسفیان نے کیا۔ اس نامہ مبارک

تھے ابو بکرؓ کے بیٹے سے مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ ابو بکرؓ اپنے کے دادا یا نانی میں سے کسی کی کیفیت تھی، اور کہا جاتا  
ہے کہ یہ اپنے کے رضاہی باپ (طیمہ سعیدیہ) کے شوہر، کی کیفیت تھی۔ بہر حال ابو بکرؓ غیر معروف شخص ہے۔ اور عرب کا دستور تھا کہ  
جب کسی کی تیغیں کر لی ہوتی تو اسے اس کے آباء و اجداد میں سے کسی غیر معروف شخص کی طرف نسب کر دیتے۔

ملہ بنو الاصغر انصفر کی اولاد۔ اور انصفر کے معنی نہ دد، یعنی پیلا، رویوں کو بنو الاصغر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دم کے جس بیٹے سے رویوں  
کی نسل پھی دے کسی وجہ سے انصفر (پیلے)، کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔

کا ایک اُڑی بھی ہوا کہ قبیر نے رسول اللہ ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پہنچانے والے یعنی دخیرہ کلی فی القعدہ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا۔ لیکن حضرت دخیرہ رحمۃ اللہ علیہ تھا نفے کے کروپیں ہوئے تو جنمی میں قبید جذام کے کچھ لوگوں نے ان پڑاکر ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا۔ حضرت دخیرہ مدینہ پہنچنے تو اپنے گھر کے بجائے سیدھے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ تفصیل سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں پانچ سو صحابہ کرام کی ایک جماعت جنمی رواد فرمائی۔ حضرت زید نے قبید جذام پر شجنون مار کر ان کی خاصی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کے چوبایوں اور عورتوں کو بانک لائے۔ چوبایوں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار کبریاءں تھیں اور قیدیوں میں ایک سو ہجوتیں اور سنپے تھے۔

چونکہ نبی ﷺ اور قبید جذام میں پہلے سے مصالحت کا عہد چلا آ رہا تھا اس لیے اس قبید کے ایسے در زید بن رفاعہ جذامی نے محض نبی ﷺ کی خدمت میں احتجاج و فریاد کی۔ زید بن رفاعہ اس قبید کے کچھ مزید افراد سمت پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور جب حضرت دخیرہ پڑا کہ پڑا تھا تو ان کی مد بھی کی تھی، اس لیے نبی ﷺ نے ان کا احتجاج قبول کرتے ہوئے مالِ غنیمت اور قیدی والپیں کر دیے۔

عام اہل معاذی نے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ سے پہلے بتایا ہے مگر یہ فاش غلطی ہے کیونکہ قبیر کے پاس نامہ مبارک کی روایتی صلح حدیبیہ کے بعد میں آئی تھی اسی لیے علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ پلاشبُر حدیبیہ کے بعد کا ہے ॥

### ۵۔ مُشَدِّرِ بْنِ سَوَادِیٍ کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط منذر بن سادی حاکم بحرین کے پاس لکھ کر اسے بھی اسلام کی دعوت دی اور اس خط کو حضرت علارین الحنری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رواد فرمایا۔ جواب میں منذر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا ہے۔ "اما بعد ما لَأَنَّ اللَّهَ كَرَّ رَسُولَهُ إِلَيْنَا هُنَّا نَسْأَلُكُمْ مِّا أَنْهَا بَرِّ الْأَرْضِ" اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط اہل بحرین کو پڑھ کر سنا دیا۔ بعض لوگوں نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نظر سے دیکھا اور اس کے حلقة بگوش ہو گئے اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میری زمین میں یہود اور مجوہ بھی ہیں لہذا آپ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرمائیے۔" اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ لکھا۔

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ"

حمد رسول اللہ کی جانب سے منذر بن سادی کی فہرست

تم پر سلام ہو۔ میں تمہارے ساتھ اللہ کی محبت کرتا ہوں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت

دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔<sup>۱۹</sup>

”اما بعد میں تمہیں اللہ عز وجل کی یاد دلتا ہوں۔ یاد رہے کہ جو شخص بھلائی اور خیر خواہی کرے گا وہ اپنے ہی لیے بھلائی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرے اس نے میری اطاعت کی اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی کرے اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے تمہاری اچھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کر لی ہے؛ لہذا مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں انھیں اس پر چھوڑ دو۔ اور میں نے خطاکاروں کو معاف کر دیا ہے لہذا ان سے قبول کر لو اور جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے اور جو یہودیت یا محبوبیت پر قائم رہے اس پر عزیز ہے۔<sup>۲۰</sup>“

#### ۶۔ ہوڑہ بن علی صاحب میماں کے نام خط نبی ﷺ نے ہوڑہ بن علی حاکم یا مام کے نام حسب ذیل خط لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحيم  
محمد رسول اللہ کی طرف ہوڑہ بن علی کی جانب

اس شخص پر سلام جو بذیلت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا دین اذنبوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب ہکر رہے گا لہذا اسلام لا د سالم رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے اسے تمہارے لیے برقرار رکھوں گا۔“

اس خط کو پہنچانے کے لیے محدثت قاصد سلیط بن عمر و عامری کا انتخاب فرمایا گیا حضرت سلیط اس مہر گئے ہوئے خط کو لے کر ہوڑہ کے پاس تشریعت لے گئے تو اس نے آپ کو نہان بنایا اور مبارکباد دی حضرت سلیط نے اسے خط پڑھ کر سنایا تو اس نے دریافتی قسم کا جواب دیا۔ اور نبی ﷺ کی خدمت میں یہ لکھا، آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا، اور عرب پر میری ہمیت بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لیے کچھ کار پر داڑی میرے ذمہ کر دیں میں آپ کی پیروی کر دوں گا۔ اس نے حضرت سلیط کو تھانفت بھی میلے اور بھر کا بنا ہو اکٹھا بھی دیا۔ حضرت سلیط یہ تھانفت لے کر خدمت تجویی میں واپس آئے اور ساری تفصیلات گوش گذار کیں۔ نبی ﷺ نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا: ”اگر وہ زمین کا ایک مکڑا بھی مجھ سے طلب کرے گا

<sup>۱۹</sup> نہ زاد المعاوِد ۳/۴۱، ۴۲ یہ خط ماضی قریب میں دستیاب ہوا ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا فوٹو شائع کیا ہے۔ زاد المعاوِد کی عبارت اور اس فوٹو والی عبارت میں صرف ایک لفظ کا فرق (یعنی فوٹو میں) ہے لالہ الاصح کے بجائے لالغیرہ ہے۔

تو میں اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہو گا، اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہو گا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ خبر دی کہ ہونڈہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سنوا! یامہ میں ایک کتاب نمودار ہونے والا ہے جو میرے بعد قتل کیا جائیگا۔ ایک کہنے والے نے کہا، یا رسول اللہ! اسے کون قتل کرے گا؟ آپ نے فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی، اور واقعہ آیسا ہی ہوا۔“

## ۷۔ حارث بن ابی شمر غافلی حاکم دمشق کے نام خط | نبی ﷺ نے اس کے پاس ذیل کا خط رقم فرمایا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحيم“

محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف

اس شخص پر سلام چوہداشت کی پیروی کرے، اور ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لا ذ وجہ نہما ہے، اور جس کا کوئی شرکیہ نہیں۔ اور تمہارے لیے تمہاری بادشاہیت باقی رہے گی۔“

یہ خط قبیلہ اسد بن خزیرہ سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی حضرت شجاع بن وہب کے بدست واد کیا گیا۔ جب انہوں نے یہ خط حارث کے حوالے کیا تو اس نے کہا: ”مخدوسے میری بادشاہیت کوں چھین سکتا ہے؟ میں اس پر بلیغ کرنے ہی والا ہوں۔“ اور اسلام شالیا۔

## ۸۔ شاہِ عمان کے نام خط | نبی ﷺ نے ایک خط شاہِ عمان جیفرا اور اس کے بھائی عبد

”بسم اللہ الرحمن الرحيم“

محمد بن عبد اللہ کی جانب سے جلدی کے دونوں صاحبزادوں حبیفرا اور عبد کے نام“

اس شخص پر سلام چوہداشت کی پیروی کرے۔ اما بعد، میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لااؤ، سلامت رہو گے۔ کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں؛ تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرہ سے آگاہ کر دوں اور کافرین پر قولِ حق ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کر لو گے تو تم ہی دونوں کو والی اور حاکم بناؤں گا۔ اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گزرے کیا تو تمہاری بادشاہیت ختم ہو جائے۔

گی۔ تمہاری زمین پر گھوڑوں کی میغاد ہو گی اور تمہاری بادشاہیت پر میری نیوت غالب آ جائے گی۔“  
اس خلاکوں کے جاتے کے لیے ایچی کی حیثیت سے حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل  
میں آیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں روانہ ہو کر عمان پہنچا اور عبد سے ملاقات کی۔ دونوں بھائیوں میں یہ زیادہ  
دُوراندیش اور ترم غوثخا۔ میں نے کہا، میں تمہارے پاس اور تمہارے بھائی کے پاس رسول اللہ ﷺ پر  
کا اپنی بن کر آیا ہوں۔ اس نے کہا، میرا بھائی عمر اور بادشاہیت دونوں میں مجھ سے بڑا اور مجھ پر مقدم ہے  
اس لیے میں تم کو اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں کہ وہ تمہارا خط پڑھ لے۔ اس کے بعد اس نے کہا، اچھا! تم دعوت  
کس بات کی دیتے ہو؟

میں نے کہا، ”ہم ایک الشک طرف بلاستے ہیں، جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم  
بھتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اس سے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں“  
عبد نے کہا، ”اے عمر! ا تم اپنی قوم کے صردار کے ہما جزرا دے ہو۔ بتاؤ تمہارے والد نے کیا کیا؟ کیونکہ  
ہمارے لیے اس کا اظر عمل، لائق انتیاع ہو گا۔“

میں نے کہا، ”وہ تو محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر وفات پا گئے لیکن مجھے حضرت ہے کہ کاشا ہبھو  
نے اسلام قبول کیا ہوتا اور آپ کی تصدیق کی ہوتی۔ میں خود بھی انہیں کی رائے پر تھا لیکن اللہ نے مجھے اسلام  
کی پڑاکیت دے دی۔“

عبد نے کہا، ”تم نے کب ان کی پیروی کی؟  
میں نے کہا، ابھی جلد ہی۔

اس نے دریافت کیا؟ تم کس جگہ اسلام لائے۔

میں نے کہا، بخششی کے پاس اور بتلایا کہ بخششی بھی مسلم ہو چکا ہے۔

عبد نے پوچھا، اس کی قوم نے اس کی بادشاہیت کا کیا کیا؟

میں نے کہا، اسے برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی۔

اس نے کہا، اسقفوں اور راہبوں نے بھی اس کی پیروی کی؟

میں نے کہا، نا۔

عبد نے کہا، اے عمر! دیکھو کیا کہہ رہے ہو کیونکہ آدمی کی کوئی بھی خصلت جھوٹ سے زیادہ  
رسوا کن نہیں۔

میں نے کہا: میں جھوٹ نہیں کہ رہا ہوں اور نہ ہم اسے حلال سمجھتے ہیں۔  
 عبد نے کہا: میں سمجھتا ہوں، ہر قل کو نجاشی کے اسلام لانے کا علم نہیں۔  
 میں نے کہا: کیوں نہیں۔

عبد نے کہا: تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟  
 میں نے کہا: نجاشی ہر قل کو خراج ادا کیا کرتا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا، اور محمد ﷺ کی تصدیق کی تو بولا: خدا کی قسم اب اگر وہ مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو میں نہ دوں گا۔ اور جب اس کی اطلاع ہر قل کو ہوتی تو اس کے بھائی یثاق نے کہا، کیا تم اپنے غلام کو چھوڑ دو گے کہ وہ تمہیں خراج نہ دے اور تمہارے بھائے ایک دوسرے شخص کا نیادین اختیار کر لے؟ ہر قل نے کہا: یہ ایک آدمی ہے جس نے ایک دین کو پسند کیا اور اسے اپنے لیے اختیار کر لیا۔ اب میں اس کا کیا کر سکتا ہوں؟ خدا کی قسم! اگر مجھے اپنی باشہست کی حرص نہ ہوتی تو میں بھی دہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔

عبد نے کہا: عمرہ! دیکھو کیا کہ رہے ہو؟  
 میں نے کہا: واللہ میں تم سے سچے کہہ رہا ہوں۔  
 عبد نے کہا: اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟  
 میں نے کہا: اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں لیکن دصلو رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و زیادتی، زنا کاری، شراب و شی اور پھر، بت اور صلیب کی عیادت سے منع کرتے ہیں۔

عبد نے کہا: یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف بلاستے ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی اس بات پر میری متابعت کرتا تو ہم لوگ سورہ بکر (پل پڑتے) یہاں تک کہ محمد ﷺ پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرنے لیکن میرا بھائی اپنی باشہست کا اس سے کہیں زیادہ حریص ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔  
 میں نے کہا: اگر وہ اسلام قبول کر لے تو رسول اللہ ﷺ اس کی قوم پر اس کی باشہست برقرار رکھیں گے۔ البتا ان کے مالداروں سے صدقہ لے کر فقیروں پر تقسیم کروں گے۔

عبد نے کہا: یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اچھا بتاؤ صدقہ کیا ہے؟

جواب میں میں نے مختلف اموال کے اندر رسول اللہ ﷺ کے مقرر کئے ہوئے صدقات کی تفصیل بتائی۔ جب اونٹ کی باری آئی تو وہ بولا: لے عمرہ! ہمارے ان موشیوں میں سے بھی صدقہ لیا جائے گا

جو خود ہی درخت چر لیتے ہیں۔

میں نے کہا، ہاں؟

عبد نے کہا: واللہ میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اپنے ملک کی دعست اور تعداد کی کثرت کے باوجود اس کو مان لے گی۔

حضرت عمر بن عاص کا بیان ہے کہ میں اس کی ڈیورٹھی میں چند دن بھپھرا رہا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس جا کر میری ساری باتیں بتاتا رہتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلا یا اور میں اندر داخل ہوا۔ چوبداروں نے میرے بازو پکڑ لیے۔ اس نے کہا چھوڑ دو اور مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں نے بیٹھنا چاہا تو چوبداروں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا۔ میں نے بادشاہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا اپنی بات کہو۔ میں نے سربہ خطاں کے حوالے کر دیا۔ اس نے مہر توڑ کر خط پڑھا۔ جب پورا خط پڑھ کا تو اپنے بھائی کے حوالہ کر دیا۔ بھائی نے بھی اسی طرح پڑھا۔ مگر میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا، مجھے بتاؤ قریش نے کیا روشن اختیار کی ہے؟

میں نے کہا: سب ان کے اطاعت گذار ہو گئے ہیں۔ کوئی دین سے رغبت کی بنا پر اور کوئی توار سے خوف زدہ ہو کر۔

بادشاہ نے پوچھا: ان کے ساتھ کون لوگ ہیں؟

میں نے کہا مارے لوگ ہیں۔ انہوں نے اسلام کو برضاء و رغبت قبول کر لیا ہے اور اسے تمام دوسری پیروزی پر ترجیح دی ہے۔ انہیں اللہ کی ہدایت اور اپنی عقل کی رہنمائی سے یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ وہ مگر اہ تھے۔ اب اس علاقہ میں میں نہیں جانتا کہ تمہارے سوا کوئی اور باقی رہ گیا ہے۔ اور اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور محمد ﷺ کی پیر دی نکی تو تمیں سوار و نمد ڈالیں گے اور تمہاری ہر یا لی کا صفائی کر دیں گے۔ اس لیے اسلام قبول کرو، سلامت رہو گے اور رسول اللہ ﷺ کو تمہاری قوم کا حکمران بنادیں گے۔ تم پر نہ سوار داخل ہوں گے نہ پیادے۔

بادشاہ نے کہا: مجھے آج چھوڑ دو اور کل پھر آؤ۔

اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس واپس آگیا۔

اس نے کہا، عمر! مجھے امید ہے کہ اگر بادشاہت کی حرکت غالب نہ آئی تو وہ اسلام قبول کر لے گا۔ دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گیا لیکن اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے میں اس کے

بھائی کے پاس واپس آگیا اور تسلیا کہ بادشاہ تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ بھائی نے مجھے اس کے بیہاں پہنچا دیا۔ اس نے کہا: ”میں نے تمہاری دعوت پر غور کیا۔ اگر میں بادشاہست ایک ایسے آدمی کے حوالے کر دوں جس کے شہسوار بیہاں پہنچے بھی نہیں تو میں عرب میں سب سے کمزور سمجھا جاؤں گا اور اگر اس کے شہسوار بیہاں پہنچ آئے تو ایسا رن پڑے گا کہ انہیں کبھی اس سے سابقہ دڑا ہو گا۔“  
میں نے کہا: اچھا تو میں کل واپس جانا ہوں۔

جب اسے میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس نے بھائی سے خلوت میں ہات کی اور بولا: ”یہ سپتمبر جن پر غالب آچکا ہے ان کے مقابل ہماری کوئی حیثیت نہیں اور اس نے جس کسی کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے اس نے دعوت قبول کر لی ہے، لہذا دوسرے دن صبح ہی مجھے بلوایا گیا اور بادشاہ اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی ﷺ کی تصدیق کی اور صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے مجھے آزاد چھوڑ دیا اور جس کسی نے میری مخالفت کی اس کے خلاف میرے مددگار ثابت ہوئے۔ اس واقعے کے سیاق میں معلوم ہوتا ہے کہ بعیدہ بادشاہوں کی نسبت ان دونوں کے پاس خطکی وانگی خاصی تاخیر سے عمل میں آئی تھی۔ غالباً یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

ان خطوط کے ذریعے نبی ﷺ نے اپنی دعوت کے زمان کے بیشتر بادشاہوں تک پہنچا دی۔ اس کے جواب میں کوئی ایمان لا لیا تو کسی نے کفر کی؟ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اس جانب مبذول ہو گئی اور ان کے نزدیک آپ کا دین اور آپ کا نام ایک جانی پچھانی چیز بن گیا۔



# صلح حدیبیہ کے بعد کی فوجی سفر میاں

**غزوۃ غاہہ یا غزوۃ ذی قرڈ** یہ غزوہ درحقیقت بوفزارہ کی ایک ملکہ کے خلاف جس نے رسول اللہ ﷺ کے موشیوں پر ڈاکہ ڈالا تھا، تعاون سے عبارت حدیبیہ کے بعد اخیر سے پہلے یہ پہلا اور واحد غزوہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو پیش آیا۔ امام بخاری نے اس کا باب منعقد کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خیر سے صرف تین روز پہلے پیش آیا تھا اور یہی بات اس غزوہ کے خصوصی کا روپ داشت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت صحیح مسلم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جمہور اہل مغازی کہتے ہیں کہ واقعہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے لیکن جو بات صحیح میں بیان کی گئی ہے اہل مغازی کے بیان کے مقابل وہی زیادہ صحیح ہے لہ

اس غزوہ کے ہمراہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے جو روایات مروی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے نبی ﷺ نے اپنی دو ولی اوفیں اپنے علام ربانی اور ایک چروہ کے ہمراہ چرنے کے لیے بھیجی تھیں اور میں بھی ابو طلحہ کا گھوڑا لیے ان کے ساتھ تھا کہ اچانک صبح دم عبد الرحمن فرازی نے اُشویوں پر چار پار مارا اور ان سب کو بانک لے گیا اور چروہ کے کو قتل کر دیا۔ میں نے کہا : ربانی! یہ گھوڑا لو۔ اسے ابو طلحہ کا پہنچا دو اور رسول اللہ ﷺ کو خبر کر دو۔ اور خود میں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف رُخ کیا اور تین بار پکار لگائی : یا صبا عادہ! ہا نے صبح کا حملہ۔ پھر میں حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلا۔ ان پر تیر بر ساتا جاتا تھا اور یہ رجز پڑھا جاتا تھا۔

أَتَ أَبْنُ الْأَكْوَعَ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضْعِ

میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن دودھ پینے والے کا دن ہے (یعنی آج پتہ لگ جائے کہ کس نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے)۔

سلمان اکوع کہتے ہیں کہ بخدا میں انہیں مسلسل تیروں سے چلنی کرتا رہا۔ جب کوئی سواری سری طرف پٹ کر

لے دیکھنے پڑی تو بخاری اب غزوہ ذات قرد ۲/۶۰۳ صبح سکم باہم غزوہ ذی قرد وغیرہ ۲/۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵ فتح الباری ۲/۳۹۰۔

آتا تو میں کسی درخت کی اورٹ میں بیٹھ جاتا۔ پھر اسے تیر مار کر نجی کر دیتا۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ پہاڑ کے تنگ راستے میں داخل ہوئے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور پھر دوں سے ان کی خبر لینے لگا۔ اس طرح میں نسل ان کا پیچھا کئے رکھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی جنتی بھی اُن شنبیاں تھیں میں ان سب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا اور ان لوگوں نے میرے لیے ان سب کو آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن میں نے پھر بھی ان کا پیچھا جاری رکھا اور ان پر تیر رہتا رہا یہاں تک کہ بوجھ کم کرنے کے لیے انہوں نے تمیں سے زیادہ چادریں اور تمیں سے زیادہ نیزے پہنچنے دیے۔ وہ لوگ جو کچھ بھی پہنچنے تھے میں اس پر (بلورشان) تھوڑے سے پھر ڈال دیتا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے رفقاء پیچاں لیں کریں گے اس سے چھینا ہوا مال ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ ایک گھنٹی کے تنگ موڑ پر بیٹھ کر دوپھر کا کھانا کھانے لگے۔ میں بھی ایک چوتھی پر جائیا۔ یہ دیکھ کر ان کے چار آدمی پہاڑ پر چڑھ کر میری طرف آئے (جب اتنے قریب آگئے کہ بات سن سکیں تو) میں نے کہا تم لوگ مجھے پہچانتے ہوئے میں سلمہ بن اکوع ہوں، تم میں سے کسی کے پیچھے دوڑوں گابے دھڑک پاؤں گا اور جو کوئی میرے پیچھے دوڑے کا ہرگز نہ پاس کے گا۔ میری یہ بات سن کر چاروں پیس چلے گئے اور میں اپنی جگہ جارہا یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سواروں کو دیکھا کہ درختوں کے درمیان سے چلے آ رہے ہیں۔ سب سے اگرے اخزم تھے، ان کے پیچھے ابو قادہ اور ان کے پیچھے مقداد بن اسود (مخاوذ پر ہنسنچ کر) عبدالرحمٰن اور حضرت اخزم میں لمحہ ہوئی۔ حضرت اخزم نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کو نجی کر دیا لیکن عبدالرحمٰن نے نیزہ مار کر حضرت اخزم کو قتل کر دیا۔ اور ان کے گھوڑے پر جائیا مگر اتنے میں حضرت ابو قادہؓ، عبدالرحمٰن کے سر پر جا پہنچے اور اسے نیزو مار کر قتل کر دیا۔ بقیہ حملہ اور پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ہم نے انھیں کھدیر ناشروع کیا۔ میں اُن کے پیچھے پیدل دوڑ رہا تھا۔ سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے ان لوگوں نے اپنا رُخ ایک گھنٹی کی طرف موڑا جس میں ذی قردا نام کا ایک چشمہ تھا۔ یہ لوگ پیاس سے تھے اور وہاں پانی پینا چاہتے تھے لیکن میں نے انھیں چشمے سے پرے ہی رکھا اور وہ ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکے۔ رسول اللہ ﷺ اور شہوار صاحبِ دلن ڈوبنے کے بعد میرے پاس پہنچے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سب پیاس سے تھے۔ اگر آپ مجھے سوآدمی دے دیں تو میں زین بستی ان کے تمام گھوڑے چھین لوں اور ان کی گزیں پکڑ کر حاضر خدمت کر دوں۔ آپ نے فرمایا: اکوع کے بیٹے تم قابو پا گئے ہو تو اب ذرا نمی برتو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس وقت بوغطفان میں ان کی مہماں نوازی کی جا رہی ہے۔ اس غزوے پر رسول اللہ ﷺ نے بصیرہ کرتے ہوئے فرمایا: آج ہمارے سب سے بہتر شہوار ابو قادہ اور سب سے بہتر پیادہ سلمہ ہیں۔ اور آپ نے مجھے درستے دیے ایک بیانہ کا حصہ اور

ایک شہسوار کا حصہ۔ اور مدینہ واپس ہوتے ہوئے مجھے (یہ شرف بخشاکہ) اپنی عضبار نامی اونٹنی پر پانے پڑھے سوار فرمایا۔

اس غزوے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت ابن اُم مکحوم کو سونپا تھا اور  
اس غزوے کا پرچم حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔



## غزوہ خیبر اور غزوہ وادی القمری (حجم ۲)

خبر، مدینہ کے شمال میں تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں قلعے بھی تھے اور رکھتیاں بھی۔ اب یہ ایک بستی رہ گئی ہے۔ اس کی آب دہرا قدیمے غیر صحت مند ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جنگِ احزاب کے تین بازوں میں سے سب سے ضبوط بازو ر قریش، کی طرف سے پوری طرح مسلمان اور مامون ہو گئے تو آپ نے چاہا کہ بقیہ دو بازوں میں یہود اور قبائل نجد۔ سے بھی حساب کتاب چکایں تاکہ ہر جانب سے کمل امن وسلامتی حاصل ہو جائے اور پورے علاقے میں سکون کا دور دورہ ہو اور مسلمان ایک پیغمبیر کشمکش سے نجات پا کر اللہ کی پیغام رسائی اور اس کی دعوت کے لیے فارغ ہو جائیں۔

چونکہ خیبر سازشوں اور دیسر کاریوں کا گذرا، فوجی انگیخت کا مرکز اور لڑائی بھڑانے اور جنگ کی آگ بھڑانے کی کان تھا اس لیے سب سے پہلے یہی مقام مسلمانوں کی مگر اتفاقات کا صحیح تھا۔

رمایہ سوال کن خیبر واقعہ ایسا تھا یا نہیں تو اس سلسلے میں یہیں یہیں محبوں اچاہی ہے کہ وہاں خیبر ہی تھے جو جنگِ خندق میں مشرکین کے تمام گروہوں کو مسلمانوں پر چڑھانا لائے تھے۔ پھر یہی تھے جنہوں نے بنو قریظہ کو غدر و خیانت پر آمادہ کیا تھا۔ نیز یہی تھے جنہوں نے مسلمانی معاشرے کے پانچوں کامل منافقین سے اور جنگِ احزاب کے تیسرے بازو۔ بنو عطفان اور بدؤں۔ سے رابطہ پیغمبیر قائم کر کھاتھا اور خود بھی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اور اپنی ان کارروائیوں کے ذریعے مسلمانوں کو آزمائشوں میں ڈال رکھا تھا۔ یہاں تک کہ کبی ﷺ کو یہی شہید کرنے کا پر ڈرام بنالیا تھا۔ ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو بار بار فوجی یہیں بھیجنی پڑی تھیں اور ان دیسیس کاروں اور سازشوں کے سر پا ہوں مثلاً شلام بن ابی الحیث اور اسیر بن زادہ کا صفائیا کرنا پڑا تھا۔ لیکن ان یہود کے متعلق مسلمانوں کا فرض درحقیقت اس سے بھی کہیں بڑا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اس فرض کی ادائیگی میں قدرتے تا خیر سے اس لیے کام کیا تھا کہ ابھی ایک وقت۔ یعنی قریش۔ جوان یہود سے زیادہ بڑی، طاقتور، جنگجو اور سرکش تھی مسلمانوں کے تبدیل مقابل تھی؛ اس لیے مسلمان اسے نظر انداز کر کے یہود کا رخ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جو بُنیٰ قریش کے ساتھ اس محاوا آرائی کا خاتمہ ہوا ان مجرم یہودیوں کے مجاہد کے لیے فضاصاف ہو گئی اور ان

کا یوم الحساب قریب آگی۔

**خیبر کو روشنگی** | این اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آکر ذمی الحجہ کا پورا ہمیدن اور محرم کے چند دن مدینے میں قیام فرمایا۔ پھر محرم کے باقی ماندہ ایام میں خیبر کے لیے روانہ ہو گئے۔

مسنون کا بیان ہے کہ خیبر اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا جو اس نے اپنے ارشاد کے فریعہ فرمایا تھا،

وَعَدْكُمُ اللَّهُ مَعْلَمَةً كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هُذِهِ (۲۰: ۲۸)

”اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم حاصل کرو گے تو اسکو تمہارے لیے فرمی طور پر عطا کریا۔“

”جس کو فرمی طور پر ادا کرو یا“ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور بہت سے اموال غنیمت شے مراد خیبر ہے چونکہ منافقین اور کمزور ایمان کے لوگ سفر حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کی

**اسلامی انگلشکر کی تعداد** رفاقت اختیار کرنے کے بجائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اس لیے

للہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کے بارے میں حجم دیتے ہوئے فرمایا:

سَيَقُولُ الْمُخْلَفُونَ إِذَا أَنْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَسْبِعُكُمْ

يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنَّ تَدِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلٍ فَسِيقُولُونَ

بَلْ تَحْسُدُونَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا (۱۵: ۲۸)

جب تم اموال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ چیزیں چھوٹے گے لوگ کہیں گے کہیں بھی اپنے

ساتھ چلتے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات بدل دیں۔ ان سے کہہ دیتا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ

نے پہلے ہی سے یہ بات کہہ دی ہے راس پر یہ لوگ کہیں گے کہ رہنیں، بلکہ تم لوگ ہمہ سے حدر کرتے ہو۔

(حالانکہ حقیقت یہ ہے) کہ یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی روشنگی کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمادیا کہ آپ کے ساتھ صرف وہی آدمی روانہ ہو سکتا ہے جسے واقعہ جہاد کی رغبت اور خواہش ہے۔ اس اعلان کے نتیجہ میں آپ کے ساتھ صرف وہی لوگ جائے گے جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی اور ان کی تعداد صرف ۱۳۰ ہو گئی۔

اس غزوہ کے دوران میں کا انتظام حضرت سباع بن عرفظ غفاری کو۔ اور این اسحاق کے بقول — فیصلہ بن عبد اللہ الجیشی کو سونپا گیا تھا۔ محققین کے نزدیک پہلی بات ریادہ صحیح ہے۔ (عائشہ اگھہ صفر پا

اسی موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت حضرت سباع بن عوف طبلہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوتے تو حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں پہنچے انہوں نے تو شد فراہم کر دیا اور حضرت ابوہریرہؓ خدمتِ نبوی میں حاضری کے لیے خبر کی جانب چل پڑے جب خدمتِ نبوی میں پہنچے تو (خبر فتح ہو چکا تھا) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے گفتگو کر کے حضرت ابوہریرہؓ اور ان کے رفقاء کو بھی مال غنیمت میں مشرک کر دیا۔

**یہود کے لیے منافقین کی سرگرمیاں** [اس موقع پر یہود کی حمایت میں منافقین نے بھلچی میہود کے لیے منافقین کی سرگرمیاں] اسی موقع پر یہود کی حمایت میں منافقین نے بھلچی میہود کے لیے منافقین کی سرگرمیاں] تیک و دو کی چنانچہ راس المنافقین عبد اللہ بن ابی کیونکہ تمہاری تعداد اور تمہارا ساز و سامان زیادہ ہے اور محمدؐ کے رفقاء بہت تھوڑے اور تمہی دست میں اور ان کے پاس سچیار بھی بس تھوڑے ہی سے ہیں۔

جب اہل خبر کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کنان بن ابی الحسن اور ہوذہ بن قمیں کو حصولِ مدد کے لیے بنو غطفان کے پاس روانہ کیا، کیونکہ وہ خبر کے یہودیوں کے علیف اور مسلمانوں کے خلاف ان کے مددگار تھے۔ یہود نے یہ پیش بھی کی کہ اگر انہیں مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو گی تو خبر کی نصف پیداوار نہیں دی جائے گی۔ **خیبر کا راستہ** [رسول اللہ ﷺ نے خیبر علاتے ہوئے جبل عضر کو عبور کیا۔ عضر کے صین کو زیر ہے اور ص ساکن ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دونوں پر زبر ہے۔ - پھر وادی صہیار سے گزرے۔ اس کے بعد ایک اور وادی میں پہنچے جس کا نام رجیع ہے۔ اگرے وہ رجیع نہیں ہے جہاں عضل و قارہ کی قدری سے بنو حیان کے ہاتھوں آٹھ ٹھنکا بکرام کی شہادت اور حضرت زید و خبیث کی گرفتاری اور پھر کہ میں شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔]

رجیع سے بنو غطفان کی آبادی صرف ایک دن اور ایک رات کی دوری پر واقع تھی اور بنو غطفان نے تیار ہو کر میہودی امداد کے لیے خیبر کی راہ لے لی تھی۔ لیکن اشادر راہ میں انھیں پانے پہنچے کچھ شور و شغب سنائی پڑا تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ان کے بال پھوٹوں اور موشیوں پر حملہ کر دیا ہے اس لیے وہ دلپٹ گئے اور خیبر کو مسلمانوں کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ماہرین را کو بلا یا جو شکر کو راستہ بنانے پر مأمور تھے۔

ان میں سے ایک کا نام حسیل تھا۔ ان دونوں سے آپ نے ایسا مناسب ترین راستہ معلوم کرنا چاہا جسے اختیار کر کے خبیریں شمال کی جانب سے یعنی مدینہ کے بجائے شام کی جانب سے داخل ہو سکیں تاکہ اس حکمت عملی کے ذریعے ایک طرف تو ہود کے شام بھاگنے کا استثنہ کر دیں اور دوسری طرف بغوغلستان اور ہیود کے درمیان حائل ہو کر ان کی طرف سے کسی مدد کی رسائی کے امکانات ختم کر دیں۔

ایک رات ہمارے گھر میں آپ کو ایسے راستے سے لے چلوں گا۔ چنانچہ وہاں کے آگے چلا۔ ایک مقام پر پہنچ کر ہبھاں متعدد راستے چھوٹتے تھے عرض کیا ہے رسول اللہ! ان سب راستوں سے آپ منزل مخصوص تر ہے جس سے یہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہر ایک کا نام بتائے۔ اس نے بتایا کہ ایک نام حسن ساخت اور حکمرانا ہے۔ آپ نے اس پر چنان منظور نہ کیا۔ اس نے بتایا، دوسرے کا نام شاشر (تفق و اضطراب والا) ہے۔ آپ نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ اس نے بتایا تیرے کا نام عاطب (کڑا بارا) ہے۔ آپ نے اس پر بھی چنان سے انکا کرک دیا۔ حسیل نے کہا، اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اس کا نام کیا ہے؟ حسیل نے کہا، مرحوب کشادگی (نبی ﷺ نے اسی پر چنان پسند فرمایا۔

**راستے کے بعض و اقعات**

احضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ خیبر روانہ ہوئے۔ رات میں سفر طے ہو رہا تھا۔ ایک آدمی نے عامر سے کہا: اسے عامر! گیوں تو ہم اپنے کچھ نوادرات سناؤ؟ — عامر شاعر تھے۔ سواری سے اترے اور قوم کی حدی خوانی کرنے لگے۔ اشعار یہ تھے:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا      وَلَا تَصَدَّقَنَا وَلَا صَلَّيْنَا  
فَاغْفِرْ فِدَاءَ لَكَ مَا اتَّقَيْنَا      وَشَيْبَتِ الْأَقْدَامِ إِنَّ اللَّهَ فَتَيْنَا  
وَالْقَيْنَ سَحِيْنَةً عَلَيْنَا      إِنَّا إِذَا هِمْ يُخْبَحُونَا أَبْيَنَا  
وَبِالصَّيَاحِ عَوْلَوْنَا عَلَيْنَا

لے اللہ! اگر توہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم تجھ پر قربان اتوہیں بخش دے، جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور اگر ہم ملکہ نہیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر سکینت نازل فرموا۔ جب ہمیں لکھا راجا تاہے تو ہم اکڑ جاتے ہیں۔ اور لکھا میں ہم پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کون حدی خوان ہے؟ لوگوں نے کہا: عٹ امریں اکوع۔ آپ نے فرمایا، اللہ اس پر حکم کرے۔ قوم کے ایک آدمی نے کہا، اب تو (ان کی شہادت) واجب ہو گئی۔ آپ نے ان

کے وجود سے ہمیں بہرہ در کیوں نہ فرمایا۔<sup>۷</sup>

صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کسی انسان کے لیے خصوصیت سے دعا کے مغفرت کریں تو وہ شہید ہو جاتا ہے۔ اور یہی واقعہ جنگِ خوبی میں رحمتِ عامر کے ساتھ ہبھیش آیا۔ (اسی لیے انہوں نے یہ عرض کی تھی کہ کیوں نہ ان کے لیے درازی عمر کی دعا کی گئی کہ ان کے وجود سے ہم مزید بہرہ در ہوتے۔) ۲۔ خوبی میں خبر کے بالکل قریبِ وادیٰ صہبائیں آپ نے عصر کی نمازوں پڑھی۔ پھر تو شے منگولےٰ تو صرف ستوا لائے گئے۔ آپ کے حکم سے ٹلاتے گئے۔ پھر آپ نے کھاتے اور صحابہ نے بھی کھاتے۔ اس کے بعد آپ نمازوں کے لیے اُٹھنے تو صرف کلی کی صحابہ نے بھی کلی کی۔ پھر آپ نے نمازوں پڑھی اور دضو نہیں فرمایا۔ (پچھلے ہی دضو پر اتفاق ہوا۔) پھر آپ نے عشاء کی نمازوں ادا فرمائی۔<sup>۸</sup>

### اسلامی لشکرِ خوبی کے دامن میں

مسلمانوں نے آخری رات جس کی صبح جنگ شروع ہوئی خوبی میں خبر کے قریب گزاری میں یہود کو کافروں کا نجہنہ ہوئی۔ نبی ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچے تو صبح ہوئے بغیر ان کے قریب نہ جاتے۔ چنانچہ اس رات جب صبح ہوئی تو آپ نے غلس (اندھیرے) میں فجر کی نمازوں ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان سوار ہو کر خوبی کی طرف بڑھے۔ ادھراں خوبی میں اپنے چھاؤںے اور کھاچی وغیرہ کے کر اپنی کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو اپنے لشکر دیکھ کر چیختے ہوئے شہر کی طرف بھاگے کہ خدا کی قسم محمد لشکر سیاست آگئے ہیں۔ نبی ﷺ نے این خبر دیکھ کر فرمایا: اللہ اکبر، خوبی تباہ ہوا۔ اللہ اکبر خوبی تباہ ہوا۔ جب ہم کسی قوم کے میان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈلاتے ہوئے لوگوں کی مسح بڑی ہو جاتی ہے۔<sup>۹</sup>

نبی ﷺ نے لشکر کے ڈاؤ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ اس پر جاپ بن منذر رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بتلائیے کہ اس مقام پر اللہ نے آپ کو ڈاؤ ڈالنے کا حکم دیا ہے یا مجھنے آپ کی جگہ تدبیر اور رائے ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں یعنی ایک رائے اور تدبیر ہے۔ انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! یہ مقام قلعہ نطہا سے بہت، ہی قریب ہے اور خوبی کے سارے جنگ بُوا فرادا سی قلعے میں ہیں۔ انہیں ہمارے حالات کا پوچھا پوچھا علم رہے گا اور ہمیں ان کے حالات کی نجہنہ ہوگی۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ جائیں گے اور ہمارے تیران تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہم ان کے شخون سے بھی محفوظ نہ رہیں۔

۷۔ صحیح بخاری باب غزوہ خوبی ۶۰۳، صحیح مسلم باب غزوۃ ذی قرڈ غیرہ ۲/۱۵۔ ۸۔ صحیح مسلم ۲/۱۵۔

۹۔ مفازی الواستی (غزوہ خوبی) ۶۰۳، مفازی بخاری (غزوہ خوبی) ۶۰۳۔

گے۔ پھر یہ مقام بھوروں کے درمیان ہے، پسی میں واقع ہے اور یہاں کی زمین بھی وبا تی ہے، اس لیے مناسب ہو گا کہ آپ کسی ایسی جگہ پر اودا لئے کا حکم فرمائیں جو ان مقاصد سے خالی ہو، اور ہم اسی جگہ منتقل ہو کر پڑاودا لیں۔ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم نے جو رائے دی بالکل درست ہے۔ اس کے بعد آپ دوسرا جگہ منتقل ہو گئے۔

نیز حب آپ خیر کے استئنے قریب ہنچ گئے کہ شہر کھانی پڑنے لگا تو آپ نے فرمایا مٹھر جاؤ، مٹھر مٹھر گیا، اور آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ  
الشَّيَاطِينَ وَمَا أَضْلَلْنَ فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا  
فِيهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا

”لے اللہ اس توں آسان اور جن پر وہ سایہ لگن ہیں، ان کے پروردگار! اور ساتوں زمین، اور جنکو وہ اٹھاتے ہوئے ہیں، ان کے پروردگار! اور شیاطین، اور جن کو اتھوں نے گمراہ کیا، ان کے پروردگار! ہم تجھ سے

اس بستی کی بحلان اس کے باشندوں کی بحلانی کا سوال کرتے ہیں؟ اور اس بستی کے شر سے اور اس کے باشندوں کے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں؟“

(اس کے بعد فرمایا: چلو، اللہ کے نام سے آگے بڑھو یہ)

**چنگ کی تیاری اور خیر کے قلعے** | جس رات خیر کی حدود میں رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے فرمایا: ”میں کل جنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس

کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔“ صحیح ہونی تو صحابہ کرام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک یہی آرزو باندھے اور اس لگائے تھا کہ جنڈا اسے مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، علیٰ بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ان کی تو آنکھوں کی ہوئی ہے۔ فرمایا، انہیں بلا لاد وہ لائے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ وہ شفایا ب ہو گئے۔ گویا انہیں کوئی تکلیف نہیں ہی نہیں۔ پھر انہیں جنڈا اخراج فرمایا، انہوں نے عرض کیا اور رسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک بڑوں کو دہ ہمارے جیسے ہو جائیں؟ آئپے فرمایا، ”اطیناں سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں اترو، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور اسلام میں

اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہوتی ہیں ان سے آگاہ کرو۔ بخدا تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دیجیے تو رہنمائی سے مرض خداوندوں سے بہتر ہے<sup>۱۹</sup>

خیر کی آبادی دو منطقوں میں بُی ہوئی تھی۔ ایک منطقے میں حسبِ زیل پانچ قلعے تھے۔

۱۔ حسن نائم۔ ۲۔ حسن صعب بن معافہ۔ ۳۔ حسن قلعہ زیر۔ ۴۔ حسن ابی۔ ۵۔ حسن نزار۔

ان میں سے مشہور تین قلعوں پر تسلی علاقہ نظاہ کہلاتا تھا اور بقیہ دو قلعوں پر تسلی علاقہ شق کے نام سے مشہور تھا۔

خیر کی آبادی کا دوسرا منطقہ کتیبه کہلاتا تھا۔ اس میں صرف تین قلعے تھے،

۶۔ حسن قوص ریچ قبیلہ بنو نصیر کے خاندان ابو الحیث کا قلعہ تھا، ۷۔ حسن فیح ۸۔ حسن سلام۔

ان آٹھ قلعوں کے علاوہ خیر میں مزید قلعے اور گڑھیاں بھی تھیں مگر وہ چھوٹی تھیں اور قوت و خاکست

میں ان قلعوں کے ہم پرہ نہ تھیں۔

بہانہ بک جنگ کا تعلق ہے تو وہ صرف پہلے منطقے میں ہوئی۔ دوسرے منطقے کے تینوں قلعے اپنیوالوں کی کثرت کے باوجود جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے۔

معز کے کا آغاز اور قلعہ نائم کی فتح [مذکورہ بالآٹھ قلعوں میں سے سب سے پہلے قلعہ نائم پر حملہ ہوا۔] کیونکہ یہ قلعہ اپنے محل و قوع کی نزاکت اور اسٹریچجی کے

لحاظ سے یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا اور یہی قلعہ مرحب نامی اس شہزادہ اور جانباز یہودی کا قلعہ تھا جسے ایک ہزار مردوں کے برابر ناجاتا تھا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فوج نے کراس قلعے کے سامنے پہنچے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے یہ دعوت مسترد کر دی اور اپنے بادشاہ مرحب کی کمان میں مسلمانوں کے مقابل آگھڑے ہوئے۔ میدان جنگ میں اتر کر پہنچے مرحب نے دعوت مبارزت دی جس کی کیفیت سُلُرین اکوع نے یوں بیان کی ہے کہ جب ہم لوگ خیر پہنچے تو ان کا بادشاہ مرحب اپنی تواریک کرنمازوں سے کھلا دیا اور یہ کہتا ہوا نمودار ہوا۔

قَدْ عَلِمْتَ خَيْرًا مَرْحَبًا شَأْكِ الْسَّدَاحِ بَطْلًا مُجَرْبًا

إِذَا أَحْرَقْتُ أَقْبَلْتَ تَلَهْبَ

خیر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ بھتیار پوش بہادر اور تحریر کار اجنبی جنگ پیکار شد زدن ہوؤ۔

۱۹۔ صحیح بخاری باب غزوه خیر ۹۰۵، ۹۰۶ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر کے ایک قلعے کی فتح میں متعدد کوششوں کی ناکامی کے بعد حضرت علی کو جشن دادیا گیا تھا ایک محققین کے نزدیک راجح دہی ہے جس کا اور ذکر کیا گیا۔

اس کے مقابل میرے چچا عامر نوادار ہوتے اور فرمایا۔

قد علّمَتْ خَيْرٍ أَفِعَامَرْ شَاكِنَ السَّلاَحِ بَطْلَ مَعَامَرْ

”خبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں۔ ہتھیار پوش، شہزاد اور جنس بھروسہ۔“

پھر دنوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ مرحوب کی تواریخ میرے چچا عامر کی دھال میں جا چھی اور عامر نے اسے پہنچے سے ماڑا چاہا لیکن ان کی تواریخ چھوٹی تھی۔ انہوں نے یہودی کی پنڈی پر وار کیا تو تواریخ مارپیٹ کر ان کے گھٹنے پر آگا اور بالآخر اسی ذمہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ بنی یهودیان نے اپنی دو انگلیاں اٹھیں کہ ان کے بارے میں فرمایا کہ انکے لیے دہرا جو ہے۔ وہ بُرے جانباز چاہد تھے کہم ہی ان جیسا کوئی عرب رُوئے زمین پر بُراؤ ہو گا۔

بہر حال حضرت عامر کے ذمہ ہونے کے بعد مرحوب کے مقابلے کے لیے حضرت علی تشریف لے گئے۔ حضرت سلم بن اکرم کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت علی نے یہ اشعار کہے:

أَنَا الَّذِي سَمَّيْتُنِي أُمَّى حَمِيدَرَهُ كَلَمُتُ غَابَاتِ كَمِيرِ يَهُ الْمُنْظَرَهُ  
أُوْ فِيمُهِرْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهُ

”میں وہ شخص ہوں کہ سری مان نے میرا نام حیدر شیر رکھا ہے جگل کے شیر کی طرح خوفناک میں نہیں صاف کے بدستے نیز سے کی ناپ پوری کر دیں گا۔“

اس کے بعد مرحوب کے سر پر ایسی تواریخی کردی ہی ہو گی۔ پھر حضرت علیؑ کے ہاتھوں تھج حامل ہوتی۔ جگ کے دوران حضرت علیؑ اللہ عنہ یہود کے قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ کی چوٹی سے ایک یہودی نے جھاک کر لوچا تم کون ہو؟ حضرت علیؑ نے کہا: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہود نے کہا: اس کتاب کی قسم جو مسی علیہ السلام پر نازل کی گئی! تم لوگ بلند ہوئے۔ اس کے بعد مرحوب کا بھائی یا سریر یہ کہتے ہوئے نکلا کر کون سہے جو میرا مقابلہ کرے گا۔ اس کے اس چلنچ پر حضرت زیر رضی اللہ عنہ میدان میں اترے۔ اس پر ان کی ماں حضرت صفیر رضی اللہ عنہا نے کہا، یا رسول اللہ! کیا میرا بیٹا قتل کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا، نہیں؛ بلکہ تمہارا بیٹا اسے قتل کرے گا اچنانچہ حضرت زیر نے یا سر کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد حسن نعم کے پاس زور وار جگ، ہوتی جگ میں کہی سرپا اور وہ یہودی مارے گئے اور بقیہ یہودیوں

نہ میسح سلم، باب غزوہ خیر ۱۱۵، باب غزوہ ذی قردا غیرہ ۱۱۶، صحیح بخاری باب غزوہ خیر ۹۰۳

الله مرحوب کے قاتل کے بارے میں کافی کے اندر بڑا اختلاف ہے اور اس میں بھی سخت اختلاف ہے کہ کس دن وہ مارا گیا اور کیس دن یہ قلعہ فتح ہوا۔ صحیحین کی روایت کے سیاق میں بھی کسی قدراں اخلاف کی علامت موجود ہے۔ ہم نے اور پرچور تیہ ذکر کی ہے وہ صحیح بخاری کی روایت کے سیاق کو ترجیح دیتے ہوئے قائم کی گئی ہے۔

میں تاب مقاومت نہ ہی۔ چنانچہ مسلمانوں کا حملہ نہ رک کے بعض مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ کئی دن جاری رہی اور اس میں مسلمانوں کو شدید مقاومت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم یہود، مسلمانوں کو زیر کرنے سے مایوس ہو چکے تھے اس لیے چپکے چپکے اس قلعے سے منتقل ہو کر قلعہ صعب میں چلے گئے اور مسلمانوں نے قلعہ نامم پر قبضہ کر لیا۔

**قلعہ صعب بن معاذ کی فتح** | قلعہ نامم کے بعد، قلعہ صعب وقتِ دھنافظت کے لحاظ سے درہ سب سے بڑا مصبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے حضرت مجتبی بن منذر انہی رضی اللہ عنہ کی کمان میں اس قلعہ پر حملہ کیا اور تین روز تک اسے گھیرے میں لیے رکھا۔ میرے دن رسول اللہ ﷺ کی تھیں نے اس قلعہ کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔

این اسحاق کا بیان ہے کہ قبیدہ اسلم کی شاخ بنو ہبہم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ہم لوگ چور ہو چکے ہیں۔ اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، یا اللہ! تجھے ان کا حال معلوم ہے، تو جانتا ہے کہ ان کے اندر وقت نہیں اور میرے پاس بھی کچھ نہیں کہ میں انہیں دوں۔ لہذا انہیں یہود کے ایسے قلعے کی فتح سے سرفراز فرماؤ سب سے زیادہ خوارک اور چربی دستیاب ہو۔ اور جب دُعا فرمائے کے بعد نبی ﷺ نے مسلمانوں کو اس قلعے پر حملہ کی دعوت دی تو حملہ کرنے میں بنو اسلم ہی پیش پیش تھے۔ اس حملے میں بھی قلعے کے سامنے مبارٹ اور مارکاٹ ہوتی۔ اللہ عز وجل نے سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قلعہ صعب بن معاذ کی شیخ عطا فرمائی۔ خیر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعے سے زیادہ خوارک اور چربی موجود ہو۔ مسلمانوں نے اس قلعے میں بعض مختیقیں اور دبائے بھی پائے۔

این اسحاق کی اس روایت میں جس شدید بھوک کا ذکر کرہ کیا گیا ہے اسی کا یہ تجویز تھا کہ لوگوں نے دفتح حاصل ہوتے ہی گدھے ذبح کر دیے اور چوہوں پر ہندیاں چڑھا دیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے گھر بلوگدھے کے گوشت سے منع فرمادیا۔

**قلعہ زبیر کی فتح** | قلعہ نامم اور قلعہ صعب کی فتح کے بعد یہود نیڑاہ کے سارے قلعوں نے نکل کر قلعہ زبیر میں جمع ہو گئے۔ یہ ایک محفوظ قلعہ تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ راستہ آن پر تیج

۳۲۲/۲ این ہشام  
۳۳۴ کا کٹھی کا ایک محفوظ اور بندگاڑی ناٹرے بنایا جاتا تھا جس میں سچے سے کئی آدمی گھس کر قلعے کی فصیل کو جا پہنچتے تھے اور دشمن کی زد مخفظت پہنچتے ہے فصل میں شکاف کرتے تھے رہی دبابر کہلاتا تھا اب نیک کو دبابر کہا جاتا ہے۔

اور مکمل تھا کہ یہاں نے سواروں کی رسائی ہو سکتی تھی فر پسادوں کی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے گرد محاصرہ قائم کیا اور میں روز تک محاصرہ کیے پڑے رہے اس کے بعد ایک یہودی نے آکر کہا: "اے ابوالقاسم! اگر آپ ایک ہمیڈہ تک محاصرہ جاری رکھیں تو بھی انہیں کوئی پرواہ ہوگی۔ البتہ ان کے پیٹے کا پانی اور چشے زمیں کے پنچے ہیں۔ یہ رات میں نکلتے ہیں پانی پی لیتے اور لے لیتے ہیں چھر قلعے میں واپس چلے جاتے ہیں اور آپ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ گھٹنے بیک دیں گے۔" اس اطلاع پر آپ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ اس کے بعد یہود نے باہر آگز بروڈسٹ جنگ کی جس میں کئی مسلمان مارے گئے اور تقریباً دس یہودی بھی کام آتے لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

**قلعہ ابی کی فتح** | قلعہ زیر سے سکست کھانے کے بعد یہود، حسنابی میں قلعہ بند ہو گئے مسلمانوں نے اس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اب کی بار دو شہزادوں جانا زی یہودی یکے بعد مگرے دعوت مبارزت دیتے ہوئے میدان میں اترے اور دونوں ہی مسلمان جانا زادوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ دوسرے یہودی کے قاتل سُرخ پٹی والے مشہور جانفرش حضرت ابو دجانہ سمک بن خرشہ انصاری صَفَنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ تھے۔ وہ دوسرے یہودی کو قتل کے نہایت تیزی سے قلعے میں جا گئے اور ان کے ساتھ ہی اسلامی لٹکر میں قلعے میں جا گھسا۔ قلعے کے اندر کچھ درستک تو زور دار جنگ ہوئی لیکن اس کے بعد یہودیوں نے قلعے سے ہٹکنا شروع کر دیا اور بالآخر سب کے سب بھاگ کر قلعہ نزار میں پہنچ گئے، جو خبر کے نصف اول (یعنی پہلے منطقہ) کا آخری قلعہ تھا۔

**قلعہ زار کی فتح** | یہ قلعہ علاقے کا سب سے ضبوط قلعہ تھا اور یہود کو تقریباً یقین تھا کہ مسلمان اپنی انہیانی کوشش صرف کر دینے کے باوجود اس قلعہ میں داخل نہیں ہو سکتے اس لیے اس قلعے میں انہوں نے عورتوں اور بچوں سمیت قیام کیا جبکہ سابقہ چار قلعوں میں عورتوں اور بچوں کو نہیں رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں نے اس قلعے کا سختی سے محاصرہ کیا اور یہود پر سخت و باوڑا لایکن قلعہ چونکہ ایک بلند اور محفوظ پہاڑی پر واقع تھا اس لیے اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت بن نہیں پڑ رہی تھی۔ ادھر یہود قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں سے بخوبی کی عرات نہیں کر رہے تھے۔ البتہ تیر پر رہا بر سار کار اور پتھر ہپنک پھینک کر سخت مقابلہ کر رہے تھے۔

جب اس قلعہ (زار) کی فتح مسلمانوں کے لیے زیادہ دشوار محسوس ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے خجینق کے آلات نصب کرنے کا حکم فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے چند گولے پھینکے بھی جس سے قلعے کی دیواروں میں شکاف پڑ گیا اور مسلمان اندر گھس گئے۔ اس کے بعد قلعے کے اندر سخت جنگ ہوئی اور

یہود نے فاش اور بدترین شکست کھانی۔ وہ یقین قلعوں کی طرح اس قلعے سے چچکے چچکے لھک کر رہ نہیں تھے بلکہ اس طرح بے محا با بھاگ کے کہا پنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جاسکے اور انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھپوڑ دیا۔

اس مضبوط قلعے کی فتح کے بعد خیبر کا نصف اول یعنی نطاة اور شق کا علاقہ فتح ہو گیا۔ اس علاقے میں ہوئے چھوٹے کچھ نزدیکی قلعے بھی تھے لیکن اس قلعے کی فتح ہوتے ہی یہودیوں نے ان باقیماندہ قلعوں کو بھی خالی کر دیا اور شہر خیبر کے دورے منطقے یعنی کتبہ کی طرف بھاگ گئے۔

**خیبر کے نصف ثانی کی فتح** | نطاة اور شق کا علاقہ فتح ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے کتبہ، طبع اور سلام کے علاقے کا رُخ کیا۔ سلام بنون پنیر کے ایک مشہور یہودی الحلق کا قلعہ تھا۔ ادھر نطاة اور شق کے علاقے سے شکست کھا کر بھاگنے والے سارے یہودی بھی یہاں پہنچتے تھے۔ اور نہایت ٹھوک قلعہ بندی کر لی تھی۔

اہل مغاری کے درمیان اختلاف ہے کہ یہاں کے تینوں قلعوں میں سے کسی قلعے پر جنگ ہوئی یا نہیں؟ ابن اسحاق کے بیان میں صراحةً ہے کہ قلعہ قوم کو فتح کرنے کے لیے جنگ اسلامی کی، بلکہ اس کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ مخفی جنگ کے ذریعے فتح کیا گیا اور یہودیوں کی طرف سے خود پر دگی کے لیے یہاں کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔

لیکن واقعی نے دو لوگ لفظوں میں صراحةً کی ہے کہ اس علاقے کے تینوں قلعے بات چیت کے ذریعے مسلمانوں کے حوالے کیے گے۔ ممکن ہے قلعہ قوم کی حوالگی کے لیے کسی قدر جنگ کے بعد گفت و شنید ہوئی ہو۔ البتہ باقی دلوں قلعے کسی جنگ کے بغیر مسلمانوں کے حوالے کیے گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ اس علاقے کتبہ - کتبہ - میں تشریف لائے تو ہاں کے باشندوں کا ختنی سے محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ چودہ روز جاری رہا۔ یہود اپنے قلعوں سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے قصد فرمایا کہ مخفیق نصب فرمائیں۔ جب یہود کو تباہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کے لیے مسلا جنہانی کی۔

**صلح کی بات چیت** | پہلے ابن الحثیث نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کر کیا میں اپنے کے پاس آگر بات چیت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اور جب یہ جواب

بلاؤس نے آپ کے پاس حاضر ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعے میں جو فوج ہے اس کی جان بخشنی کر دی جائیگی اور ان کے بال پرچے انہیں کے پاس رہیں گے (یعنی انہیں لوٹدی اور فلام نہیں بنایا جائے گا) بلکہ وہ اپنے بال پرچوں کو لے کر خبر کی سرزین سے نکل جائیں گے اور اپنے اموال، باغات، زمینیں، سونے، چاندی، گھوڑے زیاد، رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیں گے، صرف اتنا کچھ اسے جائیں گے جتنا ایک انسان کی پشت اٹھ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اور اگر تم لوگوں نے مجھ سے کچھ چھپایا تو پھر اللہ اور اس کے رسول برئی کو ہوں گے" یہود نے یہ شرط منظور کر لی اور مصالحت ہو گئی ۱۴۸ اس مصالحت کے بعد یہود قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے اور اس طرح خیبر کی فتح تکمیل ہو گئی۔

**ابو الحقیق** کے دونوں بیٹوں کی بد عہدی اور ان کا قتل | اس معاهدے کے علی المعماب بالحقیق کے دونوں بیٹوں نے بہت سا مال غائب کر دیا۔ ایک کھال غائب کر دی جس میں مال اور حیثیت بن اخطب کے زیورات تھے۔ اسے حیثیت بن اخطب مدینہ سے بنو نصر کی جلاوطنی کے وقت اپنے ہمراہ لایا تھا۔

ابن احتجت کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنارہن بن الحیثیق لایا گیا۔ اس کے پاس بنو نصر کا خزانہ تھا۔ لیکن آپ نے دریافت کیا تو اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اسے خزانے کی جگہ کے پارے میں کوئی علم ہے۔ اس کے بعد ایک یہودی نے اگر بتایا کہ میں کنارہ کو روزانہ اس دیوارے کا چکر لگاتے ہوئے دیکھتا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کنارہ سے فرمایا "یہ بتاؤ کہ اگر یہ خزانہ ہم نے تمہارے پاس سے کر دیا تو پھر تو ہم قتل کر دیں گے نا؟" اس نے کہا جی مل! آپ نے دیوارہ کھو دنے کا حکم دیا اور اس سے کچھ خزانہ برآمد ہوا۔ پھر باقیمانہ خزانہ کے متعلق آپ نے دریافت کیا تو اس نے پھر اسکی سے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے اسے حضرت زبیر کے حوالے کر دیا اور فرمایا میں سے منزدروں میہاں تک کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کا سب ہیں حاصل ہو جائے۔ حضرت زبیر نے اس کے سینے پر چھاق کی ٹھوکریں ماریں میہاں تک کہ اس کی جان پر بن آئی۔ پھر اسے رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلم کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے محمد بن مسلم کے بدے اس کی گردان مار دی رحمود سایر حاصل کرنے کے لیے قلعہ ناعم کی دیوار کے تنپے بیٹھنے تھے کہ اس شخص نے ان پر چکی کا پاٹ گرا کر انہیں قتل کر دیا تھا۔)

وہ لیکن سنن ابو داؤد میں یہ صراحت ہے کہ آپ نے اس شرط پر معاهدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے یہود کو اجازت ہو گی کہ خبر سے جلاوطن ہوتے ہوئے اپنی سواریوں پر جتنا مال لاد سکیں لے جائیں (دیکھنے ابو داؤد باب ماجاد ف حکم ارض خیبر ۲/۶۹)

ابن قتیم کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو الحسن کے دنوں بیشوں کو قتل کرایا تھا اور ان دنوں کے خلاف مال چھپانے کی گواہی کنانہ کے پھر سے بھائی نے دی تھی۔

اس کے بعد آپ نے حبی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ کو قیدیوں میں شامل کر لیا۔ وہ کنانہ بن ابو الحسن کی بیوی تھیں اور ابھی دلہن تھیں۔ ان کی حال ہی میں رخصتی ہوئی تھی۔

**اموال فقیمت کی تقسیم** | رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خبر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور معاہدہ میں یہی طے بھی ہوا تھا مگر یہود نے کہا: "اے محمد! ہم اسی سرزین میں رہنے دیجئے ہم اس کی دیکھ رکھ کریں گے۔ کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات میں باخبر رسول اللہ ﷺ اور صاحبزادہ اور صحابہ کرام کے پاس اتنے غلام دستھے جو اس زمین کی دیکھ رکھدے اور جو سننے والے کام کر سکتے اور نہ خود صاحب کرام کو اتنی فرصت دیں کہ یہ کام سر انجام دے سکتے۔ اس لیے آپ نے خبر کی زمین اس شرط پر یہود کے حوالے کر دی کہ ساری بھیتی اور تمام بچپنوں کی پیداوار کا آدھا یہود کو دیا جائے گا اور جب تک رسول اللہ ﷺ کی مرضی ہوگی اس پر برقرار رکھیں گے (اور حبیب چاہیں گے جلاوطن کر دیں گے)، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ خبر کی پیداوار کا تحریک لگایا کرتے تھے۔

خبر کی تقسیم اس طرح کی گئی کہ اسے ۲۹ حصوں میں باتھ دیا گیا۔ ہر حصہ ایک سو حصوں کا جامع تھا۔ اس طرح کل تین ہزار چھپوں (۳۹۰۰) حصے ہوئے۔ اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ سو حصے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے تھے۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کا بھی صرف ایک ہی حصہ تھا۔ باقی یعنی اٹھارہ سو حصوں پر مشتمل دوسرنصف، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات و حادث کے لیے الگ کر لیا تھا۔ اٹھارہ سو حصوں پر خبر کی تقسیم اس لیے کی گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حدیبیہ کے لیے ایک عطا تھا، جو موجود تھے ان کے لیے بھی اور جو موجود نہ تھے ان کے لیے بھی، اور اہل حدیبیہ کی تعداد چودہ سو تھی۔ جو خبر آتے ہوئے اپنے ساتھ دو گھوڑے لائے تھے۔ چونکہ سوار کے علاوہ خود گھوڑے کو بھی حصہ ملتے ہے اور گھوڑے کا حصہ دبیل یعنی دو فوجیوں کے برابر ہوتا ہے اس لیے خبر کو اٹھارہ سو حصوں پر تقسیم کیا گیا تو دو سو شہ سواروں کو تین تین بھتے کے حساب سے چھوٹے تھے اور بارہ سو پیشہ مل فوج کو ایک ایک بھتے کے حساب سے بارہ سو حصے ملے۔

خبر کے اموال فقیمت کی کثرت کا اندازہ صحیح بخاری میں مردی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "هم لوگ آسودہ نہ ہوتے یہاں تک کہ ہم نے خیر فتح کیا۔" اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب خبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہم پیٹ بھر کر بھجو  
ملے گی۔ نیز جب رسول اللہ ﷺ مدینہ والپ آشیت لائے تو مہاجرین نے انصار کو بھجوں کے دھرت  
والپ کر دیے جو انصار نے امداد کے طور پر انہیں دے رکھے تھے کیونکہ ان کے لیے خبریں مال اور بھجو  
کے دھرت ہو چکے تھے ۹۶

### حضرت جعفر بن ابی طالب اور اشعری صاحبہ کی امد

اسی غزوے میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔

ان کے ساتھ اشعری مسلمان یعنی حضرت ابو ہنفی اور ان کے رفقاء بھی تھے رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں میں یہیں رسول اللہ ﷺ کے نہوں کا علم ہوا  
تو ہم لوگ یعنی میں اور میرے دو بھائی اپنی قوم کے پچاس آدمیوں سیست اپنے دلن سے ہجرت کر کے ایک کشتی  
پر سوار آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے لیکن ہماری کشتی نے ہمیں سنجاشی کے لئے جہش میں پھینکیا۔ ویا  
وہاں حضرت جعفر اور ان کے رفقاء سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے  
ہمیں بھیجا ہے اور ہمیں مہرے رہنے کا حکم دیا ہے اور آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ مہر جائیے۔ چنانچہ ہم  
لوگ بھی ان کے ساتھ مہر گئے اور خدمت نبوی میں اس وقت ہمچنے کے جب آپ خیرخواہ چکے تھے۔  
آپ نے ہمارا بھی حصہ لگایا لیکن ہمارے علاوہ کسی بھی شخص کا جو فتح خبریں موجود تھا، کوئی حصہ نہیں لگایا صرف  
شرکا برجنگ ہی کا حصہ لگایا۔ البتہ حضرت جعفر اور ان کے رفقاء کے ساتھ ہماری کشتی والوں کا بھی حصہ لگایا اور  
ان کے لیے بھی مال غنیمت تقسیم کیا گئے

اور جب حضرت جعفر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کا استقبال کیا اور انہیں یہ  
دیکھ فرمایا: و اللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی خوشی زیادہ ہے بخیر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی ۱۰۷  
یاد ہے کہ ان لوگوں کو بلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن امیر ضمری کو سنجاشی  
کے پاس بھجا تھا اور اس سے کہلوا یا تھا کہ وہ ان لوگوں کو آپ کے پاس روانہ کر دے رچانچہ سنجاشی نے دوستیوں  
پر سوار کر کے انہیں روانہ کر دیا۔ یہ کل سولہ آدمی تھے اور ان کے ساتھ ان کے باتیمانہ نپکے اور عورتیں بھی تھیں۔

بقیہ لوگ اس سے پہلے مریثہ آپ چکے تھے ۱۰۸

## حضرت صَفِيَّہ سے شادی

ہم تباچے ہیں کہ جب حضرت صَفِيَّہ کا شوہر کنان بن ابی الحیث اپنی بعہدی کے سبب قتل کر دیا گیا تو حضرت صَفِيَّہ قیدی عورتوں میں شامل کر لی گئیں۔ اس کے بعد جب یہ قیدی عورت میں جمع کی گئیں تو حضرت دُخْیَہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا، اے اللہ کے نبی! مجھے قیدی عورتوں میں سے ایک لوفڈی دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا، جاؤ اور ایک لونڈی لے لو۔ انہوں نے جا کر حضرت صَفِيَّہ بنتِ دُخْیَہ کو منتخب کر لیا۔ اس پر ایک آدمی نے آپ کے پاس آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ نے نبی قریطہ اور نبی نفیر کی سیدہ صَفِيَّہ کو دُخْیَہ کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ صرف آپ کے شایانِ شان ہے۔ آپ نے فرمایا، دُخْیَہ کو صَفِيَّہ سیست بلاو۔ حضرت دُخْیَہ ان کو ساتھ لیے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر حضرت دُخْیَہ سے فرمایا کہ قیدیوں میں سے کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ پھر آپ نے حضرت صَفِيَّہ پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی ہی کو ان کا ہمراز قرار دیا۔ مدینہ والی میں متصرہ بہار ہمیشہ کر دیکھنے پاگیں گے اس کے بعد حضرت مُسْلِم رضی اللہ عنہا نے انھیں آپ کے لیے آراستہ کیا اور رات کو آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے دو لہے کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی اور بھجو، بھجی اور ستو ملا کر دیکھ لیا۔ اور رات میں تین روز شبہائے عروضی کے طور پر ان کے پاس قیام فرمایا تھا اس موقع پر آپ نے ان کے چہرے پر ہر انشان دیکھا، دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپ کے خیرات سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے نوٹ کر سری ہنخوش میں آگاہ ہے، بخدا، مجھے آپ کے معاملے کا کوئی تصور بھی دکھا لیکن میں نے یخواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے میرے پر چھپڑ ریکتے ہوئے کہا،

”بادشاہ جو مدینہ میں ہے تم اس کی آزو کر ہی ہو گیلے“

## زہر الود بکری کا واقعہ

نیجر کی فتح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مظلومین اور بکیسو ہوچکے تو سلام زہر الود بکری کا واقعہ بن مخلکم کی بیوی زینب بنتِ حارث نے آپ کے پاس بھجنی ہوئی بکری کا ہدیر بھیجا۔ اس نے پوچھر کھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون سا عضو زیادہ پسند کرتے ہیں، اور اسے بتایا گیا تھا کہ دست؛ اس لیے اس نے دست میں خوب زہر ملا دیا تھا اور اس کے بعد بقیہ حصہ بھی زہر کا لوکر دیا تھا۔ پھر اسے لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور آپ کے سامنے رکھا تو آپ نے دست اٹھا کر

اس کا ایک مکمل اچایا لیکن ملکانے کے بجائے تھوک دیا۔ پھر فرمایا کہ یہ ہدی مجھے بتا رہی ہے کہ اس میں زہر طالبا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے زینب کو بلا یا تو اس نے اقرار کر لیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو ہم اس سے راحت مل جائے گی اور اگر نبی ہے تو اسے خبر دے دی جائے گی۔ اس پر آپ نے اسے معاف کر دیا۔

اس موقع پر آپ کے ساتھ حضرت بشر بن برادر بن معود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے ایک لفڑی کی  
دیاتھا جس کی وجہ سے ان کی مرٹ داقع ہو گئی۔

روایات میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا یا قتل کر دیا تھا۔ تبیق اس طرح  
وہی گئی ہے کہ پہلے تو آپ نے معاف کر دیا تھا لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی مرٹ داقع ہو گئی تو پھر قصاص کے طور  
پر قتل کر دیا۔<sup>۱۵</sup>

**جگہ خیر میں فرقیہن کے مقتولین** | خیر کے مختلف معروکوں میں گل مسلمان جو شہید ہوئے ان  
کی تعداد سولہ ہے۔ چار قریش سے، ایک قبیلہ اشیخ سے،  
ایک قبیلہ اسم سے، ایک اہل خیر سے، اور بقیہ انصار سے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان معروکوں میں کل ۶۰ مسلمان شہید ہوئے۔ علام منصور پوری نے ۹۰ الحا ہے۔  
پھر وہ لکھتے ہیں: ”ابی سیر نے شہدا نے خیر کی تعداد پندرہ لکھی ہے۔ مجھے تلاش کرتے ہوئے ۲۳ نام ملے...  
زنیف بن والکہ کا نام صرف واقدی نے اور زنیف بن حبیب کا نام صرف طبری نے لیا ہے۔ بشر بن برادر بن  
معود کا انتقال خاتم بیگ کے بعد زہر آلو گوشت کھانے سے ہوا جو نبی ﷺ کے لیے زینب بیوی نے  
بیجا تھا۔ بشر بن عبد المنذر کے بارے میں دو روایات ہیں (۱) بد مریں شہید ہوئے۔ (۲) جگہ خیر میں شہید ہوئے۔  
سیرے زدیک روایت اول تو ہے“<sup>۱۶</sup>

دوسرے فرقی یعنی یہود کے مقتولین کی تعداد ۹۳ ہے۔

**فڈک** | رسول اللہ ﷺ نے خیر پنج کو محیقہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے  
فڈک کے یہود کے پاس بھیج دیا تھا لیکن اہل فڈک نے اسلام قبول کرنے میں درکی۔ مگر جب  
اللہ نے خیر فتح فرمادیا تو ان کے دلوں میں رعب پڑ گیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی میں بھیج کر

جس دیکھتے زاد المعاویہ / ۱۴۰، فتح الباری / ۱۴۰، ۱۳۹ / ۲، اصل واقعہ صحیح البخاری میں طولًا اور مختصرًا دونوں طرح مردی ہے۔ دیکھتے  
ہیں ۱/۲-۳۲۹، ۴۱۰، ۸۹۰ نیز ابن ہشام / ۲، ۳۳۸۶۔ تکہ رحۃ تعالیٰ میں ۲۶۸ / ۲، ۲۶۹، ۰۲۰۔

اہل خیبر کے معاملہ کے مطابق فذک کی نصف پیداوار یعنی کی سڑا نظر پر مصالحت کی پیشکش کی۔ آپ نے پیشکش قبول کر لی اور اس طرح فذک کی سرز میں خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوئی تحریک مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اوٹ نہیں دوڑائے تھے بلکہ یعنی اسے بزوری شیر فتح نہیں کیا تھا۔

**وادی القرمی** | رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے تو وادی القرمی تشریف لے گئے۔ وہاں جب مسلمان وہاں آتے تو یہود نے تیروں سے استقبال کیا۔ وہ پہلے سے صفت بندی کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مارا گیا۔ لوگوں نے کہا اس کے لیے جنت مبارک ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے جنگ خیبر میں مالغہت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے جو چادر حپانی تھی وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ لوگوں نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد میا تو ایک آدمی ایک تمہریا و تسلیے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ایک تمہریا و تسلیے آگ کے ہیں۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے جنگ کے لیے صحابہ کرام کی ترتیب اور صفت بندی کی۔ پورے شکر کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے حوالے کیا۔ ایک پرجم حباب بن منذر کو دیا اور تمیرا پرجم عبادہ بن بشر کو دیا۔ اس کے بعد آپ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول نہ کیا اور ان کا ایک آدمی میدان جنگ میں اڑا۔ ادھر سے حضرت زیر بن عموم رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر وہ سرا آدمی نکلا۔ حضرت زین رضی اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایک آدمی میدان میں آیا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کے گیارہ آدمی مارے گئے۔ جب ایک آدمی مارا جاتا تو نبی ﷺ باقی یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔

اس دن جب نمازوں کا وقت ہوتا تو آپ صحابہ کرام کو نمازوں پڑھاتے۔ اور پھر ملپٹ کر یہود کے بال مقابلہ چلے جاتے اور انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت دیتے۔ اس طرح لڑتے لڑتے شام ہو گئی۔ دوسرے دن صبح آپ پھر تشریف لے گئے لیکن ابھی سورج نیڑو برابر بھی بلند نہ ہوا ہو گا کہ ان کے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے آپ کے حوالے کر دیا۔ یعنی آپ نے بزوری وقت فتح حاصل کی اور اللہ نے ان کے اموال آپ کو غنیمت میں دیے۔ صحابہ کرام کو بہت سارا ساز و سالمان ہاتھ آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے وادی القری میں چار روز قیام فرمایا اور جو مال غنیمت ہاتھ آیا اسے مُحَمَّد کرام پر تقسیم فرمادیا۔ البتہ زمین اور بھروسے کے ہاغات کو یہود کے ہاتھ میں رہنے دیا اور اس کے متعلق ان سے بھی (اہل خبر جیسا) معاملہ طے کر لیا۔<sup>۲۹</sup>

**تیہامہ** | تیہامہ کے یہودیوں کو جب خیر، فدک اور وادی القری کے باشندوں کے سپرانداز ہونے کی اطلاع میں تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی مجازارانی کا منظاہرہ کرنے کے بجائے از خود ادمی مسیح کر صلح کی پیش کش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیش قبول فرمائی اور یہ یہود اپنے نال و میان میں مقیم رہئے۔ اس کے متعلق آپ نے ایک تحریر بھی عنایت فرمادی تھی جو یہ تھی،

”یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے بنو عادیا کے لیے۔ ان کے لیے ذمہ ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ ان پر نہ زیادتی ہوگی نہ انہیں جلاوطن کیا جائے گا۔ رات معاون ہوگی اور دن پختگی بخش (یعنی یہ معاہدہ دائمی ہوگا) اور یہ تحریر خالد بن سعید نے لکھی۔“<sup>۳۰</sup>

**مدینہ کو واپسی** | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہی۔ واپسی کے دوران لوگ ایک وادی کے قریب پسچے تو بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے آپ پر زمی کرو، تم لوگ کسی بھرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ بلکہ اس سنتی کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور قریب ہے۔<sup>۳۱</sup>

نیز اثنائے راہ میں ایک بار رات بھر سفر چاری رکھنے کے بعد آپ نے اخیر رات میں راستے میں کسی جگہ پاؤ دہا اور حضرت بلال کو یہ تاکید کر کے سورہ ہے کہ ہمارے لیے رات پر نظر کھنار (یعنی صبح ہوتے ہی نماز کے لیے بیدار کر دینا)، لیکن حضرت بلال کی بھی آنکھ دگ گئی۔ وہ رپورٹ کی طرف منہ کر کے، اپنی سواری کے ساتھ نیک لگانے پڑھنے تھے کہ سو گئے۔ پھر کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ لوگوں پر دھوپ آگئی۔ اسکے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ پھر لوگوں کو بیدار کیا گیا، اور آپ اس وادی سے نکل کر کچھ آگے تشریف لے گئے۔ پھر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا۔<sup>۳۲</sup>

خیر کے معرکوں کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی واپسی یا تو دشمنوں کے صفر کے اخیر میں ہوئی تھی یا پھر دریں الافق کے مینے میں۔

**مسریہ ابی بن سعید** | نبی ﷺ سالروں سے سپہ سالاروں سے زیادہ اچھی طرح یہ بات جانتے تھے کہ حرام ہمینوں کے خاتمے کے بعد مدینہ کو مکمل طور پر خالی چھوڑ دینا تمدرا اور دُوراندشی کے باکل خلافت ہے، وگاس حائیکہ مدینہ کے گرد پیش ایسے بد مقیم ہیں جو لوٹ مارا اور ڈاکہ زدنی کے لیے مسلمانوں کی غفلت کے منظر رہتے ہیں۔ اسی لیے جن ایام میں آپ خیر تشریف لے گئے تھے ان ہی ایام میں آپ نے بدوفوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے ابی بن سعید رضی اللہ عنہ کی کمان میں بندگی جانب ایک سرتپیچھے دیا تھا۔ ابی بن سعید اپنا فرض ادا کر کے واپس آئے تو نبی ﷺ سے خبر ہیں ملاقات ہوئیں۔ اس وقت آپ خبر فتح فرم لے چکے تھے۔

انکب یہ ہے کہ یہ سری یہ صفرت ہے میں بھیجا گیا تھا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔ حافظ ابن حجر  
لکھتے ہیں کہ مجھے اس سری یہ کا حال معلوم نہ ہوا کہ یہ



## غزوہ ذات الرقائع (سکھ)

جب رسول اللہ ﷺ احزاب کے تین بازوں میں سے دمصبוט بازوں کو توڑ کر فارغ ہو گئے تو تیرے بازو کی طرف توجہ کا بھر پور موقع مل گیا۔ عسرا بازو وہ بُدد تھے جو نجد کے صحرا میں خمیز زن تھے اور رہ رہ کر لوٹ مار کی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔

چونکہ یہ بُدد کسی آبادی یا شہر کے باشندے نہ تھے اور ان کا قیام مکانات اور قلعوں کے اندر نہ تھا اس لیے اہل مکہ اور باشندگانِ خیبر کی بہ نسبت ان پر پوری طرح قابو پالیا اور ان کے شروع فساد کی آگ مکمل طور پر بچھادینا سخت دشوار تھا۔ لہذا ان کے حق میں صرف خوف زدہ کرنے والی تاریخی کارروائیاں ہی منسید ہو سکتی تھیں۔

چنانچہ ان بُدوں پر رعب و دبدبہ قائم کرنے کی غرض سے — اور بقول دیگر مدینہ کے اطراف میں چھاپ مارنے کے ارادے سے جمع ہونے والے بُدوں کو پاگزدہ کرنے کی غرض سے — نبی ﷺ نے ایک تاریخی حملہ فرمایا جو غزوہ ذات الرقائع کے نام سے معروف ہے۔

عام اہل معاذی نے اس غزوہ کا تذکرہ سکھ میں کیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کا زمانہ و قوع سکھ بتایا ہے۔ چونکہ اس غزوے میں حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے شرکت کی تھی، لہذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ، غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا تھا۔ (مہینہ غالباً ریس الاول کا تھا) کیونکہ حضرت ابو ہریرہ اس وقت مدینہ پہنچ کر حلقة بگوش اسلام ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ میں خیبر کے لیے مدینہ سے جا چکتے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ مسلمان ہو کر سیدھے خدمت نبوی ﷺ میں خیبر پہنچے اور جب پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ جیش سے اس وقت خدمت نبوی میں پہنچے تھے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ لہذا غزوہ ذات الرقائع میں ان دونوں صحابہ کی شرکت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد ہی کسی وقت پیش آیا تھا۔

اہل سیر نے اس غزوے کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ آثار یا بنو عطفان کی دو شاخوں بنی ٹعلبہ اور بنی محارب کے اجتماع کی خبر سن کر مدینہ کا انتظام

حضرت ابوذر یا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا اور جست چار سو یا سات سو صحابہ کرام کی میمت میں بلادِ سنجد کا رُخ کیا۔ پھر مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر مقامِ سخل پہنچ کر بنو عطفان کی ایک جماعت سے سامنا ہوا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ البتہ آپ نے اس موقع پر صلوٰۃ خوف (حالتِ جنگ والی نماز) پڑھائی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ملکے۔ ہم چھ آدمی تھے اور ایک ہی اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس سے ہمارے قدم چلنی ہو گئے۔ میرے بھی دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن جھٹگیا۔ چنانچہ ہم لوگ اپنے پاؤں پر چیھڑے پیٹیے رہتے تھے۔ اسی لیے اس کا نام ذات الرقاب (چیھڑوں والا) بڑا گیا۔ کیونکہ ہم نے اس غزوہ میں اپنے پاؤں پر چیھڑے اور پیاس باندھ اور پیٹ رکھی تھیں۔

اور صحیح بخاری ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ ہم لوگ ذات الرقاب میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ (دستوریہ تھا کہ) جب ہم کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تو میں نبی ﷺ کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ (ایک بار) نبی ﷺ نے پڑا ڈالا اور لوگ درخت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر کانتے دار درختوں کے درمیان بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے اترے اور اسی درخت سے توار لٹکا کر سو گئے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہمیں بس فلاں نہیں آئی تھی کہ اتنے میں ایک مشک نے اگر رسول اللہ ﷺ کی توار سوت لی اور بولا: "تم مجھ سے ڈرتے ہو؟" آپ نے فرمایا، نہیں۔ اس نے کہا: "تب تمیں مجھ سے کون بچاۓ گا؟" آپ نے فرمایا، اللہ —

حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہمیں اچانک رسول اللہ ﷺ پکار رہے تھے۔ ہم پہنچے تو دیکھا کہ ایک آغراہی آپ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں سویا تھا اور اس نے میری توار سوت لی۔ اتنے میں میں جاگ گیا اور سوتی ہوئی توار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا: "تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" میں نے کہا: "اللہ۔ تواب یہ وہی شخص بیٹھا ہوا ہے۔" پھر آپ نے اس سے انہمار غصہ نہ کیا۔

ابو عوانہ کی روایت میں اتنی تفصیل اور ہے کہ رجب آپ نے اس کے سوال کے جواب میں اللذ کہا تو توار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر وہ توار رسول اللہ ﷺ نے اٹھا لی اور فرمایا: "اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" اس نے کہا آپ اچھے پکارنے والے ہوئے (یعنی احسان کیجئے) آپ نے فرمایا: "تم

شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔“ اس نے کہا، ”میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آپ سے لڑائی نہیں کروں گا اور نہ آپ سے لڑائی کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے اس کی راہ چھوڑ دی اور اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا میں تمہارے یہاں سب سے اچھے انسان کے پاس سے آ رہا ہوں۔“

صحیح بخاری کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز کی اقامت ہبھی گئی اور آپ نے ایک گروہ کو دور کعت نماز پڑھائی۔ پھر وہ لوگ پیچے چلے گئے اور آپ نے دوسرے گروہ کو دور کعت نماز پڑھائی۔ اس طرح نبی ﷺ کی چار کعیتیں ہوتیں اور صحابہ کرام کی دو دور کعیتیں تھیں۔ اس روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے یہ نماز مذکورہ واقعہ کے بعد ہی پڑھی گئی تھی۔

صحیح بخاری کی روایت میں جسے صد فتنے ابو عوانہ سے اور انہوں نے ابو بشر سے روایت کیا ہے بتایا گیا ہے کہ اس آدمی کا نام غورث بن حارث تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ واقعی کے نزدیک اس واقعے کی تفصیلات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس اعرابی کا نام دعشور تھا اور اس نے اسلام قبول کر دیا تھا میکن واقعی کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الگ الگ دو واقعات تھے، جو دو الگ الگ غزوہوں میں پیش آتے تھے۔ واللہ اعلم

اس غزوہ سے واپسی میں صحابہ کرام نے ایک مشکل عورت کو گرفتار کر لیا۔ اس پر اس کے شوہرنے نذر مانی کردہ اصحاب محدث ﷺ کے اندر ایک خون بہا کر رہے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے مسلموں کی خلافت کے لیے دو آدمیوں یعنی عباد بن بشر اور عمر بن یاسر رضی اللہ عنہما کو پہر سے پر مأمور کر رکھا تھا۔ جس وقت وہ آیا حضرت عباد کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے اسی حالت میں ان کو تیر مارا، انہوں نے نماز توڑے بغیر تیر کال کر جھک دیا۔ اس نے دوسرा اور تیر مارا، لیکن انہوں نے نماز نہ توڑی اور سلام پھیر کر ہی فارغ ہوئے۔ پھر اپنے ساتھی کو جگایا۔ ساتھی نے (حالات جان کر) کہا، ” سبحان اللہ! آپ نے مجھے جگایوں نہ دیا؟“ انہوں نے کہا، ”میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا۔ گوارا نہیں کہ اسے دریبان میں چھوڑ دوں۔“<sup>۲</sup>

**نگ** دل اعراب کو مروعہ اور خوفزدہ کرنے میں اس غزوے کا بڑا اثر رہا۔ ہم اس غزوے کے بعد پیش

۲۔ مختصر السیرہ شیخ عبداللہ بن جدی ص ۴۴۳، نیز دیکھنے فتح الباری ۷/۱۶۴

تمہ صحیح بخاری اربیعہ، ۴۰۸، ۴۰۹، ۵۹۳/۲، ۵۹۳/۲ میں صحیح بخاری ۴/۲۸۰ فتح الباری ۷/۱۶۴

آنے والے سرایا کی تفصیلات پر تظرف دالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ عظفان کے ان قبائل نے اس غزوے کے بعد سراٹھانے کی جرأت نہ کی بلکہ ڈھیلے پڑتے پڑتے سپر انداز ہو گئے اور بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ حتیٰ کہ ان اعراب کے کئی قبائل ہم کو فتح مکہ اور غزوہ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں اور انہیں غزوہ حنین کے مال غنیمت سے حصہ دیا جاتا ہے۔ بفتح مکہ سے واپسی کے بعد ان کے پاس صدقات وصول کرنے کے لیے اسلامی حکومت کے عمل بھیجے جاتے ہیں اور وہ باقاعدہ اپنے صدقات ادا کرتے ہیں۔ غرض اس حکمت عملی سے وہ تینوں بازوں ٹوٹ گئے جو جنگِ خندق میں مدینہ پر حملہ آور ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے پورے علاقے میں امنِ سلامی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کے بعد بعض قبائل نے بعض علاقوں میں جوشور و غوغائی کیا اس پر مسلمانوں نے بڑی آسانی سے قابو پالیا، بلکہ اسی غزوے کے بعد بڑے بڑے شہروں اور ممالک کی فتوحات کا راستہ ہموار ہونا شروع ہوا کیونکہ اس غزوے کے بعد اندر وہن ملک حالات پوری طرح اسلام اور مسلمانوں کے لیے سازگار ہو چکے تھے۔

## شہر کے چند سرایا

اس غزوے سے واپس آگر رسول اللہ ﷺ نے شوال شہر تک مدینہ میں قیام فرمایا اور اس دوران متعدد سرایا روانہ کئے۔ بعض کی تفصیل یہ ہے،

۱- سریریہ قدید (صفر یا زیح الاول شہر) یہ سریریہ غالب بن عبد اللہ رضی کی کمان میں قدید کی جا جب قبیلہ بنی ملوح کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو ملوح نے بشر بن سُوئید کے رفقاء کو قتل کر دیا تھا اور اسی کے انتقام کے لیے اس سریریہ کی روانگی عمل میں آئی تھی۔ اس سریریہ نے رات کو چھاپہ مار کر بہت سے افراد کو قتل کر دیا اور ڈھور ڈنگر ہاہک لاتے پھر ان کا دشمن نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ تعاقب کیا لیکن جب مسلمانوں کے قریب پہنچے تو بارش ہونے لگی۔ اور ایک زبردست سیلاہ آگیا جو فریقین کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے بقیہ راستہ بھی سلامی کے ساتھ طے کر لیا۔

۲- سریریہ حسمی (جمادی الآخرہ شہر) اس کا ذکر شاہان عالم کے نام خطوط کے باب میں گزد چکلہ ہے۔

۳۔ سیرتہ تربیہ (شعبان شھ) یہ سریہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ تیس آدمی تھے جو رات میں سفر کرتے اور دن میں وپوش رہتے تھے لیکن بنو ہوازن کو پتا چل گیا اور وہ نکل بھاگے۔ حضرت عمرؓ ان کے علاقے میں پہنچے تو کوئی بھی نہ ملا اور وہ مدینہ پہنچ آتے۔

۴۔ سیرتہ اطراف فدک (شعبان شھ) یہ سریہ حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس آدمیوں کے ہمراہ بنو مرہ کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ حضرت بشیر نے ان کے علاقے میں پہنچ کر بھیڑ بکریاں اور چوپاتے ہاں کے لیے اور داپس ہو گئے۔ رات میں دشمن نے آیا۔ مسلمانوں نے جم کر تیراندازی کی لیکن بالآخر بشیر اور ان کے رفقاء کے تیرختم ہو گئے۔ ان کے ہاتھ خال ہو گئے اور اس کے نتیجے میں سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ صرف بشیر زندہ بچے۔ انہیں زخمی حالت میں اٹھا کر فدک لا دیا گیا اور وہ وہیں یہود کے پاس مقیم رہے۔ یہاں تک کہ ان کے زخم مندل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مدینہ آتے۔

۵۔ سیرتہ میفعتہ (رمضان شھ) یہ سریہ حضرت غالب بن عبد اللہ اللہ بن علی کی قیادت میں بنو عوال اور بنو عبد بن شعلہ کی تادیب کے لیے اور کہا جاتا ہے کہ قبلیہ جہیدیہ کی شاخ حرقات کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ مسلمانوں کی تعداد ایک سو تھی۔ انہوں نے دشمن پر اجتماعی حملہ کیا اور جس نے بھی سراٹھیا لے سے قتل کر دیا۔ پھر چوپاتے اور بھیڑ بکریاں ہاں ک لائے۔ اسی سریہ میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس کو لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا تھا اور اس پر نبی ﷺ نے بطور عتاب فرمایا تھا کہ تم نے اسکا دل جیپ کر کیوں نہ معلوم کر لیا کہ وہ سچا تھا یا بھوٹا ہے۔

۶۔ سیرتہ خبریہ (شووال شھ) یہ سریہ تیس سواروں پر مشتمل تھا اور حضرت عبد اللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا گیا تھا۔ ہوایہ کہ اسیر پا بشیر بن رذام بن عظیمان کو مسلمانوں پر چڑھاتی کرنے کے لیے جمع کر رہا تھا مسلمانوں نے اسی کو یہ امید دلا کر کہ رسول اللہ ﷺ اسے خبر کا گورنر بناؤں گے، اس کے تیس رفقاء سمیت اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن قرقہ نیار پہنچ کر فریقین میں بدگمانی پیدا ہو گئی جس کے نتیجے میں اسیر اور اس کے تیس ساتھیوں کو لڑائی میں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

۷۔ سیرتہ میمن وجبار (شووال شھ) جبار کی جسم پر زبر ہے۔ یہ بنو عظیمان، اور کہا جاتا ہے کہ بنو فزارہ اور بنو عذرہ کے علاقہ کا نام ہے۔ یہاں حضرت بشیر بن

کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو تین مسلمانوں کی معیت میں روانہ کیا گیا۔ مقصود ایک بڑی جمیعت کو پرائنڈہ کرنا تھا جو مدینہ پر حملہ اور ہونے کے لیے جمع ہو رہی تھی۔ مسلمان راتوں رات سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ جب دشمن کو حضرت بشیر کی آمد کی خبر ہوتی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت بشیر نے بہت سے جانوروں پر قبضہ کیا۔ دوآدمی بھی قید کیے اور جب ان دونوں کو لے کر خدمتِ نبی ﷺ میں مدینہ پہنچے تو دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

**۸- سہرینہ عنابہ** | اسے امام ابن قیم نے عمرہ قضاۓ قبل شہر کے سرایا میں شمار کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبلہ جسم بن معاویہ کا ایک شخص بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر غائب آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ بزرگی کو مسلمانوں سے لٹانے کے لیے جمع کرے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابو عذر د کو صرف دو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ حضرت ابو عذر د نے کوئی ایسی جنگی حکمت عملی اختیار کی کہ دشمن کو شکست فاش ہوتی اور وہ بہت سے اونٹ اور بھیر پکریاں ہائک لائے۔



## عُمْرَةِ قَضَاءٍ

امام حاکم کہتے ہیں: یہ خبر تو اتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ذی قعده کا چاند ہو گیا تو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اپنے عمرہ کی قضاء کے طور پر عمرہ کریں اور کوئی بھی آدمی جو حدیبیہ میں حاضر تھا پیچے نہ رہے۔ چنانچہ (اس مدت میں) جو لوگ شہید ہو پکے تھے انہیں چھوڑ کر بقیہ سب ہی لوگ روانہ ہوئے اور اہل حدیبیہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کرنے کے لیے ہمراہ نکلے۔ اس طرح تعداد دو ہزار ہو گئی، عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ابو حم خفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ ساتھ اونٹ ساتھ لیے اور ناہجیہ بن جذب اسلامی کو ان کی دیکھ بھال کا کام سونپا۔ ذوال الحیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور بیک کی صدارگانی۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی بیک پکارا اور قریش کی جانب سے بد عہدی کے اندریشے کے سبب ہتھیار لیکر جنگجو افراد کے ساتھ متعدد ہو کر نکلے۔ جب دادی یا نجیب پہنچے تو سارے ہتھیار یعنی ڈھال، پیر، تیر، نیز سے سب رکھ دیے اور ان کی خاطفت کے لیے اوس بن خلی انصاری رضی اللہ عنہ کی تھتی میں دو سو آدمی وہیں چھوڑ دیے اور سوار کا ہتھیار یعنی میان میں رکھی ہوتی تواریں لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نکل میں دافٹے کے وقت اپنی قصوا نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ مسلمانوں نے تواریں حائل کر رکھی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لیے ہوئے بیک پکار رہے تھے۔

مشرکین مسلمانوں کا تماشا دیکھنے کے لیے (گھروں سے) نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقان پر (جای بیٹھتے) انہوں نے اپس میں باہمیں کرتے ہوئے کہا تھا کہ تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آرہی ہے جسے یہ رب کے سخار نے توڑ دالا ہے اس لیے نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ پہلے میں چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکن یمانی اور جھر اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گز ریں۔ گل (ساتوں) چکر دوڑ کر گانے کا حکم محض اس لیے نہیں دیا کہ رحت و شفقت مقصود تھی۔ اس حکم کا نشانہ یہ تھا کہ مشرکین آپ کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ اس کے علاوہ آپ نے صحابہ کرام کو اضطیاب کا بھی حکم دیا تھا۔ اضطیاب کا مطلب یہ ہے کہ دایاں

کندھا کھلار کیس (اور چادر داہنی بفل کے نیچے سے گزار آگے پیچے دونوں جانب سے) اس کا درست کنارہ بائیں کندھے پر ڈال لیں۔

رسول اللہ ﷺ کے میں اس پہاڑی گھائی کے راستے سے داخل ہوتے جو جون پر نکلتی ہے۔ مشرکین نے آپ کو دیکھنے کے لیے لائن لگا کر کی تھی۔ آپ سل بیک کہہ رہے تھے، یہاں تک (عمر بن چکر)، اپنی چھٹری سے جو راسوں کو چھوا، پھر طواف کیا۔ صاحبہ نے بھی طواف کیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن احمد رضی اللہ عنہ تواریخ اس کے آگے چل رہے تھے اور رجڑ کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

خَلَا بَنِ الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ	خَلَا فَكِلَ الخَيْرَ فِي رَسُولِهِ
قَدْ أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ فِي تَنْزِيلِهِ	فِي صَحْفٍ تَسْتَلِي عَلَى رَسُولِهِ
يَا رَبِّ افِ مُؤْمِنٍ بِقَسِيلِهِ	إِنِّي رَأَيْتُ الْحَقَّ فِي قَبْوِلِهِ
بَانِ خَيْرِ الْقَتْلِ فِي سَبِيلِهِ	الْيَوْمَ نَصْرِكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ
ضَرِبَ مِيزِيلُ الْهَامِ عَنْ مَقِيلِهِ	وَيَذْهَلُ الْغَلِيلُ عَنْ خَلِيلِهِ

”کفار کے پتو! ان کا راستہ چھوڑ دو۔ راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اس کے پیغمبر ہی میں ہے۔ رحمان نے اپنی تنزیل میں اٹا رہے۔ یعنی ایسے صحیفوں میں جن کی تلاوت اس کے پیغمبر پر کی جاتی ہے۔ اسے پروردگار! میں ان کی بات پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے قبول کرنے ہی کو حق جانتا ہوں۔ کہ ہترن قتل وہ ہے جو اللہ کی راہ میں ہو۔ آج ہم اس کی تنزیل کے مطابق تمہیں ایسی مار ماریں گے کہ کھوڑی اپنی بلگہ سے چھک جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”لے ابن رواحہ! تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر کہہ رہے ہو؟“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لے عمر! انہیں رہنے دو کیونکہ یہ ان کے لیے تیر کی مار سے بھی زیادہ تیرز ہے۔“ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے تین چکر دڑ کر لگائے۔ مشرکین نے دیکھا تو کہنے لگے، یہ لوگ جن کے متعلق ہم سمجھ رہے تھے کہ بخار نے انہیں توڑ دیا ہے یہ تو ایسے اور ایسے لوگوں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔

---

لئے روایات کے اندر ان اشعار اور ان کی ترتیب میں بڑا اضطراب ہے۔ ہم نے متفق اشعار کو لیجا کر دیا ہے۔

۶۔ جامع ترمذی، ابواب الاستیزان والادب، باب ما جاء فی انشاد الشیر ۱۰/۴۔ لئے صحیح مسلم ۱/۳۱۶۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ نے صفائی مروہ کی سمی کی۔ اس وقت آپ کی ہدی یعنی قربانی کے جانور مروہ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ نے سمی سے فارغ ہو کر فرمایا: یہ قربان گاہ ہے اور کتنے کی ساری گلیاں قربان گاہ ہیں۔ اس کے بعد مروہ ہی کے پاس جانوروں کو قربان کر دیا۔ پھر وہیں سرمنڈایا۔ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو یا زنجی صحیح دیا گیا کہ وہ ہم تھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ حفاظت پر مأمور تھے وہ آگر اپنا عمرہ ادا کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تین روز قیام فرمایا۔ چوتھے دن صبح ہوئی تو مشرکین نے حضرت علیؓ کے پاس آگر کہا؟ اپنے صاحب سے کہو کہ ہمارے یہاں سے روانہ ہو جائیں کیونکہ مدت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل آئے اور مقام سرف میں اُتر کر قیام فرمایا۔

مکہ سے آپ کی روانگی کے وقت پیچھے پیچھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بھی چھا چھا پکارتے ہوئے آگئیں۔ انہیں حضرت علیؓ نے لے لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت جعفرؑ اور حضرت زیدؑ کے درمیان ان کے متعلق اختلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ (ہر ایک مدعی تھا کہ وہی ان کی پورش کا زیادہ حقدار ہے) نبی ﷺ نے حضرت جعفرؑ کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ اس بھی کی خالہ انہیں کی زوجیت میں تھی۔

اسی عمر کے سفر میں نبی ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارث عامریہ سے شادی کی۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کہ پہنچنے سے پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے حضرت میمونہ کے پاس بھیج دیا تھا اور انہوں نے اپنا معاملہ حضرت عباس کو سونپ دیا تھا۔ کیونکہ حضرت میمونہ کی بہن حضرت ام لفضلؓ انہیں کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت عباسؓ نے حضرت میمونہ کی شادی نبی ﷺ سے کر دی پھر اپنے کے سے واپسی کے وقت حضرت ابوذرؑ کو پیچھے چھوڑ دیا کہ وہ حضرت میمونہ کو سوار کر کے آپ کی خدمت میں لے آئیں۔ چنانچہ آپ سرف پہنچنے تو وہ آپ کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔

اس عمرہ کا نام عمرہ قضا یا تو اس لیے پڑا کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا یا اس لیے کہ یہ حدیبیہ میں طے کردہ صلح کے مطابق کیا گیا تھا۔ (اور اس طرح کی مصاحت کو عربی میں قضا اور مقاضاتہ کہتے ہیں) اس دوسری وجہ کو محققین نے راجح قرار دیا ہے۔ نیز اس عمرہ کو چار نام سے یاد کیا جاتا ہے! عمرہ قضا، عمرہ قضا، عمرہ قصاص اور عمرہ صلح۔

## چند اور سرائیا

۱- سریہ ابوالوجاء (ذی الحجه) رسول اللہ ﷺ نے پچاس آدمیوں کو حضرت ابوالوجاء کی سرگردی میں بنو سینم کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا لیکن جب بنو سینم کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ تم جس بات کی دعوت دیتے ہو، میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے سخت روای کی جس میں ابوالوجاء زخمی ہو گئے تاہم مسلمانوں نے شمن کے دو آدمی قید کئے۔

۲- سریہ غالب بن عبد اللہ (صفر) حضرت بشیر بن سعد کے رفقاء کی شہادت گاہ میں بھجا گیا تھا۔ ان لوگوں نے شمن کے جانوروں پر قبضہ کیا اور ان کے متعدد افراد قتل کئے۔

۳- سریہ ذات الظلح (ربیع الاول) اس سریہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنو قضاudem نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بڑی جمیعت فراہم کر رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے کعب بن عیرضی اللہ عنہ کی سرگردی میں صرف پندرہ صحابہ کرام کو ان کی جانب روانہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے سامنا ہونے پر انہیں اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے ان کو تیروں سے چلنی کر کے سب کو شہید کر دالا۔ صرف ایک آدمی زندہ بچا جو مقتولین کے درمیان سے اٹھا لایا گیا۔

۴- سریہ ذات عرق (ربیع الاول) اس کا دافع یہ ہے کہ بنو ہوازن نے بار بار شمنوں کو لک پہنچائی تھی اس لیے پچیس آدمیوں کی کمان دے کر حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ شمن کے جبا اور ہانک لاتے لیکن جنگ اور چڑپہ چڑپہ کی نوبت نہیں آئی۔



## معرکہ موت

موت (میم پیش اور داوساکن) اردن میں بلقاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے جہاں سے بیت المقدس دو دن کی مسافت پر واقع ہے۔ زیرِ بحث معرکہ میں پیش آیا تھا۔

یہ سب سے بڑا خوزینہ معرکہ تھا جو مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیش آیا اور یہی معرکہ عیاذی مالک کی فتوحات کا پیش نیمہ ثابت ہوا۔ اس کا زمانہ وقوع جادی الاولی شہزادہ مطابق اگست یا ستمبر ۱۲۹ھ ہے۔

**معرکہ کا سبب** | اس معرکہ کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث بن عُسَيْرَ ازْدِی رضی اللہ عنہ کو اپنا خطوے کر حاکم بصری کے پاس روانہ کیا تو انہیں قیصرِ روم کے گورنر شرمیل بن عمر غافلی نے جو بلقاء پر مأمور تھا گرفتار کر لیا اور مصیبوطی کے ساتھ باندھ کر ان کی گزینہ مار دی۔ یاد رہے کہ سفیروں اور فاصدوں کا قتل نہایت بدترین جرم تھا جو اعلانِ جنگ کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سمجھا جاتا تھا، اس لیے جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی تو آپ پر یہ بات سخت گران گزدی اور آپ نے اس علاقہ پر فوج کشی کے لیے مین ہزار کاشکر تیار کیا۔ اور یہ سبے بڑا اسلامی شکر تھا جو اس سے پہلے جنگ احراب کے علاوہ کسی اور جنگ میں فراہم نہ ہو سکا تھا۔

**لشکر کے امراء اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت** | رسول اللہ ﷺ نے اس شکر کا سپہ سالار حضرت زید بن حارث

رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر زید قتل کر دیے جائیں تو جعفر اور جعفر قتل کر دیے جائیں تو عبد الدین واحد سپہ سالار ہوں گے۔ آپ نے لشکر کے لیے سفید پوچم باندھا اور اسے حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ لشکر کو آپ نے یہ وصیت بھی فرمائی کہ جس مقام پر حضرت حارث بن عسیر رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے تھے وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر، ورنہ اللہ سے مدد مانگیں اور لڑائی کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر

کرنے والوں سے غزدہ کرو۔ اور دیکھو بد عہدی نہ کرنا، نیانت نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور اتنی اُمُر زیدہ بذہ ہے کو اور گر جے میں رہنے والے تارک الدنيا کو قتل نہ کرنا۔ بھجوڑ اور کوئی اور درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔

**اسلامی شکر کی رو انگلی اور حضرت عبد اللہ بن رواحد کا گردیہ** | جب اسلامی شکر و انگلی کے لیے تیار ہو گیا تو لوگوں نے آئا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقررہ پہ سالاروں کو الوداع کہا اور سلام کیا۔ اس وقت ایک سپہ سالار حضرت عبد اللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا اما آپ کیوں رو رہے ہیں ؟ انہوں نے کہا : دیکھو، خدا کی قسم (اس کا بسب) دُنیا کی محبت یا تمہارے ساتھ میراً علق خاطر نہیں ہے بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کتاب اللہ کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنائے جس میں جہنم کا ذکر ہے، آیت یہ ہے :

وَإِنْ قِنْكُهُ إِلَّا وَارِدُهَا<sup>١١١٩١</sup> كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتَّىٰ مَقْضِيَّاً ○  
”تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ تمہارے رب پر ایک لازمی اور فیصلہ کی ہوتی بات ہے۔“

میں نہیں جانتا کہ جہنم پر وارد ہونے کے بعد کیسے پڑتے ہوں گا یہ مسلمانوں نے کہا، اللہ سلامتی کے ساتھ آپ لوگوں کا ساتھی ہو، آپ کی طرف سے دفاع کرے اور آپ کو ہماری طرف نیکی اور غنیمت کے ساتھ واپس لاسے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحد نے کہا :

لکنني اسئل الرحل مغفرة و ضربة ذات قفع تقدف الزيدا  
او طعنۃ بسیدی حران مجھزۃ بعرۃ تنفذ الاخشاء والکبداء  
حتی یقال اذا مروا على جدثی یا ارشد الله من غاز وقد رشدا

”لیکن میں رحمن سے مغفرت کا، اور استخوان شکن، مغز پاش تلوار کی کاٹ کا، یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں، آنٹوں اور جگر کے پار اتر جانے والے نیزے کی ضرب کا سوال کرتا ہوں تاکہ جب لوگ میری قبر پر گزریں تو کہیں ہاتے وہ غازی جسے اللہ نے ہدایت دی اور جو ہدایت یافتہ رہا۔“

اس کے بعد شکر روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی مشایعت کرتے ہوئے شنید الوداع تک

تشریف لے گئے اور وہیں سے اسے الوداع کہا۔

## اسلامی شکر کی پیش رفت اور خوفناک ناگہانی حالت سے سابقہ

اسلامی شکر شمال کی طرف بڑھتا ہوا معان پہنچا۔ یہ مقام شمالی حجاز سے متصل شامی (اردنی) علاقے میں واقع ہے۔ یہاں شکر نے پڑا وڈا لا اور وہیں جاؤں نے اطلاع پہنچائی کہ ہر قل قیصرِ موم بلقدہ کے علاقے میں آب کے مقام پر ایک لاکھ روپیوں کا شکر کے کر خیمه زن ہے اور اس کے جنڈے تک لخم و جذام، بلقین و بہرا اور بلی (قبائل عرب) کے مزید ایک لاکھ افراد بھی جمع ہو گئے ہیں۔

## معان میں مجلسِ شوریٰ

مسلمانوں کے حساب میں سرے سے یہ بات تھی ہی نہیں کہ انہیں کسی ایسے شکر جزار سے سابقہ پیش آئے گا جس سے وہ اس دُور دراز سر زمین میں یکدم اچاک دوچار ہو گئے تھے۔ اب ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا تین ہزار کا ذرا جتنا شکر دو لاکھ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوتے سمندر سے ٹکرایا کرے ہے مسلمان ہیزان تھے اور اسی ہیزان میں معان کے اندر دو راتیں غور اور مشورہ کرتے ہوتے گزار دیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو لاکھ کر شمن کی تعداد کی اطلاع دیں۔ اس کے بعد یا تو آپ کی طرف سے مزید لگ کٹے گی، یا اور کوئی حکم ملے گا اور اس کی تعییں کی جائے گی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی مخالفت کی اور یہ کہہ کر لوگوں کو گرمادیا کر دو گو! خدا کی قسم، جس چیز سے آپ کترار ہے ہیں یہ تو دہی شہادت ہے جس کی طلب میں آپ نکلے ہیں۔ یاد رہے دشمن سے ہماری لڑائی تعداد، قوت اور کثرت کے بل پر نہیں ہے بلکہ ہم مخصوص اس دن کے بل پر لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہیں مشرف کیا ہے۔ اس لئے چلنے آگے بڑھنے ہیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی حاصل ہو کر رہے گی۔ یا تو ہم غالب آئیں گے یا شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ بالآخر حضرت عبداللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہوئی بات ملے پا گئی۔

## دشمن کی طرف اسلامی شکر کی پیش قدمی

غرض اسلامی شکر نے معان میں دو راتیں گزارنے کے بعد دشمن کی جانب پیش قدمی کی اور بلقاء کی ایک بستی میں جس کا نام "مکارف" تھا ہر قل کی فوجوں سے اس کا سامنا ہوا۔ اس کے بعد دشمن

مزید قریب آگیا اور مسلمان "مorte" کی جانب سمت کر خیمه زن ہو گئے۔ پھر شکر کی جنگی ترتیب فائم کی گئی۔ میمنہ پر قطبہ بن قادہ عذری مقرر کئے گئے اور میسرہ پر عبادہ بن ماک انصاری رضی اللہ عنہ۔

## جنگ کا آغاز اور سپہ سالاول کی میکے بعد ویگرے شہادت | اس کے بعد موت ہی میں فریقین

کے درمیان لگراو ہوا اور نہایت تنخ لڑائی شروع ہوئی۔ تمیں ہزار کی نفری دولاکہ مددی دل کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ عجیب دغیرہ مرکہ تھا؛ دنیا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی لیکن جب ایمان کی باد بیماری چلتی ہے تو اسی طرح کے عجائبات ظہور میں آتے ہیں۔

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے چیختے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا اور اسی بے جگری سے لڑے کہ اسلامی شہبازوں کے علاوہ کہیں اور اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ لڑتے رہے، لڑتے رہے یہاں تک کہ شمن کے نیزوں میں گتھ گئے اور جام شہادت نوش فرمادا کہ زمین پر آرہے۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ انہوں نے لپک کر جنڈا اٹھایا اور پس نظیر جنگ شروع کر دی۔ جب لڑائی کی شدت شباب کو پہنچی تو اپنے سُرخ دسیاہ گھوڑے کی پشت سے کو دپٹے۔ کوچیں کاٹ دیں اور دار پر واکر کتے اور روکتے رہے یہاں تک کہ شمن کی ضرب سے داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اسے مسلسل بلند کھایا۔ تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر دونوں باقیمانہ بازوؤں سے جنڈا آگوش میں لے لیا اور اس وقت تک بلند کھا جب تک کہ خلعت شہادت سے سرفراز نہ ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روئی نے ان کو ایسی توار ماری کہ ان کے دمکڑے ہو گئے۔ اللہ نے انہیں ان کے دونوں بازوؤں کے عوض جنت میں دو بازو عطا کئے جن کے ذریعہ وہ جہاں چاہتے ہیں اُڑتے ہیں۔ اسی لیے ان کا القب جعفر طیار اور جعفر دو الجناحین پڑ گیا۔

(طیار متنی اڑنے والا اور دو الجناحین متنی دو بازوؤں والا)

امام بخاری نے نافع کے داستے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان روایت کیا ہے کہ میں نے جنگ موتہ کے روز حضرت جعفر کے پاس جنگ وہ شہید ہو چکے تھے، کھڑے ہو کر ان کے جسم پر نیزے اور توار کے پچاپ زخم شمار کئے، ان میں سے کوئی بھی زخم پچھے نہیں لگا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس طرح مردی ہے کہ میں بھی اس غزدے

میں مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ ہم نے حضرت بن ابی طالب کو تلاش کیا تو انہیں مقتولین میں پایا اور ان کے جسم میں نیزے اور تیر کے نوٹ سے زیادہ زخم پائے۔ نافع سے عمری کی روایت میں آتنا اور اضافہ ہے کہ ”ہم نے یہ سب زخم ان کے جسم کے الگ حصے میں پائے۔“

اس طرح کی شجاعت و بالات سے بھر پور جنگ کے بعد جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیئے گئے تو اب حضرت عبد اللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ نے پرچم اٹھایا اور اپنے لھوڑے پر سوار آگئے بڑھے اور اپنے آپ کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے لگے، لیکن انہیں کسی قدر چکچاہٹ ہوئی، حتیٰ کہ تھوڑا سا گز بھی کیا۔ لیکن اس کے بعد ہٹنے لگے :

اَقْسَمْتُ يَا نَفْسِي لِتَنْزِيلِنِهِ سَارِهَةً اوَلَى تَطْساً وَعَنْهِ

اَنْ أَجْلِبَ النَّاسَ وَشَدِّدَ الْرِّبَّةَ مَالِ اِرَاكَ تَكْرَهُ مِنَ الْجَنَّةِ

”لے نفس قسم ہے کہ تو ضرور مقابل اُتر، خواہ ناگواری کے ساتھ خواہ خوشی خوشی، اگر لوگوں نے جنگ برپا کر رکھی ہے اور نیزے تاں رکھے ہیں تو میں تجھے کیوں جنت سے گریزان دیکھ رہا ہوں۔“

اس کے بعد وہ مقابل میں اُتر آئے۔ اتنے میں ان کا چھپرا بھائی ایک گشت لگی ہوئی ہڈی لے آیا اور پولا، اس کے ذریعہ اپنی پیٹھ مضمبوط کر لو کیونکہ ان دونوں تمہیں سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ انہوں نے ہڈی لے کر ایک بار فوجی پھر پھینک کر توار تھام لی اور آگئے بڑھ کر راستے راستے شہید ہو گئے۔

جَهَنَّمُ، اللَّهُ كَيْ تَلَوَارُوْلِ مِنْ سَعَيْدِهِ اَيْكَ تَلَوَارَ كَهْ تَهْمِيْنِ | بَنُو عَجَلَانَ كَهْ ثَابَتِ

بن ارق نامی ایک صحابی نے لپک کر جہنم اٹھایا اور فرمایا، مسلمانوں اپنے کسی آدمی کو سپہ سالار بنانا لو۔

صحابہ نے کہا، آپ ہی یہ کام انجام دیں۔ انہوں نے کہا، میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔ اس کے بعد صحابہ نے

حضرت خالد بن ولید کو منتخب کیا اور انہوں نے جہنم ایتھے ہی نہایت پُر زور جنگ کی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ جنگ موت کے روز میرے ہاتھ میں نو تلواریں

ٹوٹ گئیں۔ پھر میرے ہاتھ میں صرف ایک مینی بانا (چھوٹی سی تلوار) باقی بچا۔ اور ایک دسری روایت میں اُن کا بیان اس طرح مردی ہے کہ میرے ہاتھ میں جنگ موت کے روز نو تلواریں ٹوٹ گئیں اور ایک

۷۱۱/۲

شہ فتح الباری، ۱۴/۱۵ بظاہر دونوں حدیث میں تعداد کا اختلاف ہے۔ تطبیق یہ دی گئی ہے کہ تیروں کے زخم شامل کر کے تعداد بڑھ جاتی ہے۔ (ویکھیے فتح الباری) شہ صحیح بخاری، باب غزوہ موت من ارض الشام ۷۱۱/۲

یمنی بانامیرے ہاتھ میں چپک کر رہ گیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے جنگ مورثہ ہی کے روز جبکہ ابھی میدان جنگ سے کسی قسم کی اطلاع نہیں آئی تھی وحی کی بنار پر فرمایا کہ جہنڈا ازیڈ نے لیا، اور وہ شہید کر دیے گئے پھر حضرت نے لیا، وہ بھی شہید کر دیے گئے پھر اپنی رواح نے لیا، اور وہ بھی شہید کر دیے گئے۔ اس دوران آپ کی انکھیں اشکبار تھیں۔ یہاں تک کہ جہنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا (اور ایسی جنگ لڑی کر) اللہ نے ان پر فتح عطا کی۔

**خاتمة جنگ**

انہائی شجاعت و بسالت اور زبردست جاں بازی و جاں سپاری کے باوجود یہ بات انہائی تعجب انگیز تھی کہ مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا شکر رُدمیوں کے اس لشکرِ جرار کی طوفانی ہڑوں کے سامنے ڈمارہ جلتے ہیں اس نازک مرحلے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اس گرداب سے نکالنے کے لیے جس میں وہ خود کو دپڑے تھے، اپنی مہارت اور کمال ہنرمندی کا مظاہرہ کیا۔ روایات میں بڑا اختلاف ہے کہ اس معمر کے کا آفری انعام کیا ہوا۔ تمام روایات پر نظر ڈالنے سے صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنگ کے پہلے روز حضرت خالد بن ولید دن بھر رُدمیوں کے مقابل ڈٹے رہے، لیکن وہ ایک ایسی جنگی چال کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جس کے ذریعہ رُدمیوں کو مروعہ کر کے اتنی کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کو پیچھے ہٹا لیں کہ رُدمیوں کو تعاقب کی ہمت نہ ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر مسلمان بھاگ کھڑے ہوتے اور رُدمیوں نے تعاقب شروع کر دیا تو مسلمانوں کو ان کے پیچے سے بچانا سخت مشکل ہو گا۔

چنانچہ جب دوسرے دن صبح ہوئی تو انہوں نے لشکر کی ہمیت اور وضع تبدیل کر دی اور اس کی ایک نئی ترتیب قائم کی۔ مقدمہ (اگلی لائن) کو ساقہ (چھپلی لائن) اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ رکھ دیا، اور مینہ کو میسرہ اور میسرہ کو مینہ سے بدل دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر دشمن چونک گیا اور کہنے لگا کہ انہیں لگک پنج گئی ہے۔ بغرض رُومی ابتدائی میں مرعوب ہو گئے۔ ادھر جب دونوں لشکروں کا آنا سامنا ہوا اور کچھ دیر تک جھرپ ہو چکی تو حضرت خالد نے اپنے لشکر کا نظام محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹانا شروع کیا لیکن رومیوں نے اس خوف سے ان کا پیچانہ کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں اور کوئی چال چل کر انہیں صحرا کی پہنائیوں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے علاقے میں واپس ملا گیا اور مسلمانوں کے

تعاقب کی بات نہ سوچی۔ ادھر مسلمان کامیابی اور سلامتی کے ساتھ پیچھے ہٹئے اور پھر خوزیں والپس آگئے۔

**فریقین کے مقتولین** | اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوتے۔ رویوں کے مقتولین کی تعداد کا علم نہ ہوا سکا۔ البتہ جنگ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی تعداد میں مارے گئے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب تہا حصہ خالد کے ہاتھ میں ذکواریں ٹوٹ گئیں تو مقتولین اور زخمیوں کی تعداد کتنی رہی ہوگی۔

**اس معرکے کا اثر** | اس معرکے کی سختیاں جس انتقام کے لیے جیلی گئی تھیں مسلمان اگرچہ

وہ انتقام نہ لے سکے، لیکن اس معرکے نے مسلمانوں کی ساکھ اور شہرت میں بڑا اضافہ کیا۔ اس کی وجہ سے سارے عرب انگشت بدندار رہ گئے۔ کیونکہ رومی اس وقت رہتے تھے میں پر سب سے بڑی قوت تھے۔ عرب سمجھتے تھے کہ ان سے مگر ان خود کشی کے متراوٹ ہے۔ اس لیے تین ہزار کی فرا جتنی نفری کا دلاکھ کے بھاری بھرم لشکر سے مگر اک کوئی قابل ذکر نقصان اٹھاتے بغیر واپس آ جانا عجوبہ روزگار سے کم نہ تھا۔ اور اس سے یہ حقیقت بڑی پختگی کے ساتھ ثابت ہوتی تھی کہ عرب اب تک جس قسم کے لوگوں سے واقف اور آشنا تھے، مسلمان ان سے الگ تھا۔ ایک دوسرا ہی طرز کے لوگ ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے مُؤید و منصور ہیں اور ان کے راہنماء واقعۃ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صدی قبل جو مسلمانوں سے مسلسل برسر پر کار رہتے تھے، اس معرکے کے بعد اسلام کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ بنو سیلم، اشحع، عطفان، ذییان اور فزارہ وغیرہ قبل نے اسلام قبول کر لیا۔

یہی معرکہ ہے جس سے رویوں کے ساتھ خوزیں مکر شروع ہوتی جو آگے چل کر دوسری ممالک کی فتوحات اور دُور دراز علاقوں پر مسلمانوں کے اقتدار کا پیش خیر ثابت ہوتی۔

**سریّہ ذات الشلاسل** | جب رسول اللہ ﷺ کو معرکہ خوزیں کے سلسلے میں شارف شام کے

اندر رہنے والے عرب قبل کے موقف کا علم ہوا کہ وہ مسلمانوں سے اڑنے کے لیے رویوں کے جنڈ سے تلبے جمع ہو گئے تھے تو آپ نے ایک ایسی حکمت بالغہ کی ضرورت محسوس کی جس کے ذریعے ایک طرف تو ان عرب قبل اور رویوں کے درمیان تفرقہ پڑ جائے اور دوسری طرف خود مسلمانوں سے ان کی دوستی ہو جائے تاکہ اس علاقے میں دوبارہ آپ کے خلاف اتنی بڑی جمیعت نہ رہے۔

۱۴ دیکھئے فتح الباری ۱/۱۵۶، ۱/۱۳، ۱/۱۲، زاد المعاد ۲/۱۵۶، معرکے کی تفصیل سابقہ مآخذ سمیت ان دونوں مأخذ سے لی گئی ہے۔

نہ ہو سکے۔

اس مقصد کے لیے آپ نے حضرت عمر بن عاصِ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی دادی قبلیہ بیل سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے جنگ موت کے بعد ہی یعنی جمادی الآخرہ ۶ھ میں ان کی تالیف قلب کے لیے حضرت عمر بن عاصِ رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب روانہ فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ بنو قضاعہ نے اطرافِ مدینہ پر ہٹر بولنے کے ارادہ سے ایک نفری فراہم کر رکھی ہے لہذا آپ نے حضرت عمر بن عاصِ کو ان کی جانب روانہ کیا۔ ممکن ہے دونوں سبب اکٹھا ہو گئے ہوں۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن عاصِ کے لیے سفید جنڈا باندھا اور اس کے ساتھ کالی جنڈیاں بھی دیں اور ان کی کمان میں بڑے بڑے مہاجرین و انصار کی تین سو نفری دے کر انہیں رخصت فرمایا۔ ان کے ساتھ تیس گھوڑے بھی تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ بیل اور عذرہ اور بلقین کے جن لوگوں کے پاس سے گزریں ان سے مدد کے خواہیں ہوں۔ وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو پچھے رہتے تھے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کی جمعیت بہت بڑی ہے۔ اس لیے حضرت عمر نے حضرت رافع بن کیث جہنی کو لگ کر طلب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو علم دے کر ان کی سرکردگی میں دوسروں جوں کی لگ کر روانہ فرمائی۔ جس میں روساد مہاجرین مثلاً ابو بکر و عمر اور سردار انصار بھی تھے۔ حضرت ابو عبیدہ کو حکم دیا گیا تھا کہ عمر بن عاص سے جاتیں اور دونوں مل کر کام کریں، اختلاف نہ کریں۔ وہاں پہنچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرنی چاہی لیکن حضرت عمر نے کہا آپ میرے پاس لگ کے طور پر آتے ہیں امیر میں ہوں۔ ابو عبیدہ نے ان کی بات مان لی اور نماز حضرت عمر نے پڑھاتے رہے۔

لگ کر آجائنے کے بعد یہ فوج مزید آگے بڑھ کر قضاعہ کے علاقے میں داخل ہوئی اور اس علاقہ کو روندھی ہوئی اس کے دور دار حدوڑتک جا پہنچی۔ اخیر میں ایک لشکر سے مذہبیہ ہوتی لیکن جب مسلمانوں نے اس پر حملہ کیا تو وہ ادھر ادھر بھاگ کر بکھر گیا۔

اس کے بعد عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کو اٹپھی بن اکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی بسلامت واپسی کی اطلاع دی اور غرمے کی تفصیل سنائی۔

ذات السلاسل رپہلی سین کو پیش اور زبر دونوں پڑھنا درست ہے۔) دادی القری سے آگے ایک خطہ زمین کا نام ہے۔ یہاں سے مدینہ کا فاصلہ دس دن ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مسلمان قبلیہ جذام

کی مرین میں واقع سسل نامی ایک چشمے پر اُترے تھے اسی لیے اس مہم کا نام ذات السالل پڑ گیا۔  
**مسیرتیہ خضرہ (شعبان شہ)**  
 اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ سجد کے اندر قبیلہ مغارب کے علاوہ میں خضرہ  
 نامی ایک مقام پر بنو عظفان لشکر جمع کر رہے تھے لہذا ان کی سرکوبی  
 کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو قاتاہ کو پندرہ آدمیوں کی جمیت دے کر رواز کیا۔ انہوں نے شمن  
 کے متعدد آدمیوں کو قتل اور قید کیا اور مال غنیمت بھی حاصل کیا۔ اس مہم میں وہ پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔



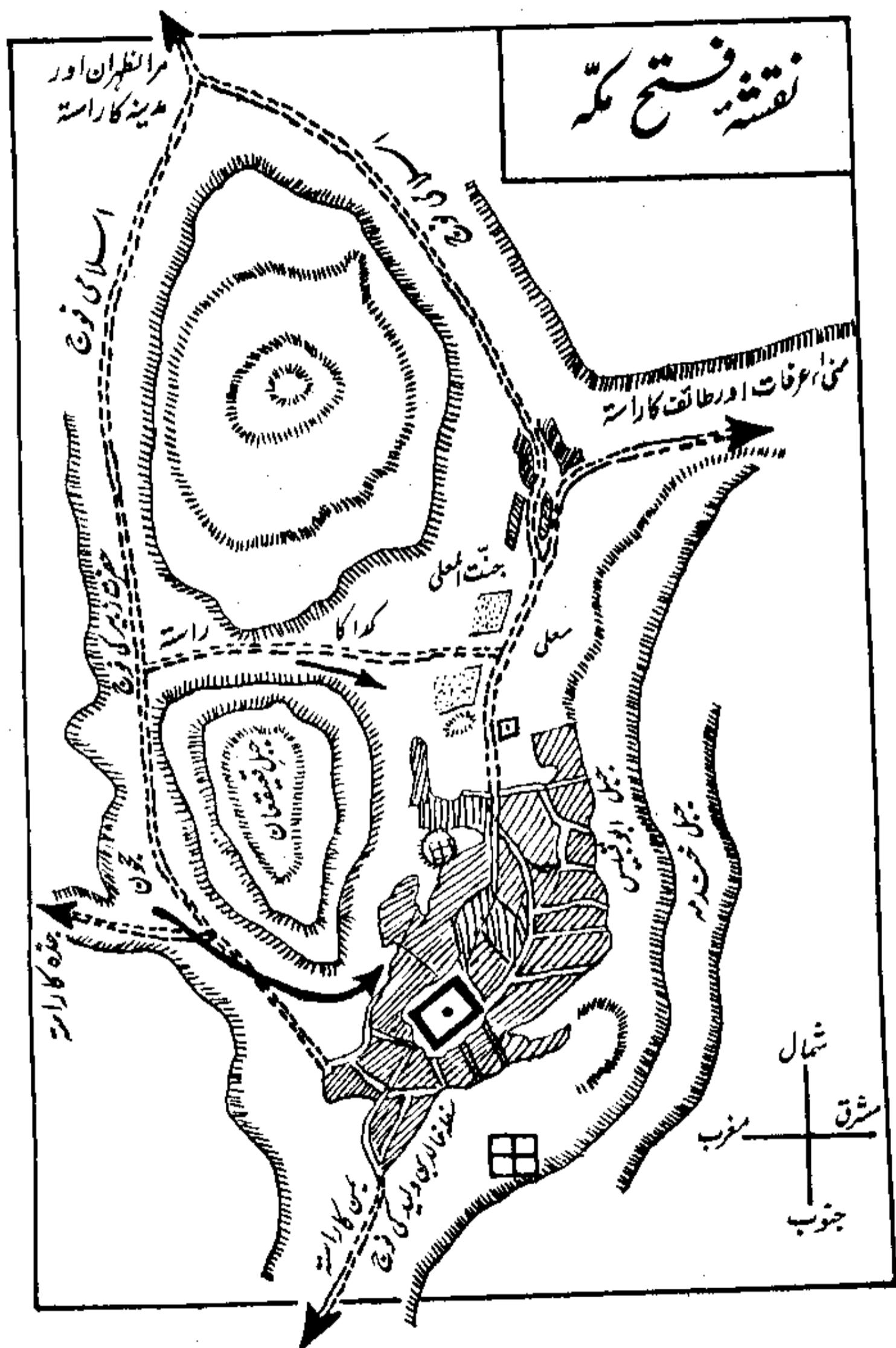
## غزوہ فتح کے

امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ یہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کر، اپنے رسول کو، اپنے شکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو عزت بخشی اور اپنے شہر کو اور اپنے گھر کو جسے دنیا والوں کے لیے ذریعہ برداشت بنایا ہے، کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چسکارا دلا یا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دلگتی اور اس کی عزت کی طباہیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں، اور اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے اور رُوئے زمین کا پھرہ روشنی اور چک دمک سے جلگا اٹھا۔

**اس غزوے کا سبب** صلح حدیبیہ کے ذکر میں ہم یہ بات بتا پکے ہیں کہ اس معاهدے کی ایک دفعہ تھی کہ جو کوئی محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہتے ہے اور جو قبیلہ جس فرقے کے ساتھ شامل ہو گا اس فرقے کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔ لہذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی حملے یا زیارت کا شکار ہو گا تو یہ خود اس فرقے پر حملہ اور زیادتی تصور کی جائے گی۔

اس دفعے کے تحت بنو خزانہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے لیکن چونکہ ان دونوں قبیلوں میں دور جاہلیت سے عداوت اور کشاکش پلی آرہی تھی، اس لیے جب اسلام کی آمد آمد ہوئی، اور صلح حدیبیہ ہو گئی، اور دونوں فرقے ایک دوسرے سے ملن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر چاہا کہ بنو خزانہ سے پرانا بدله چکا لیں۔ چنانچہ نفل بن معاویہ دیلی نے بنو بکر کی ایک جماعت ساتھ لے کر شبیان شہر میں بنو خزانہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزانہ و تیرناہی ایک چشمے پر نہیں زن تھے۔ ان کے متعدد افراد مارے گئے۔ کچھ بھڑپ اور لڑائی بھی ہوتی۔ ادھر قریش نے اس حملے میں ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی، بلکہ ان کے کچھ آدمی بھی رات کی تاریکی کا فالدہ اٹھا کر لڑائی میں شرکیہ ہوئے۔ بہر حال حملہ آوروں نے بنو خزانہ کو کھینچ دیا جرم چنچ کر بنو بکرنے کہا: ”اے نفل! اب تو ہم حرم میں داخل

## نفی فتح مکہ



ہو گئے۔ تمہارا اللہ!... تمہارا اللہ!... اس کے جواب میں نوغل نے ایک بڑی بات کہی، بولا: ”بنو بکر آج کوئی اللہ نہیں، اپنا بدلہ چکا لو۔ میری عمر کی قسم! تم لوگ حرم میں چوری کرتے ہو تو کیا حرم میں اپنا بدلہ نہیں لے سکتے؟“

ادھر بنو غزرا عہد نے مکہ پہنچ کر بذیل بن ورقاء غزا عی اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی اور عمر و بن سالم غزا عی نے دہان سے نکل کر فوراً مدینہ کا رُخ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت آپ سجدہ نبی میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرماتھے۔ عمر و بن سالم نے کہا:

يَارَبِّ أَنِّي نَاشِدُكَ مُحَمَّداً	حَلْفَنَا وَحَلْفَ أَبِيهِ الْأَنْلَدَا
قَدْ كَنْتَمْ وَلَدَأَوْكَنَا وَاللَّدَا	ثَمَةَ أَسْلَمْنَا وَلَمْ نَنْزَعْ يَدَا
فَانْصَرْ هَدَاكَ اللَّهُ - نَصْرَا يَدَا	وَادْعَ عَبَادَ اللَّهِ يَا تَوَاصِدَا
فِيهِمْ رَسُولُ اللَّهِ قَدْ تَحْبَرْدَا	إِبِيْضَ مَثَلَ الْبَدْرِ يَسِّوْ صَدَا
أَنْ سِيمْ خَسْفَا وَجَهَهُ تَرِبَدَا	فِي فَيْلَقَ كَلْبِ بَعْرِيْجَرِيْ مَزِيدَا
أَنْ قَرِيشَا الْخَلْفَوْكَ الْمَوْعِدَا	وَنَقْضُوا مِيثَاقَ الْمَوْكِدَا
وَجَعْلُوا لِيْ فِي كَدَاءِ رَصَدَا	وَزَعْمُوا نَلَسْتَ ادْعُو احْدَا
وَهُمْ اَذْلُّ وَاقْلُ عَدَدَا	هُمْ بَيْتُونَا بَا لَوْتِيْرْ هَجَدَا

### وَقَتْلُونَا رَكَعاً وَسَجَدَا

”لے پورا گارا میں محمد ﷺ سے اُنچے عہد ادا ان کے والد کے قدمیں علیہ کی دہائی دے رہا ہوں۔ آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جتنے دلے۔ پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہ ہوتے۔ اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ پُر زور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو پکارتے ہوئے دہ مدد کو آئیں گے۔ جن میں اللہ کے رسول ہوں گے، ہم تھیار پوش، اور چڑھتے ہوئے پودھوں کے چاند کی طرح گوئے اور خوبصورت۔ اگر ان پر ظلم اور ان کی توہین کی جائے تو چھرو تمنا اٹھتا ہے۔ آپ ایک ایسے شکر جو رام کے اندر تشریف لائیں گے جو جہاگ بھرے سندھ کی طرح تلاطم خیز ہو گا۔ یعنیاً قریش نے آپ کے عہد کی

ملہ اشارہ اس عہد کی طرف ہے جو بنو غزرا عہد اور بنو هاشم کے درمیان عبد المطلب کے زملے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کا ذکر ابتداء کتاب میں کیا جا چکا ہے۔

خلاف ورزی کی ہے اور آپ کا پختہ پیمان توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے لیے کہاریں گھات لگانی اور یہ سمجھا کہ میں کسی کو (مد کے لیے) نہ پکاروں گا حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔ انہوں نے دیر پر رات میں حملہ کیا اور ہمیں رکوع و حجود کی حالت میں قتل کیا۔ (یعنی ہم مسلمان تھے اور ہمیں قتل کیا گیا۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لے عمر بن سالم تیری مد کی گئی۔" اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ملکہ اور حکایت پڑا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

اس کے بعد بُدیل بن درقادہ غزاعی کی سرکردگی میں بنو خزانہ کی ایک جماعت مدینہ آئی اور رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح قریش نے بنو بکر کی پشتیبانی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

### تجدید صلح کے لیے ابوسفیان مدنیہ میں |

اس میں شہر نہیں کہ قریش اور ان کے علیغون نے جو کچھ کیا تھا وہ کھلی ہوتی بد عہدی اور صرتھ پیمان شکنی تھی جس کی کوئی وجہ جواز نہ تھی۔ اسی لیے خود قریش کو بھی اپنی بد عہدی کا بہت جلد احساس ہو گیا اور انہوں نے اس کے انجام کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں مطے کیا کہ وہ اپنے سپہ سالار ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنائے تجدید صلح کے لیے مدینہ روانہ کریں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ قریش اپنی اس عہد شکنی کے بعد اب کیا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ”گویا میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عہد کو پھر سے پختہ کرنے اور مدتِ صلح کو بڑھانے کے لیے آگیا ہے۔“

ادھر ابوسفیان مطے شدہ قرارداد کے مطابق روانہ ہو کر غفاران پہنچا تو بُدیل بن درقادہ ملاقات ہوئی۔ بُدیل مدنیہ سے مکہ واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان سمجھ گیا کہ یہ نبی ﷺ کے پاس سے ہو کر آ رہا ہے پوچھا بُدیل! کہاں سے آ رہے ہو؟ بُدیل نے کہا، میں غزانہ کے ہمراہ اس ساحل اور دادی میں گیا ہوا تھا پوچھا کیا تم محمدؐ کے پاس نہیں گئے تھے؟ بُدیل نے کہا، نہیں۔

مگر جب بُدیل مکہ کی جانب روانہ ہو گیا تو ابوسفیان نے کہا، اگر وہ مدنیہ گیا تھا تو وہاں رپنے اونٹ کو کھلی کا چارہ کھلایا ہو گا۔ اس لیے ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بُدیل نے اپنا اونٹ بٹھایا تھا اور اس کی تھے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عیین سراف کی ماں یعنی نقی کی بیوی جبی بنو خزانہ سے تھیں۔ اس لیے پورا خاندانِ نبوت بنو خزانہ کی اولاد مٹھرا۔

میگنی لے کر توڑی تو اس میں کھجور کی گھلی نظر آئی۔ ابوسفیان نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بدلیں، محدث کے پاس گیا تھا۔

بہرحال ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی صاحبزادی اُم المومنین حضرت اُم جبیرہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے بستر پیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: ”بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھایا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟“ انہوں نے کہا: ”یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں۔“ ابوسفیان کہنے لگا: ”خدا کی قسم میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے۔“

پھر ابوسفیان وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے گفتگو کی آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کریں۔ انہوں نے کہا، ”میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ اس کے بعد وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے بات کی۔ انہوں نے کہا، ”بخلافِ تم لوگوں کے یہ رسول اللہ ﷺ سے مفارش کروں گا خدا کی قسم اگر مجھے لکڑا کے طبقے کے سوا کچھ دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ذریعے تم لوگوں سے جہاد کروں گا۔“ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس پہنچا۔ وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور حضرت حسن بھی تھے جو ابھی چھوٹے سے بپتھے تھے اور سامنے گھٹنوں گھٹنوں چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا: ”لے علیؓ! میرے ساتھ تمہارا سب سے گہرا نسبی تعلق ہے۔ میں ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح میں نامراد کیا اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔“ تم میرے یہی محدث سے خارش کر دو۔ حضرت علیؓ نے کہا: ”ابوسفیان! تجھ پر انکو س، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے۔ ہم اس بارے میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔“ اس کے بعد وہ حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: ”کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں کہ اپنے اس بیٹے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے؟“ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”والله! میرا یہ بیٹا اس درجہ کو نہیں پہنچا ہے کہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوتے کوئی پناہ دے سکتے۔“ ان کو ششون اور ناکامیوں کے بعد ابوسفیان کی انکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ اس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سخت گبراءت، کشکمش اور مايوسی و نامايدی کی حالت میں کہا: ”ابوگنس! میں دیکھتا ہوں معاملات سنگین ہو گئے ہیں، لہذا مجھے کوئی راستہ بتاؤ۔“ حضرت علیؓ نے کہا: ”خدا کی قسم! میں

تمہارے لیے کوئی کار آمد چیز نہیں جانتا۔ البتہ تم بُنگانہ کے سردار ہو، لہذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو، اس کے بعد اپنی سرزین میں واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ میرے لیے کچھ کار آمد ہو گا؟ حضرت علیؓ نے کہا: نہیں خدا کی قسم میں اسے کار آمد تو نہیں سمجھتا، لیکن اس کے علاوہ کوئی صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگوں میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر رہا ہوں۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔

قریش کے پاس پہنچا تو وہ پوچھنے لگے کہ پیغمبرؐ کا کیا حال ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں محمدؐ کے پاس گیا۔ بات کی توازن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابو تھافہ کے بیٹے کے پاس گیا تو اس کے اندر کوئی بھلانی نہیں پائی۔ اس کے بعد عمر بن خطابؓ کے پاس گیا تو اُسے سب سے کڑشم پایا۔ پھر علیؓ کے پاس گیا تو اسے سب سے زخم پایا۔ اس نے مجھے ایک رائے دی اور میں نے اس پر عمل بھی کیا لیکن پتا نہیں وہ کار آمد بھی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے پوچھا: وہ کیا رائے تھی؟ ابوسفیان نے کہا: وہ رائے یہ تھی کہ میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دوں، اور میں نے ایسا ہی کیا۔

قریش نے کہا، ترکیا محدث نے اسے ناقذ قرار دیا۔ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ لوگوں نے کہا: تیری تباہی ہو، اس شخصی (علیؓ) نے تیرے ساتھ مغض مذاق کیا۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔

غزوہ کی تیاری اور اخبار کی کوشش | طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد شکنی کی

خبر آنے سے تین روز پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دے دیا تھا کہ آپ کا ساز و سامان تیار کر دیں لیکن کسی کو پتا نہ چلے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو پوچھا، عیلیؓ! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا، واللہ مجھے نہیں معلوم ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ بنو اصفر یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کہ حصر کا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا، واللہ مجھے علم نہیں۔ تیرے روز علی الصیاح عمر بن سالم خزانی چالیس سواروں کو لے کر ہجت گیا اور رب انبیاء ناشد محمدؐ ... اللہ ولے اشعار کہے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ اس کے بعد بدیل آیا، پھر ابوسفیان آیا تو لوگوں کو حالات کا ٹھیک ٹھیک علم ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے بتلایا کہ مکہ چلنے ہے اور ساتھی یہ دعا فرمائی کے لئے اللہ!

جاسوسوں اور خبروں کو فریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر بر ایک دم جا پہنچیں۔

پھر کمال اخداد اور رازداری کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے شروع ماہ رمضان شہر میں حضرت ابو قادہ بن ربعی کی قیادت میں آئندہ آدمیوں کا ایک سرتیہ بطنِ اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام ذی خشب اور ذی المروۃ کے درمیان مدینہ سے تقریباً ۴۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے، مقصد یہ تھا کہ سمجھنے والا سمجھنے کہ آپ اسی علاقے کا رُخ کریں گے اور یہی خبریں ادھر ادھر چیلیں لیکن یہ سرتیہ جب اپنے مقام پر پہنچ گیا تو اسے خبر علی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے روانہ ہو چکے ہیں چنانچہ یہ بھی آپ سے جاتا۔

ادھر حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک رقہ لکھ کر یہ اطلاع دے چکی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ رقہ ایک عورت کو دیا تھا اور اسے قریش تک پہنچانے پر معاوضہ رکھا تھا۔ عورت سرکی چوپی میں رقہ چھپا کر روانہ ہوتی لیکن رسول اللہ ﷺ کو دھی سے حاطب کی اس حرکت کی خبر دے دی گئی چنانچہ آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرشد غنوی کو یہ کہہ کر بیسجا کہ جاؤ روضہ خلخ پہنچو۔ وہاں ایک ہو درج نہیں عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک رقہ ہو گا۔ یہ حضرات گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہوتے۔ وہاں پہنچنے تو عورت موجود تھی۔ اس سے کہا کہ وہ نیچے اترے اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی خطاب ہے؟ اس نے کہا یہ پس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی لیکن کچھ نہ ملا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا ہے نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ تم یا تو خط انکا لو یا ہم تمہیں نہ گا کر دیں گے۔ جب اس نے یہ سچنگی دیکھی تو بولی اچھا منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے

---

کہ یہی سری ہے جس کی ملاقات عامر بن اخطب سے ہوتی تو عامر نے اسلامی دستور کے مطابق سلام کیا۔ لیکن مسلم بن جثا نے کسی سابقہ رنجش کے سبب اسے قتل کر دیا اور اس کے اوٹ اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوتی وہاں تقولوا مَنِ الْقَيْمِ الْكَلِمِ السَّلَامُ لِسْتُ مَوْصُنا (الآیہ ۱۴۲) یعنی جو تم سے سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مون نہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام مسلم کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے کہ آپ اس کے لیے دُعائے منفرت کر دیں لیکن جب مسلم آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے تمیں بار فرمایا اے اللہ بالحمد کو نہ بخش۔ اس کے بعد مسلم اپنے کپڑے کے دامن سے اپنے آنسو پوچھتا ہوا اٹھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ بعد میں اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے منفرت کی دُعا کر دی تھی۔ دیکھئے زاد المعاو ۱۵۰/۲

چوئی گھول کر خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے ڈیکھا تو اس میں تحریر تھا : (حاطب بن ابی بلقع کی طرف سے قریش کی جانب) پھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو بلا کر پوچھا کہ حاطبؓ ! یہ کیا ہے ؟ انہوں نے کہا اے رسولؐ ! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ خدا کی قسم اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہو اہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں البتہ ان میں چپکا ہوا تھا اور میرے اہل و عیال اور بال بچے وہیں ہیں لیکن قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ میرے بال بچوں کی خلافت کریں۔ اس کے بخلاف دوسرے لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہاں ان کے قرابت دار ہیں جو ان کی خلافت کریں گے۔ اس لیے جب مجھے یہ چیز حاصل نہ تھی تو میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان کر دوں جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کی خلافت کریں۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب نے کہا : اے اللہ کے رسولؐ ! مجھے چھوڑ دیے میں اس کی گرون مار دوں کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نیخانت کی ہے اور یہ منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اُدیکھو ! یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے۔ اور عمرؓ تمہیں کیا پتا ہے ہو سکتا ہے اللہ نے اہل بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کر دو، میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ مُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور انہوں نے کہا : اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

اس طرح اللہ نے جاسوسوں کو پکڑ دیا اور مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

**اسلامی شکر کمہ کی راہ میں**

(فتح الباري ٥٤١)

۲۔ صحیح بخاری ۱/۲، ۹۴۴ھ حضرت نبی اور حضرت ابو مرثیدؓ کے ناموں کا اضافہ صحیح بخاری کی بعض دوسری روایات میں ہے۔

رضی اللہ عنہ کی تقدیری ہوئی۔

محض میں یا اس سے کچھ اور آپ کے چھا حضرت عبّاس بن عبدالمطلبؑ نے وہ مسلمان ہو کر اپنے بال پخول سمیت بھرت کرتے ہوئے تشریف لارہے تھے۔ پھر ابو امار میں آپ کے چھپرے بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن امیةؑ ملے۔ آپ نے ان دونوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں آپ کو سخت اذیت پہنچایا کرتے اور آپ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے چھپرے بھائی اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے یہاں سب سے بیخخت ہوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے حباز، اور وہی کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا کہ : تَاللهِ لَقَدْ أَشَرَكَ اللَّهَ عَلَيْنَا وَإِنَّ كُلَّ الْخَطِيبِينَ (۹۱:۱۱) خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطکار تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ یہ پسند نہیں کریں گے کہ کسی اور کا جواب آپ سے عمدہ رہا ہو۔ چنانچہ ابوسفیان نے یہی کیا اور جواب میں فوراً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : لَا تَنْوِيَتَ عَلَيْكُو الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَحَمُّ الرَّحِيمِ (۹۲:۱۲) ”آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ اللہ تمہیں بخش دے اور وہ ارحم الرحمین ہے۔“ اس پر ابوسفیان نے آپ کو پسند اشعار سناتے ہوں میں سے بعض یہ تھے :

لعم رک افی حین احمل رامیۃ      لقلب خیل اللات خیل محمد

لکالم دلچ الحیران اظلم لیلہ      فہذا اوفی حین اهدی فاہتدی

هدافی هاد غیر نفسی و دلنى      علی اللہ من طردته کل مطرد

”تیری عمر کی قسم! جس وقت میں نے اس لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمد کے شہسوار پر غالب آجائیں تو تیری کیفیت رات کے اس ساڑکی سی تھی جو تیرہ دنار رات میں حیران دسرگروان ہو، لیکن اب وقت آگیا ہے کہ مجھے ہدایت دی جلتے اور میں ہدایت پاؤں۔ مجھے میرے نفس کی بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی اور اللہ کا راستہ اسی شخص نے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھنکار دیا تھا۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا، تم نے مجھے ہر موقع پر دھنکار دیا تھا۔

**مَرَاثِطَهْرَانِ مِنْ إِسْلَامِيِّ شَكْرِ كَاظِرَاؤ** رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ آپ اور صاحبہ روزے سے سے تھے لیکن عفان اور قدید کے درمیان

کدید نامی چشمے پر پہنچ کر آپ نے روزہ توڑ دیا اور آپ کے ساتھ صاحبہ کرام نے بھی روزہ توڑ دیا۔ اس کے

بعد پھر آپ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ رات کے ابتدائی اوقات میں مرانظرہ ان – وادی فاطمہ – پہنچ کر نزول فرمایا۔ دہاں آپ کے حکم سے لوگوں نے آنک آنک آگ جلائی۔ اس طرح دس ہزار (چوہوں میں) آگ جلائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب کو پہرے پر مقرر فرمایا۔

**ابوسفیان دربارِ نبوت میں** | مرانظرہ ان میں پڑا و ڈالنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ میں پڑا و ڈالنے کے سفید چھپ سوار ہو کر نکلے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی لکڑہارا یا کوئی بھی آدمی میں جاتے تو اس سے قریش کے پاس خبر بھیج دیں تاکہ وہ مکتے میں رسول اللہ ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے آپ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔

اولہ الرسل تعالیٰ نے قریش پر ساری خبروں کی رسائی روک دی تھی اس لیے انہیں حالات کا کچھ علم نہ تھا؛ البتہ وہ خوف اور اندریشے سے دوچار تھے اور ابوسفیان باہر جا کر خبروں کا پتا لگا تاہم تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ اور عکیم بن عزام اور بدیل بن ورقاء خبروں کا پتا لگانے کی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے چھپ سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو ناٹی پڑی۔ وہ باہم رد و قدر کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! میں نے آج رات جیسی آگ اور ایسا شکر تو کبھی دیکھا ہی نہیں، اور جواب میں بدیل کہہ رہا تھا۔ یہ خدا کی قسم بخوبیہ ہیں۔ جنگ نے انہیں چھیل کر کھو دیا ہے۔ اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا، خزانہ اس سے کہیں کتر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا شکر ہو۔

حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا، ابو خظله! اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بولا، ابو الفضل! میں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجد پر قربان۔ میں نے کہا، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں لوگوں سمیت بلے قریش کی تباہی۔ واللہ!

اس نے کہا، اب کیا حل ہے؟ میرے ماں باپ تم پر قربان۔ میں نے کہا، واللہ اگر وہ تمہیں پاگئے

کے بعد میں ابوسفیان کے اسلام میں بڑی خوبی آئی۔ کہا جاتا ہے کہ جب سے انہوں نے اسلام قبول کیا حیاہ کے سبب رسول اللہ ﷺ کی طرف سراٹھا کرنے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے لیے جنت کی بشارت دیتے تھے اور فرماتے تھے، مجھے موقع ہے کہ یہ حمزہ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی دفات کا وقت آیا تو کہنے لگے، مجھ پر نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کی۔

تو تمہاری گرون مار دیں گے لہذا اس خچر پر سچھے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلا ہوں اور تمہارے لیے امان طلب کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان میرے سچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو لے کر چلا۔ جب کسی آلاو کے پاس سے گزتا تو لوگ کہتے کون ہے؟ مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چھا بیس اور آپ کے خچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آلاو کے پاس سے گزتا۔ انہوں نے کہا، کون ہے؟ اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب سچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے، ابوسفیان؟ اللہ کا دشمن؟ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے بغیر عین وہ پیمان کے سچھے (ہمارے) قابو میں کر دیا۔ اس کے بعد وہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑے اور میں نے بھی خچر کو اڑا لگائی۔ میں آگے بڑھ گیا اور خچر سے کوڈ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا گھا۔ اتنے میں عمر بن خطاب بھی گھس آتے اور بوئے کر لے اللہ کے رسول! یہ ابوسفیان ہے۔ سچھے اجازت دیجئے میں اس کی گرون مار دوں۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ کا سر پکڑ لیا اور کہا، خدا کی قسم آج رات میرے سوا کوئی اور آپ سے مرگوشی نہ کرے گا۔ جب ابوسفیان کے بارے میں حضرت عمر بن باربار کہا تو میں نے کہا، عمر! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم اگر یہ بنی عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عباس! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم تمہارا اسلام لانا میرے زدیک خطاب کے اسلام لانے سے۔ اگر وہ اسلام لاتے۔ زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ میرے لیے صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عباس! اے (یعنی ابوسفیان کو) اپنے ڈیرے میں لے جاؤ۔ صبح میرے پاس لے آنا۔ اس حکم کے مطابق میں اے ڈیرے میں لے گیا اور صبح خدمت نبوی ﷺ میں حاضر کیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا، ابوسفیان! تم پر افسوس اکیا اب بھی تمہارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الا نہیں؟ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرورد ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الا ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔

آپ نے فرمایا، ابوسفیان تم پر افسوس اکیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں

اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر ندا۔ آپ کس قدر علیم کس قدر کریم اور کس قدر صد رحمی کرنے والے ہیں! اس بات کے متعلق تواب بھی دل میں کچھ نہ کچھ لٹکتا ہے۔ اس پر میں نے کہا، اسے! گردن مارے جانے کی ذمت آنے سے پہلے پہلے اسلام قبول کرو اور یہ شہادت واقعہ کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ کے رسول ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان اعزاز پسند ہے لہذا اسے کوئی اعزاز دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا تھیک ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جاتے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

### اسلامی لشکر مرانظہران سے مکے کی جانب | اسی بیح - مشکل، ا رمضان شہہ کی صبح - رسول اللہ ﷺ مرانظہران سے مکہ روانہ

ہوئے اور حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو دادی کی تنگناتے پر پھاڑ کے ناکے کے پاس روک رکھیں تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو ابوسفیان دیکھ کے۔ حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پھریے لیے گزر رہے تھے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا کہ عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ جواب میں حضرت عباس۔ بطور مثال۔ کہتے کہ بنو سعیم ہیں۔ تو ابوسفیان کہتا کہ مجھے سعیم سے کیا واسطہ؟ پھر کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا کہ اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ وہ کہتے، مژینہ ہیں۔ ابوسفیان کہتا، مجھے مژینہ سے کیا مطلب؟ یہاں تک کہ سارے قبیلے ایک ایک کر کے گزر گئے۔ جب بھی کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان حضرت عباس سے اس کی بایت مزور دریافت کرتا اور جب وہ اسے بتاتے تو وہ کہتا کہ مجھے بنی فلاں سے کیا واسطہ؟ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بزرگتے کے جلوہ میں تشریف لائے۔ آپ مہاجرین انصار کے درمیان فروکش تھے۔ یہاں انسانوں کے بجاے صرف لوہے کی باڑھ دکھائی پڑ رہی تھی۔ ابوسفیان نے کہا، سبحان اللہ! اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا، یہ انصار و مہاجرین کے جلوہ میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرمائیں۔ ابوسفیان نے کہا، بھلان سے محاوذہ کرائی کی طاقت کے ہے؟ اس کے بعد اس نے مزید کہا، ابوالفضل! تمہارے بھیجے کی بادشاہست تو واللہ بڑی زبردست ہو گئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا، اب تری ہی کہا جلتے گا۔

اس موقع پر ایک داقہ اور پیش آیا۔ انصار کا پھر پر احضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو یوں لے:

الیوم یوم المدحمة      الیوم تستحل الحرمۃ

"آج خوزیزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج حرمت ملال کر لی جائے گی۔"

آج اللہ نے قریش کی ذلت مقدر کر دی ہے۔ اس کے بعد جب رہاں سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اب اسے ابوسفیان نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ نے وہ بات نہیں سنی جو سعد نے کہی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اس نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا، یہ اور یہ بات کہی ہے۔ یہ مُن کر حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد قریش کے اندر مار دھاڑنے مچا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہیں بلکہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائیگی۔ آج کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشنے کا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سعید کے پاس آدمی بھیج کر جہنڈا ان سے لے لیا اور ان کے صاحبزادے قیمؑ کے حوالے کر دیا۔ گویا جہنڈا حضرت سعید کے ما تھے نہیں نکلا۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے جہنڈا حضرت زبیر کے حوالے کر دیا تھا۔

### اسلامی شکر اچانک قریش کے سر پر

جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گز دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ ابوسفیان تیزی سے کہ پنچا اور نہایت بلند آواز سے پکارا: "قریش کے لوگو! یہ محمد ﷺ ہیں۔ تمہارے پاس اتنا شکر لے کر آتے ہیں کہ مقابلے کی تاب نہیں؟ لہذا جو ابوسفیان کے گھر گھس جائے اسے امان ہے۔" یہ مُن کر اس کی بیوی ہند بنت عقبہ اٹھی اور اس کی موچھ پکڑ کر بولی۔ مارڈا لواسٹک کی طرح چری سے بھرے ہوئے پتلی پنڈیوں والے کو۔ بُرا ہو یہ پیش و خبر رسائی کا۔

ابوسفیان نے کہا، تمہاری بربادی ہو۔ دیکھو تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تھیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیونکہ محمد ایسا شکر لے کر آتے ہیں جس سے مقابلے کی تاب نہیں۔ اس یہ جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جلتے اسے امان ہے۔ لوگوں نے کہا، اللہ تجھے مارے، تیرا گھر تما رے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا، اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جاتے اسے بھی امان ہے۔ یہ مُن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ اپنے کچھ اور باشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انہیں ہم آگے کئے دیتے ہیں۔ اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوتی تو ہم ان کے ساتھ ہو رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا منظور کر لیں گے۔ قریش کے یہ احتق

او باش مسلمانوں سے رائے کے لیے عکرمه بن ابی جہل، صفوان بن امیة اور سہیل بن عزد کی کمان میں خدمہ کے اندر جمع ہوئے۔ ان میں بنو بکر کا ایک آدمی حماس بن قیس بھی تھا جو اس سے پہلے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا۔ جس پر اس کی بیوی نے (ایک روز) کہا “یہ کاہے کی تیاری ہے جو میں دیکھ رہی ہوں؟ اس نے کہا، محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے مقابله کی تیاری ہے۔ اس پر بیوی نے کہا، خدا کی قسم، محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے مقابل کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ اس نے کہا، خدا کی قسم، مجھے ایسی ہے کہ میں ان کے بعض ساتھیوں کو تمہارا خادم بناؤں گا۔ اس کے بعد کہنے لگا،

ان يقبلوا الیعوم فمالي علة هذا سلاح كامل و آلة  
و ذوق غرادي سريع السلا

”اگر وہ آج مقابل آگئے تو میرے لیے کوئی عندر نہ ہو گا۔ یہ مکمل ہتھیار، دراز آئی والا نیزہ اور جھبٹ سوتی جانے والی دودھاری توار ہے۔“

خندمہ کی لڑائی میں یہ شخص بھی آیا ہوا تھا۔

**اسلامی شکر ذی طوی میں**  
اول صول اللہ ﷺ مرا الظہران سے روانہ ہو کر ذی طوی پہنچے۔ اس دوران اللہ کے بخشے ہوتے اعزاز فتح پر فرط تواضع سے آپ نے اپنا سر جھکا کر کھایا ہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے جالگ رہے تھے۔ ذی طوی میں آپ نے شکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ خالد بن ولید کو داہنے پہلو پر رکھا۔ اس میں اسلام، سینم، غفار، مُرْزَنَة، جہنڈا اور کچھ درستے قبائل عرب تھے۔ اور خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ کہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر کھویں، یہاں تک کہ صفا پر آپ سے آٹھیں۔

حضرت زہیر بن عماد بامیں پہلو پر تھے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا پھر رہا تھا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ مکتے میں بالائی حصے یعنی کداء سے داخل ہوں اور جون میں آپ کا جنڈا گاڑک آپ کی آمد تک دیں ٹھہرے رہیں۔

حضرت ابو عبیدہ پیادے پر مقرر تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بطن وادی کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ کتے میں رسول اللہ ﷺ کے آگے اُتریں۔

**مکہ میں اسلامی شکر کا داخلہ** | ان ہدایات کے بعد تمام دستے اپنے مقررہ

راستوں سے چل پڑے۔

حضرت خالد اور ان کے رفقاء کی راہ میں جو مشرک بھی آیا اسے مٹلا دیا گیا؛ البتہ ان کے رفقاء میں سے بھی کر زب بن جابر فہری اور خلیفہ بن خالد بن رہیم نے جام شہادت نوش کیا۔ وجہ یہ ہوتی کہ یہ دونوں اشکر سے بچھر دکر ایک دوسرے راستے پر چل پڑے اور اسی دوران انہیں قتل کر دیا گیا۔ خند مہ پہنچ کر حضرت خالد اور ان کے رفقاء کی مذہبیہ قریش کے او باشون سے ہوتی۔ معمولی سی جھڑپ میں بارہ مشرک مارے گئے اور اس کے بعد مشرکین میں جگہ دفعہ کی۔ حاس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے بھیجا رہیک ٹھاک کرتا رہتا تھا بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے بولا: دروازہ بند کر لو۔ اس نے کہا: وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے؟ کہنے لگا:

انك لو شهدت يوم الخندمه      اذ فر صفوان و فرعون  
و استقبلنا با لسيوف المسلمين      يقطعون كل ساعد و مجده  
ضربا فلا يسمع الأغمضمه      لم نهيت خلفتنا و همه  
لم تنطق في اللوم ادنى كلمة

"اگر تم نے جنگ خندمہ کا حال دیکھا ہو تو اس کے صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوتے اور سوتی ہوئی تواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا، جو کلائیں اور کھوپڑیاں اس طرح کامیتی جا رہی تھیں کہ پچھے سولتے ان کے سور و غوغاء اور ہمہ کے کچھ سوچی نہیں پڑتا تھا، تو تم ملامت کی ادنی بات نہ کہتیں۔"

اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے کے گلی کوچوں کو روشنیتے ہوئے کوہ صوف پر رسول اللہ ﷺ سے جاتے۔

ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جوں میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا بحمدہ گاڑا اور آپ کے لیے ایک قبہ نصب کیا۔ پھر سلسل دہیں مٹھرے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آتے۔

**مسجد حرام میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ اور بُتوں سے تطہیر** | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ میں اٹھے اور

آگے پیچھے اور گرد و پیش موجود انصار و مہاجرین کے جلو میں مسجد حرام کے اندر تشریف لاتے۔ آگے بڑھ کر جو اسود کو چوہما اور اس کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی

اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر میں سو سال بُت تھے۔ آپ اسی کمان سے ان بتوں کو  
ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (۱۸:۱۶)  
”حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل جانے والی چیز ہے۔“

جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝ (۹۹:۳۲)  
”حق آگیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہو گئی۔“

اور آپ کی ٹھوکر سے بُت چہروں کے بل گرتے جاتے تھے۔

آپ نے طواف اپنی اوٹنٹی پر بیٹھ کر فرمایا تھا اور حالتِ احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ تکمیلِ طواف کے بعد حضرت عثمان بن طلحہ کو بلا کران سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپ کے حکم سے خانہ کعبہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو تصویریں نظر آئیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں اور ان کے باتحد میں فال گیری کے تیر تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا، ”اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے۔ خدا کی قسم ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کئے۔“ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر لکڑا کی بنی ہوتی ایک کبوتری بھی دیکھی۔ اسے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور تصویریں آپ کے حکم سے مٹا دی گئیں۔

### خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قریش سے خطاب

اس کے بعد آپ نے

اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ حضرت اسامة اور بلالؓ بھی اندر ہی تھے۔ پھر دروازے کے مقابل کی دیوار کا رُخ کیا۔ جب دیوار صرف تین باتحد کے فاصلے پر رہ گئی تو دو ہیں ٹھہر گئے۔ دو کعبے آپ کے بائیں جانب تھے، ایک کعبہ جانبے جانب اور تین کعبے پیچے۔ ان دونوں خانہ کعبہ میں چھ کعبے تھے۔ پھر ہیں آپ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کے اندر دنی سے کاچکر لگایا۔ تمام گوشوں میں تکمیر و توحید کے کلمات کہے۔ پھر دروازہ کھول دیا۔ قریش (سامنے) مسجد حرام میں صفیں لگائے کھچا کچھ بھرے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ نے دروازے کے دونوں بارزوں پکڑ لیے، قریش نیچے تھے انہیں یوں مخاطب فرمایا:

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہ ہے، اس کا کوئی شرکیہ نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تنہ اسارے جتوں کو شکست دی۔ سنو! بیت اللہ کی کلید برداری اور حاجوں کو

پانی پلانے کے علاوہ سارا اعزاز، یا کمال یا خون میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ یاد رکھو قتل خطا شبہ عمد میں۔ جو کوڑے اور ڈنڈے سے ہو۔ مغلظ دیت ہے، یعنی سواد نہ جن میں سے چالیس انٹیوں کے شکم میں ان کے بچے ہوں۔

اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باب دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا۔ سارے لوگ آدم سے میں اور آدم مٹی سے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَرَّةٍ وَّجَعَلْنَاكُمْ شُعُورًا وَّقَبَّا إِلَّا لِتَعْلَمَفُوا ۝ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْتُمْ كُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ حَمْدٌ ۝ (۲۹: ۳۹)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قدموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے زدیک سب سے باعزت ہی ہے جو سب سے زیادہ منتفی ہو۔ یہ شک اللہ جانتے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

**آج کوئی سرزنش نہیں** | اس کے بعد آپ نے فرمایا: قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرتے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: "اچھا۔ آپ کریم بھائی ہیں۔ اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لَا تَثْوِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ أَجَ تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

**کعبے کی کنجی (حق بحدار رسید)** | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں بلیحہ گئے حضر علیؑ کے ساتھ میں کعبے کی کنجی تھی۔ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: خود ہمارے لیے حاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ خانہ کعبہ کی کیدربداری کا اعزاز بھی جمع فرمادیجئے۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے۔ ایک اور روایت کے بوجب یہ گزارش حضرت عباسؓ نے کہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عثمانؓ بن طلحہ کہاں ہیں؟ انہیں بلا یا کیا۔ آپ نے فرمایا: عثمانؓ! یہ لوار پسی کنجی۔ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔ طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ نے کنجی دیتے ہوئے فرمایا: اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لو۔ تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہو گا۔ اے عثمانؓ! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا ایمن بنایا ہے؛ لہذا اس بیت اللہ سے تمہیں جو کچھ ملے اس سے معروف کے ساتھ کھانا۔

**کعبے کی چھت پر اذان بلا لی** | اب نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلاں رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کبھے پر چڑھ کر اذان کہیں۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے یعتاب نے کہا، اللہ نے اسید رکوفت کر کے اس پر یہ کرم کیا کہ وہ یہ (اذان) نہ سن سکا اور نہ لے سکی (یک ناگوار چیز منیٰ ڈلتی)۔ اس پر حارث نے کہا، سلو! واللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ برق ہیں تو میں ان کا پیر و کار بن جاؤں گا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا، دیکھو! واللہ! میں کچھ نہیں کہوں گا، کیونکہ اگر میں بولوں گا تو یہ لکھیاں بھی میرے متعلق نہر دے دیں گی۔ اس کے بعد نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں، وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر اپنے ان کی گفتگو دہرا دی۔ اس پر حارث اور عتاب بول اٹھے، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم! کوئی شخص ہمارے ساتھ تھا، ہی نہیں کہ ہماری اس گفتگو سے آگاہ ہوا اور ہم کہتے کہ اس نے آپ کو خبر دی ہوگی۔

**فتح یا شکرانے کی نماز** | اسی روز رسول اللہ ﷺ اُم ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل فرمایا اور ان کے گھر میں ہی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے کسی نے اس کو چاشت کی نماز سمجھا اور کسی نے فتح کی نماز۔ اُم ہانی نے اپنے ددیوروں کو پناہ دے رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا، اے اُم ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ اس ارشاد کی وجہ پر تھی کہ اُم ہانی کے بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اُم ہانی نے ان دونوں کو چھپا کر گھر کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ جب نبی ﷺ تشریف لے گئے تو ان کے بارے میں سوال کیا اور مذکورہ جواب سے بہرہ ور ہوئیں۔

**اکابر مجرمین کا خون رائیگاں قرار دیدیا گیا** | فتح کمک کے روز رسول اللہ ﷺ نے اکابر مجرمین میں سے نو آدمیوں کا خون رائیگاں قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ اگر وہ کبھے کے پردے کے نیچے بھی پاستے جائیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کے نام ہے ہیں۔

(۱) عبد الغزیٰ بن خطل (۲) عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح (۳) عکرمہ بن ابی جہل (۴) حارث بن قیش بن دہب (۵) مقیس بن صایہ (۶) ہبَّار بن اسود (۷، ۸) ابن خطل کی دلوں میاں جو نبی ﷺ کی ہو گیا کرتی تھیں (۹) سارہ، جو اولاد عبد المطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی۔ اسی کے پاس حاطث کا خط

پایا گیا تھا۔

ابن ابی سرح کا معاملہ یہ ہوا کہ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خدمتِ نبوی میں لے جاکر جان بخشی کی سفارش کر دی اور آپ نے اس کی جان بخشی فرماتے ہوئے اس کا اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے آپ کچھ دیر تک اس امید میں خاموش رہے کہ کوئی صحابی اٹھ کر اسے قتل کر دیں گے۔ کیونکہ شخص اس سے پہلے بھی ایک بار اسلام قبول کر چکا تھا اور ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا لیکن پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا (ناہم اس کے بعد کا کردار ان کے حسن اسلام کا آئینہ دار ہے۔ رضی اللہ عنہ)

عکرمہ بن ابی جہل نے بھاگ کر میں کی راہ لی لیکن اس کی بیوی خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان کی طالب ہوئی اور آپ نے امان دے دی۔ اس کے بعد وہ عکرمہ کے پیچے پیچے گئی اور اسے ساتھ لے آئی۔ اس نے واپس آ کر اسلام قبول کیا اور اس کے اسلام کی کیفیت بہت اچھی رہی۔

ابن خطل خانہ کعبہ کا پردہ پڑ کر لٹکا ہوا تھا۔ ایک صحابی نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

مقیس بن صبابہ کو حضرت نیکلہ بن عبد اللہ نے قتل کیا۔ مقیس بھی پہلے مسلمان ہو چکا تھا لیکن پھر ایک انصاری کو قتل کر کے مرتد ہو گیا اور بھاگ کر مشرکین کے پاس چلا گیا تھا۔

حارث، کہ میں رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

ہبَّار بن اسود دہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحزادی حضرت زینب کو ان کی ہجرت کے موقع پر ایسا کچھ کامرا تھا کہ وہ ہودج سے ایک چٹان پر جاگری تھیں اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ یہ شخص فتح مکہ کے روز نکل بھاگا۔ پھر مسلمان ہو گیا اور اس کے اسلام کی کیفیت اچھی رہی۔

ابن خطل کی دونوں لونڈیوں میں سے ایک قتل کی گئی۔ دوسرا کے لیے امان طلب کی گئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح سارہ کے لیے امان طلب کی گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ (خلاصہ یہ کہ نو میں سے چار قتل کئے گئے، پانچ کی جان بخشی ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کیا)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں : جن لوگوں کا خون رائیگاں قرار دیا گیا ان کے ضمن میں ابو مشرنے حارث بن طلال غزا عی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ امام حاکم نے اسی فہرست میں کعب بن زہیر کا ذکر کیا ہے۔ — کعب کا واقعہ مشہور ہے۔ اس نے بعد میں آ کر اسلام قبول کیا اور

نبی ﷺ کی مرح کی۔ (اسی فہرست میں) وحشی بن حرب اور ابوسفیان کی بیوی ہمندرت عتبہ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ابن خطل کی لونڈی ازب ہے جو قتل کی گئی اور امِ سعد ہے۔ یہ بھی قتل کی گئی۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ اس طرح مردوں کی تعداد آٹھ اور عورتوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے۔ ہو سکتے ہے کہ دونوں لونڈیاں ازب اور امِ سعد ہوں اور اختلاف شخص نام کا ہو یا کینت اور لقب کے اعتبار سے اختلاف ہو گیا ہو۔

### صفوان بن امیہ اور فضالہ بن عمیر کا قبول اسلام

صفوان کا خون اگرچہ رائیگاں نہیں  
قرار دیا گیا تھا لیکن قریش کا ایک  
بڑا یہ رہو نے کی حیثیت سے اُسے اپنی جان کا خطہ تھا؛ اسی لیے وہ بھی بھاگ گیا۔ عمیر بن وہب بھی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر کو اپنی وہ پگڑی بھی دے دی جو مکہ میں دانٹلے کے وقت آپ نے سر پر باندھ کرچی تھی۔ عمیر، صفوan کے پاس پہنچے تو وہ جدہ سے میں جانے کے لیے ہمندر پر سوار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ عمیر  
اسے واپس لے آئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، مجھے دہینے کا انتیار دیجئے۔ آپ نے فرمایا،  
تمہیں چار ہینے کا انتیار ہے۔ اس کے بعد صفوan نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ آپ نے دونوں کو پہلے ہی زکاح پر برقرار رکھا۔

فضالہ ایک بڑی آدمی تھا۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ طواف کر رہے تھے وہ قتل کی نیت سے آپ کے پاس آیا۔ میکن رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

### فتح کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کا خطبہ

فتح کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کا خطبہ  
کیلنے رسول اللہ ﷺ لوگوں  
کے درمیان پھر کھڑے ہوتے۔ آپ نے اللہ کی حمد و شکر کی اور اس کے شایان شان اس کی تمجید کی پھر فرمایا:  
”لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو پیدا کیا اسی دن کہ کو حرام (حرمت والا شہر) تھہرا یا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت  
کے بسب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے علاں نہیں  
کہ اس میں خون بہاتے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس بناء پر خست انتیار کرے کہ  
رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہد و کہدے اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی لیکن تمہیں  
اجازت نہیں دی ہے۔ اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا۔ پھر آج اس کی

حرمت اسی طرح پڑت آئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ اب چلہئے کہ جو عاشر ہے وہ غائب کو یہ بات پہنچادے۔“

ایک روایت میں آنامزیدہ اضافہ ہے کہ یہاں کا کانٹا ز کاٹا جائے، شرکار نہ بھگایا جاتے اور گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ البتہ وہ شخص اٹھا سکتے ہے جو اس کا تعارف کر لئے اور یہاں کی گھاس نہ اکھڑی جائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ نے کہا! اگر اذخر (عرب کی مشہور گھاس جو سوچ کی ہم شکل ہوتی ہے اور چائے اور دوائے طور پر استعمال ہوتی ہے،) کیونکہ یہ لوہار اور گھرگی (ضد ریات) کی چیز ہے؛ آپ نے فرمایا؛ مگر اذخر۔

بنو خزانہ نے اس روز بنویث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا کیونکہ بنویث کے ہاتھوں ان کا ایک آدمی جاہلیت میں مارا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا، خزانہ کے لوگو! اپنا ہاتھ قتل سے روک لو، کیونکہ قتل اگر نافع ہوتا تو بہت قتل ہو چکا۔ تم نے ایک ایسا آدمی قتل کیا ہے کہ میں اس کی بیت لازماً ادا کروں گا۔ پھر میرے اس مقام کے بعد اگر کسی نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اویسا کو دو باتوں کا انتیار ہو گا؛ چاہیں تو قاتل کا خون بہائیں اور چاہیں تو اس سے دیت لیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد میں کے ایک آدمی نے جس کا نام ابو شاہ تھا اُنہوں کو عرض کیا، یا رسول اللہ! (اے) میرے لیے لکھوادیکجئے۔ آپ نے فرمایا؛ ابو شاہ کے لیے لکھوادی۔

**الصارکے اندیشہ** | جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کی تکمیل فرمائے۔ اور معلوم ہے کہ یہی آپ کا شہر، آپ کی جائے پیدائش اور وطن تھا۔ تو انصار نے آپس میں کہا، کیا خیال ہے اب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی اپنی سر زمین اور آپ کا شہر فتح کر دیا ہے تو آپ یہیں قیام فرمائیں گے؟ اس وقت آپ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرماء ہے تھے۔ دعا سے فارغ ہوتے تو دریافت فرمایا تم لوگوں نے کیا بات کی ہے؟ انہوں نے کہ، کچھ نہیں یا رسول اللہ۔ مگر آپ نے اصرار فرمایا تو بالآخر ان لوگوں نے بتلا دیا۔ آپ نے فرمایا، خدا کی پناہ اب زندگی اور موت تھا رے ساتھ ہے۔

**بیعت** | جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ کی فتح عطا فرمادی تو اہل مکہ پر حق واضح ہو گیا اور وہ جان گئے کہ اسلام کے سوا کامیابی کی کوئی راہ نہیں۔ اس لیے وہ اسلام کے تابع دار بنتے ہوئے بیعت کے لیے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفا پر بیٹھ کر لوگوں سے

نہ ان روایات کے لیے دیکھیے صحیح بخاری ۱/۲۲، ۲۱۴، ۲۲، ۲۳۸، ۳۲۸، ۳۲۹، ۴۱۵/۲، ۴۱۶، ۴۱۵/۱

صحیح مسلم ۱/۲۳۸، ۲/۳۳۹، ۳/۳۴۰، ۳۱۵/۴، ۳۱۶، سنن ابن ماجہ ۱/۲۰۷

بیعت یعنی شروع کی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمانے لے رہے تھے۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی کہ جہاں تک ہو سکے گا آپ کی بات نہیں گئے اور مانیں گے اس موقع پر تغیر مدارک میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو چکے تو وہیں صفا ہی پر عورتوں سے بیعت یعنی شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے تھے اور آپ کے حکم پر عورتوں سے بیعت لے رہے تھے، اور انہیں آپ کی باتیں پہنچا رہے تھے۔ اسی دوران ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عقبہ بھیں بدل کر آئی۔ دراصل حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ اس نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے وہ خوف زده تھی کہ کہیں رسول اللہ ﷺ اسے پہچان نہ لیں۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے (بیعت شروع کی) تو فرمایا، میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بہی بات دہراتے ہوئے) عورتوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اور چوری نہ کرو گی۔ اس پر ہندہ بول اٹھی، ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ اگر میں اس کے مال سے کچھے لوں تو ہے ابوسفیان نے (جو وہیں موجود تھے) کہا، تم جو کچھے لے لو وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکرانے لگے۔ آپ نے ہندہ کو پہچان لیا۔ فرمایا، اچھا..... تو تم ہوندہ! وہ بولی اہا، اے اللہ کے نبی! جو کچھ گذر چکا ہے اسے معاف فرمادیجئے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، اور زنا نہ کرو گی۔ اس پر ہندہ نے کہا، ابھلا کہیں مڑھ (آزاد عورت) بھی زنا کرتی ہے! پھر آپ نے فرمایا، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا، ہم نے تو بچپن میں انہیں پالا پوسا لیکن بڑے ہونے پر آپ لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اس لیے آپ اور وہ ہی بہتر جانیں۔ یاد رہے کہ ہندہ کا بیٹا حنظل بن ابی سفیان بدر کے دن قتل کیا گیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے ہنسنے چلتی لیٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی تسلیم فرمایا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، اور کوئی بہتان نہ کھڑو گی۔ ہندہ نے کہا، واللہ بہتان بڑی بُری بات ہے اور آپ ہمیں واقعی رشد اور مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا، اور کسی معروف بات میں رسول کی نافرمانی نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا، خدا کی قسم ہم اپنی اس مجلس میں اپنے دلوں کے اندر یہ بات لے کر نہیں بیٹھی ہیں کہ آپ کی نافرمانی بھی کریں گی۔

پھر واپس ہو کر ہندہ نے اپنا بُرُت توڑ دیا۔ وہ اسے توڑتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔ ہم تیر متعلق

دھوکے میں تھے۔ اللہ

## مکہ میں نبی ﷺ کا قیام اور کام

مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے اُنیں<sup>۱۹</sup> روز قیام فرمایا۔ اس دوران آپ شعائرِ اسلام کی تجدید کرتے رہے اور لوگوں کو ہدایت و تقویٰ کی تعلیم فرماتے رہے۔ انہی دنوں آپ کے حکم سے حضرت ابو اسید ضرزاوی نے نئے سرے سے صد و حجہ کے کعبے نصب کئے۔ آپ نے اسلام کی دھوت اور مکہ کے آس پاس بتوں کو توڑنے کے لیے متعدد سرایا بھی روانہ کئے اور اس طرح سارے بُت توڑ ڈالے گئے۔ آپ کے نبادی نے مکتے میں اعلان کیا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بُت نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ ڈالے۔

**۱۔ فتح مکہ سے یک سو ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ رمضان سرایا اور وفوو** شہر کو حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں عزیزی کے انهدام کے لیے ایک سری روانہ فرمایا۔ عزیزی نخلہ میں تھا، قریش اور سارے بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا بُت تھا۔ بنو شیبان اس کے مجاور تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تیس سواروں کی معیت میں نخلہ جا کر اسے ڈھا دیا۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا بھی تھا، حضرت خالد نے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا، اتب تودھیقت تم نے اسے ڈھایا ہی نہیں۔ پھر سے جاؤ اور اسے ڈھا دو۔ حضرت حفظ اللہ بھرے اور تواریخ نہ ہونے دوبارہ تشریف لے گئے۔ اب کی باران کی جانب ایک نیگی، کال، پرانہ سر چورت نکلی مجاور سے چیخ چیخ کر پکارنے لگا لیکن اتنے میں حضرت خالد نے اس زور کی تواریخ کی کہ اس عورت کے ڈمکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس اسکی خبر دی۔ آپ نے فرمایا، ہاں ادھی عزیزی تھی۔ اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جلتے۔

**۲۔ اس کے بعد آپ نے عمر بن عاصی رضی اللہ عنہ کو اسی ہیئتے سوائع نامی بُت ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔** یہ کہتے ہیں میل کے فاصلے پر رہاظ میں بُنُو ہنریل کا ایک بُت تھا۔ جب حضرت عمر وہاں پہنچے تو مجاور نے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا، مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈھلنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا، تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے، حضرت عمر نے کہا، کیوں؟ اس نے کہا، (قدرتہ) روک دیے جاؤ گے۔ حضرت عمر نے کہا، تم اب تک باطل پر ہو، تم پر انوس، کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟ اس کے بعد بُت کے

پاس جا کر اسے توڑ دالا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانہ والا مکان ڈھا دیں۔ لیکن اس میں کچھ نہ ملا۔ پھر مجاہد سے فرمایا، کہ ہو کیسا رہا؟ اس نے کہا، میں اللہ کے لیے اسلام لا یا۔

۳۔ اسی ماہ حضرت سعد بن زید اشہلی کو بیس سوار دے کر مناہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ قدرتیہ کے پاس مشعل میں اوس دخراج اور غسان وغیرہ کا بُت تھا۔ جب حضرت سعد وہاں پہنچے تو اس کے مجاہد نے ان سے کہا، تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا، مناہ کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا، تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ حضرت سعد مناہ کی طرف بڑھے تو ایک کالی نگلی، پر گندہ سر عورت نکلی۔ وہ اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر ہائے ہلتے کر دی تھی۔ اس سے مجاہد نے کہا، مناہ! اپنے کچھ نافرمانوں کو مکپٹے۔ لیکن اتنے میں حضرت سعد نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک بُت ڈھا دیا اور اسے توڑ پھوڑ دالا۔ خزانے میں کچھ نہ ملا۔

۴۔ عزیزی کو ڈھا کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے اسی ماہ شعبان شہر میں بنو جذیر کے پاس روانہ فرمایا، لیکن مقصود حملہ نہیں بلکہ اسلام کی تبلیغ تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار اور بنو سعیم کے سارے تین سو افرادے کر روانہ ہوتے اور بنو جذیر کے پاس پہنچ کر اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام نا رہم اسلام لائے) کے بجائے صبائنا صبائنا (ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم نے اپنا دین چھوڑا) کہا۔ اس پر حضرت خالد نے ان کا قتل اور ان کی گرفتاری شروع کر دی اور ایک ایک قیدی اپنے ہر ہر ساتھی کے حوالے کیا۔ پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے؛ لیکن حضرت ابن عمر اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعیل سے انکار کر دیا اور جب نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ انہما کے اور دوبار فرمایا: "لے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف بڑت اختیار کرتا ہوں گے"۔

اس موقع پر صرف بنو سعیم کے لوگوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کیا تھا۔ انصار و مہاجرین نے قتل نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بصیر کران کے مقتولین کی دیت اور ان کے نقصانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔ اس معاوضے میں حضرت خالد اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ سخت کلامی اور کشیدگی ہو گئی تھی۔ اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: "خالد! ٹھہر جاؤ۔ میرے رفقاء کو کچھ بہنسے بازار ہو۔ خدا کی قسم اگر احمد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارا کام اسرا تمہاری راہ میں خرچ کر دے تو بھی میرے رفقاء میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک

## شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہ ہے غزوہ فتح مکہ۔ یہی وہ فیصلہ کن معرکہ اور فتح عظیم ہے جس نے بُرت پرستی کی قوت مکمل طور پر توڑ کر کھو دی اور اس کا کام اس طرح تمام کر دیا کہ جزیرۃ العرب میں اس کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش اور کوئی وجہ جواز زرہ گئی، کیونکہ عامہ قبائل منتظر تھے کہ مسلمانوں اور بُرت پرستوں میں جو معرکہ آرائی چل رہی ہے دیکھیں اس کا انعام کیا ہوتا ہے؟ ان قبائل کو یہ بات بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ حرم پر دہی سلط ہو سکتا ہے جو حق پر ہو۔ ان کے اس لیکھنی کا لال میں مزید حد درجہ پختگی نصف صدی پہلے اصحاب نبیل آبرہمہ اور اس کے ساتھیوں کے واقعہ سے آگئی تھی کیونکہ اہل عرب نے دیکھ لیا تھا کہ ابرہمہ اور اس کے ساتھیوں نے بیت اللہ کا رُخ کیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر کے بھس بنا دیا۔

یاد رہے کہ صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا پیش خیمه اور تمہید تھی۔ اس کی وجہ سے امن و امان کا دور دوڑہ ہو گیا تھا۔ لوگ محل کھل کر ایک دوسرے سے بامیں کرتے تھے۔ اسلام کے متعلق تبادلہ خیال اور سخنیں ہوتی تھیں۔ کہ کے جو لوگ درپردہ مسلمان تھے انہیں بھی اس صلح کے بعد اپنے دین کے اظہار و تبلیغ اور اس پر بحث و مناظرہ کا موقع ملا۔ ان حالات کے نتیجے میں بہت سے لوگ طلاق گوش اسلام ہوتے۔ یہاں تک کہ اسلامی شکر کی جو تعداد گزشتہ کسی غزوے میں میں ہزار سے زیادہ نہ ہو سکی تھی اس غزوہ فتح مکہ میں دس ہزار تک جا پہنچی۔ اس فیصلہ کن غزوے نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان پر پڑا ہوا وہ آخری پرودہ ہٹا دیا جو قبول اسلام کی راہ میں روک بنا ہوا تھا۔ اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے سیاسی اور دینی افق پر مسلمانوں کا سوچ چک رہا تھا اور اب دینی سربراہی اور دینی قیادت کی زمام ان کے ہاتھ آچکی تھی۔

گویا صلح حدیبیہ کے بعد جو مسلمانوں کے حق میں مفید تغیر شروع ہوا تھا اس فتح کے ذریعے مکمل اور تمام ہو گیا اور اس کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوا جو پورے طور پر مسلمانوں کے حق میں تھا اور جس میں پوری صورت حال مسلمانوں کے قابو میں تھی، اور عرب اقوام کے سامنے صرف ایک ہی راست تھا کہ وہ وفاد کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ماضر ہو کر اسلام قبول کر لیں اور آپ کی دعوت کے کر چار داہنگ عالم میں پھیل جائیں۔ اگلے دو برسوں میں اسی کی تیاری کی گئی۔

تمہ اس غزوے کی تفصیلات ذیل کے آفڈسے لی گئی ہیں۔ ابن ہشام ۲۸۹/۲ تا ۳۲۷، صحیح بنخاری ۴۱۶/۲ تا ۴۱۵، ۶۲۲، ۴۱۵، فتح الباری ۸/۸ تا ۴۲، صحیح مسلم ۱/۱، مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ بن ۳۵۱ تا ۳۴۲، زاد المعاوی ۲/۱۶۰ تا ۱۶۸، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۲۰، ۳۲۹، ۳۲۸

### تیسرا مرحلہ:

یہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے جو آپ کی اسلامی دعوت کے ان نتائج کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں آپ نے تقریباً ۲۳ سال کی طویل بجد جہد، مشکلات و مشقت، ہنگاموں اور فتنوں، فادات اور جنگوں اور خونریز معرکوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

ان طویل برسوں میں فتح مکہ سب سے اہم ترین کامیابی تھی جو مسلمانوں نے حاصل کی۔ اس کی وجہ سے حالات کا دھارا بدلتا گیا اور عرب کی فضائیں تغیرت آگئیا۔ یہ فتح درحقیقت اپنے ماقبل اور ما بعد کے دونوں ماں کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ قریش اہل عرب کی نظر میں دین کے محافظ اور انصار تھے اور پورا عرب اس بارے میں انکے تابع تھا اس لیے قریش کی پراندازی کے معنی یہ تھے کہ پورے جزیرہ نما نئے عرب میں بت پرستانہ دین کا کام تمام ہو گیا۔

یہ آخری مرحلہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔

۱۔ مجاہدہ اور قتال۔

۲۔ قبول اسلام کے لیے قوموں اور قبیلوں کی دوڑ۔

یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور اس مرحلے میں آگے پچھے بھی اور ایک دوسرے کے دوران بھی پیش آتی رہی ہیں۔ البتہ ہم نے کتابی ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ ذکر کریں۔ چونکہ پچھلے صفحات میں مورکہ دجنگ کا تذکرہ پڑا تھا اور اگلی جنگ اسی کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے یہاں جنگوں ہی کا ذکر پہلے کیا جا رہا ہے۔

## غزوہ میں

مکہ کی نتھی ایک اچانک ضرب کے بعد حاصل ہوئی تھی جس پر عرب شمشاد تھے اور ہمسایہ قبائل میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس ناگہانی امر واقع کر سکیں۔ اس لیے بعض اڑیل، طاقتوڑ اور ملکبر قبائل کو چوڑ کر تھیے سارے قبیلوں نے پرڈال دی تھی۔ اڑیل قبیلوں میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے۔ ان کے ساتھ مُضْر، جُبِشُم اور سعد بن بدر کے قبائل اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان سب قبیلوں کا تعلق قصیر عیلان سے تھا۔ انہیں یہ بات اپنی خودی اور عزتِ نفس کے خلاف معلوم ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے سپرانداز ہو جائیں۔ اس لیے ان قبائل نے مالک بن عوف نصری کے پاس جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں پر لیفار کی جاتے۔

**دشمن کی روائی اور اوطاس میں پڑا تو روانگی عمل میں آئی تو جزل کمانڈر — مالک بن عوف** — لوگوں کے ساتھ ان کے مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر وادی اوطاس میں نجیمہ زدن ہوا۔ یہ خینہ کے قریب بنو ہوازن کے علاقوں میں ایک وادی ہے، لیکن یہ وادی خینہ سے علیحدہ ہے۔ خینہ ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمحاجز کے بازوں میں واقع ہے۔ وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے تکے کافاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔

**مالک بن عوف کی زبانی سپہ سالار کی تغلیط** اوطاس میں اترنے کے بعد لوگ کمانڈر کے پاس جمع ہوئے۔ ان میں دُرید بن صَمَّہ بھی تھا۔ یہ

بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اب اپنی جنگی و اتفاقیت اور مشورہ کے سوا کچھ کرنے کے لائق نہ تھا۔ لیکن وہ اصلاً بڑا بہادر اور مالک بن عوف کے پیارے تھے۔ اس نے دریافت کیا، تم لوگ کس وادی میں ہو؟ جواب میا اوطاس میں۔ اس نے کہا، یہ سواروں کی بہترین جولان گاہ ہے، نہ پتھری اور کھانی دار ہے نہ بھرپوری نشیب۔ لیکن کیا بات ہے کہ میں اذٹوں کی بلبلہست، گدھوں کی دھینچ، بچوں کا گریہ اور بکریوں کی میاہست سن رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا، مالک بن عوف، فوج کے ساتھ ان کی عورت میں، پتھے اور مال مویشی بھی کھینچ لایا ہے۔ اس

پر دریڈ نے مالک کو بلایا اور پوچھا "تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا۔ میں نے سوچا کہ ہر آدمی کے پیچے اس کے اہل اور مال کو لگا دوں، تاکہ وہ ان کی خناخت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے۔ دریڈ نے کہا" والثدا تم نے بھیڑوں کے چروں سے ہو جلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے؟ دیکھو اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی تمہارے لیے شریروں سا مسلح آدمی ہی مفید ہے اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمہیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رسوہ ہونا پڑے گا۔" پھر دریڈ نے بعض قبائل اور سرداروں کے متعلق سوال کیا اور اس کے بعد کہا : "اے مالک تم نے بنو ہوازن کی عورتوں اور پچوں کو سواروں کے مقابل لاءِ مقابل لاکر کوئی صحیح کام نہیں کیا ہے۔ انہیں ان کے علاقے کے محفوظ مقامات اور ان کی قوم کی بالائی جگہوں میں بیچج دو۔ اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر بد دینوں سے مکروہ اگر تم نے فتح حاصل کی تو پیچھے والے تم سے آن ملیں گے اور اگر تمہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا تو تمہارے اہل دعیا اور مال مولیشی بھرل محفوظ رہیں گے۔"

لیکن جنل کمانڈر، مالک نے یہ مشورہ مسترد کر دیا اور کہا : "خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ والثدا تو ہوازن میری اطاعت کریں یا میں اس تلوار پر شریک لگادوں گا اور یہ میری پیٹھ کے آر پار کل جلتے گی۔" وہ حقیقت مالک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں دریڈ کا بھی نام یا مشورہ شامل ہو۔ ہوازن نے کہا، ہم نے تمہاری اطاعت کی۔ اس پر دریڈ نے کہا، یہ ایسی جنگ ہے جس میں نہ (صحیح طور پر) شریک ہوں اور نہ (بالکل) ایگ، ہوں :

یا لیتني فیها جذع      أَخْبَرَ فِيهَا وَاضْعَ

اقوْد وَ طَفَاءُ الدَّمْع      كَأْنَهَا شَاهَةً صَدْعَ

"کاش میں اس میں جوان ہوتا۔ تگ دن تاز اور بھاگ دڑکتا۔ مالک کے لئے باون والے اور میانہ قسم کی بکری جیسے گھوڑے کی تیادت کرتا۔"

**دشمن کے جاسوس** | اس کے بعد مالک کے وہ جاسوس آئے جو مسلمانوں کے حالات کا پتا لگانے پر مأمور رکھنے لگتے تھے۔ ان کی حالت یقینی کر ان کا جوڑ جوڑ لوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مالک نے کہا، تمہاری تباہی ہو تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا، ہم نے کچھ جنگبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے، اور اتنے میں والثدا ہماری وہ حالت ہو گئی جسے تم دیکھ رہے ہو۔

**رسول اللہ ﷺ کے جاسوس** | اوہ رسول اللہ ﷺ کو بھی دشمن کی روائی کی خبری مل چکی تھیں، چنانچہ آپ نے ابو حذرہ رضی اللہ عنہ

کو یہ حکم دے کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کے درمیان گھس کر قیام کریں اور ان کے حالات کا مُحیک مُحیک پتا گا کرو اپنے آئیں اور آپ کو اطلاع دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

### **رسول اللہ ﷺ کے حینین کی طرف سچرا، شوال شہر کو رسول اللہ ﷺ نے**

انہوں دن تھا۔ بارہ ہزار کی فوج آپ کے ہمراہ تھی۔ دس ہزار وہ جو فتح مکہ کے لیے آپ کے ہمراہ تشریف لائی تھی اور دو ہزار باشندہ گان مکہ سے، جن میں اکثریت نسلموں کی تھی۔ نبی ﷺ نے صفوان بن امیرہ سے سو زد ہیں مع آلات دادزار ادھار لیں اور عتاب بن ائمہ رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

دو پھر بعد ایک سوارنے اگر بتایا کہ میں نے فلاں اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آگئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے اور بکریاں سب ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بسم فرماتے ہوئے فرمایا، یہ سب ان شَلَّهُ اللہُ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہو گا۔ رات آئی تھرثڑ انس بن ابی مرشد غنوی رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ طور پر ستری کے فرائض انجام دیئے۔<sup>۱</sup>

حینین جاتے ہوئے لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا ہرا درخت دیکھا جس کو ذات اُذاظ کہا جاتا تھا۔ (مشرک ہیں) عرب اس پر اپنے سمجھیاں لکھتے تھے، اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور وہاں درگاہ اور میلہ لگاتے تھے بعض فوجیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، آپ ہمارے لیے بھی ذات اُذاظ بنادیجئے جیسے ان کے لیے ذات اُذاظ ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ اکبر اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، تم نے دیسی ہی بات کہی جسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نہ کہی تھی کہ اجعل لَنَا الْمَاكِمَةَ لَهُمُ الْهَمَةُ (”ہمارے لیے بھی ایک معبد بنادیجئے جس طرح ان کے لیے معبد ہیں“) یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقوں پر سوار ہو گے۔<sup>۲</sup>

(انشاراہ میں) بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر ہاتھا کہ ہم آج ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ پر گران گزری تھی۔

### **اسلامی لشکر پر تیراندازوں کا اچانک حملہ**

اسلامی لشکر متگل اور بدھ کی درمیانی رات

۱۔ دیکھتے سنن ابی داؤد میں عون المعبود ۲/۲، ۳ باب فضل اخمرس فی نیل اللہ

۲۔ ترمذی فتن، باب لرکین سنن من کان قلمکم ۲، رام مند احمد ۵/۲۸۱

یہاں پہلے ہی پہنچ کر اور اپنا شکر رات کی تاریکی میں اس دادی کے اندر آتا کہ اسے راستوں، گذرگاہوں گھائیوں، پوشیدہ جگہوں اور دروں میں پھیلا اور چھا چکا تھا اور اسے یہ حکم دے چکا تھا کہ مسلمان جو نبی نبودار ہوں انہیں تیروں سے چلنی کر دینا، پھر ان پر یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑتا۔

ادھر سحر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے شکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور پرچم باندھ باندھ کر لوگوں میں تقسیم کئے پھر صبح کے چھٹپئی میں مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دادی خین میں قدم رکھا۔ وہ دشمن کے وجود سے قطعی بے خبر تھے۔ انہیں مطلق علم نہ تھا کہ اس دادی کے تنگ دروں کے اندر لفیف ہوازن کے جیسا کے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، اس لیے وہ بے خبری کے عالم میں پورے اطمینان کے ساتھ اُز رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ پھر فوراً ہی ان پر شکن کے پُرے کے پُرے یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑے۔ اس اچانک جھلے سے مسلمان سنبھل نہ سکے اور ان میں ایسی بھگڑ پچی کوئی کسی کی طرف دیکھ نہ رہا تھا، بالکل فاش نہ کیتی ہی بہاں تک کہ ابوسفیان بن حرب نے — جو ابھی نیازیا مسلمان تھا — کہا، اب ان کی بھگڑ سمندر سے پہنچے نہ رکے گی۔ اور جبلہ یا کلدہ بن جنید نے پیغام کر کہا، دیکھو آج جادو باطل ہو گیا۔

یہ ابن اسحاق کا بیان ہے۔ براء بن عاذب رضی اللہ عنہ کا بیان جو صحیح بخاری میں مردی ہے اس سے مختلف ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہوازن تیرانداز تھے۔ ہم نے جلد کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔

اور حضرت انس کا بیان جو صحیح مسلم میں مردی ہے وہ بظاہر اس سے بھی قدیمے مختلف ہے مگر بڑی حد تک اس کا موئید ہے۔ حضرت انس کا ارشاد ہے کہ ہم نے کہ فتح کیا۔ پھر خین پر چڑھائی کی مشترکین اتنی عدو صفتیں بنائیں ہوئیں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ سواروں کی صفت، پھر پیادوں کی صفت، پھر ان کے پیچے عورتیں، پھر بھیڑ بکریاں، پھر درسے چھپائے۔ ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید تھے؛ مگر ہمارے سواروں دشمن کی تیراندازی کی وجہ سے) ہماری پیچھے کے پیچھے پناہ گیر ہونے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو شے بہر حال جب بھگڑ پچی تو رسول اللہ ﷺ نے دایں طرف ہو کر پکارا: "لوگو! میری طرف آؤ میں

نہ صحیح بخاری : باب ویوم حین اذا عجبتكم اخ

۹۷ فتح الباری ۲۹/۸

عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں۔“ اس وقت اس جگہ آپ کے ساتھ چند مہاجرین اور اہل خاندان کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان نمازک ترین محات میں رسول اللہ ﷺ کی بنے نظری شجاعت کا ظہور ہوا، یعنی اس شدید جگہ کے باوجود آپ کا رُخ کفار کی طرف تھا اور آپ پیش قدمی کیلئے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے اور یہ فرمائی ہے تھے:

**أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ**

”میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔“

یکن اس وقت ابوسفیان بن حارث نے آپ کے خچر کی لگام پر درکھی تھی اور حضرت عباس نے رکاب تحامی تھی۔ دونوں خچر کو روک رہے تھے کہ کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے چھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو۔۔۔ جن کی آواز خاصی بلند تھی۔۔۔ حکم دیا کہ صحابہ کرام کو پکاریں۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے نہایت بلند آواز سے پکارا ورنہ خست والو....! (بیت رضوان والو....!) کہاں ہو یہ واللہ وہ لوگ میری آواز سن کر اس طرح مڑے جیسے گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے اور جو ابا کہا، باں ہاں آئے آئے۔ حالت یہ تھی کہ آدمی اپنے اوپر کو موڑنے کی کوشش کرتا اور نہ موڑ پاتا تو اپنی زردہ اس کی گردن میں ڈال پھینکتا اور اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اوپر سے کو د جاتا۔ اور اوپر کو چھوڑ چھاڑ کر آواز کی جانب دوڑتا۔ اس طرح جب آپ کے پاس سوادی جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن کا استقبال کیا اور لڑاتی شروع کر دی۔

اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوتی۔ او.... انصاریو! او.... انصاریو! پھر یہ پکار بنو حارث بن خمزہ کے اندر محدود ہو گئی۔ ادھر مسلمان دستوں نے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اسی رفتار سے ایک کے پیچے ایک آتے چلے گئے اور دیکھتے دیکھتے فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ کی طرف نظر انھا کر دیکھا تو گھسان کارن پڑ رہا تھا۔ فرمایا: ”اب چولھا گرم ہو گیا ہے“ پھر آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹھی لے کر دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: ”شَاهَتِ الْوُجُوهُ چہرے بگڑا جائیں“ یہ مٹھی بھر مٹھی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی آدمی ایسا زخم جس کی

لئے اب اسحاق کے بقول ان کی تعداد نہیا دس تھی۔ نو دی کا ارشاد ہے کہ آپ کے ساتھ بارہ آدمی ثابت قدم رہے۔

اما احمد اور حاکم نے این مسودے رداشت کی ہے کہ میں خین کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ پیٹھ

پھیر کر بجا گئے مگر آپ کے ساتھ اسی مہاجرین و انصار ثابت قدم رہے۔ ہم اپنے قدموں پر (پیل) تھے اور ہم نے

پیٹھ نہیں پھیری۔ ترمذی نے بمندس، ابن عمر کی حدیث رداشت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے لوگوں کو

خین کے روز دیکھا کہ انہوں نے پیٹھ پھیر لی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سو آدمی بھی نہیں۔

آنکھ اس سے بھرنے لگی ہو۔ اس کے بعد ان کی قوتِ نوشتی پلی گئی اور ان کا کام زوال پذیر ہوتا چلا گیا  
**دشمن کی شکستِ فاش** | مٹتی پھینکنے کے بعد چند ہی ساعتیں گزری تھیں کہ دشمن کو فاش  
 شکست ہو گئی۔ تحقیف کے تقریباً پارشراً می قتل کرنے لگئے اور ان

کے پاس جو کچھ مال، ہتھیار، عوامیں اور بچے تھے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

یہی وہ تغیر ہے جس کی طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے :

وَيَوْمَ حَتَّىٰ إِذَا أَعْجَبَكُمْ كُثُرَكُمْ فَلَمَّا تُغْنِنُ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ  
 بِمَا رَحِبَتْ ثُمَّ وَلَيْسَ مُدْبِرُونَ ○ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
 وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّهُ تَرَوْهَا وَعَذَابَ الظَّالِمِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَرَاءُ الْكُفَّارِ ○ (۲۵: ۹۱)

اور (اللہ نے) خین کے دن (تہاری مدد کی) جب تمہاری کثرت نے غدر میں ڈال دیا تھا۔

پس وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین کشادگی کے باوجود تم پر ٹنگ ہو گئی۔ پھر تم لوگ پڑھ پھیر کر بھل گے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسا شکر نازل کیا جسے تم نے نہیں دیکھا، اور کفر کرنے والوں کو سزا دی اور یہی کافروں کا بدله ہے۔

**تعاقب** | شکست کھانے کے بعد دشمن کے ایک گروہ نے طائف کا رُخ کیا، ایک نخلہ کی طرف بھاگا اور ایک نے او طاس کی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ  
 کی سرگردی میں تعاقب کرنے والوں کی ایک جماعت او طاس کی طرف روانہ کی۔ فریقین میں تھوڑی سی جھرپ ہوتی اس کے بعد مشرکین بھاگ کھڑے ہوتے۔ البتہ اسی جھرپ میں اس دستے کے کمانڈر ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

مسلمان شہسواروں کی ایک دوسری جماعت نے نخلہ کی طرف پسپا ہونے والے مشرکین کا تعاقب کیا اور درید بن صہم کو جا کپڑا جسے ربیع بن رفیع نے قتل کر دیا۔

شکست خورده مشرکین کے تیرے اور سب سے بڑے گروہ کے تعاقب میں جس نے طائف کی راہ لی تھی، خود رسول اللہ ﷺ مال غنیمت جمع فرمانے کے بعد روانہ ہوئے۔

**غنیمت** | مال غنیمت یہ تھا: قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکری چالیس ہزار سے زیادہ،  
 چاندی چار ہزار اور قیسہ ریعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم جس کی مقدار چھ کوئنٹل سے چند ہی کیلوگم ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر اسے جوڑا نے میں روک رکھتے  
 مسعود بن عمرو غفاریؓ کی نگرانی میں دے دیا اور جب تک غزوہ طائف سے فارغ نہ ہو گئے اسے تقسیم نہ فرمایا۔

قیدیوں میں شیخاء بنت حارث سعدیہ بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضامی ہیں جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لا یا گیا اور انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک علامت کے ذریعہ پہچان لیا۔ پھر ان کی بڑی قدر و عزت کی۔ اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں ان کی قوم میں واپس کر دیا۔

## غزوہ طائف

یہ غزوہ درحقیقت غزوہ حنین کا پھیلاوہ ہے۔ چونکہ ہوازن و ثقیف کے پیشہ شکست خورده افادا پنے جزء کانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف ہی آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر اور جہرانہ میں مال غنیمت جمع فرمایا اسی ماہ شوال شمسیہ میں طائف کا قصد فرمایا۔

اس مقصد کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سر کردگی میں ایک ہزار فوج کا ہراول دستہ روانہ کیا گیا، پھر آپ نے خود طائف کا رُخ فرمایا۔ راستے میں نخلہ، یمانیہ، پھر قرن منازل پھر یہ سے گزر ہوا۔ لیہ میں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا۔ آپ نے اسے منہدم کر دادیا۔ پھر سفر چاری رکھتے ہوئے طائف پہنچے اور قلعہ طائف کے قریب خیبر زن ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے قدر سے طول کر دیا۔ اسچانچے صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ یہ چالیس دن تک جاری رہا۔ اہل سیر میں سے بعض نے اس کی مدت بیس دن بتائی ہے، بعض نے دس دن سے زیادہ بعض نے اٹھاڑہ دن اور بعض نے پندرہ دن۔

دورانِ محاصرہ دونوں طرف سے تیراندازی اور پتھر بازی کے واقعات بھی پیش آتے رہے، بلکہ پہلے پہل جب مسلمانوں نے محاصرہ کیا تو قلعہ کے اندر سے ان پر اس شدت سے تیراندازی کی گئی کہ معلوم ہوتا ہے مذہبی دل چھایا ہوا ہے۔ اس سے متعدد مسلمان زخمی ہوئے، بارہ شہید ہوئے اور انہیں اپنا کیمپ اٹھا کر موجودہ مسجد طائف کے پاس لے جانا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال سے نئٹنے کے لیے اہل طائف پر محبین قصب کی اور متعدد گولے پھینکے جس سے قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت دباپر کے اندر گھس

کر آگ لگانے کے لیے دیوار تک پہنچ گئی۔ لیکن دشمن نے ان پر لوہے کے جلیتے مکروہ پھینکے جس سے مجرور ہو کر مسلمان دبایہ کے نیچے سے باہر نکل آئے۔ مگر باہر نکلے تو دشمن نے ان پر تیروں کی بارش کر دی جس سے بعض مسلمان شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو زیر کرنے کے لیے ایک اور عجیلی حکمتِ عملی کے طور پر حکم دیا کہ انگور کے درخت کاٹ کر جلا دیئے جائیں۔ مسلمانوں نے ذرا بڑھ کر ہی کنائی کر دی۔ اس پر ثقیفے اللہ اور قربت کا واسطہ کر کر گزارش کی کہ درختوں کو کاشنا بند کر دیں۔ آپ نے اللہ کے واسطے اور قربت کی خاطر ہاتھ روک لیا۔ دورانِ محاصرہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا جو غلام قلعہ سے اُتر کر ہمارے پاس آ جاتے وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں میں آشامی ہوئے۔ انہیں میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخی یا گداری کی مدد سے (جس کے ذریعہ رہبڑ سے پانی کھینچا جاتا ہے) لٹک کر نیچے آتے تھے۔ (چونکہ گداری کو عربی میں بکرہ کہتے ہیں) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابو بکرہ رکھ دی۔ ان سب غلاموں کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا اور ہر ایک کو ایک مسلمان کے حوالے کر دیا کہ اسے سامان بہم پہنچائے۔ یہ حادثہ قلعہ والوں کے لیے بڑا جائز کاہ تھا۔

جب محاصرہ طول پکڑا گیا اور قلعہ قابو میں آتا نظر آیا اور مسلمانوں کی بارش اور گرم لوہوں کی زد پڑی اور ادھر اہل قلعہ نے سال بھر کا سامان خود و نوش بھی جمع کر لیا۔ —— تو رسول اللہ ﷺ نے ذوق بن معادیہ دیلی سے شورہ طلب کیا۔ اس نے کہا، "ومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ اس پر ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلتے گئے تو وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ لوگوں میں اعلان کروادیا کہم ان شاہ اللہ کل واپس ہوں گے لیکن یہ اعلان صحابہ کرام پر گواں گزرا۔ وہ کہنے لگے، ہوتہ طائف فتح کیے بغیر واپس ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "اچھا تو کل صبح لڑائی پر چلنا ہے جنما پندرہ دوسرے دن لوگ لڑائی پر گئے لیکن چوتھا نے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا تو اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہم ان شاہ اللہ کل واپس ہوں گے۔ اس پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے بے چون و چڑھا رخت سفر باندھنا شروع کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے۔

اس کے بعد جب لوگوں نے ڈیرہ ڈنڈاٹھا کر کوچ کیا تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہو،

**أَشْبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ**

”ہم پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت گزار ہیں، اور اپنے رب کی حمد کرتے ہیں۔“

کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تحقیف پر بد دعا کریں۔ آپ نے فرمایا: ”اے اللہ! تحقیف کو ہدایت دے اور انہیں لے آ۔“

### جغرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم | رسول اللہ ﷺ طائف سے محاصرہ متم کر کے واپس

آئے تو جرانہ میں کئی روز مال غنیمت تقسیم کیجئے بغیر ٹھہرے رہے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ کی خدمت میں آجائے اور اس نے جو کچھ کھو یا ہے سب لے جائے۔ لیکن تاخیر کے باوجود جب آپ کے پاس کوئی نہ آیا تو آپ نے مال کی تقسیم شروع کر دی تاکہ قبائل کے سردار اور کمہ کے اشراف جو بڑی وصیت سے جہاں تک رہے تھے ان کی زبان خاموش ہو جائے۔ مولفۃ القطبۃ کی تسمت نے سب سے پہلے یا دری کی اور انہیں بڑے بڑے حصے دیتے گئے۔ ابوسفیان بن عرب کو چالیس آوقیہ (کچھ کم کچھ کیلو چاندی) اور ایک سو اونٹ عطا کئے گئے۔ اس نے کہا،

میرا بیٹا یزید؟ آپ نے اتنا ہی یزید کو بھی دیا۔ اس نے کہا، اور میرا بیٹا معاویہ؟ آپ نے اتنا ہی معاویہ کو بھی دیا۔ (یعنی تنہا ابوسفیان کو اس کے بیٹوں سمیت تقریباً ۸ کیلو چاندی اور تین سو اونٹ حامل ہو گئے) حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ دیتے گئے۔ اس نے مزید سو اونٹ کا سوال کیا تو اس نے پھر ایک سو اونٹ دیتے گئے۔ اسی طرح صفوان بن امیرہ کو سو اونٹ پھر سو اونٹ اور پھر سو اونٹ (یعنی تین سو اونٹ) دیتے گئے۔

خارجت بن کلدہ کو بھی سو اونٹ دیتے گئے اور کچھ مزید قرضی دیغیر قرضی رد ساد کو سو سو اونٹ دیتے گئے کچھ دمردیں کو پچاس پچاس اور چالیس چالیس اونٹ دیتے گئے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گی کہ محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندر لشہری نہیں۔ چنانچہ مال کی طلب میں بندوں اپ پر اونٹ پڑے اور آپ کو ایک درخت کی جانب سمعنے پر مجبور کر دیا۔ اتفاق سے آپ کی چادر درخت میں پھنس کر رہ گئی۔ آپ نے فرمایا: لوگوں امیری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تھامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوں تو انہیں بھی تم پر تقسیم کر دوں گا۔ پھر تم

نہ وہ لوگ جو نتے نتے مسلم ہوئے ہوں اور ان کا دل جوڑنے کے لیے انہیں مالی مدد دی جاتے تاکہ وہ سلام

مجھے نہ بخیل پاؤ گے، نہ بزدل، نہ جھوٹا۔“

اس کے بعد آپ نے اپنے اونٹ کے بازو میں کھڑے ہو کر اس کی کوہاں سے کچھ بال لیے اور پھر کی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا: ”وَكُوْنُوا إِذَا دَعَاهُ اللَّهُ مِنْ رِبْطَنَةٍ لِمَا فِي مِنْ سَعَةٍ فَإِنَّمَا سَعَةً كُوْنَتْ بِأَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ“ ہمیشہ کہ اتنا بال بھی نہیں۔ صرف خُس ہے اور خُس بھی قم پر ہی پڑا دیا جاتا ہے۔“

**مؤلفۃ القلوب** کو دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مال غنیمت اور فوج کو لیکجا کر کے لوگوں پر غنیمت کی تقسیم کا حساب لگائیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو ایک ایک فوجی کے حصے میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں۔ جو شہسوار تھا اسے بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں میں۔

یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر منی تھی کیونکہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل کے راستے نہیں بلکہ پہنچ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی جس طرح جانوروں کو ایک مٹھی ہری گھاس دکھلا دیجئے اور وہ اس کی طرف بڑھتے لپکتے اپنے محفوظ ٹھکانے تک جا پہنچتے ہیں اسی طرح مذکورہ قسم کے انسانوں کے لیے بھی مختلف ڈھنگ کے ابابکر شمش کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ ایمان سے مانوس ہو کر اس کے لیے پُر جوش بن جائیں۔

### النصار کا حزن و اضطراب

یہ سیاست پہلے پہل بھی ز جا سکی اسی لیے کچھ زبانوں پر عرف اعتراض آگیا۔ انصار پر خصوصاً اس سیاست کی زد پڑی تھی۔ کیونکہ وہ سب کے سب خیں کے ان عطا یا سے بالکلی محردم رکھنے گئے، حالانکہ مشکل کے وقت انہیں کو پکارا گیا تھا اور وہی اڑکر آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اس طرح جنگ کی تھی کہ فاش شکست شاندار فتح میں تبدیل ہو گئی تھی لیکن اب وہ دیکھ رہے تھے کہ بھاگنے والوں کے ہاتھ پر ہیں اور وہ خود محردم و تھی دست۔

ابن اسحاق نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش اور قبائل عرب کو وہ علیے دیے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو انصار نے جی ہی جی میں عیج دتاب کھایا اور ان میں بہت چیزیں ہوتی یہاں تک کہ ایک کہنے والے نہ کہا، خدا کی قسم رسول اللہ اپنی قوم سے جائے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کیا، ”یا رسول اللہ“

آپ نے اس حاصل شدہ مال فی میں جو کچھ کیا ہے اس پر انصار اپنے جی ہی جی میں آپ پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ آپ نے اسے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا، قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیے لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپ نے فرمایا: "لے سعد! اس بارے میں تمہارا کیا نیحہا ہے؟ انہوں نے کہا، "یا رسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں۔ آپ نے فرمایا: "اچھا تو اپنی قوم کو اس چھوولداری میں جمع کر دیں گے۔" نکل کر انصار کو اس چھوولداری میں جمع کیا۔ کچھ مہاجرین بھی آگئے تو انہیں داخل ہونے دیا۔ پھر کچھ دوسرے لوگ بھی آگئے تو انہیں واپس کر دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبلیہ انصار آپ کے لیے جمع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے، اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا:

"انصار کے لوگو! تمہاری یہ کیا چیز میگوئی ہے جو میرے علم میں آپ ہے! اور یہ کیا ناراضی ہے جو جی میں تم نے مجھ پر محسوس کی ہے! کیا ایسا نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گراہتھے، اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور محتاج تھے، اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا۔ اور باہم ڈھمن تھے، اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیے؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اللہ اور اس کے رسول کا بڑا فضل و کرم ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انصار نے عرض کیا، یا رسول اللہ! بھلا ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا فضل و کرم ہے۔ آپ نے فرمایا: "دیکھو! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور سچ ہی کہو گے اور تمہاری بات سچ ہی مانی جائے گی۔" کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آتے کہ آپ کو جعلیاً کیا تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا، ہم نے آپ کی مدد کی، آپ کو دھنکار دیا گیا تھا، ہم نے آپ کو تھکانا دیا، آپ محتاج تھے، ہم نے آپ کی غنواری و نگاری کی۔

لے انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی اس عارضی دولت کے لیے ناراضی ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا، لے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ ادنٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے دُریزوں میں پٹوڑو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر بھرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں بھی انصار ہی کی راہ چلوں گا۔

لے اللہ رحم فرم انصار پر اور ان کے میٹھوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں (پوتوں) پر۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روتے کہ ڈاڑھیاں تو گئیں اور کہنے لگے : "ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ داپس ہو گئے اور لوگ بھی بکھر گئے۔

**وفد ہوازن کی آمد** | غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آگیا۔ یہ کل چودہ آدمی تھے۔ ان کا سربراہ زہیر بن صرد تھا اور ان میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا ابو بر قان بھی تھا۔ وفد نے سوال کیا کہ آپ ہمہ بانی کر کے قیدی اور مال وال پس کر دیں۔ اور اس انداز کی بات کی کہ دل یعنی جائے آپ نے فرمایا میرے ساتھ جو لوگ یہیں انہیں دیکھ ہی رہے ہو۔ اور مجھے سچ بات زیادہ پتھر ہے اس لیے بتاؤ کہ تمہیں اپنے بال پر کچے زیادہ محظوظ ہیں یا مال؟ انہوں نے کہا ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برادر کوئی چیز نہیں۔ آپ نے حسر میا اچھا وجہ میں ظہر کی ماز پڑھوں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مونین کی جانب سفارشی بنلتے ہیں اور مونین کو رسول اللہ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں داپس کر دیں۔ اس کے بعد وجہ آپ نماز سے فارغ ہوتے تو ان لوگوں نے یہی کہا۔ جواباً آپ نے فرمایا؟ جہاں تک اس حصے کا تعلق ہے جو میرا ہے اور بنی عبد المطلب کا ہے تو وہ تمہارے لیے ہے، اور میں ابھی لوگوں سے پوچھے لیتا ہوں۔ اس پر انصار اور مہاجرین نے اٹھ کر کہا، جو کچھ ہمارا ہے وہ سب بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ اس کے بعد اقران بن حابس نے کہا، لیکن جو کچھ میرا اور بنو تمیم کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں؛ اور غینیثہ بن حسن نے کہا کہ جو کچھ میرا اور بنو فراہ کا وہ بھی آپ کے لیے نہیں ہے؛ اور عباس بن مرداس نے کہا، جو کچھ میرا اور بنو سلیمان کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ اس پر بنو سلیمان نے کہا، جی نہیں، جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عباس بن مرداس نے کہا: تم لوگوں نے میری توہین کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وکیوں یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں (اور اسی غرض سے) میں نے ان

۱۳۔ ابن ہشام ۲/۹۹، ۵۰۰۔ ایسی ہی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ۲/۶۰، ۶۲۱۔

۱۴۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ان میں انکے نواشرافت تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ بیعت کی۔ اس کے بعد آپ سے گفتگو کی۔ اور عرض کی کہ لے اللہ کے رسول! آپ نے جنہیں قید فرمایا ہے، ان میں مأیں اور بہنیں ہیں۔ اور پھر پھیاں اور خالائیں ہیں۔ اور یہی قوم کے لیے رسوائی کا بسبب ہوتی ہیں۔ رفع ابخاری ۸/۲۲۳، رفع رضا کے مادے دیرو سے مراد رسول اللہ ﷺ کی رضاعی مائیں، خالائیں، پھر پھیاں اور بہنیں ہیں۔ ان کے خطیب زہیر بن صرد تھے۔ ابو بر قان کے ضبط میں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہیں ابو مرداں اور ابو ٹردان بھی کہا گیا ہے۔

کے قیدیوں کی تقیم میں تاخیر کی تھی۔ اور اب میں نے انہیں اختیار دیا تو انہوں نے بال بچوں کے برار کسی چیز کو نہیں سمجھا لہذا جس کسی کے پاس کوئی قیدی ہو، اور وہ بخوبی واپس کر دے تو یہ بہت اچھی راہ ہے اور جو کوئی اپنے حق کو روکنا ہے چاہتا ہو تو وہ بھی ان کے قیدی تو انہیں واپس ہی کر دے۔ البتہ آئندہ جو سب سے پہلا مال فے حاصل ہو گا اس سے ہم اس شخص کو ایک کے بدلتے چھڑ دیں گے۔ لوگوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے بخوبی دینے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم جان نہ سکے کہ آپ میں سے کون راضی ہے اور کون نہیں؟ لہذا آپ لوگ واپس جائیں اور آپ کے چودھری حضرات آپ کے معاٹے کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ اس کے بعد سارے لوگوں نے ان کے بال بچے واپس کر دیے۔ صرف عینہ بن حسن رہ گیا جس کے حصے میں ایک بڑھیا آئی تھی۔ اس نے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن آخر میں اس نے بھی واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک قبلي چادر عطا فرمایا اور واپس کر دیا۔

**عمرہ اور مدینہ کو واپسی** رسول اللہ ﷺ نے مال غنمیت کی تقیم سے فارغ ہو کر حجزہ ہی سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا۔ اس کے بعد عتاب بن اسید کو

لکھ کا دالی بنایا کہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ واپسی ۲۴ ربیعہ شمسہ کو ہوتی۔

محمد غزالی کہتے ہیں: ان فاتحہنما اوقات میں جبکہ اللہ نے آپ کے سر پر فتح میں کا تاج رکھا اور اس وقت میں جبکہ آپ اسی شہر عظیم میں آٹھ سال پہلے تشریف لائے تھے کتنا برا چورا فاصلہ ہے۔

آپ یہاں اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو کھدیڑ دیا گیا تھا، اور آپ امان کے طالب تھے۔ اجنبی اور وحشت زده تھے اور آپ کو انس والفت کی تلاش تھی۔ وہاں کے باشندوں نے آپ کی خوب قدر و منزلفت کی، آپ کو جگہ دی، اور آپ کی مدد کی، اور جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا تھا اس کی پیروی کی اور آپ کی خاطر ساری دنیا کی عدالت یعنی سمجھی۔ اب وہی آپ ہیں کہ جس شہر نے ایک خوف زدہ مہاجر کی حیثیت سے آپ کا استقبال کیا تھا آج آٹھ سال بعد وہی شہر آپ کا اس حیثیت سے استقبال کر رہا ہے کہ مکہ آپ کے زیر نگیں ہے اور اس نے اپنی کبریائی اور جاہلیت کو آپ کے پیروں تکے ڈال دیا ہے اور آپ اس کے پچھلی خطاء معااف کر کے اسے اسلام کے ذریعے سرفرازی سمجھ رہے ہیں۔

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيغُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ (۹۰: ۱۲)

”یعنی جو شخص راستبازی اور صبراً اختیار کرے تو بلاشب اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ ۲۶

۲۶۔ فتح اسریہ ص ۳۰۳، فتح مکہ اور غزوہ طائف کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو زاد المعاد ۲۰۱ تا ۱۶۰/۲

ابن ہشام ۲۸۹/۲ تا ۳۰۵۔ صحیح البخاری ۲/۱۲۲ تا ۶۲۲، فتح الباری ۸/۳ تا ۸۵

# فتح مکہ کے بعد کے سرایا اور عمال کی فنگی

اس طویل اور کامیاب سفر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قدر سے طویل قیام فرمایا۔ اس دوران آپ وفد کا استقبال فرماتے رہے، حکومت کے عمال بھیجتے رہے، داعیانِ دین کو روانہ فرماتے رہے اور جنہیں اللہ کے دین میں داخلے اور عرب کے اندر اُبھرنے والی قوت کو تسلیم کرنے میں ملکبر مانع تھا انہیں سرگوں فرماتے رہے۔ ان امور کا مختصر ساختہ کہ پیش خدمت ہے۔

**تحصیلدارِ زکوٰۃ** گذشتہ مباحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ شہزادیوں کے آخر ہیں تشریف لائے تھے۔ رفیعہ کا بلال محرم طلوع ہوتے ہی آپ نے

قبائل کے پاس صدقات کی وصولی کے لیے عمال روانہ فرمائے جن کی فہرست یہ ہے :

عمال کے نام	وہ قبلیہ جس سے زکوٰۃ وصول کرنی تھی
۱۔ عُدیّینہ بن حسن	بنو تمیم
۲۔ یزید بن الحصین	سلم اور غفار
۳۔ عباد بن بشیر شہلی	مسیم اور مژینہ
۴۔ رافع بن مکیث	جہینہ
۵۔ عمر بن العاص	بنو فزارہ
۶۔ خعاک بن سفیان	بنو کلب
۷۔ بشیر بن سفیان	بنو کعب
۸۔ ابن اللہیثیہ ازدی	بنو ذیبان
۹۔ مہاجر بن ابی امیة	شہر صنعاء (ان کی موجودگی میں ان کے خلاف اسرائیلی مخالفاء میں خودج کیا تھا)
۱۰۔ زیاد بن لبید	علاء حضرموت
۱۱۔ عدی بن حاتم	طی اور بنو اسد
۱۲۔ مالک بن نوریہ	بنو حنظله

بنو سعد (کی ایک شاخ)	۱۳۔ زبرقان بن بدر
بنو سعد (کی دوسری شاخ)	۱۴۔ قیس بن عاصم
علاقہ بحرین	۱۵۔ علام بن الحضری
علاقہ نجران (زکوٰۃ اور جزیہ دونوں وصول کرنے کے لیے)	۱۶۔ علی بن ابی طالب

واضح رہے کہ یہ سارے عمال حرم فہرست میں روایت نہیں کردیے گئے تھے بلکہ بعض بعض کی روائی خاصی تا خیر سے اس وقت عمل میں آئی تھی جب معلقہ قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ البتہ اس اہتمام کے ساتھ ان عمال کی روائی کی ابتداء حرم فہرست میں ہوتی تھی اور اسی سے صلح حیدریہ کے بعد اسلامی دعوت کی کامیابی کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ باقی رہاضع مکارے کے بعد کا دور تو اس میں تو لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے۔

جس طرح قبائل کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عمال بھیجے گئے اسی طرح جزیرۃ العرب مسراً یا [ ] کے عام علاقوں میں امن و امان قسم ہو چکنے کے باوجود بعض مقامات پر متعدد فوجی مہماں بھی بھینی پڑیں۔ فہرست یہ ہے :

۱۔ مسریہ عینیہ بن حسن فرزاری (حرم فہرست) عینیہ کو پچاس سواروں کی کمان دے کر بنو تمیم کے پاس بھیجا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو تمیم نے قبائل کو بھر کا کر جزیہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ اس ہمہ میں کوئی مہاجر یا انصاری نہ تھا۔ عینیہ بن حسن رات کو چلتے اور دن کو چھپتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ صحرائیں بنو تمیم پر ہڈبول دیا۔ وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان کے گیارہ آدمی، اکیس عورتیں اور تیس بیچے گرفتار ہوئے جنہیں مدینہ لا کر رملہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔

پھر ان کے سلسلے میں بنو تمیم کے دس سردار آئے اور نبی ﷺ کے دروازے پر جا کر یوں آواز لگاتی، اے محمد! ہمارے پاس آؤ۔ آپ باہر تشریف لائے تو یہ لوگ آپ سے چھٹ کر باتیں کرنے لگے۔ پھر آپ ان کے ساتھ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھاتی۔ اس کے بعد مسجد بنوی کے صحن میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے فخر و مبارکات میں مقابلہ کی خواہش ظاہر کی اور اپنے خطیب عطاء در بن حاجب کو پیش کیا۔ اس نے تقریر کی۔ رسول اللہ ﷺ نے خطیب اہلام حضرت ثابت بن قیس بن شماں کو حکم دیا، اور انہوں نے جوابی تقریر کی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شاعر زبرقان بن بدر کو آگے بڑھایا اور اس نے کچھ فخریہ اشعار کیے۔ اس کا جواب

شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دیا۔

جب دونوں خطیب اور دونوں شاعرانے کے تو اقرع بن جابس نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ پُر زور اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ پُر گو ہے۔ ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اپنی ہیں اور ان کی باتیں ہماری بالتوں سے زیادہ بلند پایہ ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہترین تحالف سے نوازا اور ان کی عورتیں اور بچے انہیں فی پس کر دیے۔

**۴۔ سریریہ قطبہ بن عامر (صفروں)** شاخ کی جانب روانہ کیا گیا۔ قطبہ بیس آدمیوں کے درمیان روانہ ہوتے۔ دس سو اونٹ تھے جن پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے مسلمانوں نے شبحوں مارا جس پر سخت روانہ بھڑک اٹھی اور فریقین کے خاصے افراد زخمی ہوتے۔ قطبہ کچھ دمرے افراد سمیت مارے گئے تاہم مسلمان بھیز بکریوں اور بال بچوں کو مدینہ ہائک لاتے۔

**۳۔ سریریہ ضحاک بن سفیان کلابی (ربیع الاول ۹ھ)** یہ سریریہ بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا گیا تھا لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے جنگ پھیر دی۔ مسلمانوں نے انہیں شکست دی اور ان کا ایک آدمی تباخ کیا۔

**۴۔ سریریہ علقہ بن محجز ملجمی (ربیع الآخر ۹ھ)** اہمیت میں سوادمی کی کمان دے کر ساحل جدہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ کچھ جوشی ساحل جدہ کے قریب جمع ہو گئے تھے اور وہ اہل کم کے خلاف ڈاکر زنی کرنا چاہتا تھا۔ علقہ نے سندھ میں اتر کر ایک جزیرہ تک پیش قدمی کی۔ جوشیوں کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

**۵۔ سریریہ علی بن ابی طالب (ربیع الاول ۹ھ)** کامن قلس (کھیسا) تھا۔ ڈھلنے کیلئے بیجا گیا تھا۔ آپ کی سرکردگی میں ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑوں سمیت ڈرڈھ سو آدمی تھے۔ جنہوں نے کالی اور پھر پاسفید تھا۔ مسلمانوں نے فجر کے وقت حاتم طائی کے محلہ پر چاپہ مار کر قلس کو ڈھا دیا اور قیدیوں، چوپا یوں اور

لئے اہل معازی کا بیان یہی ہے کہ یہ واقعہ محرم ۹ھ میں پیش آیا لیکن یہ بات تیزی طور پر محل نظر ہے کیونکہ واقعہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرع بن حابس اس سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ خود اہل سیری کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بغیر وزن کے قیدیوں کو واپس کرنے کے لیے کہا تو اسی اقرع بن حابس نے کہا کہ میں اور بنو تمیم واپس نہ کریں گے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اقرع بن حابس اس محرم ۹ھ مولے واقعہ سے پہلے مسلمان ہو پکتے۔ ۳۷ فتح الباری ۸/۵۹

بیڑ بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ انہیں قیدیوں میں حاتم طائی کی صاجزادی بھی تھیں۔ البتہ حاتم کے صاجزادے عدی ملک شام بھاگ گئے مسلمانوں نے قلس کے خروانے میں مین ملواریں اور تین زردیں پائیں اور راستے میں مال غنیمت تقسیم کر لیا۔ البتہ منتخب مال رسول اللہ ﷺ کے لیے علیحدہ کرو دیا اور آل حاتم کو تقسیم نہیں کیا۔ مدینہ پہنچنے تو حاتم کی صاجزادی نے رسول اللہ ﷺ سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! یہاں جو آسکتا تھا لایتھے۔ والد گزر چکے ہیں اور میں بڑھیا ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ مجھ پر احسان کیجئے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا، تمہارے لیے کون آسکتا تھا۔ بولیں؟ عدی بن حاتم فرمایا، وہی جو اللہ اور رسول سے جا گا ہے۔ پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے دن اس نے پھر ہی بات دہرائی۔ اور آپ نے پھر وہی فرمایا جو کل فرمایا تھا۔ تیرپے دن پھر اس نے وہی بات کہی تو آپ نے احسان فرماتے ہوئے اُسے آزاد کر دیا۔ اس وقت آپ کے بازو میں ایک صحابی تھے غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے کہا، آپ ﷺ سے سواری کا بھی سوال کرو۔ اس نے سواری کا سوال کیا۔ آپ نے سواری فراہم کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا۔

حاتم کی صاجزادی لوٹ کر اپنے بھائی عدی کے پاس ملک شام گئیں۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتلایا کہ آپ نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ تمہارے باب پ بھی دیسا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس رغبت یا خوف کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ عدی کسی امان یا تحریر کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ انہیں اپنے گھر لے گئے اور جب وہ سامنے بیٹھے تو آپ نے اللہ کی حمد و شناکی پھر فرمایا: ”تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو ہی کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو ہی اگر ایسا ہے تو بتاؤ کیا تمہیں اللہ کے سوا کسی اور معبد کا علم ہے ہی انہوں نے کہا، نہیں۔ پھر آپ نے کچھ دیگفتگو کی اس کے بعد فرمایا: ”اچھا تم اس سے بھاگتے ہو کہ اللہ اکبر کہا جائے تو کیا تم اللہ سے بڑی کوئی چیز جانتے ہو ہی انہوں نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”سنو! یہود پر اللہ کے غضب کی مادہ ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں۔“ انہوں نے کہا تو میں یک رخ اسلام ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ فرط مرست سے دلکش المحتا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے انہیں ایک نصاریٰ کے ہاں مُہہرا دیا گیا اور وہ صبح و شام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

ابن اسحاق نے حضرت عدی سے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب نبی ﷺ نے انہیں اپنے سامنے

اپنے گھر میں بیٹھا یا تو فرمایا، او۔۔۔۔۔ بعدی بن حاتم کیا تم مذہب اکو سی نہ تھے؟ عدی کہتے ہیں کہ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا، کیا تم اپنی قوم میں مال غنیمت کا پوتھائی یعنے پر عمل پیرا نہیں تھے؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا حالانکہ یہ تمہارے دین میں ملال نہیں۔ میں نے کہا، ہاں قسم بخدا۔ اور اسی سے میں نے جان لیا کہ واقعی آپ اللہ کے بیچجے ہوئے رسول ہیں، کیونکہ آپ وہ بات جانتے ہیں جو جانی نہیں جاتی۔<sup>لکھ</sup>

مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اے عدی! اسلام لا وسلامت رہو گے میں نے کہا: میں تو خود ایک دین کا مانتے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارا دین تم سے بہتر طور پر جانا ہوں۔ میں نے کہا، آپ میرا دین مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! کیا ایسا نہیں کہ تم مذہب اکو سی ہو، اور پھر بھی اپنی قوم کے مال غنیمت کا پوتھائی کھاتے ہو؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دین کی رو سے ملال نہیں۔ آپ کی اس بات پر مجھے سرنگوں ہو جانا پڑا۔<sup>لکھ</sup>

صحیح بخاری میں حضرت عدی سے مروی ہے کہ میں خدمتِ نبوی میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے اگر قادر کی شکایت کی، پھر دوسرا سے آدمی نے اگر رہنمی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا عدی: ”تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خادم کعبہ کا طاف کرے گی اور اے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسری کے خزانے فتح کر دے گے۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی چلو بھر کر سونا یا چاندی نکالے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کر لے تو کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ٹلے گا۔“

اسی روایت کے اندر ہیں حضرت عدی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طاف کرتی ہے اور اے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ اور میں خود ان لوگوں میں تھا جنہوں نے کسری بن ہرمز کے خزانے فتح کئے۔ اور اگر تم لوگوں کی زندگی دراز ہوئی تو تم لوگ وہ چیز بھی دیکھ لو گے جو نبی ابو القاسم ﷺ نے فرمائی تھی کہ آدمی چلو بھر سونا یا چاندی نکالے گا۔ اندر



## غزوہ میوک

غزوہ فتح مکہ، حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس معرکے کے بعد اہل عرب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اسی لیے حالات کی رفتار بکسر بدل گئی اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔ اس کا کچھ اندازہ ان تفضیلات سے لگ سکے گا جنہیں ہم دفود کے باب میں پیش کریں گے اور کچھ اندازہ اس تعداد سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو حجۃ الدادع میں حاضر ہوئی تھی۔— بہر حال اب اندر وی مشکلات کا تقریباً خاتمه ہو چکا تھا اور مسلمان شریعتِ الہی کی تعلیم عام کرنے اور اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے کیسو ہو گئے تھے۔

**غزوہ کا سبب** | مگر اب ایک ایسی طاقت کا رُخ مدینہ کی طرف ہو چکا تھا جو کسی وجہ جواز کے رو تے زمین پر سب سے بڑی فوجی قوت کی حیثیت رکھتی تھی۔ پچھلے اوراق میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس پھیڑ چوار کی ابتداء شریعت بن غزوہ قنافی کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عُمیّر از دی رضی اللہ عنہ کے قتل سے ہوئی جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر بصری کے حکمران کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے بعد حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کی مرکردگی میں ایک شکر بھیجا تھا جس نے رومیوں سے سر زمین موتے میں خوناک ملکری مگر یہ شکر ان مسکن طالموں سے انتقام لینے میں کامیاب نہ ہوا، البتہ اس نے دُور دُزدیک کے عرب باشندوں پر نہایت بہترین اثرات حمچوڑے۔ قیصر روم ان اثرات کو اور ان کے نتیجے میں عرب قبائل کے اندر روم سے آزادی اور مسلمانوں کی ہم زوائی کے لیے پیدا ہونے والے جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یقیناً یہ ایک ”خطرہ“ تھا، جو قدم بقدم اس کی سرحد کی طرف بڑھ رہا تھا اور عرب سے مل ہوئی سرحد شام کے لیے چلنچ بنتا جا رہا تھا اس لیے قیصر نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک عظیم اور ناقابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے پہلے کچل دینا ضروری ہے تاکہ روم سے متصل عرب علاقوں میں ”فقنه“ اور ”ہنگامے“ سرزا اٹھا سکیں۔ ان مصلحتوں کے پیش نظر ابھی جنگِ موتہ پر ایک سال بھی نہ گزر ا تھا کہ قیصر نے رومی باشندوں اور

اپنے ماتحت عربوں یعنی آئل غسان وغیرہ پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک خوزینہ اور فیصلہ کوں معرکے کی تیاری میں لگ گیا۔

## روم و غسان کی تیاریوں کی عام خبریں | ادھرمیزہ میں پے در پے خبریں پہنچ رہی تھیں

کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو ہمدرفت مختکا لگا رہتا تھا اور ان کے کان کسی بھی غیر مانوس آواز کو سن کر فوراً کھڑے ہو جلتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کا ریلا آگیا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ اسی فتوحہ میں نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک ہمینہ کے لیے ایکلا کریا تھا اور انہیں چھوڑ کر ایک بالاغانہ میں علحدہ ہو گئے تھے صاحبہ کرام کو ابتداء تھیقیتِ حال معلوم نہ ہو سکی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ نبی ﷺ نے طلاق دے دی ہے اور اس کی وجہ سے صاحبہ کرام میں شدید رنج و غم پھیل گیا تھا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوتے کہتے ہیں کہ میرا ایک انصاری ساتھی تھا۔ جب میں (خدمت نبوی میں) موجود نہ رہتا تو وہ میرے پاس خبر لاتا، اور جب وہ موجود نہ ہوتا تو میں اس کے پاس خبر لے جاتا۔ یہ دونوں ہی عواید میزہ میں رہتے تھے، ایک دوسرے کے پڑوں تھے اور باری باری خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔ اس زمانے میں ہمیں شاہ غستان کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ ہم پر یورش کرنا چاہتا ہے اور اس کے ڈر سے ہمارے یمنے بھرے ہوتے تھے۔ ایک روز اپنے میرا انصاری ساتھی دروازہ پیٹنے لگا اور کہنے لگا کہو لو۔ میں نے کہا، کیا غسانی آگئے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑی بات ہو گئی، رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے علحدہ ہو گئے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمرؓ کیا ہم میں چرچا تھا کہ آئل غسان ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے گھوڑوں کو نعل لگوار ہے ہیں۔ ایک روز میرا ساتھی اپنی باری پر گیا اور عشاہر کے وقت واپس آگر میرا دروازہ بڑے زور سے پٹا اور کہا، کیا وہ (عمرؓ) سویا ہوا ہے؟ میں گھبرا کر باہر آیا۔ اس نے کہا کہ ڈر احادث ہو گیا۔ میں نے کہا، کیا ہوا ہے کیا غسانی آگئے؟ اس نے کہا نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا اور لمبا حادث، رسول اللہ

لے عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھالینا۔ اگر یہ قسم چار ماہ یا اس سے کم مدت کے لیے ہے تو اس پر شرعاً کوئی حکم لاگونہ ہو گا اور اگر یہ ایکا د چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے ہے تو پھر چار ماہ پورے ہوتے ہی شرعی عدالت خیل ہو گی کہ شوہر یا تو بیوی کی طرح رکھے یا اسے طلاق دے بعض صحابہ کے بقول نقط چار ماہ کی مدت گز بدلنے سے طلاق پڑ جائے گی۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ الخ

اس سے اس صورت حال کی شیگنی کا اندازہ لگایا جا سکتے ہے جو اس وقت رو میوں کی جانب سے مسلمانوں کو درپیش تھی۔ اس میں مزید اضافہ منافقین کی ان ریشه دو اینوں سے ہوا جو انہوں نے رو میوں کی تیاری کی خبریں میرینہ پہنچنے کے بعد شروع کیں۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ یہ منافقین دیکھ چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر میدان میں کامیاب ہیں اور روئے زمین کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے بلکہ جو رکاوٹیں آپ کی راہ میں حائل ہوتی ہیں وہ پاش پاش ہو جاتی ہیں اس کے باوجود ان منافقین نے یہ اسید باندھلی کہ مسلمانوں کے خلاف انہوں نے اپنے سینوں میں جو دیرینہ آرزو چھپا رکھی ہے اور جس گردش دوران کا وہ عرصہ سے انتظار کر رہے ہیں اب اس کی تکمیل کا وقت قریب آگیا ہے۔ اپنے اسی تصور کی بناد پر انہوں نے ایک مسجد کی شکل میں (جو مسجد ضرار کے نام سے شہور ہوتی) دیسیہ کاری اور سازش کا ایک بھٹ تیار کیا جس کی بنیاد اہل ایمان کے درمیان تفرقہ اندازی اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ گفران اور ان سے لڑنے والوں کے لیے گھات کی جگہ فراہم کرنے کے ناپاک مقصد پر رکھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی کہ آپ اس میں نماز پڑھا دیں۔ اس سے منافقین کا مقصد یہ تھا کہ وہ اہل ایمان کو فریب میں رکھیں اور انہیں پتہ نہ لگنے دیں کہ اس مسجد میں ان کے خلاف سازش اور دیسیہ کاری کی کارروائیاں آنجم دی جا رہی ہیں اور مسلمان اس مسجد میں آنے جانے والوں پر نظر نہ رکھیں۔ اس طرح یہ مسجد، منافقین اور ان کے بیرونی دشمنوں کے لیے ایک پڑاں گھونسلے اور بھٹ کا کام دے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس "مسجد" میں نماز کی اوایلگی کو جنگ سے واپسی تک کے لیے موقر کر دیا کیونکہ آپ تیاری میں مشغول تھے۔ اس طرح منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ نے ان کا پردہ واپسی سے پہلے ہی چاک کر دیا۔ چنانچہ آپ نے غزہ سے واپس آگر اس مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے اسے منہدم کر دیا۔

ان حالات اور خبروں کا مسلمان سامنا کر ہی

رہے تھے کہ انہیں اچانک ملک شام سے

روم و غستان کی تیاریوں کی خاص خبریں

تلی لے کر آنے والے بخطبوط سے معلوم ہوا کہ ہرقل نے چالیس ہزار پاہیوں کا ایک شکری جراثی تیار کیا ہے اور روم کے ایک عظیم کمانڈر کو اس کی کمان سونپی ہے۔ اپنے جندے سے تعلیمیں تباہ لختم د جذام دیغیرہ کو بھی

لگہ نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل جنہیں کسی وقت شہزادی جاہزادی میں بڑا عروج حاصل تھا روزاں کے بعد دفتر رفتہ یہ لوگ سعیوں کا نام اور تاجروں کے درجہ میں آگئے۔ سے ایضاً صحیح بخاری ۱/۳۴۶

جمع کر لیا ہے اور ان کا ہر اول دستہ بغاہ پہنچ چکا ہے۔ اس طرح ایک بڑا خطرہ محجم ہو کر مسلمانوں کے سامنے آگیا۔

## حالات کی نزاکت میں اضافہ

پھر جس بات سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا وہ یہ تھی کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا، لوگ تنگی اور قحط سالی کی آزمائش سے دوچار تھے۔ سواریاں کم تھیں، پھل پک چکے تھے، اس لیے لوگ پھل اور ساتے میں رہنا چاہتے تھے۔ وہ فور روائی نہ چلہتے تھے۔ ان سب پر مستزاد مسافت کی دُوری اور راستے کی پیچیدگی اور دشواری تھی۔

## رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ

لیکن رسول اللہ ﷺ حالات و تغیرات کا مطابق  
کہیں زیادہ وقت نظر سے فرم رہے تھے۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر آپ نے ان فیصلوں کی لمحات میں رویوں سے جنگ لڑنے میں کامل اور مستعد سے کام لیا، رویوں کو مسلمانوں کے زیر اثر علاقوں میں گھسنے دیا، اور وہ مدینہ تک بڑھ اور پڑھ آئے تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت بُرے اثرات تربیت ہو گئے مسلمانوں کی فوجی ساکھ اکھڑ جائے گی اور وہ جاہلیت جو جنگ خیبر میں کاری ضرب لگنے کے بعد آخری دم توڑ رہی ہے دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ اور منافقین جو مسلمانوں پر گردش زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں اور ابو عامر فاسق کے ذریعہ شاہ رومن سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں، پیچھے سے عین اس وقت مسلمانوں کے شکم میں خیز گھونپ دیں گے جب آگے سے رویوں کا ریلا ان پر خونخوار جملے کر رہا ہو گا۔ اس طرح وہ بہت ساری کوششیں رائیگاں پل جائیں گی جو آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے اسلام کی نشر و اشتاعت میں صرف کی تھیں اور بہت ساری کامیابیاں ناکامی میں تبدیل ہو جائیں گی جو طویل اور خوزیز جنگوں اور مسلسل فوجی دوڑ دھوکے بعد حاصل کی گئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ ان نتائج کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے اس لیے عمرت و ثابتت کے باوجود آپ نے طے کیا کہ رویوں کو دارالاسلام کی طرف پیش قدمی کی مہلت دیے بغیر خود ان کے علاقے اور حدود میں گھس کر ان کے خلاف ایک فیصلہ کی جنگ لڑی جائے

## رویوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان

یہ معاملہ طے کر لینے کے بعد آپ نے صحابہ کرام نے میں اعلان فرمادیا کہ ریانی کی تیاری کریں قبائل عرب اور اہل مکہ کو بھی پیغام دیا کہ ریانی کے لیے نکل پڑیں۔ آپ کا دستور تھا کہ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو کسی اور ہی جانب روانہ ہوتے۔ لیکن صورت حال کی نزاکت اور تنگی کی شدت کے بعد اب کی بار آپ نے صاف صاف اعلان فرمادیا کہ رویوں سے جنگ کا ارادہ ہے، تاکہ لوگ مکمل تیاری کر لیں۔ آپ نے

اس موقع پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب بھی دی اور جنگ ہی پر ابھارنے کے لیے سورہ توبہ کا بھی ایک مکمل انزال ہوا۔ ساتھ ہی آپ نے صدقہ دخیرات کرنے کی فضیلت بیان کی اور اللہ کی راہ میں اپنا نفیس مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی۔

### غزوے کی تیاری کے لیے مسلمانوں کی دوڑ و حرب پ ۔ | صحابہ کرام نے جو ہی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا کہ آپ

رومیوں سے جنگ کی دعوت دے رہے ہیں جوٹ اس کی تعییں کے لیے دوڑ پرے اور پوری تیز رفتاری سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ قبیلے اور بادریاں ہر چہار جانب سے مدینہ میں اتنا شروع ہو گئیں اور سولئے ان لوگوں کے جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی، کسی مسلمان نے اس غزوے سے چیچھے رہنا کو ارا نہ کیا۔ البتہ تم مسلمان اس سے مستثنی ہیں کہ صحیح الایمان ہونے کے باوجود انہوں نے غزوے میں شرکت نہ کی۔ عالت یہ تھی کہ حاجت منداور فاقہ مست لوگ آتے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کے لیے سواری فراہم کر دیں تاکہ وہ بھی رومیوں سے ہونے والی اس جنگ میں شرکت کر سکیں۔ اور جب آپ ان سے معدودت کرتے کہ :

لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلُّاً وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا  
آلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝ (۹۲:۹)

”میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں داپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنوروں ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔“

اسی طرح مسلمانوں نے صدقہ دخیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سیمت دو سو اونٹ تھے اور دو سو اوقیہ (تقریباً ساٹھے اتنیں کیلو) چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سیمت صدقہ کیا۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساٹھے پانچ کیلو سونے کے لیے) لے آئے اور انہیں نبی ﷺ کی آنکھ میں بھیر دیا۔ رسول اللہ ﷺ انہیں اللہ کے جاتے تھے اور فرماتے جلتے تھے، آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

ادھر حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسرا واقعیہ (تقریباً ساڑھے ۲۹ کیلو) چاندی لے آئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال حاضرِ خدمت کر دیا اور بالبھوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ ان کے صدقے کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور سب سے پہلے یہی اپنا صدقہ لے کر تشریف لائے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سامال لائے حضرت طلحہؓ سعد بن عبادہؓ اور محمد بن مسلمؓ بھی کافی مال لائے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نے دو حق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کیوں ۱۳ ٹن) کھجور لے کر آئے۔ بغیرِ صحابہؓ بھی پہلے درپے اپنے مخوازے زیادہ صدقات لے آئے یہاں تک کہ کسی کسی نے ایک مڈیا دو مڈ صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں نے بھی ہار، بازو بند، پازیب، بالی اور انگوٹھی دینے والوں کی خدمت میں بھجا۔ کسی نے بھی اپنا ہاتھ نہ روکا، اور بخل سے کام نہ لیا۔ صرف منافقین تھے جو صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر طمعہ زدنی کرتے تھے، کہ یہ ریا کا رہے اور جن کے پاس اپنی مشقت کے سوا کچھ نہ تھا، ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ ایک "کھجور سے تیسری ملکت فتح کرنے اُٹھے ہیں۔ (۹:۹)

**اسلامی شکر تبوک کی راہ میں**

اس دھوم دھام جوش و خروش اور بھاگ دوڑ کے نیچے میں شکر تیار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمؓ کو اور کہا جاتا ہے کہ سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنے اہل دعیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ لیکن منافقین نے ان پر طمعہ زدنی کی اس لیے وہ مدینہ سے نکل پڑے اور رسول اللہ ﷺ سے جلاحتی ہوتے۔ لیکن آپ نے انہیں پھر مدینہ واپس کر دیا اور فرمایا: "کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیؑ سے حضرت ہارونؑ کو تھی۔ المبتہ نیز سے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔"

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس انتظام کے بعد شمال کی جانب کوچ فرمایا (نسائی کی روایت کے مطابق یہ جمادات کا دن تھا) منزل تبوک تھی لیکن شکر بڑا تھا۔ تیس ہزار مردان بیگل تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کا اتنا بڑا شکر کسی فرامہ نہ ہوا تھا۔ اس لیے مسلمان ہر چند ماں غرچہ کرنے کے باوجود شکر کو پوری طرح تیار نہ کر سکے تھے، بلکہ سواری اور تو شے کی سخت کی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں پر ایک اونٹ تھا جس پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھلنے کے لیے بسا اتفاقات درخون کی پیاس استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں درم آگیتا تھا۔ مجبوداً اونٹوں کو قلت کے باوجود ذبح کرنا

پڑا تاکہ اس کے معدے اور آنٹوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جاسکے۔ اسی لیے اس کا نام جبیش غُرت (تُنگل) کا شکر پڑ گیا۔

تبوک کی راہ میں شکر کا گز رجھ لینی دیا رہمود سے ہوا۔ ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القری کے اندر پٹانیں تراش کر مکانات بنائے تھے۔ صحابہ کرام نے وہاں کے کنویں سے پانی لے لیا تھا لیکن جب چلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم یہاں کا پانی نہ پینا اور اس سے نماز کے لیے وضو نہ کرنا اور جو آنکھوں نے گوندھ رکھا ہے اسے جانوروں کو کھلادو، خود نہ کھاؤ۔ آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگ اس کنویں سے پانی میں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹی پانی پیا کرتی تھی۔

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ رجھ (دیا رہمود) سے گزرے تو فرمایا ہاں طالبوں کی جائے سکونت میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم پر بھی دہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان پر آئی تھی، ہاں مگر روتے ہوئے۔ پھر آپ نے اپنا سرڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے تھے راستے میں شکر کو پانی کی سخت ضرورت پڑی حتیٰ کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا۔ آپ نے الٰہ سے دعا کی۔ الٰہ نے بادل بیخ دیا، باش ہوئی۔ لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور ضرورت کا پانی لاد بھی لیا۔ پھر جب تبوک کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: کل انشاء اللہ تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے لیکن چاشت سے پہلے نہیں پہنچو گے۔ لہذا جو شخص وہاں پہنچے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے، یہاں تک کہ میں آجائیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ پہنچے تو وہاں دوآمدی پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی آرہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا قدم دونوں نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے ان دونوں سے جو کچھ اللہ نے چاہا، فرمایا۔ پھر چشمے سے چلو کے ذریعہ تھوڑا تھوڑا پانی نکالا۔ یہاں تک کہ قدرے جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوایا، اور اسے چشمے میں انڈیل دیا۔ اس کے بعد چشمے سے خوب پانی آیا۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لے معاذ! اگر تھاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس مقام کو باغات سے ہر بھر ادھیسو گے۔

راستے ہی میں یا تبوک پہنچ کر روایات میں اختلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اُج رات تم پر سخت آندھی پہنچے گی لہذا کوئی نہ اُٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو دہا اس کی رسی مضبوطی سے

باندھ دے چنانچہ سخت آندھی چلی۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا تو آندھی نے اسے اڑا کر طی کی دو پہاڑیوں کے پاس پھینک دیا۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی اور مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جمع تقدیم بھی کرتے تھے اور جمع تاخیر بھی۔ (جمع تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں ظہر کے وقت میں اور مغرب اور عشاء دونوں مغرب کے وقت میں پڑھی جائیں۔ اور جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں عصر کے وقت میں اور مغرب و عشاء دونوں عشاء کے وقت میں پڑھی جائیں۔

**اسلامی شکر تبوک میں**

کو مخاطب کر کے نہایت بلع خطبہ دیا۔ آپ نے جو امع الکلم ارشاد فرمائے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی رغبتِ دلائی، اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کے انعامات کی خوشخبری دی۔ اس طرح فرج کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ ان میں تو شے، ضروریات اور سامان کی کمی کے بسب جو نقص اور حل تھا وہ اس کا بھی ازالہ ہو گیا۔ دوسری طرف رویوں اور ان کے صلیفوں کا یہ حال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر ان کے اندر خوف کی ہر دوڑگئی۔ انہیں آگے بڑھنے اور ڈکر لینے کی ہمت نہ ہوتی اور وہ اندر ونگ ملک مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا اثر جزیرہ عرب کے اندر اور باہر مسلمانوں کی فوجی ساکھ پر بہت عمدہ مرتب ہوا اور مسلمانوں نے ایسے ایسے اہم سیاسی فوائد حاصل کئے کہ جنگ کی صورت میں اس کا حاصل کرنا آسان نہ ہوتا۔ تفصیل یہ ہے :

ایلہ کے حاکم یخنہ بن روہ بنے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیرہ کی ادائیگی منظور کی اور صحیح کا معاهده کیا۔ جزاً اور اذرُح کے باشندوں نے بھی خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر جزیرہ دینا منظور کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھدی جوان کے پاس محفوظ تھی۔ آپ نے حاکم ایلہ کو بھی ایک تحریر لکھ کر دی جو یہ تھی۔

**بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ :** یہ پرواہِ امن ہے اللہ کی جانب سے اور نبی مُحَمَّد رسول اللہ کی جانب سے یک نہ بن رویہ اور باشندگان ایلہ کے لیے۔ خشکی اور سمندر میں ان کی کشتیوں اور قافلوں کے لیے اللہ کا ذمہ ہے اور محمد نبی کا ذمہ ہے اور یہی ذمہ ان شامی اور سمندری باشندوں کے لیے ہے جو بھنڈ کے ساتھ ہوں۔ ہاں! اگر ان کا کوئی آدمی کوئی گڑڑ کرے گا تو اس کا مال اس کی جان کے آگے روک نہ بن سکے گا اور جو آدمی

اس کا مال لے لے گا اس کے لیے وہ حلال ہو گا۔ انہیں کسی چشمے پر اُتر نے اور خلی یا سمندر کے کمی راتے پر چلنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔“

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کا رسالہ دے کر دُورہ الجندل کے حاکم اگنیڈر کے پاس بھیجا اور فرمایا، تم اسے نیل گانے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے۔ جب اتنے فاصلے پر رہ گئے کہ قلعہ صاف نظر آ رہا تھا تو اچانک ایک نیل گانے نکلی اور قلعہ کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی۔ اگنیڈر اس کے شکار کو نکلا۔ چاند نی رات تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے سواروں نے اُسے جالیا اور گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے اس کی جان بخشی کی اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زریں اور چار سو نیزے دینے کی شرط پر مصالحت فرمائی۔ اس نے جزیرہ بھی دینے کا اقرار کیا۔

چنانچہ آپ نے اس سے یخنہ سمت دُورہ، تبوک، ایله اور تیماء کے شرائط کے مطابق معاملے کیا۔

ان حالات کو دیکھ کر وہ قبل جواب تک رومیوں کے آہ کا ربنتے ہوئے تھے، سمجھ گئے کہ اب اپنے ان پڑانے سر پتوں پر اعتماد کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہے اس لیے وہ بھی مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ ہس طرح اسلامی حکومت کی صورت دیسح ہو کر براہ راست دُو میں صورت سے جامیں اور رومیوں کے آہ کا دل کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔

**اسلامی شکر تبوک سے مظفر و منصور واپس آیا۔ کوئی ٹکرہ نہ ہوتی۔** اللہ جنگ کے مدینہ کو واپسی معلمانے میں مومنین کے لیے کافی ہوا۔ البتہ راستے میں ایک جگہ ایک گھاٹ کے پاس بارہ منافقین نے نبی ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت آپ اس گھاٹ سے گزر رہے تھے اور آپ کے ساتھ صرف حضرت عمارؓ تھے جو ادنیٰ کی نکیل تھا میں ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ تھے جو ادنیٰ ہانک رہے تھے۔ باقی صحابہ کرام دور دادی کے نشیب سے گزر رہے تھے اس لیے منافقین نے اس موقع کو اپنے ناپاک مقصد کے لیے غنیمت سمجھا اور آپ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادھر آپ اور آپ کے دونوں ساتھی حسپہ ممول راستے پر رہے تھے کہ پیچے سے ان منافقین کے قدموں کی چاپیں سُنائی دیں یہ سب چہروں پر ڈھانٹا باندھے ہوئے تھے اور اب آپ پر تقریباً چڑھ ہی آئے تھے کہ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کی جانب بھیجا۔ انہوں نے ان کی سواریوں کے چہروں پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کی، جس سے اللہ نے انہیں مرعوب کر دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے نام بتاتے اور ان کے ارادے سے باخبر کیا۔ اسی لیے حضرت حذیفہؓ کو

رسول اللہ ﷺ کا "راز داں" کہا جاتا ہے۔ اسی واقعہ سے تعلق اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ "وَهُمْ  
بِحَالٍ مَّيَالُوا إِلَيْنَا" (۱۹، ۲۰) انہوں نے اس کام کا قصد کیا جسے وہ نہ پاس کے:

عاتیہ سفر پر جب دور سے نبی ﷺ کو مدینہ کے نقوش دکھائی پڑے تو آپ نے فرمایا: "ير رہا طابہ"  
اور یہ رہا اُحد، یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ ادھر مدینہ میں آپ  
کی آمد کی خبر پہنچی تو عورتیں بچے اور بچیاں باہر نکل پڑیں اور زبردست اعزاز کے ساتھ شکر کا استقبال  
کرتے ہوئے یہ نظر گلگنگا یا یہ:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا      مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ  
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا      مَا دَعَا لِلَّهِ دَاعِ

"ہم پر شنیتہ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر  
شکر دا جب ہے"

رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے رجب میں روانہ ہوتے تھے اور داہیں آئے تو رمضان کا ہمیہ  
تھا۔ اس سفر میں پورے پچاس روز صرف ہوتے۔ سیس دن تبوک میں اور تیس دن آمد و رفت میں۔  
یہ آپ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔

مخلفین | یہ غزوہ اپنے مخصوص حالات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش  
بھی تھا جس سے اہل ایمان اور دورے لوگوں میں تمیز ہو گئی۔ اور اس قسم کے موقع پر  
اللہ تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمْيِّزَ الْخَيْثَ مِنَ الظَّيْثِ  
(۱۴۹۱۳)

"اللہ مومنین کو اسی حالت پر چھوڑ نہیں سکتا جس پر تم لوگ ہو یا ان تک کنجیت کو پاکیزہ سے علاوہ کر دے۔"

چنانچہ اس غزوہ میں سارے کے سارے مومنین صادقین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری لفاقت  
کی علامت قرار پائی۔ چنانچہ کیفیت یہ تھی کہ اگر کوئی پیچھے رہ گیا تھا اور اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے  
کیا جاتا تو آپ فرماتے کہ اسے چھوڑو۔ اگر اس میں خیر ہے تو اللہ اسے جلد ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا اور  
اگر اسیا نہیں ہے تو پھر اللہ نے تمہیں اس سے راحت دے دی ہے۔ غرض اس غزوے سے یا تو وہ لوگ  
پیچھے رہے جو مخدود رہتے یا وہ لوگ جو منافق تھے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے ایمان کا جھوٹا

لئے۔ یہ اب قیم کا ارشاد ہے اور اس پر بحث گزر چکی ہے۔

— دعویٰ کیا تھا اور اب جھوٹا عذر پیش کر کے غزوہ میں شرکیک نہ ہونے کی اجازت لے لی تھی اور پچھے بیٹھ رہے تھے یا سکے سے اجازت لیے بغیر ہی بیٹھے رہ گئے تھے۔ ہال تین آدمی ایسے تھے جو سچے اور پکے مومن تھے اور کسی وجہ جواز کے بغیر پچھے رہ گئے تھے۔ ائمہ اللہ نے آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو حبِ مہول سے پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے وہاں دور کعت نماز پڑھی۔ پھر لوگوں کی خاطر بیٹھ گئے۔ ادھر منافقین نے جن کی تعداد اتنی سے کچھ زیادہ تھی، اُنکر عذر پیش کرنے شروع کر دیئے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپ نے ان سے ان کا ظاہر قبول کرتے ہوئے بیعت کر لی اور دعاۓ مغفرت کی اور ان کا باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔ باقی رہے تینوں مومنین صادقین — یعنی حضرت کعب بن مالک، مرادہ بن زیع اور ہلال بن امية — تو انہوں نے چنان اختیار کرتے ہوئے اقرار کیا کہ ہم نے کسی مجبوری کے بغیر غزوے میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان تینوں سے بات پھیت نہ کریں۔ چنانچہ ان کے خلاف سخت بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ لوگ بدلتے گئے، زمین بھیاہک بن گئی اور کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی۔ خود ان کی اپنی جان پر بن آئی۔ سختی یہاں تک پڑھی کہ چالیس روز گزرنے کے بعد حکم دیا گیا کہ اپنی عورتوں سے بھی الگ رہیں جب بائیکاٹ پر پچاپس روز پورے ہو گئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کئے جانے کا مردہ نازل کیا۔

وَعَلَى الْثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا أَصَابَتْهُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحِبَتْ  
وَصَادَقَتْ عَلَيْهِمُ أَفْسُومٌ وَظَاهِرًا أَنَّ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ  
لِيَسْتُوْبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ ۝ (١١٨: ٩)

اور اللہ نے ان تین آدمیوں کی بھی توہہ قبول کی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین پسی کشادگی کے باوجود وان پرنگ ہو گئی اور انکی جان بھی ان پرنگ ہو گئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر کوئی جائے پناہ نہیں ہے مگر اسی کی طرف۔ پھر اسراں پر رجوع ہوا تاکہ وہ توہہ کر بیں یقیناً اللہ توہہ قبول کریں والا ہے)

نامہ واقری نے ذکر کیا ہے کہ یہ تعداد منقصین انصار کی تھی۔ ان کے علاوہ بسی غفار وغیرہ اعراب میں سے مددست کرنے والوں کی تعداد بھی بیاسی تھی، پھر عبداللہ بن ابی اس کے پیروکاران کے علاوہ تھے اور ان کی بھی خاصی بڑی تعداد تھی۔ (دیکھئے فتح الباری ۱۱۹/۸)

سب سے باسادت دن تھا۔

اسی طرح جو لوگ مدد و رہی کی وجہ سے شرکیب غزوہ نہ ہو سکے تھے ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

**لَيْسَ عَلَى الْضُّعِيفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَحْدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۝ (۹۱:۹)**

”کمزوروں پر مرضیوں پر اور جو لوگ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ پائیں ان پر کوئی حرج نہیں جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔“

ان کے متعلق نبی ﷺ نے بھی مدینہ کے قریب پنج کفر فرمایا تھا: ”مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جو دادی بھی طے کی وہ تمہارے ساتھ رہے، انہیں عذر نہ رکھ رکھا تھا، لوگوں نے کہا، ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (تمہارے ساتھ تھے)؟ آپ نے فرمایا، ”ہاں مدینہ میں رہتے ہوئے بھی۔“

**اس غزوے کا اثر** | یہ غزوہ جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا اثر پھیلانے اور اسے تقویت پہنچانے میں بڑا موقوت شایستہ ہوا۔ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس طرح جاہلین اور منافقین کی وہ پنجی کچھی آرزوں میں اور امیدیں بھی ختم ہو گئیں جو مسلمانوں کے خلاف گردش زمانے کے انتظار میں ان کے نہایا خانہ دل میں پہنچیں، کیونکہ ان کی ساری امیدوں اور آرزوؤں کا محور رومی طاقت تھی اور اس غزوے میں اس کا بھی بھرم کھل گیا تھا اس لیے ان حضرات کے ہوشے ٹوٹ گئے اور انہوں نے امر واقع کے سامنے پر ڈال دی کہ اب اس سے جا گئے اور چھٹکارا پانے کی کوئی راہ ہی نہیں رہ گئی تھی۔

اور اسی صورتِ حال کی بناء پر اب اس کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی تھی کہ مسلمان، منافقین کے ساتھ رفق و رزمی کا معاملہ کریں، بلہ اذ اللہ نے ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا، یہاں تک کہ ان کے صدقے قبول کرنے، ان کی نماز جنازہ پڑھنے، ان کے لیے دُعلَے مغفرت کرنے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہونے سے روک دیا اور انہوں نے مسجد کے نام پر سازش اور دیسے کاری کا جو گھونسلہ تعمیر کیا تھا اسے ڈھا دینے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بارے میں ایسی ایسی آیات نمازل فرمائیں کہ وہ بالکل نیگے ہو گئے اور انہیں پہنچانے میں کوئی ابہام نہ رہا۔ گویا اہل مدینہ کے لیے ان آیات نے ان منافقین پر انگلیاں رکھ دیں۔

اس غزوے کے اثرات کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد (بلکہ اس سے پہلے بھی)

عرب کے دنوں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنا شروع ہو گئے تھے، لیکن ان کی بھرمار اس غزوے کے بعد ہی ہوتے۔

**اس غزوے سے متعلق قرآن کا نزول** | اس غزوے سے متعلق سورہ توبہ کی بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ کچھ روانگی سے پہلے، کچھ روانگی کے بعد وہ ان غزوہ اور کچھ مدینہ واپس آنے کے بعد، ان آیات میں غزوے کے حالات ذکر کئے گئے ہیں، منافقین کا پردہ کھولا گیا ہے، مخلص مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور مومنین صادقین جو غزوے میں گئے تھے اور جو نہیں گئے تھے ان کی توبہ کی تبoulیت کا ذکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

## سُنّۃ ہجر کے بعض اہم واقعات

اس سن (سنّۃ) میں تاریخی اہمیت کے متعدد واقعات پیش آئے:

- ۱۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد سو نیم عجلانی اور ان کی بیوی کے درمیان لعan موا۔
- ۲۔ غامدیہ عورت کو جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بد کاری کا اقرار کیا تھا، رجم کیا گیا۔ اس عورت نے بچے کی پیدائش کے بعد جب دودھ چھڑایا تب اسے رجم کیا گیا تھا۔
- ۳۔ امام محمد بن جاشی شاہ جہش نے وفات پائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔
- ۴۔ نبی ﷺ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر آپ کو سخت غم ہوا اور آپ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر میرے پاس تیسرا لڑکی ہوتی تو اس کی شادی بھی تم سے کر دیتا۔
- ۵۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد اس المناقیب عبد اللہ بن ابی نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعائے مغفرت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بعد میں وحی نازل ہوتی اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت اور تائید کرتے ہوئے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

اللہ اس غزوے کی تفاصیل مأخذ ذیل سے لی گئی ہیں: ابن ہشام ۲/۱۵۱ تا ۱۵۲، زاد المعاو ۲/۶ تا ۱۳، صحیح بخاری ۲/۶۳۲ تا ۶۳۳، ۱/۲۵۲ تا ۲۵۳، ۲/۳۱۳، ۲/۴۲۶ وغیرہ، صحیح مسلم مع شرح نووی ۲/۲۴۶، فتح الباری ۸/۱۱۰ تا ۱۱۱، مختصر اسیہ و شیخ عبد اللہ بن ۳۹۱ تا ۳۹۰۔

## حج شریف (زیر امار حضرت ابو بکر رضی عنہ)

اسی سال ذی القعده یا ذی الحجه (۶۱ھ) میں رسول اللہ ﷺ نے مناسکِ حج قائم کرنے کی غرض سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنانے کر روانہ فرمایا۔

اس کے بعد سورہ براءۃ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مشرکین سے کتنے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے آجائے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عسل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ وہ آپ کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں۔ ایسا اس لیے کہنا پڑتا کہ خون اور مال کے عہد و پیمان کے سلسلے میں عرب کا یہی دستور تھا (کہ آدمی یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کر لئے۔ خاندان سے باہر کے کسی آدمی کا کیا ہوا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات عرج یا وادیِ ضجنان میں ہوتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ امیر ہو یا مامور ہے حضرت علیؓ نے کہا، نہیں بلکہ مامور ہوں۔ پھر دونوں آگے بڑھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ جب (دوسری تاریخ) یعنی قربانی کا دن آیا تو حضرت علیؓ بن ابی طالب نے جمہر کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ یعنی تمام عہد والوں کا عہد ختم کر دیا اور انہیں چار ہفتے کی مہلت دی۔ اسی طرح جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہ تھا انہیں بھی چار ہفتے کی مہلت دی۔ البتہ جن مشرکین نے مسلمانوں سے عہذ بھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی تھی اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد کی تھی، ان کا عہد ان کی طے کردہ مدت تک برقرار رکھا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیج کر یہ اعلانِ عام کرایا کہ آئندہ سے کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی نشگا آدمی بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے۔

یہ اعلان گویا جزیرۃ العرب سے بُت پُرسی کے خلائق کا اعلان تھا۔ یعنی اس سال کے بعد بُت پُرسی کے یہے آمد و رفت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

## غزوٰت پر ایک نظر

نبی ﷺ کے غزوٰت، سرایا اور فوجی مہماں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی شخص ہو جگ کے ماحول، پس منظروں پیش منظر اور آثار و نتائج کا علم رکھتا ہو یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نبی ﷺ کے دُنیا کے سب سے بڑے اور بامکمال فوجی کمانڈر تھے۔ آپ کی سو جھو بوجھ سب سے زیادہ درست اور آپ کی فراست اور بیداری مفرزی سب سے زیادہ گہری تھی۔ آپ جس طرح نبوت و رسالت کے اوصاف میں تید ارسل اور اعظم الانبیاء تھے، اسی طرح فوجی قیادت کے صفات میں بھی آپ یگانہ روزگار اور نادر عبقریت کے ماہک تھے۔ چنانچہ آپ نے جو بھی مرکز آرائی کی اس کے لیے ایسے حالات و جہات کا انتخاب فرمایا جو حرم و تدبیر اور حکمت و شجاعت کے عین مطابق تھے۔ کسی مرکز میں حکمت عملی، شکر کی ترتیب اور حساس مراکز پر اس کی تعیناتی، موزوں ترین مقام جنگ کے انتخاب اور جنگی پلانگ وغیرہ میں آپ سے کبھی کوئی چوک نہیں ہوتی اور اسی لیے اس بنیاد پر آپ کو کبھی کوئی زک نہیں اٹھانی پڑی، بلکہ ان تمام جنگی معاملات و مسائل کے سلسلے میں آپ نے اپنے عملی اقدامات سے ثابت کر دیا کہ دُنیا بڑے بڑے کمانڈروں کے تعلق سے جس طرح کی قیادت کا علم رکھتی ہے آپ اس سے بہت کچھ مختلف ایک نازل ہی قسم کی کمانڈرائیت صلاحیت کے ماہک تھے۔ جس کے ساتھ شکست کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اُسد اور خین میں جو کچھ پیش آیا اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کی کمی حکمت عملی کی غایی نہ تھی بلکہ اس کے پیچے خین میں کچھ افزاد شکر کی بعض کمزوریاں کا فرمातھیں اور اُحد میں آپ کی نہایت اہم حکمت عملی اور لازمی ہدایات کو نہایت فیصلہ کن لمحات میں نظر انداز کر دیا گی تھا۔

پھر ان دونوں غزوٰت میں جب مسلمانوں کو زک اٹھانے کی نوبت آئی تو آپ نے جس عبقریت کا مظاہرہ فرمایا وہ اپنی مثال آپ تھی۔ آپ شمس کے م مقابل ڈٹے رہے اور اپنی نادرۃ روزگار حکمت عملی سے اسے یا تو اس کے مقصد میں ناکام بنا دیا۔ جیسا کہ اُحد میں ہوا۔ یا جنگ کا پانہ اس طرح پٹ دیا کہ مسلمانوں کی شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔ جیسا کہ خین میں ہوا۔ حالانکہ اُحد جیسی خطرناک صورت حال اور خین جیسی بے رکام بھگدڑ پر سالاروں کی قوت فیصلہ سلب کر لیتی ہے اور ان کے اعصاب پر آنا بدترین

اشر ڈالتی ہے کہ انہیں اپنے بچاؤ کے علاوہ اور کوئی نکر نہیں رہ جاتی۔

یہ گفتگو توان غزوات کے خالص فوجی اور جنگی پہلو سے تھی۔ باقی رہے دوسرے گوشے تو وہ بھی بے حد اہم ہیں۔ آپ نے ان غزوات کے ذریعے امن و امان قائم کیا، فتنے کی آگ بھائی اسلام و بُت پرستی کی کشکش میں دشمن کی شوکت توڑ کر رکھ دی اور انہیں اسلامی دعوت و تبلیغ کی راہ آزاد چھوڑنے اور معاہدت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح آپ نے ان جنگوں کی بدولت یہ بھی معلوم کر لیا کہ آپ کا ساتھ دینے والوں میں کون سے لوگ مغلص ہیں اور کون سے لوگ منافق، جو نہایا خانہ دل میں غدروخیانت کے جذبات چھپائے ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے محاذ آرائی کے عملی نمونوں کے ذریعے مسلمان کمانڈروں کی ایک زبردست جماعت بھی تیار کر دی جنہوں نے آپ کے بعد عراق و شام کے میدانوں میں فارس درود سے ٹکر لی، اور جنگی پلانگ اور مکنیک میں ان کے بڑے بڑے کمانڈروں کو مات دے کر انہیں ان کے مکانات و سرزمین سے، اموال و باغات سے، چشمون اور کھیتوں سے، آرام دہ اور باعتزت مقام سے اور منزے دار نعمتوں سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان غزوات کی بدولت مسلمانوں کے لیے رہائش، کھیتی، پیشے اور کام کا انتظام فرمایا۔ بے خانماں اور محتاج پناہ گزینوں کے مسائل حل فرمائے۔ ہتھیار، گھوڑے، ساز و سامان اور اغراض جنگ مہیا کئے اور یہ سب کچھ اللہ کے بندوں پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی اور جور و جفا کے بغیر حاصل کیا۔

آپ نے ان اباب و دجوہ اور اغراض و مقاصد کو بھی تبدیل کر ڈالا جن کے لیے دور جاہلیت میں جنگ کے شعلے بھر کا کرتے تھے، یعنی دور جاہلیت میں جنگ، نام تھی روٹ مار اور قتل و غارت گری کا، ظلم و زیادتی اور انتقام و تشدد کا، کمزوروں کو کچلنے، آبادیاں دیلان کرنے اور عمارتیں ڈھلنے کا، عورتوں کی بے حرمتی کرنے اور بُرchos، بُرچوں اور بچوں کے ساتھ سنگملی سے پیش آنے کا، کھیتی باڑی اور جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا۔ مگر اسلام نے اس جنگ کی روح تبدیل کر کے اسے ایک مقدس جہاد میں بدل دیا۔ جسے نہایت موزوں اور معقول اباب کے تحت شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ایسے شریفانہ مقاصد اور بلند پایہ اغراض حاصل کئے جاتے ہیں جنہیں ہر زمانے اور ہر عہد میں انسانی عاشرہ کے لیے باعثِ اعزاز تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اب جنگ کا مفہوم یہ ہو گیا تھا کہ انسان کو قہر و ظلم کے نظام سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں لانے کی سلیح جدوجہد کی جاتے۔ یعنی ایک ایسے نظام کو جس میں طاقتور کمزور کو کھارہا ہو، اُنٹ کر ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں طاقتور کمزور ہو جلتے جب تک کہ اس سے

کمزور کا حق لے نیا جائے۔ اسی طرح اب جنگ کا معنی یہ ہو گیا تھا کہ ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو  
نیخات دلائی جائے جو دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس  
کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے یہے اپنے پاس سے ولی بنا، اور اپنے پاس سے مددگار بنا۔ نیز اس  
جنگ کا معنی یہ ہو گیا کہ اللہ کی زمین کو فدر و خیانت، ظلم و ستم اور بدی و گناہ سے پاک کر کے اس کی جگہ امن و  
امان، رافت و رحمت، حقوق رسانی اور صداقت و انسانیت کا نظم بحال کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے شریفانہ ضوابط بھی مقرر فرمائے اور اپنے فوجیوں اور کمانڈروں  
پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں ان سے باہر جانے کی اجازت نہ دی۔ حضرت سليمان بن  
بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی اشکر یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو  
اسے خاص اس کے اپنے نفس کے بارے میں اللہ عز وجل کے تقویٰ کی اور اس کے مسلمان ساتھیوں کے بارے  
میں خیر کی وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے: "اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں غزوہ کرو۔ جس نے اللہ کے ساتھ کفر  
کیا ان سے لڑائی کرو۔ غزوہ کرو، خیانت نہ کرو، بعدہ دی نہ کرو، ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، کسی بچے کو قتل نہ کرو" اُن  
اسی طرح آپ آسانی بنتے کا حکم دیتے اور فرماتے: "آسانی کرو، سختی نہ کرو۔ لوگوں کو سکون دلاو، متنفس رہ  
کرو۔" اور جب رات میں آپ کسی قوم کے پاس پہنچتے تو بصحیح ہونے سے پہلے چھاپہ نہ مارتے۔ نیز آپ نے  
کسی کو آگ میں جلانے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا۔ اسی طرح باندھ کر قتل کرنے اور عورتوں کو مارنے  
اور انہیں قتل کرنے سے بھی منع کیا اور لوٹ مارنے سے روکا۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا کہ لوٹ کا مال مُردوار کی  
طرح ہی حرماً ہے۔ اسی طرح آپ نے کھینچی باری تباہ کرنے، جانور ہلاک کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا،  
سوئے اس صورت کے کہ اس کی سخت ضرورت آئی پڑے اور درخت کاٹنے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ فتح کر  
کے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا: "کسی زخمی پر حلہ نہ کرو کسی بھگنے والے کا پیچاڑ کرو، اور کسی قیدی کو قتل  
نہ کرو"۔ آپ نے یہ سنت بھی جاری فرمائی کہ سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔ نیز آپ نے معاهدین (غیر مسلم شہروں)  
کے قتل سے بھی نہایت سختی سے روکا۔ یہاں تک کہ فرمایا: "جو شخص کسی معاهدہ کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو  
نہیں پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے فاصلے سے پائی جاتی ہے"۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے بلند پایہ قواعد ضوابط تھے جن کی بدولت جنگ کا عمل جاہلیت کی گندگیوں  
سے پاک و صاف ہو کر مقدس جہاد میں تبدیل ہو گیا۔

## اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ

جیسا کہ ہم نے عرض کیا غزوہ فتح مکہ ایک فیصلہ کن معورہ تھا جس نے بُت پرستی کا کام تمام کر دیا اور سارے عرب کے لیے حق و باطل کی پہچان ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے ان کے شہبادات جاتے رہے اسی لیے اس کے بعد انہوں نے بڑی تیز زمانی سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر بن علی کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک چشمے پر (آباد) تھے جو لوگوں کی گزرگاہ تھا۔ ہمارے ہاں سے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس آدمی — یعنی نبی ﷺ — کا کیا حال ہے؟ اور کیا ہے؟ لوگ لکھتے ہے ”وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے اسے پنیر بنا�ا ہے؛ اس کے پاس وحی بھی ہے؛ اللہ نے یہ اور یہ وحی کی ہے۔“ میں یہ بات یاد کر لیتا تھا، گویا وہ میرے سینے میں چپک جاتی تھی اور عرب حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہتے تھے۔ کہتے تھے ”اسے اور اس کی قوم کو رنج آزمائی کے لیے (چھوڑ دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آگی تو سچانی ہے۔ چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ (مذہب کی جانب) پیش رفت کی اور میرے والد بھی میری قوم کے اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب (خدمتِ نبوی سے) واپس آئے تو فرمایا“ میں تمہارے پاس خدا کی قسم ایک نبی برحق کے پاس سے آ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ فلاں نماز فلاں وقت پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو۔ اور جب نماز کا وقت آجائے تو قم میں سے ایک آدمی اذان کہے، اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے۔

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ حالات کو تبدیل کرنے میں، اسلام کو قوت بخشنے میں، اہل عرب کا موقف تعین کرنے میں اور اسلام کے سامنے انہیں سپر انداز کرنے میں کتنے لگرے اور دُور رس اثرات رکھتا تھا۔ یہ کیفیت غزوہ تبوك کے بعد پختہ سے پختہ تر ہو گئی۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو برسوں سے پہلے اور سنہ میں مدینہ آنے والے وفد کا تابان بندھا ہوا تھا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ ہو رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسلامی اشکر جو فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا اس کی تعداد غزوہ تبوك میں (جبکہ ابھی فتح مکہ پر پورا ایک سال بھی نہیں گزر تھا) اتنی بڑھ گئی کہ وہ میں ہزار فوجوں کے

ٹھاٹھیں مارتے ہوتے سمندر میں تبدیل ہو گیا؛ پھر ہم جو جادو دعاء میں دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار یا ایک لاکھ چوالیں ہزار اہل اسلام کا سیالاب امنڈ پڑا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے گرد اگر اس طرح بیک پکارتا، تنکیر کرتا اور حمد و تسبیح کے نغمے لگانے تا ہے کہ آفاقِ گونج اُٹھتے ہیں اور وادی و کوہ سار نغمہ توحید سے محور ہو جاتے ہیں۔

**اہل منازی** نے جن دفود کا تذکرہ کیا ہے ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ لیکن یہاں نہ توان

**دفود** سب کے ذکر کی گنجائش ہے اور نہ ان کے تفصیل بیان میں کوئی بڑا فائدہ ہی مضمون ہے اس لیے ہم صرف انہی دفود کا ذکر کر رہے ہیں جو تاریخی حیثیت سے اہمیت و نُورت کے حامل ہیں۔ قارئین کرام کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگرچہ عام قبائل کے دفود فتحِ مکہ کے بعد خدمتِ نبوی میں حاضر ہونا شروع ہوتے تھے لیکن بعض بعض قبائل ایسے بھی تھے جن کے دفود فتحِ مکہ سے پہلے ہی مدینہ آپ کے تھے۔ یہاں ہم ان کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔

**۱۔ دفود عبد القیس** — اس قبیلے کا دفود دو بار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ پہلی بار شہزادہ میں یا اس سے بھی پہلے اور دوسری بار عامِ الدفود شہزادہ میں۔ پہلی بار اس کی آمد کی وجہ یہ ہوتی کہ اس قبیلے کا ایک شخص منفذ بن جان سامان تجارت لے کر مدینہ آیا جایا کرتا تھا۔ وہ جب نبی ﷺ کی بحیرت کے بعد پہلی بار مدینہ آیا اور اسے اسلام کا عالم ہوا تو وہ مسلمان ہو گیا اور نبی ﷺ کا ایک خط لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور ان کے ۱۳ یا ۱۴ آدمیوں کا ایک دفعہ خدمت دالے ہیئے میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ اسی دفعہ اس دفعہ نبی ﷺ سے ایمان اور مشروبات کے متعلق سوال کیا تھا۔ اس دفعہ کا سربراہ الائچی العصری تھا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میں دو ایسی خصلتیں میں جنمیں اللہ پسند کرتے ہیں۔ (۱) دورِ اندیشی اور (۲) بُرُو باری۔

دوسری بار اس قبیلے کا دفعہ جیسا کہ بتایا گیا دفود دالے سال میں آیا تھا۔ اس وقت ان کی تعداد چوالیں تھی اور ان میں علاء بن جارود عبدی تھا جو نصرانی تھا، لیکن مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام بہت خوب رہا۔

**۲۔ دفود دوس** — یہ دفعہ شہزادہ کے اوائل میں مدینہ آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے خبر میں تھے۔ آپ پچھلے اور اس میں پڑھ پکھے ہیں کہ اس قبیلے کے سربراہ حضرت طفیل بن عمر و دُبی رضی اللہ عنہ اس وقت حلقوں گوش اسلام ہوتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کوئی مکہ میں تھے۔ پھر انہوں نے اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام مسلسل کیا لیکن ان کی قوم برابرِ باتی اور تاخیر کرتی رہی یہاں تک کہ حضرت طفیل ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ پھر انہوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ قبیلہ دوس پر

بدعا کر دیجئے لیکن آپ نے فرمایا، اے اللہ! دوس کو ہدایت دے۔ اور آپ کی اس دعائے بعد اس قبلیے کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت طفیل نے اپنی قوم کے شریا اسی گھرانوں کی جمیعت لے کر کٹھ کے اوائل میں اس وقت مدینہ ہجرت کی جب نبی ﷺ نے خبر میں تشریف فرماتھے۔ اس کے بعد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ خیر میں آپ کے ساتھ جا لے۔

۴۔ فزود بن عمر زوجذامی کا پیغام رسان — حضرت فزود، رومی سپاہ کے امراء کیک عرب کمانڈر تھے انہیں رومیوں نے اپنی حدود سے تصل عرب علاقوں کا گورنر بنا رکھا تھا۔ ان کا مرکز معان (جنوبی اردن) تھا اور علداری گرد و پیش کے علاقے میں تھی۔ انہوں نے جنگِ موتہ (شہادت) میں مسلمانوں کی صورتہ آرائی، شجاعت اور جنگی شخصیت دیکھ کر اسلام قبول کر لیا اور ایک قاصد بحیث کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ تختہ میں ایک سفید خچربھی بھجوایا۔ رومیوں کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے تو انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ پھر انتیار دیا کہ یا تو مرد ہو جائیں یا موت کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے ارتدا پر موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ انہیں فلسطین میں عفراء نامی ایک چشمے پر رسول دے کر شہید کر دیا گیا۔

۵۔ وفہ صداء — یہ وفات شہادت میں جبراہنے سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے چار سو مسلمانوں کی ایک ہم تیار کر کے اسے حکم دیا کہ میں کا وہ گوشہ روند آؤں جس میں قبلیہ صدائے رہتا ہے۔ یہ ہم ابھی وادیٰ قناۃ کے سرے پر خیر زن تھی کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ بھاگم بھاگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے پیچے جو لوگ ہیں میں ان کے نمائندہ کی حیثیت سے حاضر ہو اہوں لہذا آپ شکر واپس بلا لیا۔ اور میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ضامن ہوں۔ آپ نے وادیٰ قناۃ ہی سے شکر واپس بلا لیا۔ اس کے بعد حضرت زیاد نے اپنی قوم میں واپس جا کر انہیں ترغیب دی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان کی ترغیب پر پندرہ آدمی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور قبول اسلام پر بیعت کی۔ پھر اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کی، اور ان میں اسلام پھیل گیا۔ جھزو الدواع کے موقع پر ان کے ایک سو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کیا۔

۶۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمی کی آمد — یہ شخص ایک شاعر خانوادے کا چشم درچڑاغ تھا اور خود بھی عرب کا غلظیم ترین شاعر تھا۔ یہ کافر تھا اور نبی ﷺ کی ہجوم کیا کرتا تھا۔ امام حاکم کے بقول یہ بھی ان

مجموں کی فہرست میں شامل تھا جن کے متعلق فتح مکہ کے موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے پائے جائیں تو بھی ان کی گردن مار دی جائے۔ لیکن یہ شخص نجح نکلا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے غزوہ طائف (شہر) سے واپس ہوئے تو کعب کے پاس اس کے بھائی بھیر بن زہیر نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہ کے کہی ان افراد کو قتل کرا دیا ہے جو آپ کی ہجوم کرتے اور آپ کو ایذا میں پہنچاتے تھے۔ قریش کے بچے کچھے شواریں سے جس کے بعد ہرینگ سختے ہیں نکل جا گا ہے لہذا اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اڑ کر آ جاؤ، کیونکہ کوئی بھی شخص توبہ کر کے آپ کے پاس آ جائے تو آپ اسے قتل نہیں کرتے؛ اور اگر یہ بات منظور نہیں تو پھر جہاں نجات مل کے نکل جاؤ۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں مزید خطوٹ کتابت ہوتی جس کے نتیجہ میں کعب بن زہیر کو زمین نگ محسوس ہونے لگی اور اسے اپنی جان کے لائے پڑتے نظر آتے اس لیے آخر کار وہ میرزا گیا اور جہینہ کے ایک آدمی کے ہاں مہماں ہوا۔ پھر اسی کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوا تو جہینہ نے اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا بیٹھا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اسے پہچانتے نہ تھے۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو گیا ہے اور آپ سے امن کا خواستگار بن کر آیا ہے تو کیا اگر میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں تو آپ اس کے اسلام کو قبول فرمائیں گے؟" آپ نے فرمایا، "ہاں! اس نے کہا: "میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ یہ میں کر ایک انصاری صحابی اس پر جھپٹ پڑے اور اس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا، "چھوڑ دو، یہ شخص تائب ہو کر اور چپلی بالتوں سے دلکش ہو کر آیا ہے۔" اس کے بعد اسی موقع پر کعب بن زہیر نے اپنا مشہور قصیدہ آپ کو پڑھ کر سنایا جس کی ابتداء ہے۔

بَانْتُ سُعَادٌ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مُتَّبِولٌ      مُتَّيْمٌ إِنْرَهَالِمِ يَضْدُ، مَكْبُولٌ

"سعاد و در ہو گئی تو میرا دل بے قرار ہے۔ اس کے پیچے وارفتہ اور بیڑوں میں بکڑا ہوا ہے۔ اس کا فدیہ نہیں دیا گیا۔"

اس قصیدے میں کعب نے رسول اللہ ﷺ سے مhydrat کرتے ہوئے اور آپ کی مدح کرتے ہوئے آگے یوں کہا ہے:

نُبَيَّتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَوْعَدَنِي      وَالْعَفْوُ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ مَأْمُولٌ  
مَهْلَأً لِمَدَاكَ الَّذِي أَعْطَالَكَ نَافِلَةً إِلَى... قَلْنَ فِيهَا مَا عَيْنَ وَتَفَصِيلٌ  
لَا مَأْخُذَنَ بِأَقْوَالِ الْوَشَاءِ وَلَمْ      أَذِنْتُ وَلَوْكَرْتُ فِي الْإِقْتَاوِيلُ  
لَقَدْ أَقْعَمْ مَقَامًا لِعِيْتَوْمُ بَهِ      أَرَى، وَأَسْمَعَ صَالُو يَسْمَعُ الْفَيْلُ

لَظَلَّ مِنْعِدٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ  
مِنَ الرَّسُولِ بِإِذْنِ اللَّهِ تَنْوِيلٌ  
حَتَّىٰ وَضَعَتْ يَمِينَ مَا أَنْازَ عَنْهُ  
فَلَهُوا خَفْرُ عَنْدِي إِذَا كَلَمْتُهُ  
وَقَيْلٌ إِنْكَ مَنْسُوبٌ وَمَسْؤُلٌ  
مِنْ ضَيْغَمٍ بِصَرَاءِ الْأَرْضِ مَخْدُورٌ  
فِي بَطْنِ عَشْغِيلٍ دَوْتَهُ غَيْلٌ  
إِنَّ الرَّسُولَ لَنُودٌ يُشَتَّضَأُ بِهِ  
مُهَنْدٌ مِنْ سَلْوِفِ اللَّهِ مَثْلُولٌ

”جسے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے دھکی دی ہے، حالانکہ اللہ کے رسول سے درگذر کی توقع ہے۔ آپ شہریں چلنگو روں کی بات نہیں — وہ ذات آپ کی رہنمائی کرے جس نے آپ کو نصائح اور تفصیل سے پُر قرآن کا تحفہ دیا ہے — اگرچہ میرے بارے میں باقیں بہت کہی گئی ہیں، لیکن میں نے جرم نہیں کیا ہے۔ میں ایسی جگہ کھڑا ہوں اور وہ باقیں دیکھو اور سنوں ہاں ہوں کہ اگر ہاتھی بھی وہاں کھڑا ہو اور ان باتوں کو نہیں اور دیکھے تو قہرا مارہ جلتے۔ بروائے اس صورت کے کہاں پر اللہ کے اذن سے رسول کی نوازش ہو۔ حتیٰ کہ میں نے اپنا ہاتھ کسی زراع کے بغیر اس ہستی محترم کے ہاتھ میں رکھ دیا جسے انتقام پر پوری قدر تھے اور جس کی بات بات ہے۔ جب میں اس سے بات کرتا ہوں — دراںخایک مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہاری طرف فلاں فلاں (باقیں) نسب ہیں اور تم سے باز پُرس کی جائے گی — تو وہ میرے نزدیک اس شیر سے بھی زیادہ خوفناک ہوتے ہیں جس کا چھار کسی ہلاکت خیز وادی کے بطن میں داقع کسی ایسی سخت زین میں ہو جس سے پہلے بھی ہلاکت ہی ہو۔ یقیناً رسول ایک نور ہیں جن سے رشتی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک سوتی ہوتی ہندی تلوار ہیں۔“

اس کے بعد کعب بن زہیر نے مہاجرین قریش کی تعریف کی، کیونکہ کعب کی آمد پر ان کے کسی آدمی نے خیر کے سو اکوئی بات اور حرکت نہیں کی تھی؛ لیکن ان کی مدح کے دوران انصار پر طنز کی، کیونکہ ان کے ایک آدمی نے ان کی گردان مارنے کی اجازت چاہی تھی۔ چنانچہ کہا

يَمْشُونَ مَشَى الْجَمَالِ الْوَهْرِ يَصْمَهُمْ ضربَ اذاعِرَدِ السُّودِ التَّابِيلِ  
”وہ (قریش) خوبصورت، ملکے اونٹ کی چال چلتے ہیں اور شمشیر زدنی ان کی خفاظت کرتی ہے جب کہ نائل کھوئے، کامل کوئے لوگ رات پر چھوڑ کر بجا گئے ہیں۔“

لیکن جب وہ مسلمان ہو گیا، اور اس کے اسلام میں عمدگی آگئی تو اس نے ایک قصیدہ انصار کی مدح میں کہا اور ان کی شان میں اس سے جو غلطی ہو گئی تھی اس کی تلافی کی۔ چنانچہ اس قصیدے میں کہا:

من سرہ کرم الحیاۃ فلامیزل فی مقتب من صالحی الانصار

ورثوا المکارم کا براعن کا برو این الخیار هم بنو الخیار

”جسے کریانہ زندگی پسند ہو دہ، ہیشہ صالح انصار کے کسی دستے میں رہے۔ انہوں نے خوبیاں باپ دادا سے درستہ میں پائی ہیں۔ درحقیقت لچھے لوگ وہی ہیں جو اچھوں کی اولاد ہوں۔“

۴۔ وفد عذرہ — یہ وفد صفر شہ میں مدینہ آیا۔ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں حمزہ بن نعماں بھی تھے۔ جب وفد سے پوچھا گیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ تو ان کے نمائندے نے کہا، ہم بنو عذرہ ہیں۔ قصیٰ کے آخیانی بھائی۔ ہم نے ہی قصیٰ کی تائید کی تھی اور خزانہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔ (یہاں) ہمارے رشتے اور قرابت دایاں ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے خوش آمدید کہا اور ملک شام کے فتح کیے جانے کی ثابتت دی۔ نیز انہیں کاہنہ عورتوں سے سوال کرنے سے منع کیا اور ان ذیحوں سے روکا جنہیں یہ لوگ رحالتِ شرک میں (ذبح کیا کرتے تھے۔ اس وفد نے اسلام قبول کیا اور چند روز مطہرہ کر دا پس گیا۔

۵۔ وفد بیلی — یہ ربیع الاول شہ میں مدینہ آیا اور حلقة بگوشِ اسلام ہو کر میں روزِ مقیم رہا۔ دورانِ قیام وفد کے رئیس ابوالضیب نے دریافت کیا کہ کیا ضیافت میں بھی اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہاں ! کسی مالدار یا فقیر کے ساتھ جو بھی اچھا سلوک کر دے گے وہ صدقہ ہے۔ اس نے پوچھا، امدادِ ضیافت کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا، تین دن۔ اس نے پوچھا کسی لاپرہ شخص کی گشہ بھیڑ بکری مل جائے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ تمہارے لیے ہے یا تمہارے بھائی کے لیے ہے یا پھر بھیریئے کے لیے ہے۔ اس کے بعد اس نے گشہ اُونٹ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ اسے چھوڑ دو یا ان تک کہ اسکا مالک ہے پاجانے۔

۶۔ وفدِ ثقیف — یہ وفد رمضان شہ میں توک سے رسول اللہ ﷺ کی داپسی کے بعد حاضر ہوا۔ اس قبلیہ میں اسلام پھیلنے کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ ذی قعدہ شہ میں جب غزوہ طائف سے واپس ہوئے تو آپ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس قبلیہ کے سردار اعرُوہ بن مسعود نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنے قبلیہ میں واپس جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ چونکہ اپنی قوم کا سردار تھا اور صرف یہی نہیں کہاں کی بات مانی جاتی تھی بلکہ اس سے اس قبلیہ کے لوگ اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ لیکن جب اس نے اسلام کی دعوت دی تو اس موقع کے بالکل بخلاف لوگوں نے اس پر ہر طرف سے تیروں کی بوچاڑ کر دی اور اسے جان سے مار دالا۔ پھر اسے قتل کرنے کے بعد چند مہینے تو یوں ہی مقیم رہے لیکن اس کے بعد انہیں احساس ہوا کہ گردوں میں کا علاقہ جو سلان ہو چکا ہے اس سے ہم مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے لہذا انہوں نے باہم مشورہ کر کے

ٹے کیا کہ ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں اور اس کے لیے عبدِ یائیل بن عمرؓ سے بات پڑتی کی گردہ آمادہ نہ ہوا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو عزیزہ بن مسعود کے ساتھ کیا جا چکا ہے اس لیے اس نے کہا، میں یہ کام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک میرے ساتھ مزید کچھ آدمی نہ بھجو۔ لوگوں نے اس کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ حلیفوں میں سے دو آدمی اور بھی ماںک میں سے تین آدمی لگا دیئے۔ اس طرح کل چھ آدمیوں کا وفد تیار ہو گیا۔ اسی وفد میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقیف بھی تھے جو سب سے زیادہ کم عمر تھے۔

جب یہ لوگ خدمتِ نبوی میں پہنچے تو آپ نے ان کے لیے مسجد کے ایک گوشے میں ایک قُبَّۃٌ گاؤادیا تاکہ یہ قرآن سُن سکیں اور رحماءٰ پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے جاتے رہے اور آپ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آفران کے سردار نے سوال کیا کہ آپ اپنے اور ثقیف کے درمیان ایک معاهدة صلح لکھ دیں جبیں زنا کاری، شراب نوشی اور سودخوری کی اجازت ہو۔ ان کے معبود "لات" کو برقرار رہنے دیا جائے انہیں نماز سے معاف رکھا جائے اور ان کے بہت خود ان کے ہاتھوں سے نہ تڑاوائے جائیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کوئی بھی بات منظور نہ کی۔ لہذا انہوں نے تہائی میں مشورہ کیا مگر انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سپرڈا لئے کے سوا کوئی تمدیز نظر نہ آئی۔ آخر انہوں نے یہی کیا اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ البتہ یہ شرط لگا کی کہ "لات" کو دھانے کا انتظام رسول اللہ ﷺ خود فرمادیں، ثقیف اسے اپنے ہاتھوں سے ہرگز نہ ڈھاییں گے۔ آپ نے یہ شرط منظور کر لی اور ایک نوشۂ لکھ دیا اور عثمان بن ابی العاص ثقیف کو ان کا امیر بنا دیا کیونکہ وہی اسلام کو سمجھنے اور دین و قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش اور عریص تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وفد کے ارکان ہر روز صبح خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے لیکن عثمان بن ابی العاص کو اپنے ڈیوب پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے جب وفد اپس آگر دوپہر میں قیلولہ کرتا تو حضرت عثمان بن ابی العاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن پڑھتے اور دین کی باتیں دریافت کرتے اور جب آپ کا استراحت فرماتے ہوئے پاتے تو اسی مقصد کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلے جلتے (حضرت عثمان بن ابی العاص کی گورنمنٹری بارکت ثابت ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی دفات کے بعد جب خلافت صدیقی میں ارتکاد کی اہمیتی اور ثقیف نے بھی مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے مخاطب کر کے کہا: "ثقیف کے لوگوں باقی سب سے آخر میں اسلام لائے ہو۔ اس لیے سب سے پہلے مرتد نہ ہو۔"

یہ سن کر لوگ ارتداوے سے رک گئے اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔

بہر حال وفد نے اپنی قوم میں واپس آ کر اصل حقیقت چھپائے رکھی اور قوم کے سامنے لڑائی اور مار دھاڑ کا ہٹوا کھڑا کیا اور حزن و غم کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اسلام قبول کر لیں اور زنا، شراب اور سود چھوڑ دیں ورنہ سخت لڑائی کی جائے گی۔ یہ سن کر پہلے تو شفیف پر شخوتِ جاہلیہ غالب آئی اور وہ دو تین روز تک لڑائی ہی کی بات سوچتے رہے، لیکن پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے وفد سے گزارش کی کہ وہ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جائے اور آپ کے مطالبات تسلیم کر لے۔ اس مرحلے پر پہنچ کر وفد نے اصل حقیقت ظاہر کی اور جن باتوں پر مصالحت ہو چکی تھی ان کا اظہار کیا۔ شفیف نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے لات کو دھلنے کے لیے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں چند صحابہ کی ایک ذرا سی نفری روائہ فرمائی۔ حضرت منیرہ بن شبہ نے کھڑے ہو کر گز اٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے کہا، اللہ میں ذرا آپ لوگوں کو شفیف پر ہنساؤں گا۔ اس کے بعد لات پر گز مار کر خود ہی گر پڑے اور ایڑیاں پلکنے لگے۔ یہ بناوٹی منظر دیکھ کر اہل طائف پر ہول طاری ہو گیا۔ کہنے لگے؟ اللہ منیرہ کو ہلاک کرے اُسے دیوی نے مار ڈالا۔ اتنے میں حضرت منیرہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا، اللہ تمہارا بڑا کرے۔ یہ تو پھر اور مٹی کا تماشا ہے۔ پھر انہوں نے دروازے پر ضرب لگانی اور اسے توڑ دیا۔ اس کے بعد سب سے اوپر جی دیوار پر چڑھے اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی چڑھے۔ پھر اسے دھلتے دھلتے زمین کے برابر کر دیا جسی کہ اس کی بنیاد بھی کھو ڈالی اور اس کا زیور اور لباس نکال لیا۔ یہ دیکھ کر شفیف دم بخورہ گئے۔ حضرت خالد بنی اللہ عنہ زیور اور لباس لے کر اپنی ٹیم کے ساتھ واپس ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کچھ اسی دن تقسیم فرمادیا اور نبی کی نصرت اور دین کے اعزاز پر اللہ کی حمد کی۔

۹۔ شاہابین میں کا خط — تبرک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد شاہابین حمیری بن حارث بن عبد کلال نیم بن عبد کلال اور رعیں، ہعدان اور معافر کے سربراہ نuman بن قیل کا خط آیا۔ ناصر بر مالک بن مرّہ رہادی تھا۔ ان بادشاہوں نے اپنے اسلام لانے اور شرک و اہل شرک سے عیحدگی اختیار کرنے کی اطلاع دے کر اسے بھیجا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس ایک جوابی خط لکھ کر واضح فرمایا کہ اہل ایمان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ آپ نے اس خط میں معاہدین کے لیے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ بھی دیا تھا،

ببشر طیکہ وہ مقرر جزیہ ادا کریں۔ اس کے علاوہ آپ نے کچھ صحابہ کو میں روانہ فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

۱۰۔ وفد ہمدان —— یہ وفد شہ میں تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھ کر، جو کچھ انہوں نے مانگا تھا عطا فرمادیا اور مالک بن نفط کو ان کا امیر مقرر کیا، ان کی قوم کے بوجوگ سماں ہو چکے تھے ان کا گورنر بنایا اور باقی لوگوں کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لیے حضرت فالد بن ولید کو بھج دیا۔ وہ کچھ ہمینے مقیم رہ کر دعوت دیتے رہے لیکن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالبؑ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ فالد کو واپس بھج دیں۔ حضرت علیؑ نے قبلہ ہمدان کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کا خط نایا اور اسلام کی دعوت دی تو سب کے سب سماں ہو گئے۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی بشارت بھی۔ آپ نے خط پڑھا تو سجدے میں گر گئے۔ پھر سراٹھا کر فرمایا، ”ہمدان پر سلام، ہمدان پر سلام۔“

۱۱۔ وفد بنی فزارہ —— یہ وفد شہ میں تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد آیا۔ اس میں دس سے کچھ زیادہ افراد تھے اور سب کے سب اسلام لا چکے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے علاقے کی تحصیل کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کی۔ آپ نے فرمایا: ”لے اللہ! اپنے ملک اور اپنے چرپائیں کو سیراب کر، اپنی رحمت پھیلنا، اپنے مردہ شہر کو زندہ کر۔ لے اللہ! ہم پر ایسی بارش برسا جو ہماری فریاد رہی کر دے، راحت پہنچا دے، خوشگوار ہو، پھیلی ہوئی ہمہ گیرو بدل دئے، دیر نہ کرے، نفع بخش ہو، نقصان رسانہ ہو۔ لے اللہ! بارہت کی بارش، عذاب کی بارش نہیں اور نہ ڈھانے والی، نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی بارش۔ لے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر، اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرمائے۔“

۱۲۔ وفد بخراں —— (ان پر زبردج ساکن۔ مکہ سے میں کی جانب سات مرحلے پر ایک ٹرا علاوہ تھا جو ۳۰۰ بستیوں پر مشتمل تھا۔ تیز رفتار سوار ایک دن میں پورا علاقے پر کر سکتا تھا۔ اس علاقے میں ایک لاکھ مردان جنگی تھے جو سب میانی نہ ہب کے پیر دتھے)

بخراں کا وفد شہ میں آیا۔ یہ ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ۴۰۰ آدمی اشراف سے تھے جن میں سے میں آدمیوں کو اپنی بخراں کی سربراہی درکار کو حاصل تھی۔ ایک عاقب جس کے ذمہ امارت حکومت کا کام تھا۔

اور اس کا نام عبد المسع تھا۔ دوسرے سید جو شفیقیہ اور سیاسی امور کا نگران تھا اور اس کا نام آئیہم یا شریعتیل تھا۔ تیسرا اسقف (لاٹ پادری) جو دینی سربراہ اور روحانی پیشوں تھا، اس کا نام ابو عمار شبن علقہ تھا۔

وند نے مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ سے ملاقات کی۔ پھر آپ نے ان سے کچھ سوالات کئے اور انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن عکیم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ مسح علیہ السلام کے ہارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس روزدن بھر تو قوف کیا یہاں تک کہ آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں :

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ اَدْمَرَ خَلْقَةٍ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ الْحَقُّ صِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمُتَرِّقِينَ○ فَمَنْ حَاجَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْ وَنَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُوَبْنَتِهِلْ فَنَجَعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَذِيلِينَ○ (۵۹/۱۲)

یہیں کہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک ادم میسی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آجائے کے بعد جو کوئی تمہے اس (عیسیٰ) کے ہارے میں محبت کرے تو اس سے کہہ دو کہ آدم ہم بلا میں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر بمالہ کریں (اللہ سے گزر گذا کر دعا کریں) پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر۔

صحیح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان ہی آیات کریمہ کی روشنی میں انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے قول سے آگاہ کیا اور اس کے بعد دن بھرا نہیں غور و فکر کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہارے میں آپ کی بات مانسے اس کا کار کر دیا۔ پھر جب اگلی صحیح ہوتی — درآں خالیکہ وند کے ارکان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہارے میں آپ کی بات تسلیم کرنے اور اسلام لانے سے انکار کر چکے تھے — تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مبارہ کی دعوت دی اور آپ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سیمت ایک چادر میں پیٹے ہوئے تشریف لائے پسچھے پسچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چل رہی تھیں۔ جب وند نے دیکھا کہ آپ واقعی بالکل تیار ہیں تو تمہاری میں جا کر مشورہ کیا۔ عاقب اور سید دونوں نے ایک درہ سے کہا: ”دیکھو مبارہ نہ کرنا۔ خدا کی قسم اگر یہ نبی ہے، اور ہم نے اس سے ملاعنت کی تو ہم اور ہمارے پسچھے ہماری اولاد ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ رُوئے زمین پر ہمارا ایک بال اور زناخن بھی تباہی سے نہ پنج سکے گا۔ آخران کی

رائے یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہی کو اپنے بارے میں حکم بنا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا جو مطالبہ ہو ہم اسے مانے کو تیار ہیں۔ اس پیش کش پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ لینا منظور کیا، اور دو ہزار چوتھے کپڑوں پر مصالحت فرمائی؛ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔ اور طے کیا کہ ہر چوتھے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو بادن گرام چاندی) بھی ادا کرنی ہوگی۔ اس کے عوض آپ نے انہیں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ عطا فرمایا اور دین کے بارے میں مکمل آزادی محنت فرمائی۔ اس ملے میں آپ نے انہیں ایک باقاعدہ نوشۃ لکھ دیا۔ ان لوگوں نے آپ سے گزارش کی آپ ان کے ہاں ایک ایمن (امانت دار) آدمی روانہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے صلح کا مال وصول کرنے کے لیے اس اُمت کے امین حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روشنہ فرمایا۔

اس کے بعد ان کے اندر اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ سید اور عاقب بخراں پڑنے کے بعد مسلمان ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ نے ان سے صدقات اور جزیے لانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روشنہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے۔

۱۴۔ دفدنی حنفیہ — یہ وفات ۹۰ھ میں مدینہ آیا۔ اس میں مُسیلمہ کذاب سمیت سترہ آدمی تھے۔ مسیلمہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: مسیلمہ بن شمامہ بن کبیر بن جبیب بن حارث — یہ دف د ایک انصاری صحابی کے مکان پر اُترا۔ پھر خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر حلقة گوش اسلام ہوا۔ البتہ مسیلمہ کذاب کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ تمام روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکڑا، تکبیر اور امارت کی ہوس کا اظہار کیا اور دف د کے باقی ارکان کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے پہلے تو قولًا اور فعلًا اچھے اور شریفانہ بتاؤ کے ذریعہ اس کی دلجمی کرنی چاہی لیکن جب دیکھا کہ اس شخص پر اس بتاؤ کا کوئی مفید اثر نہیں پڑا تو آپ نے اپنی فراست سے تماذیا کہ اس کے اندر شر ہے۔

اس سے قبل نبی ﷺ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپ کے پاس رہتے زمین کے خزانے لاگر کھو دیے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دوٹنگن آپ کے ہاتھ میں آپٹے ہیں۔ آپ کو یہ دونوں بہت گراں اور رنج دہ محسوس ہوئے۔ چنانچہ آپ کو جو کلگئی کر ان دونوں کو پھونک دیجئے۔ آپ نے پھونک دیا تو وہ

۷۳۸/۳ ۹۲/۸ نفح الباری تاہم۔ دف د بخراں کی تفصیلات میں روایات کے اندر خاصاً اضطراب ہے اور اسی وجہ سے بعض محققین کا رجحان ہے کہ بخراں کا دف د دبار میئنے آیا۔ لیکن ہمارے نزدیک وہی بات راجح ہے جسے ہم نے اور پخترا بیان کیا ہے۔ ۷۴۸/۸ نفح الباری

دونوں اڑ گئے۔ اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ آپ کے بعد دلکش کذاب (پرے درجے کے جھوٹے) نکلیں گے۔ چنانچہ جب مسلم کذاب نے اکڑا اور انکار کا اظہار کیا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر محمد نے کاروبار حکومت کو اپنے بعد میرے ہوالے کرنا طے کیا، تو میں ان کی پیروی کروں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں بھجور کی ایک شاخ تھی اور آپ کے ہمراہ آپ کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شمس رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلم اپنے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ آپ اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور گفتگو فرمائی۔ اس نے کہا: "اگر آپ چاہیں تو ہم حکومت کے معلمانے میں آپ کو آزاد چھوڑ دیں لیکن اپنے بعد اس کو ہمارے لیے طے فرمادیں۔" آپ نے (بھجور کی شاخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: "اگر قم مجوہ سے یہ ملکہ اچا ہو گے تو تمہیں یہ بھی نہ دوں گا؛ اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کئے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جا سکتے، اور اگر قم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ خداکی قسم! میں تھے وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے میں بھے دہ (خواب) جو دھکلایا گیا ہے۔ اور یہ ثابت بن قیس میں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے۔" اس کے بعد آپ واپس چلے آئے۔

بالآخر مہی ہوا جس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فراست سے کر لیا تھا، یعنی مسلم کذاب یا مہ داپس جا کر پہنچے تو اپنے بارے میں غور کر تارہ، پھر دعویٰ کیا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کاربنوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور سمع گھٹنے لگا۔ اپنی قوم کے لیے زنا اور شراب حلال کر دی اور ان سب یا توں کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ شہادت بھی دیتا رہا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اس شخص کی وجہ سے اس کی قوم فتنے میں پڑ کر اس کی پیروکارو ہم آواز بن گئی۔ نتیجہ ہے اس کا معاملہ نہایت سنگین ہو گیا۔ اس کی آئندی قدر و منزلت ہوئی کہ اسے یہاں کار حمان کہا جانے لگا۔ اب اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھا: "محبے اس کام میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔ آدھی حکومت ہمارے لیے ہے اور آدھی قریش کے لیے۔" رسول اللہ ﷺ نے جواب میں لکھا: "زمیں اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انہم مقیمین کے لیے ہے۔" این مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال مسلم کے قاصد بن کربنی ﷺ کے پاس آئے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا: "تم دونوں شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ہے۔" انہوں نے کہا: "ہم شہادت دیتے ہیں کہ مسلم اللہ کا رسول ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ اور اس

کے رسول (محمد) پر ایمان لایا۔ اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔<sup>اللہ</sup>  
 میلہ کذاب نے شام میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور زیع الادل <sup>اللہ</sup> میں بر عہد غلطیت صدیقی  
 یمامہ کے اندل قتل کیا گیا۔ اس کا قاتل وہی جسی تھا جس نے حضرت چڑھ کو قتل کیا تھا۔  
 ایک مدعا نبوت تو یہ تھا جس کا یہ انجام ہوا۔ ایک دوسرا مدعا نبوت انواع غشی تھا جس نے میں  
 میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ اسے نبی <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> کی دفاتر سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے حضرت فیروز  
 نے قتل کیا۔ پھر آپ کے پاس اس کے متعلق وحی آئی اور آپ نے صحابہ کرام کو اس واقعہ سے باخبر کیا۔ اس کے  
 بعد میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس یادا عده خبر آئی۔<sup>اللہ</sup>

۴۔ دفن بنی عامر بن معصوم — اس وفی میں شمش خدا عامر بن طفیل حضرت لمید کا انجیانی بھائی اربد بن  
 قیس، خالد بن جعفر اور جبار بن اسلم شامل تھے۔ یہ سب اپنی قوم کے سر برآ دردہ اور شیطان تھے۔ عامر بن طفیل  
 وہی شخص ہے جس نے بئر محونہ پر مشتر صحابہ کرام کو شہید کرایا تھا۔ ان لوگوں نے جب مدینہ آنے کا راہ وہ کیا تو  
 عامر اور اربد نے باہم سازش کی کہ نبی <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> کو دھوکا دے کر اچانک قتل کر دیں گے۔ چنانچہ جب یہ وفید میں  
 پہنچا تو عامر نے نبی <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> سے گفتگو شروع کی اور اربد گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچا اور بالشت بھر  
 تواریخ سے باہر نکالی، لیکن اس کے بعد اللہ نے اس کا ہاتھ روک لیا اور وہ تواریخ نے نیام نہ کر سکا۔  
 اللہ نے اپنے نبی کو محفوظ رکھا۔ نبی <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> نے ان دونوں پر بدُعائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی پر اللہ نے  
 آبید اور اس کے اوپنے پر بھلی گزادی جس سے اربد جل مرا۔ ادھر عامر ایک سلویہ عورت کے ہاں آتا،  
 اور اسی دوران اس کی گردن میں گلٹی نکل آئی۔ اس کے بعد وہ یہ کہتا ہوا مر گیا کہ: آہ! اوپنے کی گلٹی جیسی گلٹی،  
 اور ایک سلویہ عورت کے گھر میں موت؟

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عامر نے نبی <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> کے پاس آگر کہا: "میں آپ کو تین باتوں کا اختیار  
 دیتا ہوں (۱) آپ کے لیے دادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے آبادی کے (۲) یا میں آپ کے بعد آپ  
 کا خلیفہ ہووں (۳) درز میں غلطیان کو ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار گھوڑیوں سمت آپ پر چڑھالاؤں گا۔"  
 اس کے بعد وہ ایک عورت کے گھر میں طالعون کا شکار ہو گیا (جس پر اس نے فرط غم سے) کہا، کیا اوپنے کی  
 گلٹی جیسی گلٹی ہے اور وہ بھی بنی فلاں کی ایک عورت کے گھر میں ہے؟ میرے پاس میرا گھوڑا لاوہ پھر وہ سوار ہوا،  
 اور اپنے گھوڑے ہی پر مر گیا۔

۱۵۔ وند تجیب — یہ دنداپنی قوم کے صدقات کو، جو فقر اسے فاضل بخ گئے تھے، لے کر مدینہ آیا۔ وند میں تیرہ آدمی تھے جو ستر آن دشنا پوچھتے اور سیکھتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ باتیں دریافت کیں تو آپ نے وہ باتیں انہیں لکھ دیں۔ وہ زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں تحائف سے نوازا تو انہوں نے اپنے ایک نوجوان کو بھی بھیجا جو ڈیرے پر پیچے رہ گیا تھا۔ نوجوان نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا، ہنورِ اندکی قسم! مجھے میرے علاقے سے اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں لائی ہے کہ آپ اللہ عز و جل سے میرے لیے یہ دعا فرمائی۔ تجھے یہ ہوا کہ وہ شخص سب سے زیادہ قناعت پسند ہو گیا اور جب ارتداء کی لہر چلی تو صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اپنی قوم کو عظوظ نصیحت کی تو وہ بھی اسلام پر ثابت قدم رہی۔ پھر ایں وند نے ججۃ الوداع نامہ میں نبی ﷺ سے دوبارہ ملاقاتی۔

۱۶۔ وندِ طنی — اس وند کے ساتھ عرب کے مشہور شہروار زید لخیل بھی تھے۔ ان لوگوں نے جب نبی ﷺ سے گفتگو کی اور آپ نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت اچھے مسلمان ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے عرب کے جس کسی آدمی کی خوبی بیان کی گئی اور پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے اس کی شہرت سے کچھ کثرت ہی پایا۔ مگر اس کے برعکس زید لخیل کی شہرت ان کی خوبیوں کو نہیں پہنچ سکی؛ اور آپ نے ان کا نام زید الخیر رکھ دیا۔

اس طرح نہ اور نامہ میں پے در پے دنود آتے۔ اہل پیر نے میں، آزاد، قضاۓ کے بنی سعد، بنی ہذیم، بنی عامر بن قیس، بنی اسد، بہر، خولان، مخارب، بنی حارث بن کعب، غامد، بنی منتفق، سلامان، بنی عبس، مزینہ، مراد، زبید، کنده، ذی مرہ، غسان، بنی عیش اور سخع کے دنود کا تذکرہ کیا ہے۔ سخع کا وند آخری وند تھا جو محرم الحادیہ کے درست میں آیا تھا اور دوسو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ باقی دیشتر وندوں کی آمد نامہ اور نامہ میں ہوئی تھی۔ صرف بعض دنود الحادیہ تک متاخر ہوتے تھے۔

ان دنود کی پے بپے آمد سے پتا لگتا ہے کہ اس وقت اسلامی دعوت کو کس قدر فروع اور قبول عام حاصل ہو چکا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب مدینہ کو کتنی قدر اور تعظیم کی لگاہ سے دیکھتے تھے حتیٰ کہ اس کے سامنے پر انداز ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں سمجھتے تھے۔ درحقیقت مدینہ جزیرہ العرب کا دارالحکومت بن چکا تھا اور کسی کے لیے اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان سب لوگوں کے دلوں میں دین اسلام اثر کر چکا تھا۔ کیونکہ ان میں ابھی بہت سے ایسے اکھڑا بد تھے جو محض اپنے مداروں

کل متابعت میں مسلمان ہو گئے تھے درہ ان میں قتل و غارت گری کا جو زمان جڑ پکڑا تھا اس سے وہ پاک صاف نہیں ہو سکتے اور ابھی اسلامی تعلیمات نے انہیں پورے طور پر مہذب نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورہ توبہ میں ان کے بعض افراد کے اوصاف یوں بیان کئے گئے ہیں:

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاً وَاجْدَرُ الَّا يَعْلَمُوا حُدُودًا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيهِ حَكِيمٌ ○ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرِمًا وَيَرْبَضُ بِكُمُ الدَّوَارَ عَلَيْهِمْ دَآءِرَةُ السُّوءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلَيْهِ ○ (۹۸/۹۶، ۹۹)

”اعرب (زندہ) کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کے حدود کو زبانیں اور اللہ جانے والا حکمت والا ہے۔ اور بعض اعراب جو کچھ خرج کرتے ہیں اسے توان سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں کا انتظار کرتے ہیں۔ ان ہی پر بُری گردش ہے اور اللہ سننے والا جانتے والا ہے۔“

جبکہ کچھ دوسرے افراد کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے:

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبَتِ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ طَالِبًا قُرْبَةً لَهُمْ طَسِيدُ خَلْمُهُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (۹۹:۹)

”اور بعض اعراب اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرج کرتے ہیں اسے اللہ کی قربت اور رسول کی دعاویں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیک اللہ غفور رحیم ہے۔“

جہاں تک کہ، مدینہ، ثقیف، یمن اور بحرین کے بہت سے شہری باشندوں کا تعلق ہے، تو ان کے اندر اسلام پختہ تھا اور ان ہی میں سے کبار صحابہ اور سادات مسلمین ہوئے۔

لہ یہ بات خضری نے محاضرات ۱/۴۲ میں کہی ہے۔ اور جن دنوں کا ذکر کیا گیا یا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ان کی تفصیل کے لیے دیکھئے، صحیح بخاری ۱/۱۳، ۴۲۹ تا ۴۲۹، ابن میثام ۱/۵۰۳ تا ۵۰۵، ۵۳۲ تا ۵۳۵، ۵۴۰ تا ۵۴۰، زاد المعاد ۳/۴۰ تا ۴۰، فتح الباری ۸/۸۲ تا ۱۰۳، رحمۃ العالمین ۱/۱۸۲ تا ۲۱۷۔

## دعوٰت کی کامیابی اور اثرات

اب ہم رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری آیام کے تذکرہ تک پہنچ رہے ہیں۔ لیکن اس تذکرہ کے لیے رہوارِ قلم کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا شہر کر آپ کے اس جلیل الشان عمل پر ایک اجمالی نظر ڈالیں جو آپ کی زندگی کا خلاصہ ہے اور جس کی بناء پر آپ کو تمام نبیوں اور پیغمبروں میں یہ امتیازی مقام حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر اولین و آخرین کی سیادت کا تاج رکھ دیا۔

آپ ﷺ سے کہا گیا کہ ،

يَا إِيَّاهَا الْمُزَمِّلُ ○ قُمِ الْيَلَّا إِلَّا قَلِيلٌ لَا ○ (۲۱: ۴۱)

”اے چادر پوش لدات میں کھڑا ہو مگر تھوڑا“

اور يَا إِيَّاهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُلْ فَإِنَّذِرْ ○ (۲۱: ۴۲)

”اے کبل پوش! اٹھ اور لوگوں کو سنگین انعام سے ڈرا دے۔“

پھر کیا تھا؟ آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے کانہ سے پر اس روئے زمین کی سب سے بڑی امانت کا بارگاں اٹھائے مسلسل کھڑے رہے ہیں، یعنی ساری انسانیت کا بوجھا سائے عقیدے کا بوجھا اور مختلف میدانوں میں جنگ و جہاد اور تنگ و تاز کا بوجھ،

آپ نے اس انسانی ضمیر کے میدان میں جنگ و جہاد اور تنگ و تاز کا بوجھ اٹھایا بوجھا ہلیست کے اوہام و تصورات کے اندر عرق تھا، جسے زمین اور اس کی گوناگون کشش کے بارے بوجھل کر رکھا تھا؛ جو شہوات کی بیڑوں اور پھندوں میں جکڑا ہوا تھا اور جب اس ضمیر کو اپنے بعض صحابہ کی صورت میں جاہلیت اور حیاتِ ارضی کے تدورتے بوجھ سے آزاد کر لیا تو ایک دوسرا میدان میں ایک دوسرا معرکہ، بلکہ محرکوں پر معرکے شروع کر دیئے۔ یعنی دعوتِ الہی کے وہ دشمن جو دعوت اور اس پر ایمان لانے والوں کے خلاف ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اس پاکیزہ پوش کو پہنچنے، مٹی کے اندر جڑ پکڑنے، فضائیں شاخصیں لہرانے اور پھلنے پھوٹنے سے پہلے اس ک

نومگاہ ہی میں مارڈان اپنے چاہتے تھے۔ ان دشمنانِ دعوت کے ساتھ آپ نے پیغمبر کا معمر کر آ رائیاں شروع کیں اور ابھی آپ جزیرہ العرب کے معروکوں سے فارغ نہ ہوتے تھے کہ رُوم نے اس نئی اقتت کو دبوچنے کے لیے اس کی سرحدوں پر تیاریاں شروع کر دیں۔

پھر ان تمام کارروائیوں کے دوران ابھی پہلا معمر کے — یعنی ضمیر کا معمر کے — ختم نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دائمی معمر کہ ہے۔ اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور وہ انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں گھس کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے اور ایک لحظہ کے لیے ڈھینلا نہیں ڈٹتا۔ محمد ﷺ دعوت الٰٰ اللہ کے کام میں مجھے ہوتے تھے اور متفرق میدان کے پیغمبر کوں میں صرف تھے۔ دنیا آپ کے قدموں پر ڈھیر تھی مگر آپ تنگی و ترشی سے گذرا بر کر رہے تھے۔ اہل ایمان آپ کے گرد اگر دامن و راحست کا سایہ پھیلارہے تھے مگر آپ جہد و مشقت اپنائے ہوئے تھے۔ مسلل اور کڑی محنت سے سابقہ تھا مگر ان سب پر آپ نے صبر حبیل اختیار کر رکھا تھا۔ رات میں قیام فرماتے تھے؛ اپنے رب کی عبادت کرتے تھے، اس کے قرآن کی مظہر ٹھہر کر قراءت کرتے تھے اور ساری دنیا سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ اس طرح آپ نے مسلل اور پیغمبر کا آرائی میں بیس برس سے اوپر گذار دیئے اور اس دوران آپ کو کوئی ایک معاملہ دوسرے معاملے سے غافل نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ اسلامی دعوت اتنے بڑے پیمانے پر کامیاب ہوئی کہ عقیدیں جیران رہ گئیں۔ سارا جزیرہ العرب آپ کے تابع فرمان ہو گیا۔ اس کے اُنّت سے جاہلیت کا غبار چھپت گیا، بیمار عقیدیں تذہبیت ہو گئیں، یہاں تک کہ بتوں کو چھوڑ بکھر توڑ دیا گیا، توحید کی آوازوں سے فضاؤ گونجنے لگی، ایمان جدید سے حیات پائی ہوئی صحرا کا بستان وجود آذانوں سے لرزنے لگا اور اس کی پہنائیوں کو اللہ اکبر کی صدائیں چھرنے لگیں۔ قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کرتے اور اللہ کے احکام فائم کرتے ہوئے شمال و جنوب میں پھیل گئے۔

بکھری ہوئی قویں اور قبیلے ایک ہو گئے۔ انسان بندوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں داخل ہو گیا۔ اب نہ کوئی قاہر ہے نہ مقہور، نہ مالک ہے نہ مملوک، نہ حاکم ہے نہ ملکوم، نہ ظلم ہے نہ منظلوم، بلکہ سارے لوگ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسرے

سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کے احکام بجا لاتے ہیں۔ اللہ نے ان سے جاہلیت کا غزوہ و نجوت اور باب پ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا میاصرف تقویٰ ہے؛ ورنہ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

غرض اس دعوت کی بدولت عربی وحدت، انسانی وحدت، اور اجتماعی عدل وجود میں آگیا۔ نوع انسانی کو دنیاوی مسائل اور آخری معاملات میں سعادت کی راہ مل گئی۔ بالفاظ دیگر زمانے کی رفتار بدل گئی، رُوئے زمین متغیر ہو گیا تاریخ کا دھار امڑ گیا اور سوچنے کے انداز بدل گئے۔

اس دعوت سے پہلے دنیا پر جاہلیت کی کار فرمائی تھی۔ اس کا ضمیر متضمن تھا اور صبح بدبوودار تھی۔ قدریں اور پیمائے مختل تھے۔ ظلم اور غلامی کا دور دورہ تھا۔ فاجرانہ خوش حالی اور تباہ کن محرومی کی موج نے دنیا کو تد بala کر رکھا تھا۔ اس پر کفر و مگراہی کے تاریک اور دیز پردے پڑے ہوئے تھے، حالانکہ آسمانی مذاہب و ادیان موجود تھے مگر ان میں تحریف نے جگہ پالی تھی اور ضعف سرایت کر گیا تھا۔ اس کی گرفت ختم ہو چکی تھی اور وہ محض بے جان و بے روح قسم کے جامد رسم و رواج کا مجموعہ بن کر رہ گئے تھے۔

جب اس دعوت نے انسانی زندگی پر اپنا اثر دکھایا تو انسانی روح کو وہم و خرافات، بندگی و غلامی، فساد و تحضن اور گندگی و انارکی سے نجات دلائی اور معاشرہ انسانی کو ظلم و طغیان پر اگندگی و بربادی، طبقاتی امتیازات، حکام کے استبداد اور کاہنوں کے رسواکن سلطنت سے چھپنکارا دلایا اور دنیا کو عفت و نظافت، ایجادات و تعمیر، آزادی و تجدید، معرفت و یقین و ثوق و ایمان، عدالت و کرامت اور عمل کی جنبیاں دوں پر زندگی کی بائیگی، حیات کی ترقی اور حقدار کی حق رسائی کے لیے تحریر کیا۔

ان تبدیلیوں کی بدولت جزویۃ العرب نے ایک ایسی بارکت اٹھان کا مشاہدہ کیا جس کی نظر انسانی وجود کے کسی دور میں نہیں دکھی گئی اور اس جزویے کی تاریخ اپنی عمر کے ان ییکانہ روزگار ایام میں اس طرح جگہ جاتی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں جگہ جاتی تھی۔

## حجۃ الوداع

دعوت و تبلیغ کا کام کوڑا ہو گیا اور اللہ کی الوہیت کے اثبات اس کے مساوا کی الوہیت کی نفی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بنیاد پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر و تشكیل عمل میں آگئی۔ اب گویا نسبی ہاتھ آپ کے قلب و شور کو یہ احساس دلار ہا تھا کہ دنیا میں آپ کے قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے، چنانچہ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سلطنة میں میں کا گورنمنٹ کروانہ فرمایا تو رخصت کرتے ہوئے نبی مسیح اور باتوں کے فرمایا: اے معاذ! غاباً تم مجھ سے ہیرے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے، بلکہ غاباً میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزو گے؛ اور حضرت معاذ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم سے رونے لگے۔

درحقیقت اللہ چاہتا تھا کہ اپنے پیغمبر ﷺ کو اس دعوت کے ثرات و کھلادے جس کی راہ میں آپ نے میں برس سے زیادہ عرصہ تک طرح طرح کی مشکلات اور مشقیں پڑتی تھیں اور اس کی صورت یہ ہو کہ آپ حج کے موقع پر اطرافِ مکہ میں قبائلِ عرب کے افراد و نمائندگان کے ساتھ جمع ہوں، پھر وہ آپ سے دین کے احکام و شرائع حاصل کریں اور آپ ان سے یہ شہادت لیں کہ آپ نے امانت ادا کر دی، پیغامِ رب کی تبلیغ فرمادی۔ اور امانت کی خیرخواہی کا حق ادا فرمادی۔ اس مشیتِ ایزدی کے مطابق نبی ﷺ نے جب اس تاریخی حجج مبرور کے لیے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو مسلمانانِ عرب جو حق درجوت پہنچا شروع ہو گئے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش پا کو اپنے لیے نشان راہ بنائے اور آپ کی اقدار کے لئے پھر سینچر کے دن جبکہ ذی قعده میں چار دن باقی تھے رسول اللہ ﷺ نے کوچ کی تیاری فرمائی تھی بالوں میں کٹھی کی، تیل لگایا، تہبند پہنا، چادر اور ٹھی، قربانی کے

لئے یہ بات صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مردی ہے۔ دیکھئے باب حجۃ النبی ﷺ ۳۹۸/۱

لئے حافظ ابن حجر نے اس کی بہت عمدہ تحقیق کی ہے اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ ذی قعده کے پانچ دن باقی تھے تب آپ روانہ ہوئے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ۸/۱۰

جانوروں کو قَلَادَه پہنایا اور ظہر کے بعد کوچ فرمادیا اور عصر سے پہلے ذُوالْحِلْيَة پہنچ گئے وہاں عصر کی نماز دور کھت پڑھی اور رات بھر خیز نہ ہے۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرام سے فرمایا، رات میسے پروگار کی طرف سے ایک آنے والے نے آگر کہا، اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کوچ میں عمرہ ہے۔ پھر ظہر کی نماز سے پہلے آپ نے احرام کے لیے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جسم اٹھرا اور سر مبارک میں اپنے ہاتھ سے ذریزہ اور مشک آمیز خوبصورت لگاتی۔ خوبصورتی کی چیز آپ کی ماہنگ اور داڑھی میں دکھانی پڑتی تھی مگر آپ نے یہ خوبصورتی نہیں بلکہ برقرار رکھی۔ پھر اپنا تہبند پہنا، چادر اور ڈھنپی، دور کھت ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مصلتے ہی پر حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھتے ہوئے صدائے بیکیک بلند کی پھر باہر تشریف لاتے، قصوار اور مٹی پر سوار ہوتے اور دوبارہ صدائے بیکیک بلند کی۔ اس کے بعد اٹھنی پر سوار کھلے میدان میں تشریف لے گئے تو دہاں بھی بیکیک پکارا۔

اس کے بعد آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ہفتہ بھر بعد جب آپ سر شام مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طولی میں بھر گئے۔ وہیں رات گزاری اور فجر کی نماز پڑھ کر غسل فرمایا۔ پھر مکہ میں صحمدہ داخل ہوئے۔ یہ اتوارہم۔ ذمی الحجۃ نالہ کا دن تھا۔ راستے میں آٹھ راتیں گذری تھیں۔ اوسط رفمار سے اس مسافت کی یہی حساب بھی ہے۔ مسجد حرام پہنچ کر آپ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر صفا و مروہ کے درمیان سُنی کی مگر احرام نہیں کھولا۔ کیونکہ آپ نے حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا اور اپنے ساتھ ہدی رقبانی کے جانور (لاسے تھے۔ طواف و سُنی سے فارغ ہو کر آپ نے بالائی مکہ میں جون کے پاس قیام فرمایا لیکن دوبارہ طواف حج کے سوا کوئی اور طواف نہیں کیا۔ آپ کے جو صحابہ کرام اپنے ساتھ ہدی رقبانی کا جانور (لاسے تھے آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنا احرام عمرہ میں تبدیل کر دیں اور بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سُنی کر کے پوری طرح حلال ہو جائیں؛ لیکن چونکہ آپ خود حلال نہیں ہو رہے تھے اس لیے صحابہ کرام کو تردید ہوا۔ آپ نے فرمایا، اگر میں اپنے معلمے کی وہ بات پہلے جان گیا ہوتا جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی نہ لاتا۔ اور اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔ آپ کا یہ ارشاد سُن کر صحابہ کرام نے سر اطاعت ختم کر دیا اور جن کے پاس ہدی نہ تھی وہ حلال ہو گئے۔

آنہذی الحجہ — رُوپیہ کے دن — آپ منی تشریف لے گئے اور وہاں ۹-ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشار اور فجر (پانچ وقت) کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ پھر اتنی دیر توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گی۔ اس کے بعد عرفہ کو چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو وادی بُرُزہ میں قبہ تیار تھا۔ اسی میں نزول فرمایا۔ جب سورج داخل گیا تو آپ کے حکم سے قُنوار پر کجا وہ کیا اور آپ بطنِ وادی میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے گرد ایک لاکھ چوکیں ہزار یا ایک لاکھ چوکیں ہزار انسانوں کا سمندر لٹھا چکیں مار رہا تھا۔ آپ نے ان کے درمیان ایک جامِ خبلہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا،

”لوگو! میری بات سن لو! کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ لے

تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح ورام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، روایت نہیں کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تسلی روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیتے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ پچھر نو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انہی ایام میں قبیلہ بُذریل نے اُسے قتل کر دیا۔ اور جاہلیت کا سُود ختم کر دیا گیا، اور ہمارے سُود میں سے پہلا سُود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سُود ہے۔ اب یہ سارا کاسار اسُود ختم ہے۔

ہاں باعورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ یا ہے، اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ابسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو میکن سخت مار نہ مارنا، اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاو اور پہناؤ۔

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گراہ نہ ہو گے؛ اور وہ ہے اللہ کی کتاب شیخ

لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی اُمّت نہیں لہذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال

کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے بلکہ

اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے، تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابہ نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیرخواہی کا حق ادا فرمادیا۔

یہ سُن کر آپ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: اسے اللہ گراہ رہے گی

آپ کے ارشادات کو ربِ عیّہ بن امیہ بن خلف اپنی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو اللہ عز وجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

**الْيَوْمَ أَكَمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَمِي وَرَضِيَّتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ (۲۰:۵)**

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے اسلام کو بیشتر دین پسند کریا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی ترولے گئے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا، اس لیے کہ کمال کے بعد زوال ہی تو ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت بلاں رضی اللہ عنہ نے اذان اور پھر اقامت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلاں نے پھر اقامت کی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد سوار ہو کر آپ جائے وقوف پر تشریف لے گئے۔ اپنی اوپنی قصوٰ کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور جبل مشاہ ریدل پہنچنے والوں کی راہ میں واقع ریتیلے قویے) کو سامنے کیا اور قبلہ مرضی مسل راسی حالت میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ نحوڑی زردی ختم ہوئی، پھر سورج کی ٹکریہ غائب ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت اُسامہؓ کو پیچے بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مزاد لفہ تشریف لائے۔ مزاد لفہ میں مغرب اور عشاہ کی نمازوں ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں۔ درمیان میں کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک بیٹھ رہے۔

البته صبح نودار ہوتے ہی اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد قصوار پر سوار ہو کر مُشرِّحَ رَام تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کر اللہ سے دعا کی اور اس کی تکبیر و تہیل اور توجید کے کلمات کہے۔ یہاں اتنی دیر تک لٹھرے رہے کہ خوب اجلا لہو گی۔ اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے منی کے یہے روانہ ہو گئے اور اب کی بار حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچے سوار کیا۔ بطنِ محشر میں پہنچے تو سواری کو ذرا تیزی سے دوڑایا۔ پھر جو دریانی راستہ جمِّرہ بُرْنی پر ملتا تھا اس سے چل کر جمِّرہ بُرْنی پر پہنچے۔ اس زمانے میں وہاں ایک درخت بھی تھا اور جمِّرہ بُرْنی اس درخت کی نسبت سے بھی معروف تھا۔ اس کے علاوہ جمِّرہ بُرْنی کو جمِّرہ عقبیہ اور جمِّرہ اُولیٰ بھی کہتے ہیں۔ پھر آپ نے جمِّرہ بُرْنی کو سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں جنہیں چکلی میں لے کر چلا یا جاسکتا تھا۔ آپ نے یہ کنکریاں بطنِ وادی میں کھڑے ہو کر ماری تھیں۔ اس کے بعد آپ قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے ۴۳ اُونٹ ذبح کئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور انہوں نے بقیہ ۳ اُونٹ فربخ کئے۔ اس طرح سوا اُونٹ کی تعداد پوری ہو گئی۔ آپ نے حضرت علیؓ کو بھی اپنی ہڈی (قربانی) میں شریک فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے ہر اُونٹ کا ایک ایک ملکڑا کاٹ کر ہاندھی میں ڈالا اور پکایا گیا۔ پھر آپ نے اور حضرت علیؓ نے اس گوشت میں سے کچھ تناول فرمایا اور اس کا شور باپیا۔

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر مکہ تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اس سے طوافِ افاضہ کہتے ہیں۔ اور مگر ہی میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر رچاہ نزمِ پر بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ جماج کرام کو زمزم کا پانی پلارہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "بنو عبدالمطلب تم لوگ پانی کھینچو۔ اگر یہ اندر شہنشہ ہوتا کہ پانی پلانے کے اس کام میں لوگ تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا۔" یعنی اگر صحیح بہ کرام رسول اللہ ﷺ کو خود پانی کھینچتے ہوئے دیکھتے تو ہر صحابی خود پانی کھینچنے کی کوشش کرتا۔ اور اس طرح جماج کو زمزم پلانے کا جو شرف بنو عبدالمطلب کو حاصل تھا اس کا نظم ان کے قابوں پر نہ رہ جاتا۔ چنانچہ بنو عبدالمطلب نے آپ کو ایک دُول پانی دیا اور آپ نے اس میں سے حسبِ خواہش پیا۔

آج یوم النحر تھا۔ یعنی ذی الحجه کی دس تاریخ تھی۔ نبی ﷺ نے آج بھی دن چڑھے رپا شت کے وقت، ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ خطبہ کے وقت آپ نچر پر سوار تھے اور حضرت علیؓ اپنے کے ارشادات صحابہ کو منارہ ہے تھے۔ صحابہ کرام کچھ بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے۔ آپ نے آج کے خطبے میں بھی کل کی کئی باتیں دہرائیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں یوم النحر دس ذی الحجه کو خطبہ دیا۔ فرمایا:

”زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی دن کی بیعت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ہبینہ کا ہے جن میں سے چار ہبینہ حرام کے ہیں؛ تین پے در پے یعنی ذی قعده ذی الحجه اور محرم اور ایک رجب مضر جو جادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔“

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کون سا ہبینہ ہے؟ ہم نے کہا، اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ آپ اس کا کوئی اوزنام رکھیں گے۔ لیکن پھر آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجه نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا کیا یہ بلده رکھتے نہیں ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، مگر آپ نے فرمایا، کیا یہ یوم النحر قربانی کا دن، یعنی دس ذی الحجه نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا، اچھا تو سنو کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر لیے ہی حرام ہے جیسے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس ہبینے میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے۔

اور تم لوگ بہت جدا پسند پروردگار سے ٹوکے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا، ہذا دیکھو میرے بعد پڑ کر گراہت ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گرد نیس مالزے لگو۔ بتاؤ کیا میں نے تبدیل کر دی؟ صحابہ نے کہا، ماں۔ آپ نے فرمایا، اے اللہ! گواہ رہ۔

جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک (میری باتیں) پہنچا دے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک (یہ باتیں) اپنچائی جائیں گی وہ بعض (موجودہ) سننے والے سے کہیں زیادہ ان بالوں کے دوست کو سمجھ سکیں گے۔ اللہ

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا: "یاد رکھو! کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے سو اکسی اور پر جرم نہیں کرتا۔ یعنی اس جرم کی پاداش میں کوئی اور نہیں بلکہ خود جرم ہی پکڑا جائے گا۔) یاد رکھو! کوئی جرم کرنے والا اپنے بیٹے پر یا کوئی بیٹا اپنے باپ پر جرم نہیں کرتا۔ یعنی باپ کے جرم میں بیٹے کو یا بیٹے کے جرم میں باپ کو نہیں پکڑا جائے گا۔) یاد رکھو! شیطان میوس ہو چکا ہے کہ اب تھارے اس شہر میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے لیکن اپنے جن اعمال کو تم لوگ حیر سمجھتے ہو ان میں اس کی احادیث کی جائے گی اور وہ اسی سے راضی ہو گا۔<sup>۱۳</sup> اس کے بعد آپ ایام تشریق (۱۲-۱۱ ذی الحجه کو) منی میں مقیم رہے۔ اس دوران آپ حج کے مناسک بھی ادا فرمائے تھے اور لوگوں کو شریعت کے احکام بھی سکھا رہے تھے۔ اللہ کا ذکر بھی فرمائے تھے۔ ملت ابراہیمی کے سنن ہدی بھی قائم کر رہے تھے، اور شرک کے آثار و نشانات کا صفائیا بھی فرمائے تھے۔ آپ نے ایام تشریق میں بھی ایک دن خطبہ دیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں برسنہ حسن مردوی ہے کہ حضرت سراج بن شعبان رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رؤس کے دن خطبہ دیا اور فرمایا، کیا یہ ایام تشریق کا درمیانی دن نہیں ہے؟ آپ کا آج کا خطبہ بھی کل ریوم النحر کے خطبے جیسا تھا اور یہ خطبہ سورہ نصر کے زوال کے بعد دیا گیا تھا۔

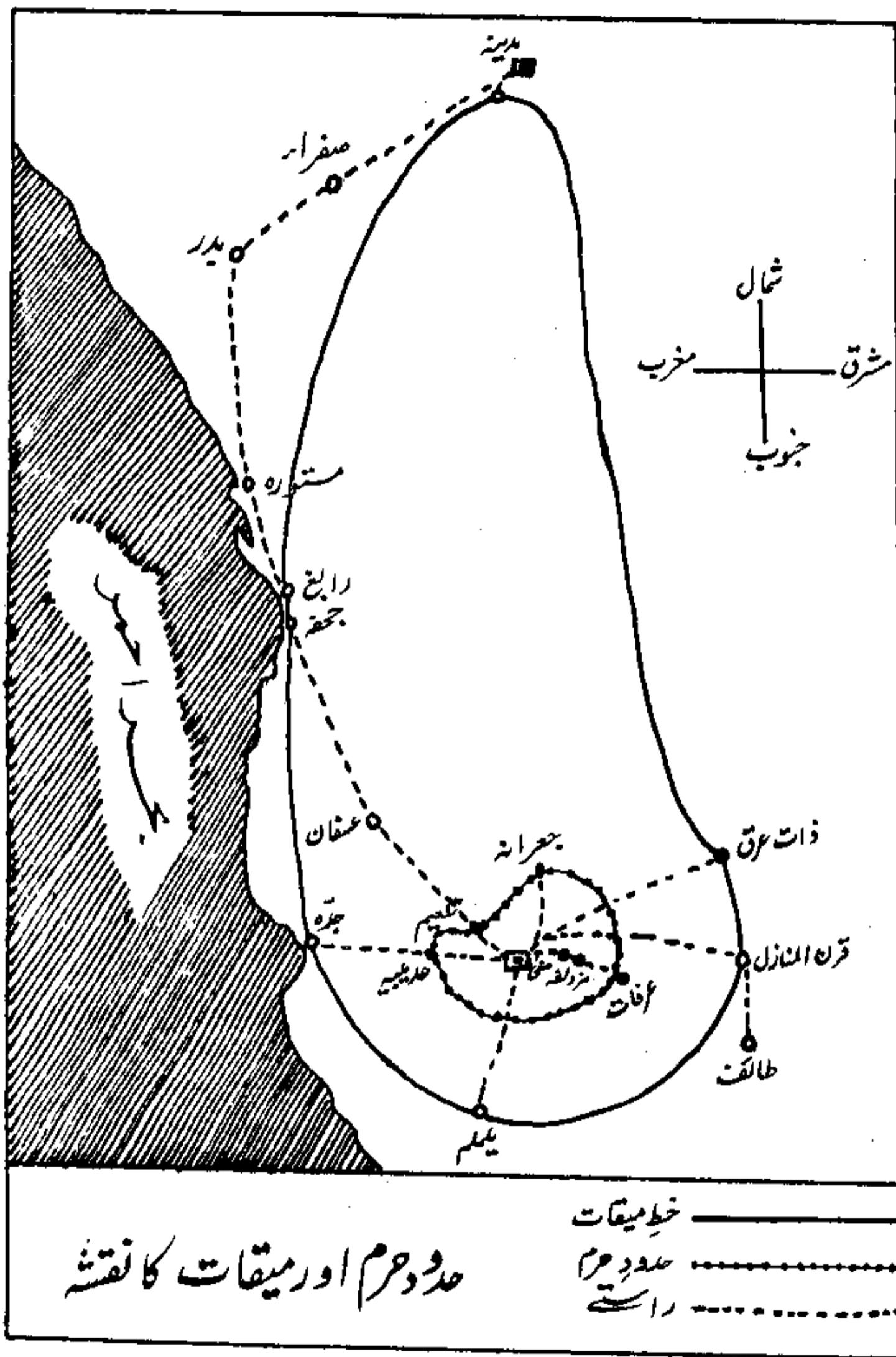
ایام تشریق کے خاتمے پر دوسرے یوم المیقر یعنی ۱۲- ذی الحجه کو بنی ﷺ نے منی سے کوچ فرمایا۔ اور وادی الطیح کے خیف بنی کناذ میں فروکش ہوتے۔ دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات وہیں گزاری اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں ٹھیں۔ البتہ عشار کے بعد تھوڑا سو کر اٹھے پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طواف و داع فرمائے۔ اور اب تمام مناسک حج سے فارغ ہو کر آپ نے سواری کا رُخ مدینہ منورہ کی راہ پر ڈال دیا اس لیے نہیں کہ وہاں پہنچ کر راحت فرمائیں بلکہ اس لیے کہ اب پھر اللہ کی خاطر اللہ کی راہ میں ایک نئی جدوجہد کا آغاز فرمائیں۔<sup>۱۴</sup>

<sup>۱۳</sup> ترمذی ۲۸/۲، ۱۲۵، ابن ماجہ کتاب الحج، مشکوٰۃ ۱/۲۳۲

<sup>۱۴</sup> یعنی ۱۲- ذی الحجه رعون المبعود ۲/۲ (۱۴۳) لھا ابو داؤد باب ای یوم یخطب بنی ا

صحیح مسلم باب جمۃ النسبی ﷺ، فتح ابیاری ج ۲- شرح کتاب المناسک اور ج ۱ و ج ۲/۲، ۹۳۱

ابن ہشام ۲/۹۰۱ تا ۹۰۵ زاد المعاد ۱/۱۹۶ تا ۲۱۸



حدود حرم اور میعادت کا نقشہ

## آخری فوجی نعم

روم امپاری کی بکریائی کو گوارانہ تھا کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے اسی سیے اس کی قلمروں میں رہنے والا کوئی شخص اسلام کا حلقة بگوش ہو جاتا تو اس کے جان کی خیر نہ رہتی، جیسا کہ معان کے روی گورن حضرت فرمودہ بن عمر و جذابی کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ اس جرأت بے محابا اور اس غزوہ بے جا کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے صفر الحجه میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی اور حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر فرماتے ہوئے حکم دیا کہ بلقار کا علاقہ اور داروں کی فلسطینی سر زمین میں مواروں کے ذریعہ روند آف۔ اس کا دروازی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوف زدہ کرتے ہوئے ان کی حدود پر واقع عرب قبائل کا اعتقاد بحال کیا جائے اور کسی کو پہ تصور کرنے کی کنجائش نہ دی جائے کہ کیسا کے تشدید پر نی باز پرسے والا ہیں اور اسلام قبول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنی موت کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی ز عمری کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا اور اس نہم کے اندر شہویت میں تا خیر کی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ان کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر رہے ہو تو ان سے پہلے ان کے والد کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر چکے ہو، حالانکہ وہ خدا کی قسم سپہ سالاری کے اہل تھے اور ہمیں نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور یہ بھی ان کے بعد ہمیں نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔

بہرحال صحابہ کرام حضرت اُسامہ کے گرد اگر دجھ ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل دُور مقام جرف میں خمیر زن بھی ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے بعد آگے نہ بڑھ سکا بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں ویسیٹ ٹھہر نے پر مجبور ہو گیا اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دُورِ خلافت کی پہلی فوجی ہم قرار پائے گے۔

## فِتْقِ اعلَىٰ کی جانب،

**الوداعی آثار** | جب دعوتِ دینِ مکمل ہو گئی اور عرب کی نکیلِ اسلام کے ہاتھ میں آگئی تو رسول اللہ ﷺ کے جذبات و احساسات، احوال و ظروف اور گفتار و کردار سے ایسی علاماتِ نوادر ہونا شروع ہوئیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ اس حیاتِ مستعار کو اور اس جہانِ فانی کے باشندگان کو الوداع کہنے والے ہیں۔ مثلاً آپ نے رمضان نامہ میں سیسِ دن اعتکاف فرمایا جبکہ ہمیشہ دسِ دن ہی اعتکاف فرمایا کرتے تھے، پھر حضرت جبریلؑ نے آپ کو اس سال دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا جبکہ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور کرایا کرتے تھے۔ آپ نے تجھے الوداع میں فرمایا: ”مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس سال کے بعد اپنے اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی نہ مل سکوں۔“ جمراۃ عقبہ کے پاس فرمایا: ”مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا۔“ آپ پر ایامِ تشریف کے وسط میں سورہ نصر نازل ہوئی اور اس سے آپ نے بھجوایا کہ اب دُنیا سے رو انگی کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ موت کی اطلاع ہے۔

اوائل صفرِ الحرام میں آپ دامنِ احمد میں تشریف لے گئے اور شہدار کے لیے اس طرح دعا فرمائی گیا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آکر منبر پر فوکشن ہوتے۔ اور فرمایا: ”میں تمہارا میر کارداں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔“ بخدا میں اس وقت اپنا حوضِ روحِ کوش دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی گنجائی عطا کی گئی ہیں، اور بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میر سے بعد شرک کر دے گے بلکہ اندریشہ اس کا ہے کہ دُنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔“

ایک روز نصف رات کو آپ یقین تشریف لے گئے اور اہل یقین کے لیے دعا سے مغفرت کی۔ فرمایا: ”اے قبر والو! تم پر سلام!“ لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابلہ تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے مکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے

میں اور بعد والا پہلے والے سے زیادہ بُرا ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر اہل قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آئٹے والے ہیں۔

## مرض کا آغاز

**۲۹ صفر اللہ روزہ و شنبہ** کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں اور عمارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپ مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدت ۳۱ یا ۳۴ دن تھی۔

## آخری ہفتہ

رسول اللہ ﷺ کی طبیعت روز بروز بچیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران آپ ازواجِ مطہرات سے پوچھتے رہتے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟ اس سوال سے آپ کا جو مقصود تھا ازواجِ مطہرات اسے سمجھ گئیں چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں۔ اس کے بعد آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ منتقل ہوتے ہوئے حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر درمیان میں چل رہے تھے۔ سر پر پٹی بندھی اور پاؤں زمین پر گھست رہے تھے۔ ہر کفیت کے ساتھ آپ حضرت عائشہؓ کے مکان میں تشریف لائے اور پھر حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ دیں گزارا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوذات اور رسول اللہ ﷺ سے حفظ کی ہوئی دعائیں پڑھ کر آپ پر دم کرتی رہتی تھیں اور برکت کی امید میں آپ کا ہاتھ آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی رہتی تھیں۔

## وفات سے پانچ دن پہلے

وفات سے پانچ دن پہلے روز چہار شنبہ (بُدھ) کو جسم کی عمارت میں مزید شدت آگئی جس کی وجہ سے تسلیف بھی بڑھ گئی اور غشی طاری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: "مجد پر مختلف کنوں کے سات میکرے بہاد تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر وصیت کر سکوں۔" اس کی تکمیل کرتے ہوئے آپ کو ایک لگن میں بٹھا دیا گیا اور آپ کے اوپر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ "بُن" بُس کہنے لگے۔

اس وقت آپ نے کچھ تخفیف محسوس کی اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ سر پر پٹی بندھی ہوتی تھی۔ بنبر پر فروش ہوتے اور بیٹھ کر خطبہ دیا۔ صحابہ کرام گردانگ و جمع تھے۔ فرمایا: "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنۃ — کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔"

ایک روایت ہیں ہے: "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنۃ کا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی

قبوں کو مسجد بنایا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: "تم لوگ میری قبر کو سبت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔" لئے پھر آپ نے اپنے آپ کو تفاصیل کے لیے پیش کیا اور فرمایا: "میں نے کسی کی پیشہ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیشہ حاضر ہے وہ بدلتے ہے اور کسی کی بے آبروی کی ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلتے ہے۔" اس کے بعد آپ منزہ سے نیچے تشریف لے آتے۔ ظہر کی نماز پڑھاتی، اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور عداوت وغیرہ سے تعلق اپنی کچھ باتیں دھرا میں۔ ایک شخص نے کہا، آپ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ نے فضل بن عباسؓ سے فرمایا: "انہیں ادا کر دو۔ اس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔ فرمایا:

"میں تھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں؛ لہذا ان کے نیکوکار سے قبول کرنا اور ان کے خطا کار سے درگذر کرنا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "لوگ بُشته جائیں گے، اور انصار بُشته جائیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ لہذا تمہارا جو آدمی کسی نفع اور نقصان پہنچانے والے کام کا والی ہو تو وہ ان کے نیکوکاروں سے قبول کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگذر کرے گے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی چکنی کا اور زیب وزینت میں سے جو کچھ چاہے اللہ اسے دے دے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کرے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔" ابو سید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بات مٹ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: "ہم اپنے ماں باپ سہیت آپ پر قربان۔ اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا، اس بڑھے کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ نے تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چکنی کا اور زیب وزینت میں سے جو چاہے اللہ اسے دے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کرے اور یہ بڑھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔ (لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ نے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ

ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ صاحبِ احسان ابو بکر ہیں اور اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔ یکن ران کے ساتھ) اسلام کی اختت و محبت (کا تعلق) ہے۔ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے لازماً بند کر دیا جائے، رسول نے ابو بکر کے دروازے کے تجھے

**چار دن پہلے** | وفات سے چاروں پہلے جمعرات کو جب کہ آپ سخت تکلیف سے دوچار تھے فرمایا: "لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس س کے بعد تم لوگ کبھی مگر اونہ ہو گے" اس وقت گھر میں کئی آدمی تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا، آپ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ بس اللہ کی یہ کتاب تمہارے یہے کافی ہے۔ اس پر گھر کے اندر موجود لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور وہ جھگٹپٹے۔ کوئی کہہ رہا تھا، "لاؤ رسول اللہ ﷺ لکھو دی۔" اور کوئی وہی کہہ رہا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، "اس طرح لوگوں نے جب زیادہ ثورو شغب اور اختلاف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔" رجھ پھر اسی روز آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: ایک اس بات کی وصیت کی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔ دوسرے اس بات کی وصیت کی کہ وفود کی اسی طرح نوازش کرنا جس طرح آپ کی کرتے تھے۔ ابتدہ تیری بات کو رادی بھول گیا غایباً یہ کتاب و شست کو مصنفو طی سے پکڑے رہنے کی وصیت تھی یا شکرِ اسامہ کو وفات کرنے کی وصیت تھی یا آپ کا یہ ارشاد تھا کہ منماز اور تمہارے نیروں سے "یعنی غلاموں اور لومیوں کا خیال رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ مرض کی شدت کے باوجود اس دن تک ہمیں وفات سے چاروں پہلے رجمرات تک تمام نمازیں خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپ ہی نے پڑھائی اور اس میں سورہ والملات عزفاً پڑھی۔

یکن عشاء کے وقت مرض کا شغل اتنا رڑھ گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی حضرت عازم

رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کی لوگوں نے نماز پڑھلی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسول اللہ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا میرے لیے مگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور اس کے بعد اٹھنا چاہا، لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقت ہوا تو آپ نے دریافت کیا، کیا لوگوں نے نماز پڑھلی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسول اللہ، سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس کے بعد دوبارہ اور پھر سہ بارہ دہی بات پیش آئی جو پہلی بار پیش آچکی تھی کہ آپ نے غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔ <sup>۱۹</sup> نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کی پڑھائی ہوتی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔

حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ سے تین یا چار بار مراجعت فرمایا کہ امامت کا کام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور کو سوتپ دیں۔ ان کا منشار یہ تھا کہ لوگ ابو بکرؓ کے بارے میں بدشکون ہوں، لیکن نبی ﷺ نے ہر بار انکار فرمادیا اور فرمایا تم سب یوسف والیاں ہو۔  
ابو بکرؓ کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ <sup>۲۰</sup>

**ایک دن یا دو دن پہلے** ہفتہ یا توار کو نبی ﷺ نے اپنی طبیعت میں قدرے تخفیف محسوس کی، چنانچہ دو آدمیوں کے دریان چل کر نہر کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نماز پڑھائی ہے تھے۔ وہ آپ کو دیکھ کر تیکھے ہٹنے لگے۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ تیکھے نہ ہٹیں اور لانے والوں

۲۰ متعنت علیہ مشکوہ ۱۰۲/۱

نہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں جو عورتیں عرب پر مصر کی بیوی کو ملامت کر رہی تھیں وہ بظاہر تو اس کے فعل کے گھبیاں کا اظہار کر رہی تھیں لیکن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر حب اپنوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں تو معلوم ہوا کہ یہ خود بھی درپردازہ ان پر فریغتہ ہیں۔ متنی وہ زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن دل میں کچھ اور رہی بات تھی۔ یہی معاملہ یہاں بھی تھا۔ لبھا ہر تو رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا تھا کہ ابو بکرؓ قیمت القلب میں آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو گریزہ ذرا ری کے سبب قیامت نہ کر سکیں گے یا نہ سکیں گے لیکن دل میں یہ بات تھی کہ اگر خدا نخواستہ حصہ راسی رحم میں رحلت فرمائے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نخواست اور پیدشکوئی کا خیال لوگوں کے دل میں جاگزی پہنچاتے گا۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس گذارش میں دیگر ازواج اچھے مطہرات بھی شریک تھیں اس لیے آپ نے فرمایا تم سب یوسف والیاں ہو لیجئی تھا رے بھی دل میں کچھ ہے اور زبان سے کچھ کہہ رہی ہی تو

سے فرمایا کہ مجھے ان کے بازو میں بٹھا دو۔ چنانچہ آپ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بامیں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدار کر رہے تھے اور صحابہ کرام کو تکمیر نہ رہے تھے یہ ایک دن پہلے وفات سے ایک دن پہلے بروز اتوار نبی ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرمادیا۔ پاس میں سات دینا رہتے انہیں صدقہ کر دیا۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرمادیتے۔ رات میں چراغ جلانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تیل پڑوں سے ادھار لیا۔ آپ کی زردہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع رکوئی ۵۰ کیلو چکے عوض رہن رکھی ہوتی تھی۔

**حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو شنبہ کے روز حیات مبارکہ کا آخری دن**

ہمان نماز فجر میں مصروف تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت فرماتے تھے — کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جھرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ کرام پر جو صفتیں بامدھے نماز میں مصروف تھے نظر ڈالی۔ پھر بتسم فرمایا۔ ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑہ کے سچھے سچھے ہٹکے کے صفت میں جا ملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ حضرت انس رضی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے اندرونی فتنے میں پڑ جائیں (یعنی آپ کی مزاج پُرسی کے لیے نماز توڑ دیں)۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو۔ پھر جھرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرا یا ٹکڑا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔

دن چڑھے چاشت کے وقت آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملا یا اور ان سے کچھ سرگوشی کی۔ وہ رونے لگیں۔ آپ نے انہیں پھر بلایا اور کچھ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ بعد میں ہمارے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ رپہلی بار نبی ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔ اس لیے میں روئی۔ پھر آپ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ کے اہل و

عیال میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچے جاؤں گی۔ اس پر میں سنہی یہ  
نبی ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ آپ ساری خواتین عالم کی سیدہ (سردار) میں ہو۔  
اس وقت رسول اللہ ﷺ جس شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر حضرت فاطمہؓ  
بے ساختہ پکارا ملھیں۔ وَاكَرَبَ أَبَاهَ إِلَيْهِ أَبَاجَانَ كَتَتَكْلِيفَ "آپ نے فرمایا، تمہارے  
ابا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔"

آپ نے حسن و سین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوہما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔  
ازواجِ مطہرات کو بلا یا اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔

ادھر لمحہ بہلمحہ تکلیف بڑھتی جا رہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا جسے  
آپ کو خیر میں کھلایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے "اے عائشہ!  
خیر میں جو کھانا میں تھے کھایا یا تھا اس کی تکلیف برابر محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت مجھے محسوس  
ہو رہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رُگِ جان کٹی جا رہی ہے۔"

آپ نے صحابہ کرام کو بھی وصیت فرمائی۔ فرمایا "الصَّلَاةَ الظَّالِمَةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ"  
"(نماز، نماز، اور تمہارے زیرِ دست" رسمی نونڈی، غلام) آپ نے یہ الفاظ کئی بار دہراتے یا  
پھر زرع کی حالت شروع ہو گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ زرع روائی کی اپنے اوپر میک لگوادی۔ ان کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت  
مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں، میری باری کے دن میرے سینے سے میک  
لگائے ہوئے وفات پائی اور آپ کی موت کے وقت اللہ نے میرا عاب اور آپ کا العا  
کشا کر دیا۔ ہوایہ کہ عبد الرحمن بن ابی بکر آپ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مساک  
تھی اور رسول اللہ ﷺ بمحض میک لگائے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ مساک کی طرف دیکھو  
رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ مساک چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کے لیے لے لوں؟ آپ نے  
سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے مساک لے کر آپ کو دی تو آپ کو کڑی محسوس ہوتی۔ میں

۱۳۔ بخاری ۲/۲۳۸

۱۴۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو اور بشارت دینے کا یہ واقعہ چیات بمار کو کے آفری دن  
نہیں بلکہ آخری ہفتہ میں پیش آیا تھا۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱/۲۸۲

۱۵۔ صحیح بخاری ۲/۶۱۶ ۱۶۔ ایضاً ۲/۶۳۰ ۱۷۔ صحیح بخاری ۲/۶۳۷

نے کہا اسے آپ کے لیے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ میں نے سواک نرم کر دی اور آپ نے نہایت اچھی طرح سواک کی۔ آپ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پوچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ كَفَى مَعْبُودًا“۔ موت کے لیے سختیاں ہیں ۱۹

سوک سے فارغ ہوتے ہی آپ نے ہاتھ یا انگلی اٹھائی، نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ فرمائے تھے ”ان انبیاء، صداقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! ارباب رفیقِ اعلیٰ یہ“ آخري فقرہ میں بار و بار ایسا، اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیقِ اعلیٰ سے جلاحت ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ مراجعون۔

یہ واقعہ ۱۲۔ ریسح الاول اللہ یوم دوشنبہ کو چاشت کی شدت کے وقت پیش کیا۔ اس وقت نبی ﷺ کی عمر تریس سال چاروں ہو چکی تھی۔

**غمہ میکراں** اس حادثہ دلخوار کی خبر فوراً پھیل گئی۔ اہل مدینہ پر کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ آفاق و اطراف تاریک ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جو دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تباہ کر دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس سے زیادہ قیسح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ

آپ کی وفات پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرط غم سے فرمایا: یا آبتاب احباب رَبِّا دَعَاهُ، یا آبتاب مَنْ جَنَّهُ الْفَرْدَوْسُ مَأْوَاهُ، یا آبتاب رَبِّيْلَ نَعَاهُ<sup>۲۰</sup>۔ ہمارے آیا جان بجنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا۔ ہمارے آیا جان! جن کاٹھکا نہ جنت الفردوس ہے۔ ہمارے آیا جان! ہم جبریلؑ کو آپ کی موت کی خبر دیتے ہیں؟

۱۹) صحیح بخاری ۶۳۰/۲

۲۰) ایضاً صحیح بخاری باب حرض النبی ﷺ و باب آخر تکلم النبی ﷺ ۶۳۸/۲ تا ۶۴۱

۲۱) دارمی، مشکوٰۃ ۲/۲۵ ۲۲) صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ ۶۴۱/۲

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

وفات کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش جاتے رہے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا، کچھ منافقین سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی یاکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوتی بلکہ آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں، جس طرح موسیٰ بن عمران علیہ السلام تشریف لے گئے تھے، اور اپنی قوم سے چالیس رات غائب رہ کر ان کے پاس پھر واپس آگئے تھے، حالانکہ واپسی سے پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔

خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی ضرور پڑھ کر آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اللہ

## حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا موقف

ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سخ میں واقع اپنے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور اُتر کر مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے۔ پھر لوگوں سے کوئی بات کے بغیر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کا قصد فرمایا۔ آپ کا جسد مبارک دھاریدار یعنی چادر سے ڈھکا ہٹوا تھا۔ حضرت ابو بکر خنے رُخِ ازور سے چادر ہٹاتی اور اُسے پھوٹا اور روئے۔ پھر فرمایا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ آپ پر دو موت جسے نہیں کرے گا۔ جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آجکی۔“

اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ”عمر! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمر خنے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ادھر صحابہ کام حضرت عمر خنے کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر خنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکر خنے فرمایا،

آما بعد۔ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا طَلَقَهُ اللَّهُ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، قَالَ اللَّهُ: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَقَ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقُلِبْ عَلَى عِقَبَيْهِ فَلَنْ يَضْرِبَ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّكِّرِينَ (۱۹۳:۲)

اما بعد، تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پُوجا کرتا تھا تو وہ جان لے) کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کبھی ہمیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے، محمد نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکھے ہیں۔ تو کیا اگر وہ محمد مر جائیں یا ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑکے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑکے بل پلٹ جائے تو (یاد رکھ کر) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو حزادے گا۔“

صحابہ کرام کو جواب تک فرط غم سے چران و ششد رتحے انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سُن کر یقین آگیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی رحلت فرمائچے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے، یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے اُن سے یہ آیت اخذ کی۔ اور اب جس کسی انسان کو یہی مشتمل تروہ اسی کو تلاوت کر رہا ہوتا۔

حضرت سید بن میب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”واللہ نہیں نے جوں ہی ابو بکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا انتہائی متعیر اور دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے آٹھا ہی نہیں رہے تھے اور حتیٰ کہ ابو بکرؓ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں کریں پر گرپڑا۔ کیونکہ میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اللہ تجھیز و تکفین اور مدین

جانشینی کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا۔ سقیفہ نبی ساعدہ میں ہاجرین و انصار کے درمیان بحث و مناقشہ ہوا جبکہ اولہ و گفتگو ہوتی، تردید و تنقید ہوتی اور بالآخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پراتفاق ہو گیا۔ اس کام میں دو شنبہ کا باقیانہ دن گزر گیا اور رات آگئی۔ لوگ نبی ﷺ کی تجھیز و تکفین کے بجائے اس دوسرے کام میں مشغول رہے۔ پھر رات گزری اور منگل کی صبح ہوتی۔ اس وقت تک آپ کا جسد بارک ایک دھاریدار میتی چادر سے ڈھکا بستر ہی پر رہا۔ گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

منکل کے روز آپ کو کپڑے اتارے بینی غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے حضرات یہ تھے: حضرت عباس، حضرت علی، حضرت عباس کے دو صاحبزادگان فضل اور قشم، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، حضرت اسماء بن نعیم اور اوس بن خولی رض حضرت عباس، فضل اور قشم آپ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسماء اور شقران پانی بھار ہے تھے، حضرت علی رض غسل دے رہے تھے اور حضرت اوس نے آپ کو اپنے سینے سے میک دے رکھی تھی۔ اس کے بعد آپ کو تین سفید عینی چادر وں میں کفنا یا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔  
لبس آپ کو چادر وں ہی میں پیٹ دیا گیا تھا۔

آپ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام کی رائیں مختلف تھیں لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنایا ہے کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جیا فوت ہوا۔ اس یقصلے کے بعد حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ کی دفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر کھودی۔ قبر الحمد والی (بلغی) کھودی گئی تھی۔ اس کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرام نے جھرہ شریف میں داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے آپ کے خانوادہ رینو بالش (شمش) نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر مهاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور انکے بعد بچپن نے۔ نماز جنازہ پڑھنے میں منکل کا پورا دن گذر گی اور چہار شنبہ (پرحد) کی رات آنگتی۔ رات میں آپ کے جسد پاک کو سپرد خاک کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا علم نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ہم نے پرده کی رات کے دریافتی اوقات میں بچاؤڑوں کی آواز سنی۔<sup>۲۵</sup>

<sup>۲۵</sup> صحیح بخاری ۱۶۹/۱ - صحیح سلم ۱/۲۰۶

<sup>۲۶</sup> مختصر ریۃ الرسول للشیخ عبدالرشد احمد - واقعہ دفات کی تفصیل کے لیے دیکھئے۔ صحیح بخاری باب رض النبی ﷺ اور اس کے بعد کے چند ابواب سع فتح ابشاری نیز صحیح سلم، مشکوۃ المصالیح، باب وفاة النبی ﷺ، ابن ہشام ۴۹۹/۲ تا ۶۶۵ - تلک فہم اہل الاثر ص ۳۸، ۳۹، رحمۃ للعالمین ۱/۲۸۶ تا ۲۸۷۔ اوقات کی تعریف بالحروف رحمۃ للعالمین سے لی گئی ہے۔

## خانہ نبوت

۱۔ ہجرت سے قبل مکہ میں نبی ﷺ کا گھر ان آپ اور آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر مشتمل تھا۔ شادی کے وقت آپ کی عمر ۴۵ سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر ۳۰ سال۔ حضرت خدیجہ آپ کی پہلی بیوی تھیں اور ان کے بیٹے جی آپ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ آپ کی اولاد میں حضرت ابراہیم کے ماسواتnam صاحبزادے اور صاحبزادیاں ان ہی حضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں۔ صاحبزادگان میں سے تو کوئی زندہ نہ بچا البتہ صاحبزادیاں حیات رہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زینب، رقیۃ، اُم کلثوم، اور فاطمہ۔ — زینب کی شادی ہجرت سے پہلے ان کے پھرپھی زاد بھائی حضرت ابوالعاص بن ریبع سے ہوئی۔ رقیۃ اور اُم کلثوم کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت فاطمہ کی شادی جنگ بدر اور جنگ احمد کے درمیانی عصر میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اور ان کے بطن سے حسن، حسین، زینب اور اُم کلثوم پیدا ہوئیں۔

معلوم ہے کہ نبی ﷺ کو امت کے بال مقابل یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ مختلف اغراض کے میں نظر چار سے زیادہ شادیاں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جن عورتوں سے آپ نے عقد فرمایا ان کی تعداد گیارہ تھی، جن میں سے نو عورتیں آپ کی رحلت کے وقت حیات تھیں اور دو عورتیں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں (عنی حضرت خدیجہ اور اُم السکین حضرت زینب بنت خزیرہ رضی اللہ عنہا، ان کے علاوہ مزید دو عورتیں ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کا ان سے عقد ہوا تھا یا نہیں! لیکن اس پراتفاق ہے کہ انہیں آپ کے پاس رخصت نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان ازدواج مطہرات کے نام اور ان کے مختصر حالات ترتیب دار پیش کر رہے ہیں)۔

۲۔ حضرت سُودَة بنت زمعہؓ ان سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کی وفات کے چند دن بعد نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں شادی کی۔ آپ سے پہلے حضرت سُودَةؓ آپ سے چھپے

بھائی سکران بن عمر و کے عقد میں تھیں اور وہ انتقال کر کے انہیں بیوہ چھوڑ گئے تھے۔

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما و ان سے رسول اللہ ﷺ نے بہوت کے گیارہوں برس ماہ شوال میں شادی کی یعنی حضرت سودہؓ سے شادی کے ایک سال بعد اور بھرت سے دو برس پانچ ماہ پہلے۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر بھرت کے سات ماہ بعد شوال سنه میں انہیں خصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی اور وہ باکہ تھیں ان کے علاوہ کسی اور باکہ عورت سے آپ نے شادی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے محبوب بیوی تھیں اور اُمّت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہ اور صاحب علم تھیں۔

۵۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما۔ ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو بدر اور احمد کے درمیانی عرصہ میں علت کر گئے اور وہ بیوہ ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی شادی کا یہ واقعہ سنه کا ہے۔

۶۔ حضرت زینب بنت خزیر رضی اللہ عنہا، یہ قبیلہ بنو بہلal بن عامر بن صمعاصہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسکینوں پر رحم و مردت اور رثت و رافت کے بسب ان کا لقب اُم المکین پڑ گیا تھا۔ یہ حضرت عبد اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ وہ جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے سکھیں ان سے شادی کر لی۔ مگر صرف آٹھ ماہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں رہ کر وفات پا گئیں۔

۷۔ اُم سلمہ ہندیت ابی امیرہ رضی اللہ عنہا، یہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ جمادی الآخرہ سکھہ میں حضرت ابو سلمہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے بعد شوال سنه میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

۸۔ زینب بنت جحش بن ریاب رضی اللہ عنہما، یہ قبیلہ بنو اسد بن خزیر سے تعلق رکھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی چھوپھی کی صاحزادی تھیں۔ ان کی شادی پہلے حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی تھی جنہیں رسول اللہ ﷺ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت زید سے نباهہ ہو سکا اور انہوں نے طلاق دیدی۔ خاتم النبیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو منصب کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی، فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرَا زَوْجُكُمْهَا (۲۳) جب نیز نے ان سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے انہیں آپ کی زوجیت میں دے دیا۔

انہیں کے تعلق سے سورہ احزاب کی مزید کئی آیات نازل ہوئیں جن میں مُتَبَّثٌ رکھے چاہکے

کے قصیبے کا دوٹوک فیصلہ کر دیا گیا — تفصیل آگے آ رہی ہے — حضرت زینبؑ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی ذی قعده شعبان میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

۸ - جو زیریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: ان کے والد قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو المصطلق کے سردار تھے۔ حضرت جو زیریہ بنو المصطلق کے قیدیوں میں لائی گئی تھیں اور حضرت ثابت بن قیس بن شمس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑی تھیں۔ انہوں نے حضرت جو زیریہ سے مکاتبہ کر لی یعنی ایک مقررہ رقم کے عوض آزاد کر دیئے کا معاملہ طے کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا فرمادی اور ان سے شادی کر لی۔ یہ شعبان شعبہ یا شعبہ کا واقعہ ہے۔

۹ - اُم جبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔ یہ عبد اللہ بن محبش کے عقد میں تھیں اور اس کے ساتھ ہجرت کر کے جہش بھی گئی تھیں لیکن عبد اللہ نے وہاں جانے کے بعد مرتد ہو کر عیسائی نہ ہب فتبول کر دیا۔ اور پھر وہیں انتقال کر گیا لیکن اُم جبیبہ اپنے دین اور اپنی ہجرت پر فائز رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے محرم شعبہ میں عزود بن اُبیہ ضمیری کو اپنا خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی کو یہ پیغام بھی دیا کہ اُم جبیبہ سے آپ کا نکاح کرو۔ اس نے اُم جبیبہ کی منظوری کے بعد ان سے آپ کا نکاح کر دیا اور شعبیل بن حسنؑ کے ساتھ انہیں آپؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔

۱۰ - حضرت صفیۃ بنت حُنی بن اخطب رضی اللہ عنہا: یہ بنی اسرائیل سے تھیں اور خیبر میں قید کی گئیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر شعبہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

۱۱ - حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: یہ ام الفضل بیاہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے ذی قعده شعبہ میں عمرہ قضاۓ سے فارغ ہونے — اور صحیح قول کے مطابق احرام سے علاں ہونے — کے بعد شادی کی۔

یہ گیارہ بیویاں ہر میں جو رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اور آپؐ کی صحبت و رفاقت میں رہیں۔ ان میں سے دو بیویاں یعنی حضرت خدیجہ اور حضرت زینبؓ اُم الساکین کی وفات آپؐ کی زندگی میں ہوتی اور تو بیویاں آپؐ کی وفات کے بعد حیات رہیں۔ ان کے علاوہ دو اور خواتین جو آپؐ کے پاس رخصت نہیں کی گئیں ان میں سے ایک قبیلہ یونکلاب سے تعلق

رکھتی تھیں اور ایک قبیلہ کندہ سے۔ یہی قبیلہ کندہ والی خاتون جو نبی کی نسبت میں معروف تھیں ان کا آپ سے عقد ہوا تھا یا نہیں اور ان کا نام و نسب کیا تھا اس بارے میں اہل سیر کے درمیان بڑے اختلافات ہیں جنکی تفصیل کی ہم کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

جہاں تک لوڈیوں کا معاملہ ہے تو مشہور یہ ہے کہ آپ نے دو لوڈیوں کو اپنے پاس رکھا: ایک ماریہ قبطیہ کو جنہیں موقوس فرمانروائے مصر نے بطور ہدایہ بھیجا تھا ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے جبچہن ہی میں ۲۸ ربیعہ شوال ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۷ جنوری ۲۰۰۷ء کو مدینہ کے اندر انتقال کر گئے۔

دوسری لوڈی ریحانہ بنت زید تھیں جو یہود کے قبیلہ بنی نضیر یا بنی قُریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بنو قربنطہ کے قیدیوں میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے یہے منتخب فرمایا تھا اور وہ آپ کی لوڈی تھیں۔ ان کے بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ انہیں بنی قُریظہ نے بحیثیت لوڈی نہیں رکھا تھا بلکہ آزاد کر کے شادی کر لی تھی لیکن این قیم کی نظر میں پہلا قول راجح ہے۔ ابو عبیدہ نے ان دو لوڈیوں کے علاوہ مزید دو لوڈیوں کا ذکر کیا ہے جس میں سے ایک کا نام جمیلہ بتایا جاتا ہے جو کسی بچک میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور دوسری کوئی اور لوڈی تھیں جنہیں حضرت زینب بنت جحش نے آپ کو ہبہ کیا تھا۔

یہاں ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ایک پہلو پر ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی جوانی کے نہایت پر قوت اور عمدہ ایام یعنی تقریباً تیس برس صرف ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہوئے گزار دیئے اور وہ بھی ایسی بیوی پر جو تقریباً بڑھیا تھی یعنی پہلے حضرت فاطمہ پر اور پھر حضرت سودہ پر۔ تو کیا یہ تصور کسی بھی درجے میں معقول ہو سکتا ہے کہ اس طرح اتنا عرصہ گذار دینے کے بعد جب آپ بڑھاپے کی دلیلز پر پہنچ گئے تو آپ کے اندر یہ کایک جنسی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ آپ کو پے در پے نوشادیاں کرنی پڑیں۔ جی نہیں! آپ کی زندگی کے ان دونوں حصوں پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی ہوشمند آدمی اس تصور کو معقول تسلیم نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اتنی بہت ساری شادیاں کچھ دوسرے ہی اغراض مقاصد کے تحت کی تھیں جو عام شادیوں کے مقررہ مقصد سے بہت ہی زیادہ عظیم القدر اور جلیل المرتب تھے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ اور حضرت خصہ رضی اللہ عنہما سے شادی کے حضرت ابو بکر دعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رشتہ مصاہرات قائم کیا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پے درپے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم کی شادی کے اور حضرت علیؓ سے اپنی لخت جگہ حضرت فاطمہ کی شادی کر کے جو رشتہ ہائے مصاہرات قائم کیے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ان چاروں بندگوں سے اپنے تعلقات نہایت پختہ کر لیں کیونکہ یہ چاروں بزرگ پیغمبر اور تین مراحل میں اسلام کے لیے فدا کاری و جان سپاری کا جو امتیازی و صفت رکھتے تھے وہ معروف ہے۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ رشتہ مصاہرات کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کے زدیک دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا ایک اہم باب تھا اور داماد سے جنگ لڑنا اور محاذ آرائی کرنا بڑے شرم اور عار کی بات تھی۔ اس دستور کو سمنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے چند شادیاں اس مقصد سے کیں کہ مختلف افراد اور قبائل کی اسلام و تمدنی کا زور توڑ دیں اور ان کے بعض و نفرت کی چینگاری۔ بجہادیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما قبیلہ بنی محزوم سے تعلق رکھتی تھیں جو ابو جہل اور خالد بن ولید کا قبیلہ تھا۔ جب نبی ﷺ نے ان سے شادی کر لی تو خالد بن ولید میں وہ سختی نہ رہی جس کا مظاہرہ وہ احمد میں کرچکے تھے، بلکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی مرضی خوشی اور خواہش سے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح جب آپ نے ابوسفیان کی صلیبزادی حضرت ام جیبہ سے شادی کر لی تو پھر ابوسفیان آپ کے مذہبی مقابل نہ آیا اور جب حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ آپ کی زوجیت میں آگئیں تو قبیلہ بنی نضیر نے محاذ آرائی چھوڑ دی۔ حضور کے عقد میں ان دونوں بیویوں کے آنے کے بعد تاریخ میں ان کے قبیلوں کی کسی شورش اور جنگی تگ و دو کا سارغ نہیں ملتا، بلکہ حضرت جویریہ تو اپنی قوم کیلئے ساری عوتوں سے زیادہ بارکت ثابت ہوتیں، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی تو حمایہ کامن نے ان کے ایک سو گھر انوں کو جو قید میں تھے آزاد کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سُسرالی ہیں۔ ان کے دلوں پر اس احسان کا جو زبردست اثر ہوا ہو گا وہ ظاہر ہے۔

ان سب سے بڑی اور عظیم بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غیر منصب قوم کو تربیت دیتے، اس کا تذکرہ نفس کرنے اور تہذیب و تمدن سکھانے پر مامور تھے جو تہذیب و ثقافت

سے، تمدن کے لوازمات کی پابندی سے اور معاشرے کی تشكیل و تعمیر میں حصہ لینے کی ذرائع سے بالکل نا آشنا تھی، اور اسلامی معاشرے کی تشكیل جن اصولوں کی بنیاد پر کرنی تھی ان میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہ تھی لہذا عدم اختلاط کے اس اصول کی پابندی کرتے ہیں عورتوں کی براہ راست تربیت نہیں کی جاسکتی تھی حالانکہ ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت مردوں سے کچھ کم اہم اور ضروری نہ تھی، بلکہ کچھ زیادہ ہی ضروری تھی۔

اس لیے نبی ﷺ کے پاس صرف یہی ایک سیل رہ گئی تھی کہ آپ مختلف عمر اور لیاقت کی آئندی عورتوں کو منتخب فرمائیں جو اس مقصد کے لیے کافی ہوں۔ پھر آپ انہیں تعلیم و تربیت دیں، ان کا تزکیہ نفس فرمادیں، انہیں احکام شریعت سکھادیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے اس طرح آزادت کر دیں کہ وہ دینی اور شہری، پڑھی اور جوان ہر طرح کی عورتوں کی تربیت کر سکیں اور انہیں مسائل شریعت سکھا سکیں اور اس طرح عورتوں میں تبلیغ کی مہم کے لیے کافی ہو سکیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے خالگی حالات کو امت تک پہنچانے کا سہرا زیادہ تر ان امہات المونین ہی کے سرپریز ان میں بھی بالخصوص وہ امہات المونین جنہوں نے طویل عمر پائی۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے افعال و اقوال خوب خوب روایت کئے ہیں۔

نبی ﷺ کا ایک نکاح ایک ایسی جاہلی رسم توڑنے کے لیے بھی عمل میں آیا تھا جو عرب معاشرہ میں پُشتہا پُشت سے چلی آرہی تھی اور بڑی پختہ ہو چکی تھی۔ یہ رسم تھی کسی کو متبینی بنتلنے کی۔ متبینی کو جاہلی دور میں وہی حقوق اور حرمتیں حاصل تھیں جو حقیقی بیٹے کو ہوا کرتی ہیں۔ پھر یہ دستور اور اصول عرب معاشرے میں اس قدر بڑا پکڑ چکا تھا کہ اس کا مثنا آسان نہ تھا لیکن یہ اصول ان بنیادوں اور اصولوں سے نہایت سختی کے ساتھ مکمل تھا جنہیں اسلام نے نکاح، طلاق، میراث اور دوسرے معاملات میں معتبر فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ جاہلیت کا یہ اصول اپنے دامن میں بہت سے ایسے مقاصد اور فواحش بھی لیے ہوئے تھا جن سے معاشرے کو پاک کرنا اسلام کے اولین مقاصد میں سے تھا۔ لہذا اس جاہلی اصول کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت زینب بنت جحش سے فرمادی جو حضرت

زینب پہلے حضرت زید کے عقد میں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے متبعتی (منہ بولے بیٹے) تھے مگر دونوں میں نباہ مشکل ہو گیا اور حضرت زید نے طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام کفار رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاڑ آ را تھے اور جنگِ خندق کے لیے جمع ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متبعتی بنانے کی رسم کے خاتمے کے اثرات مل چکے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بجا طور پر یہ اندر پیدا ہوا کہ اگر ان ہی حالات میں حضرت زید نے طلاق دیدی اور پھر آپ کو حضرت زینب سے شادی کرنی پڑی تو منافقین، مشرکین اور یہودیات کا بتنگردن کر کر آپ کے خلاف سخت پریگنڈہ کریں گے اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے وہ سوں میں مبتلا کر کے ان پر پرے اثرات ڈالیں گے اس لیے آپ کی کوشش تھی کہ حضرت زید طلاق نہ دیں تاکہ اس کی سرے سے نوبت ہی نہ آئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے آپ کو (محبت آمیز) تنبیہ کی چنانچہ ارشاد ہوا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكَ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

وَأَنْتَقِ اللهَ وَتُخْفِي فِي تَقْسِيكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشِي النَّاسَ وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشِيَهُ  
(۳۴: ۳۳)

«او جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے انعام کیا ہے لیکن حضرت زینب سے کہ تم اپنے اور اپنی بیوی کو روک رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اور آپ اپنے نفس میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرتے والا تھا؛ اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ مستحق تھا کہ آپ اس سے ڈرتے»

بالآخر حضرت زینب نے حضرت زینب کو طلاق دے ہی دی۔ پھر ان کی عدت گزر گئی تو ان سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کا فیصلہ نازل ہوا اللہ نے آپ پر یہ نکاح لازم کر دیا تھا اور کوئی اختیار اور گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ اس سلسلے میں نازل ہونے والی آیت کریمہ یہ ہے۔

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرَا زَوْجُنَكُهَا لَكِنَّ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

حَرَجٌ فِي أَزْوَاجٍ أَدْعِيَاهُمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرَا<sup>۳۴: ۳۳</sup>

«جب زینب نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے اس کی شادی آپ سے کر دی تاکہ مونین پر اپنے مت بولے میوں کی بیویوں پر کوئی حرج نہ رہ جائے جبکہ وہ متہ بولے بیٹے ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں۔»

اس کا مقصد یہ تھا کہ منہ بولے بیٹوں سے متعلق جاہلی اصول عملًا بھی توڑ دیا جائے، جس طرح  
اس سے پہلے اس ارشاد کے ذریعہ قولًا توڑا جا چکا تھا:

**أَدْعُوهُمْ لِابْنَيْهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۝ (۵۰:۲۳)**

«انہیں ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے»

**مَا كَانَ مُحَمَّدًا أَبَا أَحَدٍ مِنْ رَجَالِكُمْ وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ ۝ (۳۰:۳۳)**

«محمد، تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول اور فاتح النبیین ہیں»

اس موقع پر اس بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جب معاشرے میں کوئی رواج اچھی طرح جڑ پکڑ لیتا ہے تو محض بات کے ذریعے اسے مانا یا اس میں تبدیلی لانا بہتر اوقات ممکن نہیں ہوا کرتا؟

بلکہ جو شخص اس کے خلائق یا تبدیلی کا داعی ہو اس کا عملی نمونہ موجود رہنا بھی ضروری ہو جاتا ہے صلح  
حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے جس حرکت کا ظہور ہوا اس سے اس حقیقت کی بخوبی

وضاحت ہوتی ہے۔ اس موقع پر کہاں تو مسلمانوں کی فدا کاری کا یہ عالم تھا کہ جب عُرُوف بن سعود  
ثقفی نے انہیں دیکھا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا تھوک اور کھنکار بھی ان میں سے کسی نہ کسی صحابی

کے ہاتھ میں پڑ رہا ہے، اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرام آپ کے وضو سے گرنے  
والا پانی یعنی کیسے اس طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپ میں الجھوڑپیں گے

بھی ماں ایہ دہی صحابہ کرام تھے جو دخت کے نیچے موت یا عدم فرار پر بیعت کرنے کیلئے ایک دوسرے سے  
سبقت لے جا رہے تھے اور یہ دہی صحابہ کرام تھے جن میں ابو بکر و عمر غبیبے جاں نثاران رسول بھی تھے لیکن

انہی صحابہ کرام کو — جو آپ پر مرستا اپنی انتہائی سعادت و کامیابی سمجھتے تھے —

جب آپ نے صلح کا معاملہ طے کر لیئے کہ بعد حکم دیا کہ انٹوکر اپنی بندی (قریانی کے جانور) ذبح  
کر دیں تو آپ کے حکم کی بجا آؤ دری کے لیے کوئی ٹس سے مس نہ ہوا یہاں تک کہ آپ قلق در

اضطراب سے دوچار ہو گئے۔ لیکن جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ  
انٹوکر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیں، اور آپ نے ایسا ہی کیا تو ہر شخص آپ کے طرز عمل کی

پیر دی کے لیے دوڑ پڑا اور تمام صحابہ نے لپک لپک کر اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ اس واقعہ  
سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی پچھتہ رواج کو مٹانے کے لیے قول اور عمل کے اثرات میں کتنا زیادہ

فرق ہے۔ اس لیے مُتبشی کا جاہلی اصول عملی طور پر توڑنے کے لیے آپ کا نکاح آپ کے منہ بولے

بیٹھے حضرت زید کی مظلومت سے کرا بگیا۔

اس نکاح کا عمل میں آنا تھا کہ منافقین نے آپ کے خلاف نہایت وسیع پیمانے پر جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اور طرح طرح کے وسوے اور افواہیں چھیلائیں جس کے پھر نہ کچھ اثرات سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑے۔ اس پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک شرعی پہلو بھی منافقین کے ہاتھ آگیا تھا کہ حضرت زینبؓ آپ کی پانچویں بیوی تھیں جبکہ مسلمان یہیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی حلت جانتے ہی نہ تھے۔ ان سب کے علاوہ پروپیگنڈہ کی اصل جان یہ تھی کہ حضرت زید، رسول اللہ ﷺ کے بیٹے سمجھے جاتے تھے اور بیٹے کی بیوی سے شادی بڑی فمش کاری خیال کی جاتی تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں اس اہم موضوع سے متعلق کافی و شافی آیات نازل کیں اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہایت بلند پایا اور مخصوص مقاصد کے تحت اپنے رسول ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ شادی کی تعداد کے سلسلے میں اتنی وسعت دی ہے جو کسی اور کو نہیں دی گئی ہے۔

امہاتُ المؤمنین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رائش نہایت شریفانہ، باعزّت، بلند پایا اور عمدہ انداز کی تھی۔ ازواج مطہرات بھی، شرف، قناعت، صبر، تواضع، خدمت اور ازاد و اجی حقوق کی نگہداشت کا مرتع تھیں۔ حالانکہ آپ بڑی روکھی بھیکی اور سخت زندگی لذار رہے تھے جسے برداشت کر لینا دوسروں کے بس کی بات نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بیدے کی زرم روٹی کھائی ہو یہاں تک کہ اللہ سے جاٹے اور نہ آپ نے اپنی آنکھ سے کبھی بھٹکی ہوئی بکری دیکھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ دو دو ماہ گذر جاتے ہیں سے ہمیں کا چاند نظر آ جاتا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آگ نہ جلتی۔ حضرت عروہ نے دریافت کیا کہ تب آپ وگ کیا کھاتی تھیں۔ فرمایا کہ بس دو کالی چیزیں۔ یعنی کھجور اور پانی۔ یہ مضمون کی احادیث بکثرت ہیں۔

اس تنگی و ترشی کے باوجود ازواج مطہرات سے کوئی لائق عتاب حرکت صادر نہ ہوئی۔ صرف ایک دفعہ ایسا ہوا اور وہ بھی اس لیے کہ ایک تو اسی فطرت کا تقاضا ہی کچھ ایسا ہے کہ

اسی بنیاد پر کچھ احکامات مشرع کرنے تھے — چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر آیت تحذیفیں  
فرمائی جو یہ ہتھی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَا زُوْجَكَ إِنْ كُنْتَ تُرِدُّنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَى إِنَّ أُمَّتِّعْكُنَّ وَ أُسْرِحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَ إِنْ كُنْتَ تُرِدُّنَ اللَّهُ فَرَسُولُهُ وَالَّذَّارُ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعْدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (۲۹/۲۸:۳۴)

”اے۔ نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں ساز و سان  
سے کہ بھلانی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخترت کو چاہتی ہو تو  
بے شک اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لیے زبردست اجر تیار کر رکھا ہے“

اب ان ازواج مطہرات کے شرف اور عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ان سب نے اللہ اور اس  
کے رسول کو ترجیح دی اور ان میں سے کوئی ایک بھی دنیا کی طرف مانگ نہ ہوئیں۔

اسی طرح سوکنوں کے درمیان جو واقعات روزمرہ کا معمول ہوا کرتے ہیں، ازواج مطہرات  
کے درمیان کثرت تعداد کے باوجود اس طرح کے واقعات شاذ و نادر ہی پیش آتے اور وہ بھی بتعاقباً  
بشریت، اور اس پر بھی جب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تو دوبارہ اس طرح کی کسی حرکت کا ظہور نہیں ہوا۔  
سورہ تحريم کی ابتدائی پانچ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

آخر میں یہ عرض کہ درمیان بھی بیجا نہ ہو گا کہ ہم اس موقع پر تعددِ ازواج کے موضوع پر بحث  
کی ضرورت نہیں سمجھتے، کیونکہ جو لوگ اس موضوع پر سب سے زیادہ لے دے کرتے ہیں یعنی  
باشندگان یورپ وہ خود جس طرح کی زندگی گذاری ہے ہیں؛ جس تلخی و بدیخی کا جام فوش کر رہے ہیں  
جس طرح کی رسائیوں اور جرائم میں لست پرت ہیں اور تعددِ ازواج کے اصول سے مخالف ہو کر  
جس قسم کے رنج والم اور مصائب کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہر طرح کی بحث وجدل سے مستغنى  
کر فیسے کے لیے کافی ہے۔ اہل یورپ کی بدیخنانہ زندگی تعددِ ازواج کے اصول کے مبنی برحق  
ہونے کی سب سے سچی گواہ ہے اور اصحابِ نظر کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔



## اخلاق و اوصاف

نبی کریم ﷺ ایسے جمال خلق اور کمال خلق میں مُتصف تھے جو حیثہ بیان سے باہر ہے۔ اس جمال و کمال کا اثر یہ تھا کہ دب آپ کی تعظیم اور قدر و منزلت کے جذبات سے خود بخود لیبریز ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی خناخت اور اجلال و تکریم میں لوگوں نے ایسی ایسی فداکاری و جان شاری کا ثبوت دیا جس کی نظر دریا کی کسی اور شخصیت کے سلسلے میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ کے رفقاء اور ہم نہیں وارثگی کی حد تک آپ سے محبت کرتے تھے۔ انہیں گوارانہ تھا کہ آپ کو خراش تک آجائے خواہ اس کے لیے ان کی گرد نہیں ہی کیوں نہ کاٹ دی جائیں۔ اس طرح کی محبت کی وجہ یہی تھی کہ عادۃ جن کمالات پر جان چھڑ کی جاتی ہے ان کمالات سے جس قدر حصہ وافر آپ کو عطا ہوا تھا کسی اور انسان کو نہ ملا۔ ذیل میں ہم عاجزی دبے مائیگی کے اعتراض کے ساتھ ان روایات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جن کا تعلق آپ کے جمال و کمال سے ہے۔

**بُحْرَتْ كَمَّةُ** **بُحْرَتْ كَمَّةُ** سے بُحْرَتْ کے وقت رسول اللہ ﷺ اُمّ مُعَبد خُدُّوْعِ اعیّہ کے خیمے سے گزرے تو **حَلِیَّہٖ مُبَارَکٌ** اس نے آپ کی روانگی کے بعد اپنے شوہر سے آپ کے حلیہ مبارک کا جونقہ کھینچا وہ یہ تھا: چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ تو نہ پن کا عیب نہ گنجئے پن کی خامی، جمال جہاں تا ب کے ساتھ ڈھلا ہوا پکیر، سرگیں آنکھیں لمبی لمبی پلکیں، بخاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہجئے ابر و چمکدار کالے بال خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پرکشش، دور سے دیکھنے میں) سب سے تابناک و پُر جمال، قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دلٹوک، نہ مختصرہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑکی سے موتی چھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ تاکہ نگاہ میں نہ پچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے، رفقاء آپ کے گرد حلقوں بناتے ہوئے کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو پک کر بجالاتے ہیں۔ مطاع و مکرم، نہ ترش رو، نہ لغو گو یعنی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کا وصفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "آپ نہ لبے تذنگے تھے نہ نالے کھوٹے، لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے۔ بال نہ زیادہ گھنگری لے تھے نہ باخل کھڑے کھڑے بلکہ دونوں کے بینجی بینچ کی کیفیت تھی۔ رخسار نہ بہت زیادہ پُر گوشت تھا، نہ ٹھوڑی چھوٹی اور پیشائی پست، چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ گوارا گلابی، آنکھیں سُرخی مائل، پلکیں لمبی، جوڑوں اور مونڈھوں کی ٹہیاں بڑی بڑی، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر، بقیہ جسم بال سے خالی، ما تھا اور پاؤں کی آنکھیاں پُر گوشت چلتے تو قدرے جھنکے سے پاؤں اٹھاتے اور یوں چلتے گویا کسی ڈھلوان پر چل لہتے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ سارے ایندیا کے خاتم تھے، سب سے زیادہ سخنی دیت اور سب سے بڑھ کر جرأت مند سب سے زیادہ صادق اللہ یہ اور سب سے بڑھ کر ہند پیمان کے پایندہ وقارہ سب نے زیادہ زرم طبیعت اور سب سے شریعت ساتھی ہجو آپ کو اچانک دیکھتا ہی بتا ہو جاتا۔ جو جان پہچان کے ساتھ ملتا محبوب رکھتا۔ آپ کا وصفت بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا نہیں دیکھا۔<sup>۱۷</sup>

حضرت علیؑ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سر بڑا تھا، جوڑوں کی ٹہیاں بھاری بھاری تھیں، سینے پر بالوں کی لمبی لکیر تھی۔ جب آپ چلتے تو قدرے جھک کر چلتے گویا کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ آپ کا دہانہ کشادہ تھا، آنکھیں لمبی سُرخی لیے ہوئے اور ایڑیاں باریکی تھیں۔ حضرت ابو الفضلؓ کہتے ہیں کہ آپ گوئے رنگ پُر ملاحت چہرے اور درمیانہ قد و فامت کے تھے۔ حضرت انس بن مالک کا ارشاد ہے کہ آپ کی تہیلیاں کشادہ تھیں، اور رنگ چکدار، نہ خالص سفید نہ گندم گوں، وفات کے وقت تک سر اور چہرے کے میں بال بھی سفید نہ ہوئے تھے۔ صرف کپسٹ کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی اور چند بال سر کے سفید تھے۔<sup>۱۸</sup>

حضرت ابو حیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے ہونٹ کے نیچے عنقۃ (داڑھی بچہ) میں سفیدی دیکھی۔<sup>۱۹</sup>  
حضرت عبد اللہ بن بسر کا بیان ہے کہ آپ کے عنقۃ (داڑھی بچہ) میں چند بال سفید تھے۔<sup>۲۰</sup>

۱۷۔ ابن ہشام ۱/۰۳، ۰۴، ترمذی صحیح شرح تحفۃ الاحوزی ۳/۰۳ ۳۰۰ تھے ایضاً ترمذی مع شرح  
گھے صحیح مسلم ۲۵۰/۲ ۲۵۰ تھے ایضاً ایضاً<sup>۲۱</sup> تھے صحیح بخاری ۱/۵۰۲  
۱۸۔ ایضاً ایضاً صحیح مسلم ۲۵۹/۲ ۲۵۹ تھے صحیح بخاری ۱/۵۰۲، ۵۰۳ ۵۰۲ تھے ایضاً ایضاً<sup>۲۲</sup>

حضرت گزار کا بیان ہے کہ آپ کا پیکر درمیانی تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی۔  
بال دونوں کانوں کی لوٹک پہنچتے تھے۔ میں نے آپ کو سُرخ جوڑا زیب تن کئے ہوتے دیکھا۔  
کبھی کوئی چیز آپ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھی تاہے  
پہلے آپ اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، اس لیے بال میں لگھی کرتے تو ماہگ  
نہ نکالتے، لیکن بعد میں ماہگ نکالا کرتے تھے یا

حضرت بارگھتے ہیں : آپ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپ کے اخلاق سب سے بہتر تھے یہاں سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تواریخ میں تھا، انہوں نے کہا ”ہمیں یہ کہاں چاند جیسا تھا۔“ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا چہرہ گول تھا یہاں  
رہیجیت مُعْوَذ کہتی ہیں کہ اگر تم حضور کو دیکھتے تو لگتا کہ تم نے طلوعِ سورج کو دیکھا ہے۔  
حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ کو دیکھا، آپ پر سُنْح جوڑا تھا میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا، اور چاند کو دیکھتا۔ آخر (اس نتیجہ پر پہنچا کہ) آپ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں یہ  
حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ لگتا تھا سورج آپ کے چہرے میں دواں دواں ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو تیز رفتار نہیں دیکھا۔ لگتا تھا میں آپ کے لیے پیٹی جا رہی ہے۔ ہم تو اپنے آپ کو تھکا مارتے تھے اور آپ بالکل بے فکر تھے  
حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ جب آپ خوش ہوتے تو چہرہ دمک لختا، گو را چاند کا ایک ملکرا ہے۔  
ایک بار آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف فرماتھے۔ پسند آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک لٹھیں۔ یہ کیفیت دیکھو کہ حضرت عائشہؓ نے ابو بکر بن نذری کا یہ شعر پڑھا :  
وَاذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسْرَةٍ وَجْهَهُمْ بِرْقَ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ  
”جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو۔“  
اوکر رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھو کر یہ شعر پڑھتے :

١٨- صحيح بخاري ١/٥٠٢  
 ١٩- رحمة للعالمين ٢/١٤٢  
 ٢٠- صحيح ترمذى مع شرح تحفة الاشودى ٣/٣٠٧ مشكورة ٢/٥١٨  
 ٢١- منند دارمى -مشكورة ٢/١٥٥  
 ٢٢- ترمذى في الشمائى صدر دارمى ،مشكورة ٢/١٥٥  
 ٢٣- صحيح مسلم ٢/٢٥٨  
 ٢٤- صحيح بخارى ١/٥٠٣  
 ٢٥- صحيح مسلم ٢/٥٠٣

أَمِينٌ مُصْطَفَى بِالْخَيْرِ يَدْعُو كَضْوَهُ الْبَدْرُ زَايِلَهُ الظُّلَامُ  
”آپ این بیرون، پنیہ و برگزیدہ ہیں، نیز کی دعوت دیتے ہیں، گرمیاں کامل کی روشنی ہیں جس سے  
تا ریحی آنحضرت پھول میل رہی ہے۔“

حضرت عرضی اللہ عنہ رہبیر کا یہ شعر پڑھتے جو ہرم بن شان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ:  
لو كنْتْ مِنْ شَيْءٍ سَوْيِ الْبَشَرِ كَنْتَ الْمُضْئَ لِلَّيْلَةِ الْبَدْرِ  
”اگر آپ بشر کے سوا کسی اور چیز سے ہوتے تو آپ ہی چودھویں کی رات کو روشن کرتے  
پھر فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی تھے۔“

جب آپ غصبناک ہوتے تو چہرہ سرخ ہو جاتا گیا دونوں خساروں میں دانہ انار پھوڑ دیا گیا ہے۔  
حضرت چابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ آپ کی پنڈیاں قدرے پتلی تھیں اور آپ ہنسنے تو صرف تسم فرماتے  
آنکھیں مریکھ تھیں، تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ نے آنکھوں میں سرمه لگا رکھا ہے حالانکہ سرمه نہ لگا ہوتا۔ اللہ  
حضرت ابین عباسؓ کا ارشاد ہے کہ آپ کے آگے کے دونوں دانت اگ اگ تھے۔

جب آپ گفتگو فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور جیسا انکلستاد کھانی دیتا۔ اللہ  
گردن گویا چاندی کی صفائی لیتے ہوئے گردیا کی گردن تھی۔ پلکیں طویل، داڑھی گھنی، پیشانی  
کشادہ، ایر و ہوستہ اور ایک دسرے سے الگ، ناک اونچی، خسار ہلکے، لپرے سے ناف تک پھوڑی کی طرح دوڑا  
ہوا بال، اور اس کے سوا شکم اور سینے پر کہیں بال نہیں۔ البستہ بازو اور مونڈھوں پر بال تھے۔ شکم  
اور سینہ برابر، سینہ مسطح اور کشادہ، کھلائیاں بڑی بڑی ہتھیلیاں کشادہ، قد کھڑا، تنوسے خالی، اعضا  
بُٹے بُٹے جب چلتے تو جملکے کے ساتھ چلتے، قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے ہڑھتے اور سل رفتار سے چلتے۔ اللہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی حری و دیبا نہیں چھوڑا جو رسول اللہ ﷺ کی تھیلی سے  
زیادہ زم ہو۔ اور نہ کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوبصورتی ہو جو رسول اللہ ﷺ کی خوبی سے بہتر ہو۔

حضرت ابو حیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برف

سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوبصوردار تھا۔ اللہ

حضرت چابر بن سمرہ جو بچے تھے۔ کہتے ہیں: ”آپ نے میرے خسار پر ہاتھ پھرایا تو میں

۱۹۔ خلاصۃ السیر ص ۳۲۔ ۲۰۔ ایضاً خلاصۃ السیر ص ۳۲۔

۲۱۔ شکوۃ ۱/۲۲، ترمذی: ابواب القدر، باب ما چادر فی التشدید فی الخوض فی القدر ۲/۲۵

۲۲۔ جامیح ترمذی من شرح تحقیق الحوزی ۳/۳۰۶۔ ۲۳۔ ترمذی شکوۃ ۲/۲۵۸

۲۴۔ خلاصۃ السیر ص ۱۹۔ ۲۵۔ صحیح بخاری ۱/۳۰۵۔ صحیح مسلم ۲/۲۵۵۔ ۲۶۔ صحیح بخاری ۱/۱۵۰

آپ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور ایسی خوشبو محسوس کی گویا آپ نے اسے عطار کے عطر دان سے نکالا ہے۔  
حضرت ان شرکاء کا بیان ہے کہ آپ کا پسینہ گویا صحتی ہوتا تھا، اور حضرت اُم سلیمانہ کہتی ہیں  
کہ یہ پسینہ ہی سب سے عمدہ خوشبو ہوا کرتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی اور  
گزرتا تو آپ کے جسم یا پسینہ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ آپ یا ان سے تشریف لے گئے ہیں۔  
آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہر بوت تھی جو کبوتر کے انڈے ہی اور حجم مبارک ہی کے  
شابہ تھی۔ یہ بائیں کندھے کی کری (زم ہڈی) کے پاس تھی۔ اس پرسوں کی طرح تلوں کا جگہ تھا۔

## کمال نفس اور مکار مِ اخلاق

نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپ طبیعت کی روائی، لفظ کے نکھار، فقروں کی جذالت  
معافی کی صحت اور متكلف سے دوری کے ساتھ ساتھ جو اجمع المکلم (جامع باتوں) سے نوانے  
گئے تھے۔ آپ کو نادیکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا، چنانچہ آپ ہر قبیلے سے  
اسی کی زبان اور محاوروں میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ میں بدولیوں کا زور بیان اور قوتِ تنحاطب  
اور شہریوں کی ششگانی الفاظ اور شفتگانی و شاستگانی جمع تھی اور وحی پر بنی تائید ربیانی الگ سے۔

بُرُّ دباری، قوتِ برداشت، قدرت پاک در گذر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے  
جسکے ذریعہ اللہ نے آپ کی تربیت کی تھی۔ ہر چیز و بُرُّ دباری کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے ہتھیاری  
جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بُرُّ دباری کردار کا عالم یہ تھا کہ آپ کے خلاف دشمنوں کی ایزارسازی  
اور بد معاشوں کی خود سری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گی۔  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار  
دیا جاتا تو آپ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا  
کام ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہتے۔ آپ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام لیتے۔  
ایبتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

آپ سب سے بڑھ کر غیر نظر غصب سے دور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔

جُود و کرم کا صفت ایسا تھا کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اس شخص کی طرح بخشش و نوازش فرماتے تھے جسے فقر کا اندریشہ ہی نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکر جُود و سخا تھے، اور آپ کا دریافت سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبریل آپ سے ملاقات فرماتے اور حضرت جبریل رمضان میں آپ سے ہرات ملاقات فرماتے اور قرآن کا دور کرتے۔ پس رسول اللہ ﷺ خیر کی سخاوت میں رخوان رحمت سے مالا مال کر کے بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے تھے۔ حضرت جابر کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ سے کوئی چیز مانگ لگنی ہو اور آپ نے نہیں کہہ دیا ہو۔<sup>۱</sup>

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل موقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپ اپنی جگہ برقرار رہے اور پچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پاسے شبات میں ذرا غریش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پا ہوتے ہیں مگر آپ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جب زور کا زان پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک لات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا لوگ شور کی طرف دوڑتے تو لاستے میں رسول اللہ ﷺ والپس آتے ہوتے ہیں۔ آپ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ کر خطرے کے مقام کا جائزہ لے) پکے تھے۔ اس وقت آپ ابو طلحہؓ کے لغیر زین کے گھوٹے پر سوار تھے۔ گرد میں تلوار حمل کر کھی تھی اور فرماتے تھے ڈونیں، ڈونیں (کوئی خطرہ نہیں) آپ سب سے زیادہ حیادار اور پست نگاہ تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ پر دہشتین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپ کو کوئی بات ناگوار گزرنی تو چہرے سے پنا لگ جاتا۔ یہ تم پنی نظری کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہنیت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً پچھی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرم نفس کا عالم یہ تھا کہ کسی سے ناگوار بات رو در رو نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپ تک پہنچتی تو نام لیکر اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسا کہ رہے ہیں۔ فرزدق کے اس شعر کے

۱۔ ۵۰۲/۱ ایضاً ۳۔ ۳۔ ایضاً ایضاً  
۲۔ شفاء، قاصی عیاض، ۱/۹۰ صاحح و سنن میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔  
۳۔ صحیح سلم ۲/۲۵۲۔ صحیح بخاری ۱/۲۰۰۔ ۴۔ صحیح بخاری ۱/۳۰۰۔

سب سے زیادہ صحیح مصدق آپ تھے :

یغضی حیاء و یغضی من مهابتہ فلایکلو الاحین یبتسد  
آپ حیاد کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہمیت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی ہیں،  
چنانچہ آپ سے اسی وقت گھنٹوں کی جاتی ہے جب آپ بسم فرار ہے ہوں۔

آپ سب سے زیادہ عادل، پاک، دامن، صادق اللہجہ اور عظیم الامان تھے۔ اس کا اعتراف  
آپ کے دوست دشمن سب کو ہے۔ بتوت سے پہلے آپ کو ایں کہا جاتا تھا اور دور جاہلیت  
میں آپ کے پاس فیصلے کے لیے مقدمات لاتے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت علیؓ سے مروی  
ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ سے کہا: ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے البتہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں اسے  
جھٹلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

**فَإِنَّهُمْ لَا يَكُنُّ بُونَكَ وَلِكُنَّ الظَّلِيمِينَ بِاِيْتِ اللَّهِ يَعْجَدُونَ** (۳۲، ۶)

”یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکھار کرتے ہیں۔“

ہر قل تے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا اس (نبی ﷺ) نے جو بات کہی ہے اس کے  
کہنے سے پہلے تم لوگ اُن پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ”نہیں“؛  
آپ سب سے زیادہ متواضع اور سمجھتے سے دور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے  
خداوم و حاشیہ بردار کھڑے رہتے ہیں اس طرح اپنے لیے آپ صحابہ کرام کو کھڑے ہونے سے  
منع فرماتے تھے۔ میکنؤ کی عیادت کرتے تھے، فقراء کے ساتھ اٹھتے یتھتے تھے، غلام کی دعوت  
منظور فرماتے تھے، صحابہ کرام میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح یتھتے تھے حضر عائشہؓ  
فرماتی ہیں کہ آپ اپنے جو تے خود ٹانکتے تھے، اپنے کپڑے خود دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام  
کرتے تھے جیسے قم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاچ کرتا ہے۔ آپ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے  
اپنے کپڑے خود ہی دیتھتے اک کہیں اس میں جوں نہ ہو، اپنی بجری خود دیتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔  
آپ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور صدر رحمی فرماتے تھے، لوگوں کے ساتھ سب سے  
زیادہ شفقت اور رحم و مروت سے پیش آتے تھے، رہائش اور ادب میں سب سے اچھے تھے۔ آپ  
کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بد خلقی سے سب سے زیادہ دور و نفور تھے۔ نہ عادتاً فرش گو تھے  
نہ پہلکفت فرش کہتے تھے، نہ لعنت کرتے تھے۔ نہ بازار میں چھینتے چلا تے تھے نہ بُراں کا پدر لبرانی  
سے دیتے تھے، بلکہ معافی اور درگذر سے کام لیتے تھے کیسی کو اپنے چیچپے چلنا ہوا نہ چھوڑتے تھے

اور نہ کھانے پینے میں اپنے غلاموں اور اونڈیوں پر ترقی اختیار فرماتے تھے۔ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو اف نہیں کہا۔ نہ اس پر کسی کام کے کرنے یا ذکر نے پر غتاب فرمایا۔ میکینوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے تیرنہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ایک بکری کاٹنے پکانے کا مشورہ ہوا۔ ایک نے کہا، "ذبح کرنا میرے ذمہ، دوسرے نے کہا کھال آتا نا میرے ذمہ، تیسرا نے کہا، "پکانا میرے ذمہ، نبی ﷺ نے فرمایا ایندھن کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمہ صحابہ نے عرض کیا اہم آپ کا کام کر دیں گے آپ نے فرمایا، "میں جانتا ہوں تم لوگ میرا کام کر دو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیونکہ اللہ اپنے بنے کی حرکت ناپسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رفقاء میں متاز سمجھے۔" اس کے بعد آپ نے اُنھوں کو لکڑیاں جمع فرمائیں۔

آئیے ذرا ہند بن ابی ہار کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سنیں۔ ہند اپنی ایک طویل روایت میں کہتے ہیں، "رسول اللہ ﷺ و ہم غموم سے دوچار تھے۔ ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ آپ کے لیے راحت نہ تھی۔ بلا ضرورت نہ بولتے تھے۔ دیر تک خاموش رہتے تھے۔ ازاں تا آغربات پورے منہ سے کرتے تھے، یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دلوں کلمات کہتے تھے جن میں نہ فضول گوئی ہوتی تھی نہ کوتاہی۔ زم خوتھے، جغا جو اور حقیسہ نہ تھے۔ نعمت معمولی بھی ہوتی تو اس کی تعظیم کرتے تھے۔ کسی چیز کی نعمت نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کی نہ بُرانی گرتے تھے نہ تعریف حق کو کوئی نقصان پہنچاتا توجہ تک انتقام نے لیتے آپ کے غصب کو رد کا نہ جا سکتا تھا۔ البتہ کشادہ دل تھے؛ اپنے نفس کے لیے نہ غصبناک ہوتے نہ انتقام لیتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پوری تھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت تھیلی پلٹتے۔ جب غصبناک ہوتے تو رُخ پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو بگھا پست فرماتے۔ آپ کی بیشتر منہی تبیم کی صورت میں تھی۔ مگر اتنے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔

لایعنی بات سے زبان روکے رکھتے۔ ساتھیوں کو جوڑتے تھے، توڑتے نہ تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اسی کو ان کا والی بنا تھے تھے۔ لوگوں (کے شر) سے محفوظ رہتے اور ان سے بچاؤ احتیار فرماتے تھے لیکن اس کے لیے کسی سے اپنی خندہ جبینی ختم نہ فرماتے تھے۔

اپنے اصحاب کی خبرگیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ اچھی چیز کی تحسین و تصویب فرماتے اور بڑی چیز کی تقصیح و توجیہ۔ مُعتدل تھے، افراط و تفریط سے دور تھے۔ غافل نہ ہوتے تھے کہ مبادا لوگ بھی غافل یا مول خاطر ہو جائیں۔ ہر حالت کیدیے مستعد رہتے تھے۔ حق سے کوتاہی نہ فرماتے تھے، نہ حق سے تجاوز فرمانہ حق کی طرف جاتے تھے۔ جو لوگ آپ کے قریب رہتے تھے وہ سیکے اچھے لوگ تھے اور ان میں بھی آپ کے نزدیک افضل وہ تھا جو سب سے بڑھ کر خیرخواہ ہو؛ اور سب سے زیادہ قدر آپ کے نزدیک اس کی حقی جو سب سے اچھا نگار و مددگار ہو۔

آپ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے۔ جگہیں متعدد نہ فرماتے۔۔۔ یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے۔۔۔ جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی فرماتے۔ سب اہل مجلس پر برابر توجہ فرماتے، حتیٰ کہ کوئی مجلسیہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آپ کے نزدیک اس سے زیادہ باعثت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ اتنے صبر کے ساتھ اس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خود ہی واپس ہوتا۔ کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ اسے عطا کئے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے۔ آپ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا، یہاں تک کہ آپ سب کے لیے باب کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ کی مجلس حلم و حیا، اور صبر و امانت کی مجلس بھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ حرمتوں پر عیب لگتے تھے۔۔۔ یعنی کسی کی بے آبروی کا اندرشہ نہ تھا۔۔۔ لوگ تقویٰ کی بذلت باہم محبت و ہمدردی رکھتے تھے۔۔۔ بڑے کا احترام کرتے تھے چھوٹے پر رحم کرتے تھے، حاجتمند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو انس عطا کرتے تھے۔۔۔

آپ کے چہرے پر عیشہ بشاشت رہتی سہل خوار نہم پہلو تھے جناب جو اور سخت خون نہ تھے۔۔۔ چیختے تھے، دفعش کہتے تھے نہ زیادہ عتاب فرماتے تھے نہ بہت تعریف کرتے تھے۔ جس چیز کی خواہ نہ ہوتی اس سے تغافل بستے تھے۔ آپ سے مایوسی نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے تین باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا، (۱) ریاستے (۲) کسی چیز کی کثرت سے (۳) اور لا یعنی بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو محفوظ رکھا یعنی آپ را کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے (۴) کسی کو عار نہیں دلاتے تھے (۵) اور کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ آپ وہی بات تو کب زبان پر لاتے تھے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ ملکم فرماتے تو آپ کے ہم نشین یوں سمجھ کاتے ہوتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جب آپ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے۔ لوگ آپ کے پاس گپ پازی نہ کرتے۔ آپ کے پاس جو کوئی بولتا سب اس کے لیے خاموش رہتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لینا۔ ان

کی بات وہی ہوتی جوان کا پہلا شخص کرتا۔ جس بات سے سب لوگ ہنستے اس سے آپ بھی ہنستے اور جس بات پر سب لوگ تجھ کرتے اس پر آپ بھی تجھ کرتے۔ اجنبی آدمی درشت کلام سے کام لیتا تو اس پر آپ صبر کرتے اور فرماتے ”جیب تم لوگ حاجتمند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت کی طلب میں ہے تو اسے سامان ضرورت سے نواز دو۔“ آپ احسان کا بدله دینے والے کے بوا کسی سے شناہ کے طالب نہ ہوتے بلکہ

خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے، بہت زیادہ خاموش رہتے۔ بلا ضرورت نہ بولتے جو شخص نامناسب بات بولتا اس سے رُخ بچیر لیتے۔ آپ کی ہنسی مسکراہٹ تھی اور کلام دو لوگ ہنفضلوں نہ کرنا۔ آپ کے صحابہ کی ہنسی بھی آپ کی توقیر و احترام میں مسکراہٹ ہی کی حد تک ہوتی۔<sup>لیکے</sup>

حاصل یہ کہ نبی ﷺ نے نظیر صفاتِ کمال سے آراستہ تھے۔ آپ کے رب تے آپ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتیٰ کہ اس نے خود آپ کی تعریف میں فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۲۰:۶۸) «یقیناً آپ عظیم اخلاق پر میں» اور یہ یعنی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کی طرف کھنچ آتے، دلوں میں آپ کی محبت بیٹھ گئی اور آپ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ لوگ آپ پر وارفة ہو گئے۔ ان ہی خوبیوں کے سبب آپ کی قوم کی اکڑ اور سختی زمی میں تبدیل ہوئی یہاں تک کہ یہ الشر کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئی۔ یاد رہے کہ ہم نے چھپے صفات میں آپ کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہ آپ کے کمال اور عظیم صفات کے منظاہر کی چند چھوٹی چھوٹی لکیوں ہیں۔ ورنہ آپ کے مجد و شرف اور شمال و خصال کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کی حقیقت اور تہ میں نہ سائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی تاپی جائیگی ہے۔ بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی اشناہ کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نیشن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح متور ہوا کہ کتابِ الہی ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا یعنی اع

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلَىٰ أَلِّيْلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِلَيْهِمْ وَعَلَىٰ أَلِّيْلِ إِلَيْهِمْ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّحَمَّدٌ طَّالِمٌ بَارِكْ عَلَىٰ أَلِّيْلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِلَيْهِمْ وَعَلَىٰ أَلِّيْلِ إِلَيْهِمْ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّحَمَّدٌ طَّالِمٌ

صفی الرحمن المبارک پوری

۱۹۔ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ / ۱۱ جون ۱۹۸۲ء

حسین آباد۔ مبارک پور  
طبع عظیم گرڈ (ایپی) ہند